وسیجنبھا الاتقی الایہ

عمدۃ التحقیق

جلد اول

در

افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

بجواب زبدۃ التحقیق



مُصنّف

استاذ العلماء قاضی محمد عظیم نقشبندی

ریٹائرڈ ضلع قاضی کوٹلی آزاد کشمیر

مجلس علماء اہلسنت

وادی بناہ کھوئی رٹہ آزاد کشمیر

وسیجنبها الاتقیٰ الایه

عمدۃ التحقیق

در

افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

بجواب زبدۃ التحقیق

مُصنّف

استاذ العلماء قاضی محمد عظیم نقشبندی

دنیا بڑو ضلع قاضی کوٹلی آزاد کشمیر

مجلس علماء اہلسنت وادی بناہ کھوئی رٹہ آزاد کشمیر

0344-5751600, 0355-8103999, 0301-5802417
0346-5286259, 0300-9536420, 0312-9537375

کتاب کا نام: عمدۃ التحقیق در افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بجواب زبدۃ التحقیق

مصنف: استاذ العلماء قاضی محمد عظیم نقشبندی

پروف ریڈنگ: مجلس علمائے اہلسنت کھوئی رٹہ

کمپوزنگ: صغیر احمد قادری، تیمور استخار

پرنٹنگ: صغیر احمد قادری : 0344-5751600

اشاعت: جمادی الثانی ۱۴۳۲ھ بمطابق مئی ۲۰۱۱ء

ملنے کے پتے

ذوقہ کریانہ مرچنٹ نزد لاری اڈہ کھوئیرٹہ: 03015802417

مرکزی جامع مسجد مسجد قادریہ حنفیہ ڈونگی

جامع مسجد عباس گھوڑا: 03465286259

خوشبوئے مدینہ مسجد کھجورلہ 03009536420

مکتبہ تحفظ عقائد اہلسنت مین بازار کھوئیرٹہ: 03445751600,

0312-9537375

نوٹ: اپنے قیمتی قلمی مسودہ کو کتابی شکل میں دیکھنے والے خواہش مند حضرات ہم سے رجوع فرمائیں: 03445751600,03465286259

فہرست

ضروری یادداشت

مولفہ سید عبدالقادر شاہ زبدۃ التحقیق کے بڑے مصادر

(۱) مناقب آئمہ اربعہ مصنفہ قاضی ابوبکر الباقلانی

اکابر معتزلہ میں سے ہے (شرح فقہ اکبر ملا علی قاری علیہ الرحمۃ ص ۱۵۱ مطبوعہ مطبع سعیدی کراچی پاکستان)

(۲) اصول الدین مصنفہ امام عبدالقاہر جرجانی، معتزلی ہے۔ (تبیین، ابوسعیدی خانی ص:۶)

(۳) کتاب الملل والنحل مصنفہ عبدالکریم شہرستانی: غالی شیعہ ہے۔

(طبقات الشافعیہ جز نمبر ۴، ص:۷۹، منہاج السنۃ جز ۳، ص:۲۰۷، ۲۰۹، لابن تیمیہ بحوالہ میزان الکتب مولفہ مولانا محمد علی لاہوری رحمہ اللہ)

(۴) کتاب الفصل فی الملل والاہواء والنحل، مولفہ ابن حزم اندلسی

فرقہ ظاہریہ کا پیروکار شریعت کی چوتھی دلیل (قیاس) کا منکر عقائد منصوصہ کو علم منطق کی کسوٹی پر کھتا تھا اسکے غلط عقائد کی بناء پر علمائے معاصرین نے اس کو رد کر دیا تھا غیر معتبر غیر مقبول ہے (البدائیہ والنہایہ ج ۱۲، ص:۹۸)

(۵) الاستذکار ابن عبدالبر اندلسی: اہل تشیع ہے اس کی تحریرات ہی واضح دلائل ہیں۔

سخنہائے گفتنی

﴿نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم﴾

امابعد! مولانا حبیب الرحمٰن نقشبندی کھوئیرٹہ حاجی آباد ڈھیری صاحبزادیاں عرصہ ایک سال تک برطانیہ (Great Harward) کی جامع مسجد غوثیہ میں امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں چند ماہ قبل وہ واپس لوٹے ہیں، وہ اپنی قلمی مندرجہ ذیل واقعہ کو زیب قرطاس کرتے ہیں ملاحظہ ہوں:

مظہر اس مذکورہ الصدر مسجد کا خطیب تھا، سید عبدالقادر جیلانی مؤلف زبدۃ التحقیق قاضی محمد خالد ساکن انگلینڈ برطانیہ کے گھر درس قرآن کیلئے تشریف لائے، راقم درس سماعت کرنے کیلئے وہاں گیا، درس کے شروع ہونے سے پہلے ہی سید صاحب نے فرمایا کہ ریکارڈنگ آف کردی جائے چونکہ کچھ مسائل آف دی ریکارڈ بیان کرونگا وہاں پونہ گھنٹہ سید صاحب نے گفتگو کی جس کا موضوع یہ تھا کہ تمام انبیاء اور رسولوں کے بعد حضرت علی مولائے مرتضیٰ افضل ہیں، صدیق اکبر افضل ہیں نہ اور کوئی صحابی،، سید صاحب کے ساتھ دوسری نشست''

راقم کی موجودگی میں دوسری نشست صوفی عبدالمجید بھٹی ساکن Great Harward کے گھر ہوئی جہاں سید صاحب نے درس قرآن کے اختتام پر یہاں بھی ریکارڈنگ کو آف کروا کر حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ اور سلسلۂ نقشبندیہ پر زبردست تنقید کی اور قطب ربانی حضرت ابوالحسن خرقانی رحمہ اللہ کو بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنایا اور واضح الفاظ میں کہا کہ سلسلہ نقشبندیہ کے لوگ شیخ احمد فاروقی سرہندی کو مجدد کہتے ہیں وہ مجدد نہیں تھے انہیں جعلی طور پر مجدد کہا گیا اور بنایا گیا ہے اس پر انہوں نے اپنے موقف کی تائید اور اثبات میں من پسند اختراعی تاویلات بھی پیش کیں، اور ساتھ ہی یہ کہا کہ وہ دیوبندی اور وہابی بھی تھے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے منکر تھے، راقم نے ان کے دلائل اور اعتراضات کا مدلل اور بحوالہ جواب دیا، سید صاحب نے اپنے موقف سے رجوع کیا اور مریدین کے سامنے یہ اعتراف کیا کہ مجھے اتنے بڑے اولیاء بالخصوص مجدد صاحب کی شان میں یہ کلمات نہیں کہنے چاہیے تھے۔ راقم الحروف سید صاحب کے روبرو ان واقعات کو ثابت کرنے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے، اور آخر میں تمام علمائے امت، اور عوام اہل سنت سے یہ التماس کرتا ہے کہ بنظر انصاف یہ بتائیں کہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بلکہ تمام انبیاء اور رسل کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل ماننے والا تفضیلی شیعہ نہیں ان عقائد کے ساتھ وہ سنی ہوسکتا ہے؟

بندۂ ناچیز

حبیب الرحمٰن کھوئیرٹہ

تعارف اور کارکردگی

مجلس علمائے اہل سنت و جماعت تحصیل کھوئی رٹہ

تحصیل کھوئی رٹہ میں کچھ عرصہ قبل بدعقیدگی کی شر سے محفوظ اور مامون تھی، مگر چند سال ہوئے کہ مسلک حقہ اہل سنت و جماعت کے خلاف تحریر اور تقریر کے ذریعے منظم تحریک شروع ہوئی جس نے اپنے مذہبی حمایت کاروں کی وساطت سے جامعات اور مدارس قائم کر لیے، اور ان کا معمول بن گیا ہر گھر میں مذہبی بحث نے جنم لے لیا، اس خوفناک صورت حال کو دیکھ کر چند نوجوان علمائے اہل سنت و جماعت نے عوام اہل سنت و جماعت کے دفاع اور راہنمائی کیلئے مجلس علمائے اہل سنت و جماعت کے نام سے ایک تنظیم قائم کی جس نے اولین فرصت میں، اہل سنت و جماعت کے اعتقادی مسائل کو طبع کروا کر تقسیم کیا،،

جمعیت اہل حدیث دھنہ کی طرف سے بھیجی گئی کتاب ''پانچ اہم مسائل'' بغرض جواب،، کا رد (جواب) چار سو صفحات پر مشتمل دو مرتبہ طبع کروا کر تقسیم کیا، یہ جواب توضیح الدلائل کے نام سے موسوم، تحقیق و علم کا لازوال شاہکار ہے، ادب و معلومات کا خزانہ ہے

۲: شیعہ کے تفضیلی فرقہ کی ترجمان ''زبدۃ التحقیق'' مولفہ سید عبدالقادر جیلانی سابق خطیب ٹینچ بھاٹہ حال مقیم برطانیہ کا جواب (تردید) موسوم ''بعمدۃ التحقیق'' مصنفہ استاذ العلماء عمدۃ الاذکیاء علامہ قاضی محمد عظیم نقشبندی بھی زیور سے آراستہ کرنے کا شرف مجلس علمائے اہل سنت کو ہی ارزاں ہو رہا ہے، عمدۃ التحقیق، تحقیق و دلائل کا ایک بحر ذخائر ہے، یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہوگی (انشاء اللہ) جس کی پہلی جلد تقریباً چار سو بتیس صفحات کو لئے ہوئے منظر عام پر آ رہی ہے مجلس علمائے اہل سنت و جماعت کی یہ دوسری بڑی کاوش ہے جو اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کے تحفظ کی خاطر رو بعمل لائی گئی ہے اللہ تعالیٰ شرف قبولیت عطا فرمائے،،

عمدۃ التحقیق کی تالیف و تصنیف میں درکار کتب کے حصول اور دستیابی میں مشکلات کا سامنا تھا مگر حضرت فاضل اجل، خطیب اہل سنت، الحافظ والقاری مولانا محمد اعظم نقشبندی مدظلہ نے مطلوبہ کتب، اپنے ذاتی کتب خانہ سے عطا فرما کر معاونت فرمائی اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے،،

مجلس علمائے اہل سنت و جماعت درج ذیل افراد پر مشتمل ہے

۱: مولانا حسیب الرحمن، بل ڈھیری صاحبزادیاں سرپرست اعلیٰ

۲: قاری اشرف عزیز خطیب دربار مائی طوطی صاحبہ صدر جماعت اہل سنت ڈویژن کھوئیرٹہ،

۳: مولانا عبدالحمید قادری خطیب جامع مسجد ڈونگی، ناظم اعلیٰ جامعہ محمدیہ حنفیہ کھوئی رٹہ

۴: مولانا صغیر احمد قادری، امام وخطیب کھورلہ ۵: قاری مسعود احمد نقشبندی، امام ومدرس جامع مسجد عباس

۶: حافظ وقاری مولانا جمیل احمد نقشبندی خطیب۔گوجر خان

۷: قاری غلام مصطفیٰ دوبی ۸: مولانا اصغر حسین قادری خطیب مرکزی جامع مسجد کھوئی رٹہ

۹: قاری محمد اعظم نقشبندی خطیب جامع مسجد پھیان ۱۰: علامہ محمد عابد جلالی کھوئی رٹہ

۱۱: درویش مرزا اصغر علی جرال کھوئی رٹہ ۱۲: علامہ سید جمیل شاہ، ڈھیری سیداں کوٹلی

۱۳: مولانا پروفیسر جمروز صدیقی خطیب جامع مسجد لاری اڈہ کھوئیرٹہ

اس مجلس کے انعقاد، اور فعال ہونے کا سہرا مولانا صغیر احمد قادری اور قاری مسعود احمد نقشبندی کے سر ہے یہی دوحضرات ہیں جنہوں نے اہل سنت وجماعت کے عقیدہ کو بدعقیدگی کے ہاتھوں پامال اور بے توقیر ہوتے دیکھا تو تحفظ واشاعت کی قسم کھا کر میدان عمل میں برسرپیکار ہوئے فرصت کے لمحات، اور زندگی کی تمام تر توانایاں اشاعت دین اور فروغ مسلک کیلئے وقف کر دیں جس کا ایک ثبوت عمدۃ التحقیق در بیان افضلیت ابوبکر صدیق بجواب زبدۃ التحقیق کی صورت میں ہدیہ ناظرین ہے اللہ تعالیٰ ہر دو حضرات کی مسائی جمیلہ کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے ☆

نوٹ: کتاب عمدۃ التحقیق کے متعلقہ جملہ امور از قسم کمپوزنگ، پروف ریڈنگ، طباعت، اشاعت وغیرہ مجلس علمائے اہل سنت وجماعت نے خود ہی سرانجام دیئے ہیں،

○واللہ ولی التوفیق○

الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم

﴿مالک یوم الدین ،والصلوۃ والسلام علی سیدالانبیاء والمرسلین ،الذی کان نبیاو آدم بین الماء والطین ،وعلی آلہ الطیبین المطھرین ،واصحابہ الراشدین المھدیین علماء امتہ الراسخین والبارعین فی علوم الدین ، واولیاء ملتہ الکاملین العارفین مادامت قامت السموٰت والارضین ،الی یوم البعث والدین﴾

امابعد!

برطانیہ میں مقیم ایک مہربان نے کتاب موسوم بزبدۃ التحقیق بندہ ناچیز کو بھیجی ،اس کتاب کے مصنف بلکہ مؤلف کہنا چاہیے ''سید عبدالقادر جیلانی'' مقیم برطانیہ ہیں ،موصوف پاکستانی نژاد ہیں۔

ایک عرصہ تک راولپنڈی ٹینچ بھاٹہ میں سنی خطیب کی حیثیت سے عوام مسلک حقہ اہل سنت وجماعت کی تبلیغ واشاعت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے ،سنی خطیب ،اور سنی عالم ہونے کی حیثیت سے عوام اہل سنت وجماعت نے انہیں پذیرائی بخشی ،فرزند سادات ،اور سنی خوش بیاں مقرر ہونے کے ناطے ان کا دائرہ عظمت وشہرت پاکستان سے متجاوز ہوکر آزاد کشمیر کی حدوں تک پھیل گیا ، پاکستان کے بڑے بڑے جامعات ،آزاد کشمیر اور پاکستان کے بلند پایہ روحانی مراکز پر خطابات ہونے لگے ،اجابت دوراں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ٹینچ بھاٹہ راولپنڈی میں دینی مدرسہ قادریہ جیلانیہ کا قیام بھی ممکن ہوا۔قیام پاکستان کے دوران دور،دور تک یہ گمان نہ ہوسکا کہ موصوف آگے چل کر شیعہ،مذہب کے فرقہ تفضیلیہ کے ترجمان اور مبلغ کا کردار ادا فرمائیں گے ،اور زبدۃ التحقیق کی صورت میں مواد بھی پیش فرمائیں گے ،سید صاحب کے ساتھ بندہ ناچیز کی جان پہچان اس زمانے سے ہے جب پاکستان کی معروف مادر علمی جامعہ نعیمیہ لاہور میں توضیح تلویح ،امور عامہ ،شمس بازغہ،خیالی،اور بیضاوی شریف کے اسباق پڑھتا تھا،سید صاحب ،شیخ الاصفیاء،حامی طریقت وشریعت حضرت الحاج خواجہ سائیں رکن الدین مرحوم ومغفور علیہ الرحمہ کے آستانے ''رکن آباد کھوئیرٹہ آزاد کشمیر'' کی ہر دینی تقریب میں خصوصی مقرر کے طور پر شریک ہوا کرتے تھے ،،ازاں بعد سید موصوف خصوصی مشن کی

تکمیل کیلئے برطانیہ فروکش ہوئے اور ایسے ہوئے کہ وہاں کے ہی ہو کر رہ گئے۔

برطانیہ میں کھوئیرٹہ وادی، بناہ کی ایک کثیر تعداد مقیم ہے ان لوگوں کا کہنا تھا کہ سید صاحب سنی العقیدہ نہیں ہیں، ان کی دلیل یہ تھی کہ بیشتر مواقع پر ان کو ساعت کیا جا چکا ہے، بایں ہمہ بندہ ناچیز کے پائے اعتقاد کو ثبات اور استقامت تھی، عوام کی پختہ رائے اس کو متزلزل نہ کر سکی، لیکن جب زبدۃ التحقیق ملاحظہ کی، اور اس کی محتویات نظر سے گزریں تو حیرت کی انتہاء نہ رہی اور تھوڑی دیر تک یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ یہ وہی سید صاحب ہیں جنہوں نے شان صحابہ کے بیان میں سورۂ عادیات اور افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اثبات میں آیہء مقدسہ ''سیجنبھا الاتقی الذی یؤتی ماله ''الایہ

کی توضیح اور تشریح میں ایسا عظیم اور دلنشین خطاب فرمایا تھا جس کی صوت سحر آفرین، اور لذت شیریں کے اثرات عرصہ دراز تک محسوس کئے جاتے رہے،، لیکن حقائق کو چارو ناچار تسلیم کرنا ہی تقاضائے عقل ہے، چار صد صفحات پر مشتمل کتاب کوشیء موہوم کا درجہ نہیں دے سکتا تھا، اسلام دین فطرت اسی لئے ہے، کہ اس میں جبر و تسلط نام کا کوئی باب اور حکم نہیں نوع انسانی کیلئے قرآنی تفصیلات دستور حیات، فکر آخرت اور ذریعہ نجات ہیں، ہر امر کے حسن و قبح کی تفصیل کے بعد انسان کو اعتقاد اور عمل میں مکمل آزادی سے ہمکنار کیا گیا ہے، مگر کج روی، اور جادۂ مستقیم سے اعتزال کو روکنے کیلئے قرآن واحادیث کا ایک معتد بہ ذخیرہ فراہم کر دیا گیا ہے، اس کے باوجود اگر امت مسلمہ کی متفقہ شارع عام کو چھوڑ کر صحرانوردی، کی جائے تو مسافر کی اپنی مرضی، تلقین ہدایت، کے علاوہ اس کیلئے کسی قانونی دفعہ کا اطلاق ہے نہ نفاذ، ہم سید صاحب کے سید ہونے اور اہل علم ہونے کو اقتداء اور اتباع کیلئے وجہء ترجیح اس لئے نہیں بنا سکتے کہ ''الجماعۃ'' اور جمہور کا نقش صحت، اور دامن ہدایت چھوڑ کر ''من شذ شذ فی النار'' کے متحمل نہیں ہو سکتے،

زبدۃ التحقیق تفضیلی عقیدہ کے احساسات وخیالات کی تفسیر ہے ہم اس کی تائید اور توثیق سے معذرت خواہ ہیں، کیونکہ زبدۃ التحقیق کے مشتملات عقیدہ جمہور کے خلاف واضح شمشیر کشی ہے، اور یہ ایسا

اعلان بغاوت ہے جس کا دفاع کرنا ہر سنی کا فرض منصبی ہے، بندۂ ناچیز چونکہ نقشبندی ہے اور سلسلہ نقشبندیہ سے وابستہ ہے جس کے مورث اعلیٰ سیدنا صدیق ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، اس لئے بلحاظ سلسلہ، اور باتباع جمہور امت بندۂ ناچیز پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر عقیدہ جمہور کو واضح کیا جائے شواہد اور براہین کو زیب قرطاس کیا جائے جو مدار افضلیت ہیں۔

خرابی صحت دفاعی پوزیشن پر ایستادہ ہونے کی اجازت نہیں دیتی، کاروبار حیات اوقات فرصت کیلئے سازگار نہیں، مگر برطانیہ پاکستان، اور آزاد کشمیر کی گرانقدر شخصیات نے دفاعی پوزیشن سنبھالنے پر مجبور کیا چارونا چار کھڑا ہونا پڑا، افضلیت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک حق اور سچ ہے جو روز روشن سے بھی بڑھ کر درخشندہ وتابندہ ہے، قرآنی آیات، احادیث نبویہ اقوال صحابہ وتابعین اور فرمودات سلف وخلف سے انشاء اللہ ہم ثابت کریں گے اور بفضل اللہ تعالیٰ العظیم سید صاحب کے موقف اور عقیدہ کی نقیض پیش کرینگے اور امانت ودیانت کے اجالے میں سید صاحب کے حوالہ جات اور دلائل کا تحقیقی جائزہ پیش کرینگے، اللہ ہی رحمٰن ورحیم ہے اور وہی ولی التوفیق ہے،

سید صاحب نے اپنی عمر عزیز کا بیشتر حصہ اہل سنت وجماعت کے پلیٹ فارم پر بسر کیا، اور برطانیہ جانے کے بعد سنیت کا بظاہر پرچار کیا، اور عوام اہلسنت میں اپنی سُنیت کو فروغ بخشا، لیکن نجی محفلوں، حلقہء احباب، اور ارادتمندوں میں شیعہ کے فرقہ تفضیلیہ کی بھرپور تبلیغ وتدریس فرمائی، اور بالآخر زبدۃ التحقیق تحریر فرما کر خفیہ تبلیغ کو منظر عام پر لے آئے، یہاں اس امر کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ شیعہ علماء پوری عمر تقیہ میں گزار دیتے ہیں اور جب انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ لوگ انہیں اپنا مذہبی راہنما اور دینی پیشوا سمجھتے ہیں اور وثوق کی حد تک جا چکے ہیں تو پھر وہ علی الاعلان اپنے مسلک کا پرچار شروع کر دیتے ہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ حضرت جو کچھ فرما رہے ہیں وہ حق اور سچ ہے اس طریقہ واردات کو بے نقاب کرتے ہوئے برصغیر کے نامور محدث، روحانی، عرفانی اور علمی خاندان کے چشم وچراغ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں آنکہ طائفہ از

علمائے ایشاں بظاہر در مذہبے از مذاہب اربعہ اہل سنت داخل شدند وخود را دراں مذہب آنقدر راسخ واستوار ساختند کہ مردم آں مذہب ظاہرا و باطنا بامتحانات وتجارب ایشاں را مقتداء مذہب خود گمان بردند ومتولی تدریس مدارس آں مذہب شدند وافتائے آں مذہب بدیشاں متفوض گشت چوں بمرگ رسیدند وآمد، آمد ملک الموت شنیدند وبار اور مدافن ومقابر ایشاں دفن نمایند،، (تحفہ اثنا عشریہ کید چہل ہفتم ص ۵۲)

شیعہ مذہب کے علماء کی ایک جماعت اہل سنت و جماعت کے مذاہب اربعہ (حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی) میں سے، کسی ایک مذہب میں داخل ہو جاتی ہے اور اپنے آپ کو اس مذہب میں اس قدر راسخ اور مضبوط بنا لیتے ہیں کہ اس مذہب کے لوگ ظاہری اور باطنی امتحانات اور تجربات کے بعد ان شیعہ علماء کو اپنے مذہب کا پیشوا گمان کرتے ہیں، اور اپنے مدارس کا متولی بنا دیتے ہیں اور جب مرنے کے قریب پہنچتے ہیں اور موت کے فرشتہ کی آمد آمد ہوتی ہے تو یہ اظہار کرتے ہیں کہ ہمیں تو شیعہ مذہب ہی حق اور سچا معلوم ہوا ہے، اور پھر یہ وصیت کرتے ہیں کہ ہمارے غسل، تجہیز و تکفین کا متولی یہی شیعہ فرقہ ہی ہوگا اور ہمیں اسی فرقہ کی دفن گاہوں اور قبرستانوں میں دفن کیا جائے۔

کروڑوں رحمتیں نازل ہوں شاہ صاحب کی مرقد انور پر جنہوں نے شیعہ علماء کے طریق واردات کی قلعی کھولی اور ان کے خفیہ مشن کی رونمائی فرمائی، اور ان کی باطنی تحریک کو اجاگر فرمایا، شیعہ علماء کا نظریہ، اور عقیدہ مرتے دم تک تقیہ ہے، ان کا اصل روپ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب انہیں یقین ہو جائے کہ سادہ لوح اہل سنت و جماعت کے عوام ان کو دینی، مذہبی پیشوا تسلیم کر چکے ہیں، ان کی ارادت اور عقیدت کی جڑیں ان کے دل کی گہرائیوں میں پھیل اور مضبوط ہو چکی ہیں، شاہ صاحب کی مندرجہ بالا تحریر سید صاحب پر پوری طرح منطبق ہوتی ہے، کیونکہ سید صاحب پہلے سنی بریلوی علماء کی صف میں گھسے، سنیت کے پلیٹ فارم سے سنی عالم کی حیثیت سے اپنا تعارف کروایا عوام اہل سنت نے عالم اور سید زادہ ہونے کی وجہ سے عزت واحترام کا اعزاز بخشا، برطانیہ تک رسائی کو ممکن بنایا وہاں بھی سنیت کا سہارا لیا، مگر ایک مدت تک تفضیلیت کے دام تزویر کو وہاں کے سنی عوام سے بھی اوجھل رکھا، اور طے شدہ منصوبے کے تحت، مناسب وقت پر اپنے تفضیلی ہونے کا اظہار اور پرچار کیا، بحمد للہ علمائے اہل

سنت تفضیلیت کے اس تعمیر شدہ محل کو زمین بوس کرنے کی طاقت اور صلاحیت رکھتے ہیں، جو بوگس ،اور کمزور دلائل کے گروندوں پر تعمیر کیا گیا ہے ،زبدۃ التحقیق ،سادہ لوح ،نیم خواندہ عوام اہل سنت کو گمراہ کرنے کی ایک تحریک ہے، جو انشاء اللہ کبھی کامیاب وکامران نہیں ہو سکتی ،انشاء اللہ سید صاحب کی ہر دلیل کا شیرازہ بکھیر دیا جائے گا ،اور ان کے موقف کو قرآن واحادیث ،اقوال سلف وخلف سے غلط ثابت کرتے ہوئے مسئلہ افضلیت کو جمہور اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق ثابت کیا جائے گا۔

﴿واللہ ولی التوفیق﴾

☆بندہ ناچیز قاضی محمد عظیم نقشبندی ،کھوئیرٹہ کوٹلی آزاد کشمیر☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اصل موضوع کی طرف آنے سے قبل یہ بتانا ضروری ہے کہ شیعیت کے معرض وجود میں آنے کے

اسباب کیا ہیں؟ اس مذہب کا بانی کون ہے؟ اور اس مذہب کی باقاعدہ تدوین کب ہوئی اور کہاں ہوئی؟ اس باب کا مختصر خاکہ درج ذیل ہے، برصغیر کے عظیم محدث شاہ عبد العزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں:

تفصیل ایں اجمال آنکہ چوں در زمانہ خلفاء ثلثہ، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم فتح بلاد کفار از یہود نصاری و مجوس و بت پرستان بعنایت ایزدی بدست صحابہ کرام و تابعان عظام واقع شدہ و قتل و اسر و نہب در کفار نگونسار اتفاق افتاد کمال ذلت و عار بآنہا لاحق گردید بحد یکہ زنان دوشیزہ آنہا فروش اوانی اہل اسلام شدند، و اطفال آنہا کنیزک و غلام اجلاف عرب گردیدند، و اخذ جزیہ بکمال ہوان و مذلت از بقیہ آنہا مسوم و معمول گشت، در عہد خلیفتین اولین بجہت غلبہ حمیت و زدت عصبیت دست و پا زدند و بقتال و جدال برخاستند چوں نصرت الٰہی پے در پے مددگار طائفہ اسلام بود غیر از خیبت و خسران و کیت و خزلان بدست نیاوردند، ناچار در عہد خلیفہ ثالث حیلہ دیگر انگیختند و بحبل متین مکر او یختند پس جماعہ کثیر از آنہا بکلمہ اسلام گویا شدہ و خودرا در شمار مسلمین داخل کردند و در یا پے اطفائی نور اسلام و ایقان فتنہ و فساد و بغض و عناد در فرقہ مسلمین شدند و تدبیر و حیلہ برائے ایں کار ستند ناگاہ بتقدیر ربانی، چوں انقضائی ایام خلافت نزدیک شد جماعہ از مردم مصر بر خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ بغی ورزیدند و خلعت خروج پوشیدند، انجماعتہ از ہمہ پیشتر و بیشتر در آفروختن ایں آتش ساعی گشتند، و ایں فرصت راغنیمت شمردند و از اطراف و جوانب خصوصاً کوفہ و نواحی عراق خور و المدینہ منورہ علی اہل ساکنیہا التحیۃ والسلام رسانیدند و تقریر، فتنہ انگیز از سالہا مہیا کردہ بودند، و بجہت ترس، از صولت اہل اسلام بر زبان نمے آوردند بر ملا آغاز نہادند، و ہرگاہ شہادت آں خلیفہ برحق و خلافت حقہ خاتم الخلفاء امیر المؤمنین صورت گرفت، خودرا در اعداد محبین و مخلصین آنجناب وانمودند، و خویشتن را بشیعہ علی ملقب ساختند۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۳، ۴،)

ترجمہ: اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب خلفائے ثلثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں کفار مثلاً یہود و نصاری، مجوسیوں اور بت پرستوں کے شہر فتح ہوئے اور تائید ایزدی صحابہ کرام اور

تابعین عظام کا دست و بازو بنی، قید و قتال، مال غنیمت کا ذخیرہ کیا جانا کفار کا مقدر بنا، اور انتہاء درجے کی ذلت و رسوائی ان کو لاحق ہوئی یہاں تک کہ ان کفار کی دوشیزائیں مسلمانوں کیلئے فرش (لونڈیاں) اور ان کے نوجوان عربوں کے غلام بنے، ذلت اور خواری کی حالت میں جزیہ دینے لگے، جو بعد میں ان کیلئے ایک رسم اور معمول بن گیا، پہلے دو خلفاء (شیخین کریمین) کے عہد خلافت میں غالب حمایت، اور شدید عصبیت کے بل بوتے بہتیرے ہاتھ، پاؤں مارے، اور مسلمانوں کے خلاف جنگ و جدال کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے، مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت، مسلسل اہل اسلام کو میسر تھی اس لئے سوائے ذلت، رسوائی اور ناکامی کے ان کے ہاتھ کچھ نہ آیا، پھر مجبور ہو کر خلیفہ ثالث یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک نئی چال چلی، اور حبل متین یعنی عقیدہ اسلام کے ساتھ فریب کاری کی اور یہود و نصاریٰ، کفار، اور مشرکین کی ایک جماعت کثیرہ کلمہ گو ہو گئی اور اپنے آپ کو مسلمانوں میں داخل کر کے مسلمان کہلوانے لگے، اور پھر مسلمان فرقوں کے درمیان فتنہ وفساد، بغض و عناد کی آگ بھڑکانے اور نور اسلام کے بجھانے کے درپے ہو گئے، اور اس کام کے فروغ کیلئے ہر حیلہ اور تدبیر کرنے لگے، تقدیر ربانی سے جب خلافت عثمانی کے زوال کا وقت قریب آن پہنچا تو مصری عوام کے ایک ٹولہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف بغاوت کر دی اور خروج کیا (یعنی جلوس نکالنے شروع کر دیئے) اور اس نازک وقت کو آتش فتنہ وفساد، کو فروغ دینے کے لیے موقعہ غنیمت سمجھا اور ملک کے اطراف و اکناف بالخصوص کوفہ، اور عراق کے ارد گرد کے عوام کو شامل اور برانگیخت کیا، اور خود مدینہ منورہ بھاگ گئے اللہ اہل مدینہ پر تحیہ اور سلام نازل فرمائے ۔سالہا سال سے جو فتنہ انگیز مواد تحریری اور تقریری جمع کر رکھا تھا اور مسلمانوں کے خوف اور دبدبہ کی وجہ سے نوک زبان پر لا نہیں سکتے تھے، اب برملا اس کا اظہار اور پرچار شروع کر دیا۔ اور جب خاتم الخلفاء، خلیفہ برحق کی خلافت آپ کی شہادت پر اختتام پذیر ہوئی تو پھر انہی یہود و نصاریٰ، مجوسی اور بت پرستوں نے جو بظاہر مسلمان بنے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے محبین اور مخلصین میں شامل اور نمایاں ہو گئے، اور اپنے لیے شیعہ اشیعیان علی کا لقب، اختراع کیا۔

قارئین کرام شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی اس تحریر سے بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ شیعیان علی کہلوانے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے حضرات شیخین کے دور خلافت میں اہل اسلام کے خلاف جنگیں لڑیں، مسلمانوں کے مابین فتنہ وفساد اور بغض وعناد کی آگ بھڑکائی، جس کے نتیجہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جام شہادت نوش کرنا پڑا، اور جب حضرت علی کی خلافت کا دور آیا تو ان کے محبّ اور شیعہ بن گئے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ:۔ کلاں تر ازیں گروہ عبد اللہ بن سبا یہودی، یمنی صنعانی بود، کہ سالہا در یہودیت علم تبسیں واضلال افراختہ ونرد دغا وغل باختہ، سرد وگرم فتنہ انگیزی چشیدہ، ونشیب وفراز ایں صحرا نوردیدہ۔

ترجمہ:۔ شیعوں کے اس گروہ کا سرغنہ / سپہ سالار عبداللہ بن سبا یہودی تھا، جو یمن کے علاقہ صنعان کا باشندہ تھا اس نے سالہا سال تک یہودیت میں رہ کر گمراہی اور فریب کاری کا علم سیکھا ہوا تھا، دغابازی، اور دھوکہ سازی کا بیج بونے میں ماہر تھا، فتنہ انگیزی کے سرد اور گرم حالات سے واقف تھا، اور اس صحرائے فتنہ کے نشیب وفراز کو اچھی طرح جانتا تھا۔

اس شخص نے ہر شخص پر کام کیا، فتنہ وفساد کا بیج ہر دل میں بویا، اور سب سے پہلے خاندان نبوت کے ساتھ کامل درجے کی محبت اور خلوص کا مظاہرہ کیا اور اولاد نبی (نور سے) علیہ کے ساتھ بھی حد درجہ کی محبت پر لوگوں کو ترغیب اور تحریص دلانے لگا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو خلیفہ برحق کہنا شروع کیا اور آپ کو دیگر خلفائے ثلثہ سے افضل کہنا، اور دوسرے خلفاء سے نفرت کرنے کا بیان شروع کردیا، اسی ضمن میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ارشاد فرماتے ہیں:

چوں جماعت را بایں دام فریب گرفتار کرد، اولا القاء نمود کہ جناب مرتضوی بعد از پیغمبر افضل مردم واقرب ایشاں است بسوئے پیغمبر ووصی او، وبرادر او، وداماد اوست، وآیات واردہ درفضائل آنجناب واحادیث مرویہ درمناقب آں عالی قباب باضم موضوعات ومخترعات خود منتشر ساخت، وہر گاہ دید کہ تلامذہ او بر تفضیل جناب مرتضوی برجمیع اصحاب قائل شدند وایں معنی درا ذہان ایشاں رسوخ واستحکام پذیرفت، جماعہ را از خلص وبرگزیدہ یاران خود سر دیگر تعلیم کرد کہ جناب مرتضوی وصی پیغمبر بود

،و پیغمبر او را بنص صریح خلیفہ ساختہ و خلافت او در قرآن مجید از آیہ ”انما ولیکم اللہ و رسولہ“ مستنبط میشود و لکن صحابہ بغلبہ و مکر وصیت پیغمبر را ضائع ساختند و اطاعت خدا اور سول نکردند“

(تحفہ اثناء عشریہ ص ۴)

ترجمہ: جب اس نے (ابن سبا یہودی) ایک جماعت کو اپنے دام فریب میں گرفتار کر لیا تو سب سے پہلے اس نے یہ بات لوگوں کے قلوب واذہان میں القاء کی کہ تمام لوگوں (صحابہ) میں جو سب سے افضل ہے، اور ان (صحابہ میں) میں سے جو پیغمبر کے زیادہ قریب ہے وہ آپ ﷺ کا وصی، بھائی اور آپ کا داماد ہے، یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں، پھر اس نے کہا کہ آپ کے فضائل میں آیات کریمہ وارد ہوئی ہیں اور آپ کے مناقب عالی شان میں احادیث بھی مروی ہیں ان احادیث میں خود ساختہ اور موضوع احادیث کو ملایا، اور ان کو مشتہر کیا، پھر جب اس نے دیکھا کہ اس کے شاگرد، اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ حضرت علی المرتضی تمام صحابہ سے افضل ہیں اور یہ عقیدہ ان کے قلوب واذہان میں پختہ اور مضبوط ہو چکا ہے تو پھر اپنے مخلص اور برگزیدہ دوستوں کو ایک دوسرے (عقیدے) کی تعلیم دی کہ حضرت علی پیغمبر علیہ السلام کے وصی تھے، اور پیغمبر خدا علیہ السلام نے صریح نص (صریح فرمان) کے ذریعے اپنا خلیفہ بنایا تھا حضرت علی المرتضی کی خلافت قرآن مجید کی آیہء کریمہ ”انما ولیکم اللہ و رسولہ“ سے مستنبط ہوتی ہے۔ لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے غلبہ اور فریب کے ذریعے پیغمبر خدا کی وصیت کو ضائع کر دیا ہے اور انہوں نے یہ اقدام کر کے اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کی اطاعت نہیں کی۔ قارئین کرام شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے کلام سے یہ بات واضح اور ثابت ہو گئی کہ یہ عقیدہ ”کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تمام صحابہ بشمول شیخین سے افضل ہیں اور آپ وصی رسول علیہ السلام ہیں اور آپ رسول علیہ السلام کے خلیفہ بلافصل ہیں“ اہل اسلام کا نہیں بلکہ یہ عقیدہ عبد اللہ بن سباء یہودی کے کارخانہ فتنہ وفساد میں تیار ہوا۔ اس نے اپنے تلامذہ اور محبین مخلصین میں نہایت ہی خوبصورتی سے پھیلایا اور مشتہر کیا، جو ایک فرقہ کا مستقل مزاج اور عقیدہ بن گیا، اور وہ آج تک جاری اور ساری ہے۔ تاریخ اسلام نے اس عقیدہ کے حامل گروہ کو شیعہ سبیہ کا

نام دیا ہے اور اس کا دوسرا نام تبرائیہ ہے۔ چنانچہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ اس فرقہ کے عقیدہ کی وضاحت کرتے ہوئے نقل فرماتے ہیں :۔ ''سوم فرقہ شیعہ سبیہ، آنرا تبرائیہ نیز گویند جمیع صحابہ را ظالم و غاصب بلکہ کافر و منافق مے دانستند، وایں گروہ از اوسط تلامذہ آں خبیث گشتند''

ترجمہ: تیسرا فرقہ شیعہ سبیہ ہے اور اس کو تبرائیہ بھی کہتے ہیں۔ یہ فرقہ تمام صحابہ کرام کو ظالم، غاصب، بلکہ کافر و منافق کہتے ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

یہ عبد اللہ بن سباء کے وہ درمیانے درجے کے شاگرد ہیں جو خبیث ہوئے۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۵)

شیعہ کا دوسرا فرقہ تفضیلیہ ہے یہ فرقہ حضرت علی کو تمام صحابہ بشمول شیخین پر فضیلت دیتا ہے۔

اس کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ افضل الامت ہیں، حضرت شاہ عبد العزیز ی محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا: دوم فرقہ شیعہ تفضیلیہ کہ جناب مرتضوی را بر جمیع صحابہ تفضیل میدادند وایں فرقہ آزاد نامی تلامذہ آن لعین شدند وشمہ از وسوسہ او قبول کردند و جناب مرتضوی در حق لنہا تہدید فرمود کہ اگر کسے را خواہم شنید کہ مرا بر شیخین رضی اللہ عنہما تفضیل میدہد او را حد افتراء کہ ہشتاد چابک است خواہم زد۔ (تحفہ ص ۵)

ترجمہ: شیعہ مذہب کا دوسرا فرقہ تفضیلیہ ہے جو جناب علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ پر فضیلت دیتا اور افضل قرار دیتا ہے یہ اس لعین (عبد اللہ ابن سباء) کے آزاد نامی شاگردوں کا گروہ ہے جنہوں نے اس کے وسوسے کے ایک حصے کو قبول کیا ہے۔ جناب علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے ان کو تنبیہ کی تھی کہ اگر کسی کو یہ کہتے ہوئے میں نے سن لیا کہ وہ مجھے شیخین پر فضیلت دیتا اور افضل قرار دیتا ہے تو میں اس کو مفتری قرار دے کر اس پر حد افتراء جاری کرتے ہوئے اسّی کوڑے ماروں گا۔

تحفہ اثنا عشریہ کے حوالے سے یہ معلوم ہوا کہ شیعوں کے دوسرے فرقے کا نام تفضیلیہ ہے اور یہ فرقہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام بلکہ خلیفہ اوّل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی افضل قرار دیتا ہے جو قرآن و احادیث، عقیدہ سلف و خلف کے قطعی خلاف اور مغائر ہے۔

زبدۃ التحقیق میں سید صاحب نے اسی عقیدہ کو حق اور سچا قرار دے کر اپنے تفضیلی شیعہ ہونے پر مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے یہاں اس بات کا الحاق کرنا بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ ابن سباء یہودی کے وساوس شیطانی کے پیش نظر شیعہ کے چار فرقے ہوگئے ابن سباء نے شاگردوں کو عراق، آزربائیجان کے علاقوں میں شیطانی اعتقادات، اور لعینی وساوس کی تبلیغ اور اشاعت کیلئے پھیلا دیا، آخر کار حضرت علی المرتضی کے لشکری چار فرقوں میں بٹ گئے، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ نقل فرماتے ہیں:

''تا آنکہ مذہب او رواج گرفت وشیوع پیدا کرد، پس لشکریاں حضرت امیر بسبب ردو قبول وسوسہ ایں شیطان لعین چہار فرقہ شد، اول فرقہ اولی وشیعہ مخلصین کہ پیشوایان اہل سنت و جماعت اند، ہر روش جناب مرتضوی در معرفت حقوق اصحاب کبار وازواج مطہرات و پاسداری ظاہر و باطن باوصف وقوع مشاجرات ومقاتلات وصفائی سینہ و برأت از غل ونفاق گزرانیدند ولہٰذا شیعہ اولی وشیعہ مخلصین نامند'' (تحفہ، ص ۴،۵)

ترجمہ: ابن سباء یہودی کا مذہب غالب آیا اور چھا گیا، اور شیعہ پیدا ہوگئے، حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے لشکری چار فرقوں میں اس شیطان لعین کے وسوسہ کی بدولت تقسیم ہوگئے، پہلا فرقہ جو شیعہ اولی اور شیعہ مخلصین کے نام سے پکارے جاتے تھے درحقیقت یہ اہل سنت و جماعت کے پیشوا تھے، جو اصحاب کبار کے حقوق کی معرفت، ازواج مطہرات کے تقدس اور احترام، میں حضرت علی المرتضی کے طریق اور اعتقاد پر تھے، صحابہ کرام کے درمیان اختلافات کے وقوع پذیر ہونے، اور جنگ وقتال ہونے کے باوجود ان کے سینے بغض ونفاق سے ظاہری اور باطنی طور پر پاک وصاف تھے، اور ان امور کو درخور اعتناء نہیں لاتے تھے، اس فرقہ کا نام شیعہ اولی اور شیعہ مخلصین تھا، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ کی تحریر اور تحقیق سے ثابت ہوا کہ ابن سباء یہودی نے اپنی قوت علمی، اور ابلیسی سوچ کو بروئے کار لاتے ہوئے اعتقادی اور مذہبی بنیادوں پر حضرت علی المرتضی کے لشکریوں (افواج) کو چار فرقوں میں تقسیم کر دیا پہلا فرقہ اسی فکر، اسی عقیدہ، اور اسی عمل پر کاربند تھا جو حضرت علی المرتضی کا تھا، جس طرح حضرت علی المرتضی اپنے پیشرو خلفائے ثلثہ کے مراتب کا لحاظ اور احترام

کرتے تھے یہ پہلا فرقہ بھی اسیطرح درپے عمل تھا اور جس طرح رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کا تقدس اور احترام رسول اللہ ﷺ کے دور پر انوار میں تھا حضرت علی المرتضیٰ اس کی پوری طرح پاسداری فرماتے ،شیعہ اولیٰ یعنی پیشوایان اہل سنت و جماعت اسی طرح ظاہر و باطن میں ان کی اتباع اور اقتداء کرتے ،حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے حامیوں نے باہم جنگ وقتال کیا مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دل میں کوئی بغض وعناد اور دشمنی کا شائبہ تک نہ تھا ،اسی طرح اقتدائے حضرت علی میں اس فرقہ اولیٰ کے دل ودماغ میں بغض معاویہ کا کوئی غبار نہ تھا ،فرقہء تفضیلیہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے واشگاف اعلان ''کہ جس نے مجھے شیخین پر فضیلت دی اور افضل قرار دیا میں اس کو مفتری قرار دے کر اسی کوڑے ماروں گا، کے بعد فرقہ تفضیلیہ زیر زمین چلا گیا ،حضرت علی المرتضیٰ کی شہادت کے بعد پھیلنے کا موقع ملا ، باقاعدہ کتب تدوین ہوئیں، مبلغین تیار کیے گئے ،عراق آذربائی جان اور ان کے ملحقہ علاقوں میں خوب نشرو اشاعت کی گئی ،اور اس فرقہ کی تعلیمات ،عراق ،بصرہ کوفہ ،آذربائی جان ،شام ایران ،افغانستان سے نکل کر ہندوستان کی آخری سرحدوں تک پھیل گئیں ،زبدۃ التحقیق اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے ،جس کے مولّف نے دوٹوک الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ حضرت علی افضل البشر بعد الانبیاء ہیں بلکہ عبارات سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ حضرت علی ساری مخلوق میں افضل ہیں ،مولّف نے حضرت علی کی افضلیّت پر اپنی بساط علمی کے مطابق دلائل نقل کیے ہیں ،جن کا تحقیقی تجزیہ کرنا اور صحیح عقیدے کا اثبات کرنا ،اور نظر قارئین کرنا ہمارے اوّلین اور ترجیح فرائض میں شامل ہے ،

''اللہ ولّی التوفیق،،

سیّد صاحب نے قاضی ابوبکر باقلانی اشعری کی کتاب ۔مناقب آئمہ اربعہ سے اقتباس پیش کرتے ہوئے نقل کیا کہ قد علمنا انّ الصحابة فی التفضیل فلا سبیل اذن لنا الی العلم بان و احدا

...نھم افضل من غیرہ " ترجمہ:۔ہمیں پتہ چلا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم افضلیت دینے میں مختلف ...یں ،تو ہمیں یہ معلوم کرنے کا کوئی طریقہ معلوم نہیں کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے افضل ہے ...،پھر انہی قاضی باقلانی کا دوسرا قول بھی نقل کیا:

"اما القائلون باناتقف فیھم من غیر قطع علی تفضیل احدھما وقطع تساویھم فی الفضل فانھم اقرب الی الصواب واقدر علی الاحتجاج"

ترجمہ:۔مگر اس بات کے قائل کہ ہم ان میں توقف کرتے ہیں یعنی خاموش رہتے ہیں کچھ بھی نہیں کہتے نہ ہی ان میں سے کسی ایک کی افضلیت کو قطعی کہتے ہیں اور نہ ہی ان کی برابری کو کہتے ہیں، وہ لوگ ثواب کے زیادہ قریب ہیں اور ثبوت پیش کرنے میں زیادہ قدرت رکھتے ہیں (زبدہ،ص ۱۸)

اقول:صواب کا معنی ثواب کرنا غلط ہے اور قاضی ابوبکر باقلانی کی یہ تحریر توقف ،عدم افضلیت پر پیش کرنا غلط ہے کیونکہ یہ تحریر ،آیات قرآنیہ،احادیث نبویہ،اقوال سلف وخلف سے متضاد ہے اجماع امت کے بھی مناقض ہے ایک غلط اور مردود تحریر کو نصوص قطعیہ کے مقابل دلیل اور حجت کے طور پر تسلیم کرنا اور پیش کرنا بجائے خود غلط ہے ہم سب سے پہلے ان آیات کریمہ کو نقل کرینگے جن سے افضلیت شیخین ،بالخصوص افضلیت ابوبکر روز روشن کی طرح عیاں ہے، قرآنی دلائل میں سے ہم سورہ فاتحہ کی آیات "اھدنا الصراط المستقیم ،صراط الذین انعمت علیھم" سے آغاز کرتے ہیں

۔اس آیت کے تحت حضرت امام رازی نے فرمایا:

"یدل علی امامته ابی بکر رضی الله عنه لا ناذکرنا ان تقدیر الایه،صراط الذین انعمت علیھم والله تعالی قد بین فی آیة اخری ان الذین انعم الله علیھم منھم فقال فاؤلئک مع الذین انعم الله علیھم من النبیین والصدیقین "(النساء ،۶۹) الایة ولا شک ان رأس الصدیقین ورئیسھم ابوبکر الصدیق رضی الله عنه فکان معنی الایة ان الله امرنا ان نطلب الھدایة التی کان علیھا ابوبکر الصدیق وسائر الصدیقین "کبیر ج، ۱،ص ۲۲۱)

ترجمہ: یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ ہم نے تحریر کیا۔ ہے کہ آیہء مقدسہ کی اصل ترتیب یہ ہے، ''ہمیں ان لوگوں کا وہ راستہ دکھا جن پر تو نے انعام فرمایا ہے:'' ہماری اس درخواست پر اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں منعم علیہم کی وضاحت فرمائی کہ منعم علیھم انبیاء اور صدیقین ہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ صدیقوں کے سردار اور پیشواء ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، پس آیت مذکورہ کا معنی یہ ہوا کہ اللہ نے ہمیں اس ہدایت کے طلب کرنے کا حکم دیا ہے، جس ہدایت پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور باقی صدیقین تھے۔

سید محمود آلوسی صاحب روح المعانی نے نقل فرمایا: کہ اس میں ایک قول یہ بھی ہے کہ انعمت علیھم سے مراد حضرت محمد ﷺ قیل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابو بکر و عمر اور حضور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما رضی اللہ عنہما ہیں،،

(روح المعانی۔ج۔ا۔۹۴)

حافظ عماد الدین ابن کثیر نقل فرماتے ہیں کہ:۔ ابوالعالیہ فرماتے ہیں اس سے مراد نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد دونوں خلفاء ہیں ابوالعالیہ اس قول کی تصدیق اور تحسین کرتے ہیں۔

(ابن کثیر۔ج۔ا۔۳۶)

امام فخر الدین رازی، سید محمود آلوسی اور حافظ عماد الدین ابن کثیر کی تفاسیر سے ثابت ہوا کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما دنیائے اسلام کی وہ بلند پایہ اور فقید المثال شخصیات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے صدق ،اعتقاد، عمل، زہد و تقویٰ، علم، قرب، شجاعت و سخاوت، اور محبت رسول ﷺ کے ایسے گرانقدر انعامات عطا فرمائے ہیں جو پورے صحابہ میں سے کسی کا بھی مقدر اور نصیب نہ بن سکے،، اللہ تعالیٰ نے ان کی ذوات کو صراط مستقیم کا رہبر، اوصاف جمیلہ کو قرآن مقدس کی تفسیر اور تعلیمات کو اسوہء رسول کی تعبیر دیا، اور پھر ہر نمازی اور ہر قاری قرآن پر یہ پابندی عائد کر دی گئی کہ طلب ہدایت کے مواقع پر اسی کی ہدایت کو طلب کیا جائے جو حضرات شیخین کے اسوہء حسنہ تک رسائی کی ضمانت دیتی ہو، شیخین کریمین کی شخصیات، ان کی تعلیمات و خصوصیات اگر قابل تقلید نمونہ نہ ہوتیں ان پر کرامات و انعامات کی چھاپ

نہ ہوتی تو قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم کے ذریعے پابند عمل کیوں کیا جاتا؟ اللہ تعالیٰ سے اسوۂ شیخین کی طلبی استدعا اور تلقین اس امر پر دلیل ہے کہ شیخین کا مقام اور مرتبہ سب صحابہ سے بلند اور افضل ہے، شیخین کریمین حسن انسانیت اور کمال فضیلت کی اس رفعت بیکراں پر فائز ہیں، جہاں تنقیص شان اور تکسیر مقام کی شوخ آندھیاں ٹکرا ٹکرا کر واپسی کے لئے اپنا رخ بدل لیتی ہیں و من یطع اللہ و رسولہ فقد اولٰئک مع الذین انعم، اللہ علیھم من النبین و الصدیقین و الشھداء و الصالحین الایہ۔

صحابیت کے عنوان میں فضیلت شیخین ایک درخشندہ باب ہے جس کی اہمیت اور افضلیت پر خالق کائنات کی بیان فرمودہ ترتیب حتمی اور قطعی ہے بتاویلات بسیار، اور ذخیرۂ شواہد کے باوجود اسکی قطعیت پر ایمان لانا ہی تقاضائے عدل و انصاف، اور ضروریات دین میں سے ہے،، آیۂ مقدسہ میں انبیاء کرام کے ذکر کے متصلاً بعد ذکر صدیقین اس بات پر نص صریح ہے کہ نبوت کے بعد صدیق کا مقام اور مرتبہ متعین ہے، صدیقیت کی موجودگی میں دوسرا کوئی بھی فضل و شرف وجہ افضلیت ہوسکتا ہے نہ قرار دیا جاسکتا ہے اس موقف کی تائید آیت استخلاف سے بھی ہوتی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے "وعداللہ الذین امنو منکم و عملوا الصلحت یستخلفنھم فی الارض کما یستخلف الذین من قبلھم الایہ (نور،۵۵)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو اعمال صالحہ کرتے ہیں البتہ وہ انکو زمین پر خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔

اس آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خلیفہ بنانے کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اور مہاجرین اولین میں سے بعض کو اپنا جانشین بنانے کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ وعدہ اس طور پر فرمایا کہ تم میں سے خلفاء بناؤنگا اور یکے بعد دیگرے خلافت عطا کرونگا، کیونکہ تمکن دین، او ر استحکام اسلام، اور ازالۂ خوف، اور نوید امن ایسے معاملات اور امور ضروریہ ہیں جن کا وجود قیام خلافت کے بغیر امور عادیہ سے نہیں ہو عدہ موعودیہ، یعنی منصب خلافت، اور موعود لہم، منصوص تھے، خود خالق کائنات نے بصورت وعدہ ان امور ثلثہ کی تخصیص فرمادی تھی، جن کا معرض وجود میں آنا بہر صورت لازی قطعی اور حتمی تھا، مہاجرین

اولین کو یہ یقین بھی تھا کہ وہ بعض خلفاء جن کی جانشینی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے خود اپنی کلام مقدس میں فرمایا ہے وہ ہم میں سے ہی ہوں گے، کیونکہ منکم کا لفظ قوی دلیل کے طور پر دلالت کر رہا تھا، لیکن کو یہ معلوم نہ تھا کہ خلیفہ کون کون ہوگا؟ اور کون پہلے اور کون بعد میں؟ اور ہر ایک کی خلافت مدت کتنی ہوگی؟ رسول اللہ ﷺ کی ظاہری وفات کے بعد اس وعدہ کے پورا کرنے کا وقت آگیا تھا، ا تعالیٰ نے فرد یا افراد کے دل میں پہلے ہی سے رفتہ رفتہ بطریق الہام یہ ڈال دیا تھا کہ فلاں شخص خلیفہ بنایا جائے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں ڈال دیا گیا کہ وہ سقیفہ بنی ساعدہ کے صحابہ میں یہ اعلان کر دیں کہ خلافت کے حقدار ابو بکر صدیق ہیں کیونکہ ان میں تین ایسی خصوصیات ہیں جو ان کے سوا کسی اور میں نہیں پائی جاتیں، "ثانی اثنین اذھما فی الغار" جب رسول ا علیہ غار میں تھے تو ابو بکر ثانی تھے، اور آپ کے یار غار تھے، (۲) ابو بکر آپ کے صاحب خاص ا محب با اختصاص تھے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اذ یقول لصاحبہ لاتحزن" (۳) یہ اللہ تعالیٰ نے ابو بکر کیلئے معیت خاصہ کا ذکر فرمایا ہے فرمایا: "ان اللہ معنا" جبکہ علم اور احاطہ قدرت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی معیت عام ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اعلان، وضاحت، او بیعت کرنے کے بعد جناب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کر لیا گیا یہ سب کچھ آیت استخلاف کی عملی تفسیر اور وعدہ کی تکمیل تھی جو خلافت ابو بکر با جماع صحابہ کی صورت میں جلوہ گر ہو، سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت عمر کا حضرت ابو بکر صدیق کی تین خصوصیات کو بیان کرنا اور انصار او مہاجرین کا مجمع عام میں انکار نہ کرنا بلکہ بلا چون و چراں تسلیم کر لینا اور حضرت ابو بکر کے ہاتھ بیعت کر لینا اور خلیفہ راشد ہونے کا عقیدہ رکھنا صریحاً آپ کی افضلیت کا اقرار اور اظہار ہے اور صورت اجماع کی ہے جو حجت اور دلیل قطعی ہے، دلیل قطعی کی موجودگی میں قاضی ابو بکر باقلانی کی تحریر کیا حیثیت رکھتی ہے؟

سید صاحب نے پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی واشگاف الفاظ میں مدح سرائی کرتے ہوئے فرمایا: رئیس الحجد دین فاتح قادیان نائب غوث الثقلین خواجہ خواجگان سید السادات سید پیر مہر علی شاہ

گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ (زبدۃ، ص ۳۴۷) یہاں ہم ان کا ایک فرمان نقل کرتے ہیں:۔
شاید کہ اتر جائے ان کے دل میں ان کی بات اور سید صاحب اپنے آپ کو تامل اور تفکر میں اتار کر دیکھ اور سوچ لیں کہ ان کے ممدوح کا موقف کیا ہے؟ اور یہ کہاں کھڑے ہیں؟ چنانچہ پیر گولڑوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں الغرض صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ آیت استخلاف کے ساتھ وعدہ دیئے گئے وہی اشخاص تھے جو اپنے اپنے وقت میں خلیفہ ہوئے، آگے چل کر ارشاد فرماتے ہیں پس نہ صرف شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت نص قرآنی سے ثابت ہو گئی بلکہ خلافت خلفائے اربعہ علیہم الرضوان بھی نص قرآنی سے ثابت ہے۔ (تصفیہ مابین سنی وشیعہ، ۱۲)

شہنشاہ گولڑہ کی تصریح سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آیہ استخلاف میں خلفائے اربعہ کو خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا تھا اور یہ وعدہ یکے بعد دیگرے ترتیب خلافت کے لحاظ سے پورا فرمایا گویا ترتیب خلافت بھی نص قطعی کے مطابق ہے، اور چاروں خلفاء کی خلافت بھی نص قطعی سے ثابت ہے، پھر وضاحت فرما دی کہ صرف شیخین کی خلافت ہی نص قرآنی سے ثابت نہیں بلکہ خلفائے اربعہ کی خلافت نص قطعی سے ثابت ہے۔ پیر صاحب نے خلافت ابوبکر اور خلافت عمر رضی اللہ عنہما کا ثبوت نص قطعی سے تسلیم کرتے ہوئے نص قطعی سے اس پر استدلال بھی فرمایا ہے جیسا کہ حضرات شیخین کی خلافت قطعیہ پر دلائل دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''جس کا مفاد یہ ہے افضلیت ابوبکر قطعی ہے اور ترتیب ذکری شاہد ہے'' سورہ فتح کی آیات ''محمد رسول اللہ والذین معہ اشدآء علی الکفار'' کا ذکر رحمآء بینھم'' سے پہلے باوجود اسکے کہ رحماء کی تقدیم اشداء پر کئی وجوہ سے مناسب معلوم ہوتی ہے اس لئے فرمایا گیا کہ اشداء علی الکفار کا تعلق عہد صدیقی وفاروقی سے ہے، گویا اشداء علی الکفار کا جملہ ترتیب کے حوالے سے افضلیت شیخین، خلافت شیخین، اور تبلیغ اسلامی فتوحات اور دیگر کارہائے نمایاں پر ایک نص قطعی ہے، جس کا انکار، یا شائبہ شک وشبہ لمحہ بھر مسلمان کیلئے روا نہیں پیر صاحب مزید اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۴ پر فرماتے ہیں: صحابہ کرام کو یہ سرپرستی شیخین جن کی مدح میں آیت سورہ فتح محمد رسول اللہ والذین معہ اشدآء علی الکفار وارد ہے اقامت

دین حق کی توفیق اور قدرت عطا فرمائی، اور قیصر و کسریٰ اور ان کا دین پامال اور نیست و نابود ہو گیا یعنی اسلامی فتوحات کا دائرہ جوروم، روس، فرنگ، ایمان، افریقہ، شام، مصر وغیرہ تک پھیلا یہ ممالک شاہ قیصر کے تابع دین نصرانی تھے خراسان، توران، ترکستان، زابستان باختر وغیرہ ممالک مجوسی تھے، اور کسریٰ کے زیر اثر تھے، تک پھیل گیا۔

یہ تمام ممالک حضرات شیخین کے، ادوار خلافت میں فتح اور مشرف باسلام ہوئے، شیخین کی سر پرستی میں ہی پوری دنیا کے دو بڑے بادشاہوں قیصر و کسریٰ کے ادیان نیست و نابود ہوئے، حضرت پیر صاحب نے دنیا کے عالمگیر مذاہب، اور عالمگیر بادشاہت کے خاتمہ کا سہرا حضرات شیخین کے سر باندھا، صحابہ کے سرپرست، ہادی، راہ نما اور مسلمہ قرآنی خلفاء ہونے پر مہر تصدیق ثبت فرمائی، "اشدآء علی الکفار" سے تمام صحابہ اور دیگر دو خلفاء پر افضلیت شیخین ثابت فرمائی، اور واضح فرمایا کہ نص کی ترتیب اور رحماء بینھم پر اشدآء علی الکفار کی تقدیم تمام صحابہ اور دیگر دو خلفاء پر افضلیت شیخین کو مستلزم ہے یعنی ترتیب ذکری، ترتیب خلافت، افضلیت شیخین کو مستلزم ہے محشی نے مزید وضاحت کرتے ہوئے نقل کیا کہ اس مسئلہ کی مزید تفصیل اکابر علمائے اہل سنت کی کتابوں میں ملاحظہ ہو:

خصوصاً متاخرین علمائے کرام و مشائخ عظام سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین اور ان کے معاصر مشہور شیخ طریقت حضرت مولانا فخر جہاں چشتی نظامی دہلوی کی کتاب عقائد نظامیہ قابل دید ہیں، جن میں ثابت کیا گیا ہے کہ خلفائے اربعہ کی فضیلت کی ترتیب خلافت کے مطابق ہے البتہ بعض فضائل جزئیہ میں جیسے علم شجاعت، قرابت نبوی وغیرہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو امتیازی شان حاصل ہے" (تصفیہ مابین سنی و شیعہ ص ۲۳ حاشیہ)

محشی کی مذکورہ بالا تحریر ثابت کرتی ہے کہ شیخین کی افضلیت پر علمائے متاخرین کی کتب بھری پڑی ہیں، ان میں سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی قرۃ العینین، اور پیر فخر جہاں کی عقائد نظامیہ قابل دید ہیں ان مشہور و معروف کتب میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ ترتیب خلافت ہی ترتیب افضلیت ہے، حضرت

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت اول اور اقدم ہے۔ لہٰذا ابو بکر صدیق ہی سب خلفاء میں افضل اور اقدم ہیں، اور یہ افضلیت علی الاطلاق اور کلی ہے، حضرت علی کی افضلیت علی الاطلاق اور کلی نہیں بلکہ بعض وجوہ کی بناء پر جزوی ہے، سید صاحب کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلفاء اور تمام صحابہ پر فضیلت کلی دینا اور ثابت کرنا نصوص قطعیہ کے خلاف ہے کما مر انفا" اور عقیدہ افضلیت علی پیر گولڑوی علیہ الرحمہ اور اکابر علمائے متاخرین کے عقیدہ کے خلاف ہے، اور امام ابو بکر باقلانی کی رائے اور تحریر کی واضح تردید ہے۔

افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فتنہ ارتداد نے سر اٹھایا اور اس قدر زور پکڑا کہ اہل حرمین شریفین اور قرب و جوار کے علاوہ عربوں کی اکثریت مرتد ہوگئی، حتی کہ اہل عرب ایک فرقہ نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا، ان مانعین زکوۃ کے بارے میں فقہاء صحابہ میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا، بعض نے کہا یہ اہل قبلہ ہیں، ان سے مقاتلہ اور لڑائی ناجائز ہے، یہاں تک کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے خلیفہ وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا "کیف تقاتل الناس وقد قال رسول الله ﷺ امرت ان اقاتل الناس حتى يقولوا لا اله الا الله فمن قالها فقد عصم منی نفسه و ماله الا بحقه وحسابه على الله "

ترجمہ: آپ ان لوگوں سے کیسے جنگ کریں گے جبکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک جہاد کروں جب تک کہ لا الہ الا اللہ نہ کہیں، پھر جب وہ یہ کلمہ کہیں تو انہوں نے مجھ سے اپنی جان و مال محفوظ کر لی مگر شرعی حق اس سے مستثنیٰ ہے، اور اس کا حساب خدا پر ہے۔

اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"والله لا قاتلن من فرق بين الصلوة والزكوة فان الزكوة حق المال والله لو منعونی عناقا كانوا يؤدونها الى رسول الله ﷺ نقاتلهم على منعها"

ترجمہ: خدا کی قسم میں ان لوگوں سے بھی جہاد کروں گا جو نماز اور زکوۃ میں فرق کریں گے، کیونکہ زکوۃ خدا کا حق ہے، خدا کی قسم اگر وہ مجھے بکری کا بچہ بھی نہ دیں گے جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے تو بھی

ہم ان سے جہاد کریں گے۔

اس پر حضرت عمر فاروق نے فرمایا: "انہ الحق" مجھے معلوم ہو گیا یہ بات جو آپ کہتے ہیں۔ حق ہے چونکہ حضرت عمر کی رائے حضرت ابوبکر کی رائے کے خلاف تھی اور شیخین کے درمیان اس موضوع پر طویل بحث بھی ہوئی تھی، اس لئے آخر کار حضرت ابوبکر صدیق کو جناب عمر سے مخاطب ہو کر یہ کہنا پڑا کہ "اجبار انت فی الجاھلیۃ خوار فی الاسلام" یہ کیا ہوا، جاہلیت کے زمانے میں تو تم جابر تھے اور اسلام میں آنے کے بعد نرم ہو گئے ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے سے اختلاف رکھتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مابین بھی مکالمہ ہوا، دلائل دیئے گئے آخر الامر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحاب کبار نے بھی اس پر اتفاق کیا اور اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ ابوبکر کی رائے حق ہے، اور یہ وہی فتنہ تھا جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

"العصمۃ فیھا السیف"

اس فتنہ میں بہتری اور بچاؤ اسی صورت میں ممکن ہے کہ تلوار سے کام لیا جائے، شواہد بتاتے ہیں کہ غزوۂ بدر، اور حدیبیہ وغیرہ کے بعد جہاد بالمرتدین ایک عظیم الشان واقعہ رونما ہوا اس کی عظمت کے مقابلہ میں مومنوں کو تسلی دی گئی ہے کہ خبردار اس فتنہ ارتداد سے گھبرانا نہیں، جیسا کہ قرآن حکیم ارشاد فرمایا ہے:

"انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین امنوا یقیمون الصلوۃ ویؤتون الزکوۃ وھم راکعون" (المائدہ۔ ۵۵)

ترجمہ: تمہارے دوست اللہ اور اس کا رسول ﷺ اور مومن لوگ ہی ہیں جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور خدا کے آگے جھکتے ہیں۔

پیر مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: بنظر انصاف اگر دیکھا جائے تو اس وعدہ کا مصداق صدیق اکبر ہی تھے، کیونکہ بعہد نبوی بھی اتنی فوج جمع ہو کر مرتدین کیلئے نہیں گئی، اور عہد صدیقی اور فاروقی کے بعد بھی اتنی جمعیت میں افواج مرتدین کے مقابلہ میں کبھی نہیں نکلیں مزید ارشاد فرمایا گیا:

"ومن یتول اللہ ورسولہ والذین امنوا فان حزب اللہ ھم الغالبون" (مائدہ، ۵۶)

ترجمہ: جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنوں کو دوست رکھے گا وہ خدا کی جماعت میں داخل ہوگا اور خدا کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے۔

اس آیت شریفہ سے ثابت ہوا کہ خلیفہ راشد کی اطاعت اور انقیاد واجب ہے اور بلحاظ واقعہ بیان شدہ صدیق اکبر ہی اس آیت میں مورد نص ہیں، "اخرج البغوی عن ابی جعفر محمد بن علی الباقر انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا نزلت فی المؤمنین"

ترجمہ: جناب امام زین العابدین کے فرزند امام باقر فرماتے ہیں کہ یہ آیت مومنوں بصیغہء جمع کے بارے میں نازل ہوئی ہے کسی نے کہا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس پر آپ نے فرمایا وہ یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی مومنین سے ہیں،، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت اور ان کا لوگوں سے بیعت لینا حق تھا اس لئے سب مومنین نے جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو واجب الاطاعت سمجھ کر اور خلیفہ مان کر اس واقعہ میں ان کی بھرپور امداد کی، اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان معاونین کے اس قدر اوصاف آیات قرآنیہ میں بیان کیئے اور انہیں "یحبھم ویحبونہ" یعنی اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں کا شرف بخشا حق یہ ہے کہ مہاجرین اولین جن کے اوصاف مفصل پہلے بیان ہو چکے ہیں اور انصار کے اس گروہ نے جن کی تعریف وتوصیف جابجا کلام الٰہی میں وارد ہے خلافت کے بارے میں جو کچھ کیا وہ حق تھا اور حق کیوں نہ ہو جب خود حق سبحانہ تعالیٰ منتظم کار ہو۔ (تصفیہ مابین سنی وشیعہ،۲۰)

پیر صاحب آف گولڑہ شریف نے کس وضاحت سے فرمایا کہ حق اور انصاف یہی ہی ہے کہ آیت انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین امنوا آلایہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی اس کے مصداق ہیں یہ آیت ان کی شان افضلیت کو بیان کر رہی ہے اور دوسری آیت "من یتول اللہ ورسولہ والذین امنوا آلایہ میں مورد نص بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہیں یہ بھی ان کی انفرادی شان اور افضلیت مقام کی تبیان ہے، شیعہ مذہب کے امام محمد باقر نے بھی تصدیق کر دی ہے کہ مورد نص ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہیں حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ وہ مومنین میں سے ہیں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چونکہ ان خصوصیات کے جامع تھے اس لئے تمام مؤمنین سے بیعت لینا ان کا حق تھا اسی وجہ سے تمام مؤمنین نے جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ برحق جان کر بیعت کی اور ان کی اطاعت کو واجب گردانا اور ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بھرپور معاونت فرمائی ''یحبھم ویحبو نہ'' کی جاویدانی سند حاصل کی۔
یہ وضاحت اس سید زادے کی ہے جو صحیح معنوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد اور فاطمی النسل ہے، یہ وہ سیّد عالی مقام ہے جو عالم علم لدنی ہے برصغیر میں ان کا علم رسمی حد بندیوں سے وراء الوارء ہے، اولاد علی ہونے کے باوجود کس قدر دلائل قطعیہ سے افضلیت ابوبکر کو ثابت فرمایا ہے لہذا ابوبکر باقلانی کا یہ کہنا کہ افضلیت معلوم کرنے کا کوئی طریقہ معلوم نہیں غلط اور مردود ہے، بلکہ پیر صاحب نے اس حد تک وضاحت فرمادی ہے کہ حضرت ابوبکر کا بیعت لینا اور مومنین (صحابہ) کا خلیفہ راشد جان کر بیعت کرنا اور ان کو واجب الاطاعت جاننا وغیرہ سب امور انتظام باری تعالیٰ کے تحت سرانجام پا رہے تھے، اتنے واضح اور مضبوط طریقہ ہوتے ہوئے قاضی ابوبکر باقلانی کا قول باطل محض ہے۔
پیر گولڑوی نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر ابوبکر بن عیاش کا قول بھی نقل فرمایا کہ: ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں میں نے ابوحفص سے سنا کہ کہتا تھا بعد از پیغمبر ﷺ کوئی شخص ابوبکر سے افضل نہیں کیونکہ اس نے مقاتلہ مرتدین میں نبی کا سا کام کیا ہے۔ (تصفیہ مابین سنّی وشیعہ۔۱۹)
سورۃ حدید کی دسویں آیت ''لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا، الایہ،
ترجمہ: تم میں سے وہ شخص جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا، ہر ایک کیلئے اللہ تعالیٰ نے حسن آخرت کا وعدہ فرمایا ہے، اور اللہ جو تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے۔
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ شیخین کی افضلیت اس جماعت پر جو فتح مکہ کے بعد مسلمان منطوق آیت سے ثابت ہے یعنی یہ آیت افضلیت شیخین پر نص قطعی ہے کیوں فتح مکہ سے پہلے اسلام

لانے والے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے جہاد اور قتال کرنے والے حضرات شیخین ہی ہیں۔

سرکار گولڑوی ارشاد فرماتے ہیں، اور جماعت متقدمہ پر مفہوم موافق یعنی جماعت متقدمہ میں سے جس کا انفاق وقتال مقدم ہوگا وہ سب سے افضل ہوگا، شیخین کا انفاق اور قتال احادیث صحیحہ سے مقدم ثابت ہے، لہٰذا ان کی خلافت راشدہ خلافت خاصہ ٹھہری جس میں خلیفہ کا افضل ہونا ضروری سمجھا گیا ہے۔ (تصفیہ مابین سنّی وشیعہ۔۴۳)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور سرکار گولڑوی کی تحریرات شیخین کی افضلیت پر توضیحات ہیں، افضلیت شیخین کی وجہ اور علت یہ ہے کہ انہوں نے مکہ سے قبل جہاد وقتال کیا اور راہ خدا میں خرچ بھی کیا، یہ رحمانی اور قرآنی شہادت ہے، جو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر دلالت کر رہی ہے، اسی افضلیت کی تائید اور توثیق میں حضرت امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تقدیر الایۃ ''لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح ومن انفق من بعد الفتح، کما قال لا یستوی اصحب النار واصحب الجنۃ ''(الحشر، ۲۰)

ترجمہ: ترتیب آیت اس طرح سے ہے کہ جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا، فتح مکہ کے بعد خرچ کرنے والے لوگ ان کے مساوی نہیں ہو سکتے، جیسا کہ اس کی مثال سورۃ الحشر کی اس آیت میں بیان کی گئی ہے کہ جنتی اور دوزخی برابر نہیں ہوں گے۔ امام نقل فرماتے ہیں:

''قال الکلبی نزلت ھذہ الایۃ فی فضل ابی بکر الصدیق لانہ کان اوّل من انفق المال علی رسول اللہ فی سبیل اللہ''

مفسر کلبی نے فرمایا: یہ آیہ کریمہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں نازل ہوئی ہے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں رسول اللہ ﷺ پر خرچ کیا، حضرت عمر، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کے مال خرچ کرنے کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں:

''کنت قاعدا عند النبی ﷺ وعندہ ابوبکر وعلیہ عباءۃ قد خللھا فی صدرہ بخلال

فنزل جبریل علیه الصلوة والسلام .فقال مالی اریٰ ابابکر علیه عباء ة خللها فی صدره فقال انفق ماله علی قبل الفتح "(کبیر ،حدید، ج: ۱۰ ،ص ۴۵۲)

لیکن مفسر بغوی نے معالم التنزیل میں ان الفاظ کا اضافہ فرمایا ہے:

"قال ان الله تعالیٰ یقرء علیه السلام ویقول قل له اراض انت عنی فی فقرک هذا؟ام ساخط؟ فقال ابوبکرؓ اسخط علی ربی؟اناعن ربی راض ،انا عن ربی راض ،انا عن ربی راض "

ترجمہ: کہ میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں بیٹھا ہوا تھا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ جبکہ آپ نے ایک قبا پہن رکھی تھی جس میں ببول کے کانٹوں کو بٹن بنایا ہوا تھا، اتنے میں جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا وجہ ہے کہ میں ابو بکر صدیق کو ایسی قبا پہنے ہوئے دیکھ رہا ہوں جس کے گریبان پر بٹنوں کی جگہ ببول کے کانٹے لگے ہوئے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے جبریل اس نے اپنا سارا مال فتح مکہ سے قبل مجھ پر خرچ کر دیا ہے تو جبریل امین نے عرض کیا اللہ تعالیٰ صدیق کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ ابو بکر صدیق سے پوچھو کیا تم اس غربت میں مجھ سے راضی ہو یا ناراض؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کیا میں اپنے رب سے ناراض ہو سکتا ہوں؟ میں اپنے پروردگار سے راضی ہوں میں اپنے پروردگار سے راضی ہوں، میں اپنے پروردگار سے راضی ہوں۔

احادیث مبارکہ سے یہ بات ثابت ہے کہ جس دن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا ،اور برملا ایمان لائے ،اس دن آپ کے پاس چالیس ہزار دینار یا درہم تھے، جو آپ نے اللہ کی راہ میں غلاموں کو خرید خرید کر خرچ کر دیئے، جن میں سے پانچ ہزار دینار یا درہم بچ گئے تھے وہ ہجرت کے وقت اپنے ساتھ لے گئے، جب مدینہ منورہ آئے تو مسجد نبوی کے لئے جگہ خریدی گئی وہ آپ نے اس میں صرف کر دیئے۔

سید صاحب نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ اس واقعہ صدیق کو اپنی کتاب کے صفحہ ۷۷، پر امام بغوی کی تفسیر معالم التنزیل سے نقل فرمایا ہے، اور چالیس ہزار درہم کی تعداد، اور ملکیت

ابن عساکر کی روایت سے بھی بیان فرمائی ہے اور ساتھ ہی یہ تشریح فرمائی کہ اس دور میں سوائے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے اتنی بڑی مالیت کا مالک دوسرا انسان نہیں تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا متاع زندگی کے دھوئیں اڑا کر سرکار دو جہاں علیہ السلام کی رضا جوئی کا طالب رہنا ایک غیر عادی معیار ہے، اس قدر زر کثیر کا خرچ کرنا، اور کبھی شکریے تک کی توقع نہ کرنا اور بے کس مظلوم مسلمانوں کو خرید کر طوق غلامی سے آزاد کرنا صفحہ تاریخ پر ایک حسین یادگار ہے" سید صاحب کی اس مذکورہ تحریر سے جو مبنی برصداقت ہے درج ذیل امور ثابت ہوئے:

۱: فتح مکہ سے قبل صرف دو ہی شخص مالدار تھے، ایک حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، اور دوسرے سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

۲: اتنے زر کثیر کا خرچ کرنا، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ علیہ السلام کی رضا جوئی کیلئے تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل و دماغ میں شکریے تک کی توقع نہ تھی، صرف للّٰہیت تھی"

۳: سید صاحب نے فرمایا اتنا زر کثیر کا خرچ کرنا غیر عادی معیار ہے۔ "صفحہ تاریخ پر ایک حسین یادگار ہے" یہ امور مذکورہ بالا کیا اس بات کی شہادت نہیں کہ ظاہری کمالات اور باطنی اوصاف میں فتح مکہ سے پہلے کوئی شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہم پلہ نہ تھا، ان کے دل میں اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کی محبت کا جذبہ انسانی عادات، اور فطری معیار سے کہیں بلند و بالا تھا، اور یہی جذبہ وایثار تاریخ انسانیت کا سنہری اور انوکھا باب نہیں؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا ان اقدار جاویدانی کا حامل شخص دنیائے اسلام کا ہیرو ہے، دور صحابیت کے جلوے سمیٹنے والا کوئی بھی خوش بخت اس کی اہمیت اور افضلیت کو فتح نہیں کر سکا۔

حیرت اس بات پر ہے کہ سید صاحب نے پہلے یہ فرمایا کہ افضلیت کے معلوم کرنے کا کوئی طریقہ نہیں توقف بہتر ہے اور پھر ابوبکر باقلانی کی رائے ان کی کتاب "مناقب آئمہ اربعہ" سے پیش فرمائی، ازاں بعد خود ہی افضلیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر معالم التنزیل اور ابن عساکر کی روایت سے استشہاد فرمایا، یہ تضاد ہے، دونوں کو صحت کا درجہ دینا ضدیں ہیں جو باطل اور لائق

تردید ہے ایک رائے کو بہر حال تسلیم کرنا پڑے گا، کیونکہ جس طرح اجتماع ضدین محال ہے اسی طرح ارتفاع بھی محال ہے، دن اور رات، روشنی، اندھیرا، علم، جہالت، وغیرہ باہم ضدات ہیں، ایک ارتفاع / نفی دوسرے کے وجود کو مستلزم ہے، اگر امام ابوبکر باقلانی کی رائے قابل تسلیم ہو تو سید صاحب کی تحریر افضلیت بے مقصد ہو کر رہ جائیگی۔ اور اگر سید صاحب کی تحریر افضلیت تسلیم کیا جائے تو ابوبکر باقلانی کی رائے عبث ٹھہرتی ہے، تو اس کا حل یہ ہوگا کہ سید صاحب نے افضلیت ابوبکر پر جو ثبوت پیش کیا ہے وہ حق اور مطابق قرآن وسنت ہے اور وہ وجہ ترجیح ہے اس کی موجودگی پر سید صاحب کی تحریر افضلیت کو ترجیحاً تسلیم کرنا پڑے گا، اور امام باقلانی کی رائے مسترد کیا جائے گا، وھو المقصود، سید صاحب کی تحریر افضلیت سورۂ حدید کی آیت "لایستوی من انفق قبل الفتح وقاتل الایۃ" کا خلاصہ تفسیر ہے، جو بہر صورت موجب تسلیم ہے۔

سید صاحب نے ابوبکر باقلانی کی کتاب "مناقب آئمہ اربعہ" سے اعلامیہ جاری کر دیا کہ افضلیت کے مسئلہ میں توقف بہتر ہے کیونکہ افضلیت کو واضح اور ثابت کرنے کا طریقہ معلوم نہیں ہو سکا، مگر ابن عساکر کی روایت اور امام بغوی کی معالم التنزیل سے افضلیت ابوبکر کا ثبوت نقل کر کے، اور اس پر اپنا خوبصورت تبصرہ فرما کر خود ہی اس اعلامیہ کی خلاف ورزی کی ہے، جس سے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ سید صاحب کے اندر کا انسان بول اٹھا اور کہا کہ باقلانی کا موقف ذخیرہائے نقولات کی روشنی میں غلط ہے اس کیلئے سر دست ابن عساکر اور معالم التنزیل کی طرف مراجعت کی جائے،،

یہی امام ابوبکر باقلانی اپنی کتاب "مناقب آئمہ اربعہ" میں فرماتے ہیں :

"و القول بتفضیل علی رضوان اللہ عنہ مشہور عند کثیر من الصحابۃ کالذی یروی عن عبد اللہ ابن عباس وحذیفۃ بن الیمان و ابی الھیثم بن التیھان وغیرھم وان کانت الروایۃ فی تفضیل ابی بکر اشھر عند اصحاب الحدیث "(زبدۃ ۱۹)

ترجمہ: حضرت علی کی افضلیت کثیر صحابہ کی نزدیک مشہور تھی، جیسا کہ عبد اللہ بن عباس، اور حضرت حذیفہ ابن الیمان اور ابی الہیثم بن التیہان رضی اللہ عنہم وغیرہم کے بارے میں روایت کیا جاتا ہے

اگر چہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت اہل حدیث کے ہاں زیادہ مشہور تھی۔ امام ابو بکر باقلانی کی ایک تحریر بصورت تجویز پہلے گزر چکی ہے کہ چونکہ افضلیت معلوم کرنے کا طریقہ نہیں اس لئے خاموشی بہتر ہے۔ اگر چہ یہ رائے ، تجویز خلاف حقائق ہونیکی وجہ سے مسترد اور مردود ہے اب مذکورہ عبارت میں یہ تحریر فرمایا کہ صحابہ کی اکثریت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا عقیدہ رکھتی تھی لیکن صرف تین صحابہ کا نام لیا ، صحابہ حضرات عبد اللہ بن عباس ، حذیفہ بن یمان ، ابو الہیثم رضی اللہ عنہم پھر بعد میں تحریر فرمایا اہل حدیث کے نزدیک حضرت ابو بکر کی افضلیت زیادہ مشہور تھی ، ہر دو عبارات تضاد مواقف پر مبنی ہیں ، جب یہ معلوم تھا جیسا کہ ان کی تحریر سے ثابت ہے کہ اکثر صحابہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ سے افضل مانتے ہیں ، تو خاموشی اختیار کرنے کا لکھنا اور حکم دینا چہ معنی دارد؟ پھر اکثر صحابہ کا قول افضلیت طریقہ ء معلوم نہیں ؟ اصحاب حدیث کے نزدیک افضلیت ابو بکر کا ثبوت بدرجہ زیادتی شہرت یعنی بطریق تواتر بھی ذریعہ ء علم نہیں ؟ اصحاب حدیث کون ہیں ؟ محدثین ، یا روایت کرنے والے صحابہ کرام ہر دو صورتوں میں زیادتی شہرت ارجح اور دلیل افضلیت نہیں ہے ؟ اگر نہیں تو بطور تقابل ذکر کرنیکی ضرورت ہی کیا تھی ؟ اکثر دلیل کے طور پر مفید ہے اور یقینا مفید ہے تو اکثر صحابہ (بقول باقلانی) کی رائے کی شرعی حیثیت کیا ہو گی ؟

اور دونوں آراء کو مساوات کا درجہ دینے کی صورت میں تضاد و تناقض حکم سے بچنے کیلئے طریق موافق کیا ہو گا ؟ بحمد اللہ آگے چل کر ہم انشاء اللہ تفصیلی گفتگو کریں گے۔

امام ابو بکر باقلانی کی تضاد مواقف پر مبنی تحریرات سے افضلیت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر عقیدہ کی بنیاد رکھنا غلط ہے کیونکہ ان تحریرات سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا عقیدہ بھی سامنے آیا ہے۔ جو توقف کے حکم اول کو منسوخ کر کے احتمال کے درجہ میں لے آیا ہے ، اور قانون یہ ہے کہ "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال " افضلیت ابو بکر کا احتمال ، احتمال محض نہیں بلکہ یہ ناشی عن الدلیل ہے ، یعنی اصحاب حدیث کے نزدیک افضلیت ابو بکر کا حد شہرت سے متجاوز ہونا اور علمائے اصول کے ہاں احتمال ناشی ء عن دلیل ، دلیل ہوا کرتا ہے اور جب ایک قضیہ (افضلیت) میں دو متضاد

دلیلیں پائی جائیں تو حکم ثابت نہیں ہوتا صورت مبحوثہ عنہا میں افضلیت حضرت المرتضٰی میں کثرت صحابہ کے بالمقابل اور معارض دلیل اشہریت افضلیت ابوبکر صدیق پائی گئی ہے۔لہٰذا امام ابوبکر باقلانی کا موقف "افضلیت حضرت علی رضی اللہ عنہ ثابت ہوا نہ ہوگا" یہاں ایک سوال یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آیا سورۂ حدید کی آیت نمبر دس جو زیر بحث اور عنوان افضلیت میں سند واضح ہے۔کیا اس کا مصداق حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی ہوسکتے ہیں؟ تو جواباً کہا جائے گا کہ یہ آیت صرف اور صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے، سید صاحب نے "زبدۃ، ص،۹۹" پر تحریر فرمایا ہے، کہ یہ آیت بقول واحدی نیشاپوری (بحوالہ اسباب النزول ص ۳۰۳) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے، حضرت امام رازی ایک سوال نقل کرکے اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں: "سوال یہ کہ من انفق کا مورد اور مصداق حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، وہی صاحب الانفاق ہیں کیونکہ خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "ویطعمون الطعام علی حبه یتیماً و مسکیناً و اسیراً" (الانسان،۸)

جواب کے عنوان میں تحریر فرمایا:۔اطلاق القول بانه انفق لایتحقق الااذاانفق فی الوقائع العظمة اموالاً عظیمة"

ترجمہ: مال خرچ کرنا اس وقت کہا جاتا ہے جب انتہائی مشکل اور کٹھن حالات میں زرکثیر خرچ کیا جائے یہ اوصاف صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں پائے جاتے ہیں، اس لئے من انفق کا مصداق حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں ہیں امام رازی نے نقل فرمایا "و ذکر الواحدی فی البسیط ان ابابکر کان اول من قاتل علی الاسلام، ولان علیا فی اول ظهور الاسلام کان صبیا صغیرا لم یکن صاحب القتال واما ابابکر فانه کان شیخا مقدما وکان یذب عن الاسلام حتی ضرب بسببه ضربا اشرف به علی الموت" (کبیر، حدید، ج۱۰، ص:۴۵۲)

ترجمہ: واحدی نے کتاب بسیط میں یہ ذکر کیا ہے کہ اسلام کی تائید میں اوّل لڑنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ اس لئے نہیں کہ ظہور اسلام کے وقت بہت چھوٹے

ے اور لڑنے کے قابل نہ تھے جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صف اول کے شیخ کامل تھے
ور بھرپور طریقے سے اسلام کا دفاع فرماتے تھے، اسی دفاع کے سلسلہ میں آپ شدید زخمی ہوئے
ور قریب المرگ ہو گئے، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ صغر سنی کی وجہ سے صاحب انفاق تھے نہ
احب قتال سید صاحب نے زبدۃ کے صفحہ ۷۶، پر اختصار انقل فرمایا ہے کہ عہد رسالت کے مالی
سائل کی کچھ وضاحت ہو جائے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جذبہ ایثار کا خاکہ تیار
کرنے میں مدد ملے گی اس وقت میں تین درہم میں گائے خریدی جاسکتی تھی مکہ شریف میں تازہ ترین
حط سالی جو گزر چکی تھی اس کا دباؤ مدتوں رہا اسی دور میں نبی کریم ﷺ اور آپ کے چچا عباس رضی اللہ
عنہ جناب ابوطالب کے پاس جا کر ایک ایک بیٹا اپنے ساتھ لے آئے تھے تاکہ جناب ابی طالب کو
روزانہ کی معیشت میں کچھ تخفیف مل جائے، ابن ہشام کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ ابوطالب نے
کہا عقیل کو میرے لئے چھوڑ دو اور باقی جس کو چاہے لے جاؤ آپ ﷺ نے حضرت علی اور عباس نے
حضرت جعفر کو اپنی کفالت کیلئے پسند فرمایا۔ (سیرت ابن ہشام ج ۱، ص ۸۴)
بدیں وجوہات سورۃ حدید کی آیت نمبر ۱۰ کا مصداق حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ حضرت ابوبکر
رضی اللہ عنہ ہیں اب غور طلب آیت کا یہ جملہ "لایستوی من انفق قبل الفتح وقاتل الایۃ
" ہے جو روز روشن کی طرح "من انفق من قبل الفتح وقاتل" سے "من انفق من بعد الفتح
" سے نسبت تساوی کا خاتمہ کر رہا ہے منطقی قانون کے مطابق رفع تساوی وضع تباین کو مستلزم ہے تساوی
میں ایک شیء کا حمل اور اطلاق دوسری شیء پر جائز ہوتا ہے، جیسے انسان اور ناطق کے درمیان نسبت
تساوی ہے کیونکہ کل انسان ناطق، اور کل ناطق انسان کہنا جائز ہے تساوی کی نسبت دو موجبہ کلیہ پیدا
کرتی ہے۔ جبکہ نسبت میں تباین ایک دوسرے پر حمل ممنوع اور اطلاق جائز نہیں ہوتا، اور نسبت
تباین کی کوکھ سے دو سالبہ کلیہ جنم لیتے ہیں، جیسے انسان اور پتھر میں نسبت تباین ہے، ان کا حمل ایک
دوسرے پر ناممکن ہے، اگرچہ جوہر اور جسم مطلق میں ان کی باہمی مشارکت موجود ہے مشارکت
ہونے کے باوجود انسان کا پتھر پر حمل اور اطلاق ممنوع ہے اور اسی طرح پتھر کا انسان پر حمل اور اطلاق

بھی نہیں ہوسکتا ،نسبت تباین دوسالبے کلیے کا افادہ کرتی ہے ،انسان اور پتھر کے درمیان نسبت نے دوسالبے کلیے جنم دیئے، پہلا ''لاشیء من الانسان بحجر ،دوسرا لا شیء من الحجر بانسان ''

اس ضابطہ کوملحوظ خاطر رکھنے کے بعد صورت آیت یوں ہوگی ''المنفق من قبل الفتح لیس بمساوی بمن انفق بعد الفتح '' دوسرے لفظوں میں لاشیء من المنفق قبل الفتح منفق بعد ''ہے اور یہ صادق ہے،اسی طرح اس کا عکس مستوی، لا شیء من المنفق بعد الفتح بمنفق قبل الفتح '' بھی صادق ہے،اس تقدیر پر آیہ ءکریمہ کا مفاد یہ ہوگا کہ صحابہ کرام میں سے بشمول حضرت علی رضی اللہ عنہ کوئی بھی آپ کے مساوی نہیں چہ جائیکہ آپ سے افضل ہو۔

یہاں ایک سوال کیا جاسکتا ہے کہ آیہ ءمقدسہ میں مساوات کلی کی نفی نہیں تا کہ یہ کہہ دیا جائے کہ فرد صحابہ میں سے کسی بھی وصف میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مساوی نہیں لہذا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل صحابہ ہیں جواباً گزارش کی جائے گی کہ اولاً آیہ ءکریمہ میں کوئی ایسا قرینہ نہیں جو تفضیل جزوی کیلئے معاون اور مددگار ہو، کیونکہ لا یستوی ،صیغہ ءواحد مذکر غائب مقید ہے، ''منکم ،میں من تبعیضیہ ہے، جو اکائی کا فائدہ دے رہا ہے،من موصولہ لفظ عام ہے مگر خصوص کے لئے مستعمل ہے،ان تمام قرائن کے بوصف اگر یہ مراد لی جائے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو انفاق قبل الفتح اور قتال قبل الفتح کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے تو بھی یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ یہ دو خصوصیات ایسی عظیم ہیں جن کو اگر دوسرے صحابہ کی نیکیوں کی مقابل تولا جائے تو پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پلہ بھاری ہوگا ،کیونکہ یہ ان کی بے کراں عظمت اور غیر محدود فضیلت اس سے ہی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شان ابوبکر میں بطور خاص ان کا ذکر فرمایا ہے گویا جزوی فضیلت بھی دیگر صحابہ پر کلی افضلیت کا درجہ رکھتی ہے،وصف ذات ابوبکر صدیق کیلئے عرض لازم ہیں جو اور کسی صحابی میں نہیں پائے جاتے ،حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جوانمردی کی ایک جھلک جو قاتل کی عملی تفسیر ہے، جب اسلام لانے والوں کی تعداد اڑتیس ہوگئی تو حضرت ابوبکر صدیق

...ضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ اب ہمیں کھل کر میدان میں آنا چاہیے اور تبلیغ
...سلام کا فریضہ پوری ہمت اور جرأت سے انجام دینا چاہیے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا! اے ابوبکر ہم
...ھی تعداد میں تھوڑے ہیں، حضرت ابوبکر کے بار بار اصرار کرنے پر رسول اللہ ﷺ دارارقم کے حجرہ
...ے نقل کر کے حرم مقدس کے صحن میں اپنے غلاموں کے ہمراہ تشریف فرما ہوئے، مسلمانوں کی یہ
...تصری جمعیت مسجد کے کونوں میں بکھر گئی اور اپنے اپنے قبیلہ میں اپنی اپنی نشستیں سنبھال لیں، جب
...ب لوگ بیٹھ گئے تو آقائے دو جہاں ﷺ بھی تشریف لے آئے تاریخ اسلام کے پہلے خطیب
...ضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف دعوت دینے کیلئے اٹھ
...کھڑے ہوئے، کفار خطبۂ صدیق کو سن کر آگ بگولہ ہو گئے اور مشتعل ہو کر حضرت ابوبکر صدیق اور
...وسرے مسلمانوں پر حملہ آور ہو گئے، اور خوب مار پیٹ کی حضرت ابوبکر پر کفار کو شدید غصہ تھا چنانچہ
...ھکے دے کر آپ کو زمین پر گرا لیا اور اوپر چڑھ گئے پاؤں سے لتاڑنا اور ڈنڈوں سے مارنا شروع کر
...یا اتنے میں بدبختی کا مجسمہ عتبہ بن ربیعہ آ گیا اپنے بھاری بھرکم جوتے اتار کر ان سے آپ کے
...رے پر پے در پے ضربیں لگانے لگا اور آپ کے پیٹ پر چڑھ کر کودنا شروع کر دیا آپ کا چہرہ سوج
...ر پھول گیا یہاں تک کہ ناک سوجن میں نظر ہی نہ آتی تھی جب آپ کے قبیلہ بنی تمیم کو معلوم ہوا تو
...ہوں نے مشرکین کو دھکے دے کر دور ہٹایا، اور آپ کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر آپ کے گھر لے گئے
...پ کی حالت انتہائی تشویش ناک اور موت کا منظر تھی، آپ کی وفات میں کسی کو شک تک نہ تھا پھر
...و تمیم مسجد حرام میں واپس آئے اور یہ اعلان کر دیا کہ اگر ابوبکر مر گئے تو ہم عتبہ کو ضرور قتل کریں گے
...س اعلان کے بعد وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے آپ مدہوش پڑے تھے، آپ
...کے والد ابو قحافہ اور قبیلہ والے، آپ کو بلاتے تھے لیکن آپ جواب نہیں دیتے تھے، پورا دن غشی طاری
...ی جب سورج غروب ہونے لگا تو آپ کو کچھ ہوش آیا اور سب سے پہلا جملہ جو آپ کی زبان سے
...لا وہ یہ تھا کہ "مافعل رسول اللہ ﷺ" بتاؤ میرے آقا اور میرے ہادی کا کیا حال ہے؟ یہ سن کر ان
...گوں نے آپ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا ملامت کرتے ہوئے اٹھ کر چلے گئے، اور یہ کہہ کر گئے کہ

اے ام الخیر ابوبکر کا خیال رکھنا اور ضرور کھلانا پلانا، جب والدہ ام الخیر اکیلی رہ گئیں اور اصرار شروع کیا کہ آپ بولیں آپ نے پھر وہی جملہ دہرایا "مافعل رسول اللہ ﷺ" اللہ کے پیارے رسول ﷺ کا کیا حال ہے؟ آپ نے کہا اماں ام جمیل بنت خطاب کے پاس جاؤ اور حضور ﷺ کے بارے میں اس سے دریافت کرو، آپ کی والدہ ام جمیل کے پاس گئیں اور کہا کہ ابوبکر تجھ سے محمد بن عبداللہ کے بارے میں پوچھتا ہے اس نے کہا میں نہ ابوبکر کو جانتی ہوں اور نہ محمد بن عبداللہ کو، اگر تو پسند کرے تو میں تمہارے ساتھ تمہارے بیٹے کے پاس چلتی ہوں، ام الخیر نے کہا بہت بہتر ام جمیل ان کے ساتھ ابوبکر کے گھر آئی دیکھا کہ ابوبکر مدہوش پڑے ہیں اور نزع کی حالت ہے ام جمیل آپ کے قریب گئیں اور رونا چیخنا شروع کر دیا اور کہا بخدا جس قوم نے تیرے ساتھ یہ بہیمانہ سلوک کیا ہے بے شک وہ فاسق، فاجر، کافر ہے اور اللہ تعالیٰ ضرور ان سے انتقام لے گا، لیکن صدیق اکبر نے اس وقت بھی وہی سوال کیا، "مافعل رسول اللہ ﷺ" میرے آقا کا کیا حال ہے؟

ام جمیل نے کہا یہ آپ کی ماں سن رہی ہے، آپ نے جواب دیا اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، اطمینان ہو جانے کے بعد ام جمیل نے کہا سالم اور صحیح ہیں، آپ نے پھر پوچھا حضور کہاں ہیں؟ خاتون نے بتایا کہ حضور دارارقم میں ہیں، اپنے آقا کی خیریت کی خبر سن کر آپ کے ہوش ٹھکانے آگئے، اور کہا کہ بخدا میں اس وقت تک کچھ نہیں کھاؤں گا نہ پیوں گا جب تک اللہ کے پیارے رسول ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل نہ کرلوں، گویا آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر حضور کی خیریت کے بارے اطمینان حاصل کرنا چاہتے تھے، ان دونوں خواتین نے کچھ دیر انتظار کیا یہاں تک کہ لوگوں کی آمد و رفت ختم ہو گئی، سناٹا چھا گیا وہ آپ کو لے کر گھر سے نکلیں حضرت ابوبکر صدیق ان کا سہارا لئے ہوئے حضور کی بارگاہ میں پہنچے، تو رسول اللہ ﷺ ان پر جھک گئے اور ان کو بوسے دینے لگے مسلمان بھی ان پر جھک گئے اور آپ کی حالت زار کو دیکھ کر نبی کریم ﷺ کے دل مہربان پر بڑی رقت طاری اور رگداز طاری ہوا (ابن کثیر جز ۱، ص ۴۳۹ تا ۴۴۱)

بات امام ابوبکر باقلانی کی رائے سے حیرت کی ہو رہی تھی کہ مسئلہ تفضیل میں خاموشی بہتر ہے نہ کہ

میں سے کسی ایک کی افضلیت کو قطعی کہتے ہیں، اور نہ ہی ان کی برابری کو کہتے ہیں، وہ لوگ ثواب کے زیادہ قریب ہیں اور ثبوت پیش کرنے میں زیادہ قدرت رکھتے ہیں اس پر سید صاحب نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کسی ایک کو قطعی طور پر افضل سمجھنے میں اتفاق نہیں ہوا، اختلاف بھی ہوا ہے اور توقف بھی ہوا ہے، امام ابوبکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک توقف سب سے افضل مذہب ہے، توقف کا معنی یہ ہے کہ ہم اس مسئلہ میں خاموشی اختیار کرتے ہیں، اور کسی کو افضل نہیں کہتے۔ (زبدۃ، ۱۸)

اقول، قاضی ابوبکر باقلانی کی رائے، قولِ فرد واحد کا قول ہے جو جمہور اہل سنت و جماعت کے خلاف ہے، امام نواوی نے شرح مسلم میں نقل فرمایا کہ امام ابوعبداللہ المارزی نے فرمایا "اختلف الناس فی تفضیل بعض الصحابة علی بعض فقالت طائفة لانفاضل بل تمسک عن ذالک، قال الجمهور باالتفضيل"

ترجمہ: بعض صحابہ کو بعض پر فضیلت دینے میں لوگوں کی آراء مختلف ہیں، ایک گروہ تفضیل کا قائل نہیں، بلکہ سکوت کرتا ہے، مگر جمہور تفضیل کے قائل ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو باقی صحابہ سے افضل قرار نہ دینا اور امام ابوبکر باقلانی کی طرح خاموشی اختیار کرنے کا مشورہ دینا قول بعض ہے لیکن جمہور تفضیل ابوبکر کے قائل ہیں، جمہور علمائے امت کی رائے اور مذہب کے خلاف ایک فرد کی رائے مردود اور باطل ہے امام نواوی فرماتے ہیں: "ثم اختلفوا فقال اهل السنة افضلهم ابو بکر الصديق وقال الخطابية عمر بن الخطاب وقالت الرونديةافضلهم العباس و قالت الشيعة علی و افق اهل السنة ان افضلهم ابوبکر ثم عمر"

اہل تفضیل کے ہاں اختلاف اس بات میں ہے کہ آیا صحابہ میں کون افضل ہے؟ اہل سنت و جماعت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سب صحابہ سے افضل مانتے ہیں، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے نسبت رکھنے والے حضرت عمر، اور راوندیہ والے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اور شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب صحابہ سے افضل مانتے ہیں، امام نواوی کی اس توضیح سے واضح ہوا کہ اہل سنت

وجماعت کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں، اور شیعوں کے نزدیک افضل الصحابہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں، امام نواوی کی اس توضیح نے ثابت کر دیا کہ حضرت ابوبکر کو افضل نہ ماننے والا اہل سنت و جماعت سے نہیں، وہ شیعہ مذہب کا پیروکار ہے کیونکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ سے افضل مانتا ہے۔

ابومنصور البغدادی نے فرمایا: ''اصحابنا مجمعون علی ان افضلھم الخلفاء الاربعۃ علی الترتیب المذکور''

ترجمہ: ہمارے تمام اصحاب کا اس بات پر اجماع ہے کہ تمام صحابہ میں ترتیب کے مطابق خلفاء اربعہ افضل ہیں، یعنی خلفائے اربعہ ترتیب خلافت کے مطابق تمام صحابہ سے افضل ہیں، حضرت ابوبکر صدیق پہلے خلیفہ راشد ہیں لہٰذا وہ سب صحابہ سے افضل ہیں۔

امام نواوی نے نقل فرمایا: ''واختلف العلماء ان التفضیل المذکور قطعی ام لا، وھل ھو فی الظاھر والباطن ام فی الظاھر خاصہ وممن قال بالقطع ابو الحسن اشعری و ھم فی الفضل علی ترتیبھم فی الامامۃ وممن قال بانہ اجتھادی ظنی ابوبکر بن الباقلانی''

ترجمہ: علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ خلفائے اربعہ کے درمیان جو تفضیل ہے یہ قطعی ہے یا ظنی؟ آیا یہ افضلیت ظاہریہ ہے یا باطنیہ؟ امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ''ممن کا مفاد ہے، علماء متکلمین خلفائے اربعہ کے درمیان پائی جانے والی افضلیت کو قطعی قرار دیتے ہیں اور یہ افضلیت ظاہریہ بھی ہے اور باطنیہ بھی، اور یہ افضلیت قطعیہ ترتیب خلافت کے لحاظ سے ہے، خلافت راشدہ میں حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ اوّل ہیں، آپ کی افضلیت قطعی ہے جو ظاہر اور باطن دونوں کو شامل ہے مذکورہ بالا امام نواوی کا قول اس بات کی سند ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت قطعی پر علمائے متکلمین اشعریہ اور ماتریدیہ کا اجماع ہے، اس افضلیت کو اجتہادی اور ظنی کہنے والے اکیلے ابوبکر الباقلانی ہیں، افضلیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تردید اور نفی میں باقلانی کا حوالہ دینا موثر نہیں، کیونکہ جمہور اور اجماع کے مقابل فرد واحد کا قول معتبر نہیں ہوتا امام بخاری رحمۃ اللہ

عایہ نے بخاری شریف میں باب الفضل ابی بکر بعد النبی علیہ وسلم قائم کیا ہے جس کے تحت محشی نے قسطلانی کے حوالے سے نقل فرمایا: المراد بالبعدیۃ ھھنا الزمانیہ واما البعدیۃ فی الرتبۃ فیقال فیھا الافضل بعد الانبیاء ابوبکر وقد اطبق علی انہ افضل الامۃ حکی الشافعی وغیرہ اجماع الصحابۃ والتابعین علی ذالک،" ص ۵۱۶"

ترجمہ: بعد النبی علیہ وسلم میں بعدیۃ زمانیہ ہ اور بعدیۃ رتبیہ ہو سکتی ہے اور اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پوری امت سے افضل ہیں، حضرت امام شافعی، اور دیگر آئمہ نے افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر صحابہ اور تابعین کا اجماع ہونا بیان فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "کنا نخیر بین النا س فی زمن رسول اللہ ﷺ فنخیر ابابکر ثم عمر بن خطاب ثم عثمان بن عفان "(بخاری ج، ا، ص، ۵۱۶)

ترجمہ: رسول اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ہم تجزیہ کیا کرتے تھے کہ صحابہ میں کون کون افضل ہیں، پس ہمارا تجزیہ ہوتا کہ ابوبکر سب سے افضل ہیں، پھر عمر افضل ہیں اور پھر حضرت عثمان بن عفان افضل ہیں۔

یہ حدیث مرفوع ہے، حضرت امام الحافظ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قول الصحابی کنا نقول، کذا، او نفعل کذا، او نری کذا، ان لم یقفہ الی زمن النبی ﷺ فھو موقوف"

ترجمہ: اگر صحابی یہ کہے کہ ہم ایسا کہا کرتے تھے، یا ایسا کیا کرتے تھے، یا ہماری رائے ایسی ہوتی تھی تو زمن النبی علیہ وسلم کا ذکر نہ ہو تو وہ حدیث موقوف ہے، کیونکہ صحابی کی یہ بات رسول اللہ تک نہیں پہنچی اور نہ آپ کے زمانہ اقدس میں دوسرے صحابہ میں مشہور ہوئی ہے امام نواوی نے اپنی مشہور کتاب "تقریب" میں فرمایا: وان اضافہ فالصحیح انہ مرفوع" ترجمہ: اگر صحابی نے اپنے قول، فعل کو نبی کریم علیہ وسلم کے زمانہ اقدس کی طرف منسوب کیا تو صحیح قول یہ ہے کہ وہ حدیث مرفوع ہوگی، یعنی اگر صحابی نے یوں کہا کہ نبی کریم علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ایسا کرتے تھے، یا ایسا کہتے تھے، مگر آپ علیہ وسلم منع نہیں فرماتے تھے، تو یہ حدیث مرفوع ہوگی، اسکے مرفوع ہونے پر تمام محدثین کا اجماع ہے۔

امام جلال الدین السیوطی فرماتے ہیں: فان کان فی القصة تصریح باطلاعه ﷺ فمرفوع اجماعا کقول ابن عمر کنا نقول ورسول الله ﷺ حی افضل هذه الامة بعد نبيها ابوبکر وعمر وعثمان ویسمع ذالک رسول الله ﷺ فلا ینکره، رواه الطبرانی فی الکبیر ،تدریب الراوی ص،۱۵۷ تا ۱۵۸)

ترجمہ: اگر واقعہ میں یہ صراحت پائی جائے کہ رسول اللہ ﷺ اس پر مطلع ہیں تو بالا جماع وہ حدیث مرفوع ہوگی جیسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہم کہا کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد سب امت سے افضل ،ابوبکر ؓ پھر عمر اور پھر عثمان رضی اللہ عنہم ہیں نبی اکرم ﷺ سنا کرتے تھے لیکن اس کا انکار نہیں فرماتے تھے۔

یہ حدیث قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہے یعنی افضلیت ابوبکر کا مسئلہ صحابہ میں موضوع سخن رہا، حضور علیہ السلام اس سے باخبر اور باعلم تھے مگر ایسا عقیدہ رکھنے والے صحابہ کو آپ نے منع نہیں فرمایا، اور نہ ہی اس کی تردید فرمائی کہ ابوبکر افضل نہیں بلکہ علی افضل ہیں۔ کنا نقول ماضی استمراری لانے سے واضح ہوگیا کہ افضلیت ابوبکر کا تذکرہ ایک آدھ بار نہیں ہوا بلکہ اوقات کثیرہ میں صحابہ افضلیت ابوبکر وعمر اور عثمان پر گفتگو فرماتے اور حضرت ابوبکر کو ہی افضل مانتے رہے تھے۔

اس حدیث سے بھی خلفائے اربعہ کی خلافت اور ترتیب خلافت کے مطابق ابوبکر صدیق کی افضلیت قطعیہ ثابت ہوتی ہے۔ افضلیت قطعیہ کے عنوان میں امام اہل سنت الشاہ احمد رضا خاں بریلوی نے ایک واقعہ نقل فرمایا ہے: حضرت میمون بن مہران سے سوال ہوا کہ شیخین افضل ہیں یا علی؟ اس کلمے کے سنتے ہی ان کے بدن پر لرزہ پڑا یہاں تک کہ عصا مبارک ہاتھ سے گر گیا اور فرمایا مجھے گمان نہ تھا کہ اس زمانے تک زندہ رہوں گا جس میں لوگ ابوبکر وعمر کے برابر کسی کو بتائیں گے، یہاں سے ظاہر ہے کہ زمانہ صحابہ وتابعین میں تفضیل شیخین پر اجماع تھا اور اس کے خلاف سے ان کے کان محض نا آشنا اور اسے ایسا جلی وصریح اور خلاف کو نا گوار اور قبیح سمجھتے کہ بمجرد سوال صدمہ عظیم گزرا دفعۃً بدن کانپ اٹھا اسی طرح امام شافعی وغیرہ اکابر آئمہ وسادات الامۃ اس معنی پر اجماع صحابہ وتابعین

نقل کرتے ہیں "کما حکاہ البیہقی ،" (امطلع القمرین ص ۶۳)

پہلے امام قسطلانی شارح بخاری کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ حضرت امام شافعی اور دیگر آئمہ اسلام ،اور اکابر امت نے افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر صحابہ اور تابعین کا اجماع نقل کیا ہے امام اہل سنت شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ مذکورہ نقل فرمانے کے بعد فرمایا کہ امام بیہقی نے بھی امام شافعی اور دیگر اکابرین امت ،اور آئمہ اسلام کا اجماع بر افضلیت ابو بکر نقل فرمایا ہے جس سے صاف اور شفاف طور پر افضلیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قطعی ہونے پر روشنی پڑتی ہے۔

کمال الدین محمد بن محمد نقل فرماتے ہیں کہ :

قد ثبت ذالک لنا صریحا و دلالۃ کما فی صحیح البخاری من حدیث عمر و بن العاص حین سالہ علیہ السلام من احب الناس الیک من الرجال فقال ابوھا "

ترجمہ: ہمارے لئے صراحت اور دلیل کے طور پر ثابت ہو چکی ہے جس طرح صحیح بخاری میں حضرت عمر بن العاص سے واضح ہے کہ انہوں نے جب رسول اللہ ﷺ سے یہ استفسار کیا کہ مردوں میں سے کون آپ کو سب سے زیادہ عزیز ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا عائشہ کا والد اس پر محقق ابن الہمام نے فرمایا :"تقدیمہ فی الصلوۃ علی ما قد مناہ مع ان الا تفاق علی ان السنۃ ان یقدم علی القوم افضلھم علما وقراۃ وخلقا وورعافثبت انہ کان افضل الصحابۃ "

ترجمہ: حضور ﷺ نے نماز میں ان کو آگے کیا،(امام بنایا) یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ سنت یہی ہے نماز پڑھانے کیلئے اسی شخص کو لوگوں پر آگے کیا جاتا ہے، جو علم ،قرأت ،اخلاق ،اور تقوی میں سب سے افضل ہو، پس ثابت ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب صحابہ سے افضل تھے،

آگے نقل فرمایا :"وصح فیہ من حدیث محمد ابن الحنیفۃ قلت لابی ایہ الناس خیر بعد رسول اللہ ﷺ فقال ابوبکر قلت ثم من قال ثم عمر الحدیث فھذا علی نفسہ مصرح بان ابابکر افضل الناس "

ترجمہ: بخاری میں یہ صحیح حدیث موجود ہے جس کے راوی محمد بن حنفیہ ہیں انہوں نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا رسول اللہ ﷺ کے بعد کون افضل ہے تو حضرت علی نے جواب دیا کہ ابوبکر، میں نے پھر پوچھا ان کے بعد تو فرمایا عمر، محقق ابن الہمام فرماتے ہیں خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو تسلیم کیا ہے۔

(المسایرۃ علی مسامرہ، ۲۵۸، ۲۵۹)

بقول علامہ شامی صاحب ردالمختار محقق ابن الہمام مجتہد کا درجہ رکھتے ہیں انکی تصریح بھی اسی بات کی گواہی دے رہی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ علم، عمل، فن قراۃ، زہد تقوی، سخاوت، اور ایثار میں سب صحابہ سے افضل ہیں، اسی افضلیت کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی جگہ اپنے مصلے پر امام مقرر فرمایا تھا، افضلیت ابوبکر کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی تسلیم فرمایا جیسا کہ محمد بن حنفیہ فرزند علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔

"وقد اجمعوا علیه غیر ان علیا و العباس وبعضا لم یبایعوا الی ذالک الوقت فارسل الیهم فجاء وا ،فقال هذا علی بن ابی طالب ولا بیعة لی فی عنقه وهو بالخیار فی امره الا وانتم بالخیار جمیعا فی بیعتکم ایای فان رأیتم لها غیری فانا اول من یبایعوه فقال علی رضی الله عنه لا نری لها احدا غیرک فبایعه هو و سائر المتخلفین"

(المسامرۃ ،۲۵۷)

ترجمہ: صحابہ نے بالا جماع ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، حضرت علی، حضرت عباس اور بعض اکابر اصحاب نے بیعت نہ کی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو بلایا وہ آئے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجلس میں موجود صحابہ سے فرمایا! دیکھو یہ علی المرتضی ہیں، ان کی گردن میں میری بیعت کی ڈوری نہیں، اس کے باوجود بیعت کرنے یا نہ کرنے کے معاملہ میں با اختیار ہیں، پھر حاضرین محفل سے مخاطب ہو کر فرمایا ہاں آپ بھی اپنی اپنی بیعت کے معاملہ میں خود مختار، ہیں اگر آپ میرے علاوہ کسی اور کو بہتر سمجھیں تو اس کی بیعت کرنے والا سب سے پہلا آدمی میں ہوں گا، اس پر حضرت علی کرم اللہ

وجہہ بول اٹھے ہم آپ کے علاوہ کسی کو بھی بیعت کے قابل نہیں سمجھتے، حضرت علی نے اور دیگر پیچھے رہ جانے والوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی،

محقق ابن الہمام نے فرمایا: "وقد ذکر موسی بن عقبۃ فی مغازیہ ان علیا و الزبیر رضی اللہ عنھماقالا ما غضبنا الا لانا اخرنا عن المشورۃ وانا لنری ان ابابکر احق الناس بھا بعد رسول اللہ ﷺ وانہ لصاحب الغار وثانی اثنین وانا لنعرف لہ شرفہ وسنہ ولقد امرہ رسول اللہ ﷺ ان یصلی بالناس وھو حی انتھی" (المسامرہ، ۲۵۷)

ترجمہ: موسیٰ بن عقبہ نے اپنے مغازی میں ذکر کیا ہے کہ حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہماری ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کوئی رنجش نہ تھی، غصہ صرف اتنا تھا کہ ہمیں خلافت کے معاملہ میں ہم سے مشورہ نہیں کیا گیا اور بے شک ہماری رائے میں رسول اکرم ﷺ کے بعد تمام صحابہ سے زیادہ خلافت کے حقدار ابوبکر صدیق ہیں، بے شک وہی صاحب غار ہیں اور ثانی اثنین کے مصداق بھی وہی ہیں، ہم ان کے شرف، اور ان کی بزرگی کا اعتراف کرتے ہیں، بے شک رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا جب کہ رسول اللہ ﷺ زندہ تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو اوصاف بیان کئے اور خلافت کا حقدار قرار دیا اور اپنی حق گوئی کا اظہار فرمایا، یہی وہ امور ہیں جن سے افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حتمیت اور قطعیت کا پتہ چلتا ہے کیونکہ ایک طرف انہوں نے فوری بیعت نہ کرنے کی وجہ بیان کی اور دوسری طرف افضلیت ابوبکر کو صحابہ کے محضر میں بیان کرتے ہوئے برملا اعتراف حقیقت کیا۔

لیکن تعجب ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تو رسول اللہ کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مستحق خلافت جان کر بیعت کرتے ہیں اور علی الاعلان افضلیت کو تسلیم کرتے ہیں، مگر حضرت علی کو افضل کہنے والے آپ کے فرمان اور عمل کو نظر انداز کرتے ہوئے امام ابوبکر باقلانی کی شخصی اور انفرادی رائے کو قرآن واحادیث، اجماع امت، اور جمہور اہل سنت کے عقیدہ اور مذہب پر ترجیح دیتے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمائے ہوئے چند جملے مزید سماعت

فرمایئے جو آپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات پر اظہار غم اور اعتراف شخصیت کے طور پر ارشاد فرمائے، "روی الحافظ ابو سعد بن السمان وغیره من المحدثين ايضاً عن محمد بن عقيل بن ابى طالب انه لما قبض ابوبكر الصديق وسجى عليه ارتجت المدينة بالبكاء كيوم قبض فيه رسول الله ﷺ، فجاء على باكيا مسترجعا وهو يقول اليوم انقطعت خلافة النبوة فوقف على باب البيت الذى فيه ابوبكر مسجى، فقال رحمك الله ابابكر كنت الف رسول الله وانيسه ومستروحه وثقته وموضع سره ومشاورته كنت اول قومه الاما اخلصهم ايمانا" آگے فرمایا:

"كنت عنده بمنزلة السمع والبصر صدقت رسول الله ﷺ، حين كذبه الناس فسماك الله فى تنزيله صديقا، فقال عز من قائل والذى جاء بالصدق وصدق به اولئك هم المتقون، فالذى جاء بالصدق محمد ﷺ وصدق به ابوبكر" پھر فرمایا: "احسن الصحبة، ثانى الاثنين وما صاحبه فى الغار، والمنزل عليه السكينة ورفيقه فى الهجرة"

ترجمہ: حافظ ابو سعید بن السمان وغیرہ محدثین نے محمد بن عقیل بن ابی طالب سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روح جسم عنصری سے پرواز کر گئی اور آپ کو چادر میں لپیٹ دیا گیا پورا مدینہ آہ و بکاء سے لرز گیا جس طرح رسول پاک ﷺ کی وفات کے موقعہ پر ہوا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ روتے ہوئے اور انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے آئے تو کہنے لگے آج خلافت نبوت ختم ہو گئی ہے آپ نے اس گھر کے دروازے پر جس میں حضرت ابو بکر چادر میں لپٹے ہوئے رکھے تھے کھڑے ہو کر فرمایا اے ابو بکر اللہ آپ پر رحم فرمائے آپ رسول اللہ ﷺ کی الفت گاہ اور انس کا محل راحت کی آماجگاہ، باعتماد، جائے راز اور مشیر خاص تھے، آپ پیغمبر کی قوم میں سب سے پہلے مسلمان، اور مخلص مومن تھے، آپ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک سمع اور بصر کی مانند تھے، جب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی اس وقت آپ نے ان کی تصدیق کی قرآن حکیم میں اللہ

تعالیٰ نے آپ کا نام صدیق رکھا کہنے والوں میں جو سب سے بڑا عزت والا ہے، اس نے فرمایا: "والذی جاء بالصدق وصدق به اولئک هم المتقون "والذی جاء بالصدق محمد ﷺ ہیں اور وصدق به اولئک هم المتقون آپ ہیں آپ کی صحبت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہایت ہی حسین ہے۔ آپ ہی ثانی اثنین، اور صاحب غار ہیں، آپ پر ہی اللہ نے سکینہ کا نزول فرمایا، آپ ہجرت کے رفیق خاص ہیں، (تحفہ اثنا عشریہ، ۲۲۳)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مذکورہ جملے لائق التفات ہیں آپ کے انتقال پر پورا مدینہ رنج وصدمہ کی تصویر بن گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی صدمہ سے دوچار ہو کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے، اور بیت صدیق کے دروازے پر کھڑے ہوئے اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مخاطب فرما کر اپنے والہانہ جذبات اور حقائق کی ترجمانی فرمائی، اس تخاطب میں آپ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو تاریخ اسلام کا پہلا مسلمان ارشاد فرمایا اور مومن مخلص ہونے کی تائید اور توثیق فرمائی، رسول اللہ ﷺ کا مونس اور مددگار رہنا، دینی اور تبلیغی سرگرمیوں میں جان نثاری کی مثال ہونا بیان فرمایا، غار ثور میں ثانی ہونا اور ثانی اثنین کا محل اور مصداق بننا، سکینہ کے اعزاز وشرف سے متصف ہونا بھی بیان فرمایا، سفر ہجرت کا رفیق خاص ہونا بھی بتایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے حاضرین جو صحابہ، تابعین ہی تھے، کے مجمع میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ان خصوصیات کا بیان کرنا حقائق کی تفسیر اور ترجمانی تھی جن کے اظہار کے بعد یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے درمیان کوئی رنجش یا نزع کا معاملہ نہ تھا، بلکہ اخوت، مودت، مروت کے گہرے اور مضبوط رشتوں میں مربوط اور منسلک تھے، جن کا وجود اس طویل اور عظیم خطبہء رنج کی صورت میں ظہور پذیر ہوا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان اقدس سے نکلنے والا ہر لفظ اور ہر جملہ کتاب صدیقیت کا وہ سنہری باب ہے، قیامت تک امت مسلمہ اس سے فیضیاب ہوتی رہے گی۔

بایں ہمہ حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی زبان فیض ترجمان سے صادر ہونے والا یہ جملہ "اکثرھم

مناقب" آپ کے مناقب یعنی ذاتی خصوصیات سب صحابہ سے کثیر ہیں، اور یہ جملہ "اشبھھم برسول اللہ ﷺ ھدیا وسمتا ورحمۃ وفضلا وخلقا" ترجمہ: آپ سب صحابہ میں سیرت وکردار، مہربانی، بزرگی، نیک خلقی میں رسول اکرم ﷺ کے زیادہ مشابہہ تھے" اور یہ جملہ "اشرفھم عندہ منزلۃ واکرمھم علیہ" ترجمہ: رسول اکرم ﷺ کے نزدیک آپ کا مقام مرتبہ سب سے بلند اور اعلیٰ تھا، غور وفکر کی دعوت ہیں، ان تمام جملوں میں شیر خدا رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور اکرمیت کو تسلیم کیا اور بیان فرمایا ہے، اور اس خطاب میں ایک جملہ زیادہ توجہ کا مستحق ہے وہ یہ ہے "الیوم انقطعت خلافۃ النبوۃ" جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر سنی تو گھر سے آئے، روتے ہوئے تشریف لائے، "انا اللہ وانا الیہ راجعون" پڑھتے ہوئے تشریف فرما ہوئے: الفاظ حدیث جو ذکر ہوئے ہیں وہ یہ ہیں "وھو یقول الیوم انقطعت خلافۃ النبوۃ" آج خلافت نبوت ختم ہوگئی، چاروں خلفاء خلفائے راشدین ہیں، حضرت ابوبکر صدیق بھی خلیفہ راشد ہیں مگر آپ کو ایک عظیم فضیلت حاصل ہے جو باقی تین خلفاء کو حاصل نہیں، حضرت عمر، حضرت ابوبکر، کے خلیفہ، اور حضرت عثمان حضرت عمر کے خلیفہ اور آپ کے بعد حضرت علی خلیفہ ہیں مگر نبوت ورسالت کی خلافت کا سہرا اللہ رب العزت نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سر باندھا آپ کے افضل الصحابہ، افضل الامت ہونے کیلئے یہی ایک دلیل کافی ہے، جس کو مولا علی رضی اللہ عنہ نے ببانگ دہل بیان فرمایا:

صاحب المسامرہ کمال الدین محمد بن محمد بن ابی بکر بن علی بن ابی شریف، اور صاحب مسایرہ محمد بن عبد الواحد حنفی المعروف محقق ابن الھمام اور محدث ابو سعد بن السمان کی تحریرات سے ثابت ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت مجمع علیہ اور قطعی ہے،

حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ علیہ نے بھی شیخین (ابوبکر صدیق، عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کی افضلیت کو قطعی قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں پس نہ صرف شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت نص قرآنی سے ثابت ہوگئی بلکہ خلافت خلفائے اربعہ علیہم الرضوان بھی نص قرآنی سے ثابت ہے،

(تصفیہ مابین سنی و شیعہ، ص ۱۲)

مزید نقل فرمایا سورۂ حدید کی دسویں آیت "لا یستوی منکم من انفق تا بما تعملون خبیر" کا بیان پہلے آ چکا ہے جس میں فرمایا گیا ہے تم ان کے برابر نہیں جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا، ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے نیک بات (یعنی نجات) کا وعدہ دیا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے باخبر ہے اس مقام پر شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں شیخین کی افضلیت اس جماعت پر جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے منطوق آیت سے ثابت ہے، اور جماعت متقدمہ پر بمفہوم موافق یعنی جماعت متقدمہ میں سے جس کا انفاق وقتال مقدم ہوگا وہ سب سے افضل ہوگا، شیخین کا انفاق وقتال احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، لہٰذا ان کی خلافت راشدہ وخاصہ ٹھہری جس میں خلیفہ کا افضل ہونا ضروری سمجھا گیا ہے اس پر محشی نے لکھا کہ خلفائے اربعہ کی فضیلت ان کی ترتیب خلافت کے مطابق ہے۔ (تصفیہ مابین سنی وشیعہ، ۲۳)

پیر صاحب کی عبارت سے دو باتیں نصاً معلوم ہوئیں، (۱) خلافت ابوبکر صدیق، اور خلافت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نص قطعی سے ثابت ہے اور وہ آیت اشداء علی الکفار، یہ خلافت عامہ نہیں بلکہ راشدہ اور خاصہ ہے جس کے لوازم ماہیت میں سے ہے، وہ خلیفہ جو اس خلافت راشدہ خاصہ کا محل اور موصوف ہے وہ سب سے افضل ہو جس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ شیخین سب صحابہ سے افضل ہیں کیونکہ ان کی افضلیت نص قطعی کے ذریعے خود رب العزۃ نے بیان فرمائی ہے۔

اب رہا یہ مسئلہ ان دونوں میں کون افضل ہے؟ محشی نے وضاحت کرتے ہوئے نقل کیا کہ ترتیب افضلیت کی بنیاد اور حسی دلیل ترتیب خلافت ہے، خلافت میں باجماع صحابہ اولیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے تو افضلیت قطعیہ بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے وہوالمقصود۔

یہاں ایک سوال کا جواب ذکر کرنا ضروری ہے، سوال یہ ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت علی، حضرت عباس، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ موجود نہیں تھے اور انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

کے ہاتھ پر بیعت نہ کی تھی لہذا ان کی عدم موجودگی سے اجماع صحابہ تو نہ ہوا، اور نہ ہی دیگر صحابہ کا اجماع اجماع شرعی کی حیثیت رکھتا ہے؟ ان کی عدم حاضری کو خود محقق ابن الہمام نے تسلیم کیا ہے۔

جواباً کہا جائے گا یہ حضرات چونکہ اہل بیت نبوت، خاندان نبوی سے تعلق رکھتے ہیں، سانحہ ارتحال کے وقت یہ حضرات مبتلائے غم واندوہ، اور بحر کرب میں ڈوبے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے تجہیز و تکفین کے متعلقہ امور میں مصروف اور مشغول تھے اس لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں ان کی حاضری نہ ہو سکی، فراغت کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے کی روایت بھی موجود ہے جیسا کہ "المسامرہ" کے حوالہ سے گزر چکا ہے، اور سب نے بیعت کی ان حضرات کا فوری اور سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت نہ کرنے سے اجماع کی تعریف، درجہ، اور حکم متاثر نہیں ہوتا، ملاحظہ ہو محقق ابن الہمام کا فرمان "مانقله ابن عقبة وتخلف علی رضی الله عنه ومن تخلف عن البیعة ثم مبایعتهم لیس قادحا فی الاجماع" ابن عقبہ نے جو یہ نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور کچھ لوگ بھی بیعت کے موقعہ پر بیعت کرنے سے پیچھے رہ گئے تھے، ان کا پیچھے رہنا اجماع کیلئے مضر نہیں کیونکہ بعد میں ان لوگوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔

صاحب المسامرہ نے نقل فرمایا: "وغایة الامر انه راجع رایه فظهر له الحق فبایعه" (ص، ۲۵۷)

ترجمہ: جن احباب نے موقعہ پر بیعت نہیں کی تھی جب انہوں نے غور کیا تو ان کے سامنے حق ظاہر ہو گیا (کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اسکے اہل ہیں) تو انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی۔

اجماع کی حقیقت، وجود، اس کی قطعیت اور حکم پر تفصیلی بحث بعد میں آئے گی انشاء اللہ سر دست ہماری گفتگو کا مرکزی نقطہ افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قطعیت ہے۔

صاحب المسامرہ نے نقل فرمایا "الاصل الثامن فضل الصحابة الاربعة علی حسب ترتیبهم فی الخلافة اذ حقیقة الفضل عند الله وقد ورد عنه ثناء ه علیهم کلهم" اس

پر امام محقق ابن الہمام نے فرمایا ترتیب خلافت میں افضل ابوبکر ثم عمر ثم عثمان علی رضی الله عنهم ،، افضلیت کا معیار اور پروانہ ترتیب خلافت ہے، خلافت میں اوّلیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے تو افضلیت بھی آپ کو ہی حاصل ہے۔

حضرت محقق ابن الہمام نے فرمایا: "وقد ورد عنه ثناء ه عليهم كلهم ولا يتحقق ادراك حقيقة تفضيله عليه السلام بعضهم على بعض ان لم يكن سمعي يصل الينا قطعي في دلالة الا الشاهدون لذالك الزمان لظهور قرائن الاحوال لهم ،وقد ثبت ذالك لنا صريحاً و دلالة كما في صحيح البخاري من حديث عمرو بن العاص ،الحديث "

ترجمہ: مطالعہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے تمام صحابہ کی تعریف فرمائی ہے لیکن کون کس سے افضل ہے؟ اس کی حقیقت کا ادراک اس وقت تک نہیں جب تک دلیل سمعی (آیت ،حدیث ،اجماع) جو قطعی الثبوت ہو وہ ہم تک نہ پہنچے، اور وہ مدلول قطعی پر دلالت نہ کرے یا پھر عینی شاہد ہو جو اپنے بیان سے افضلیت کے اطلاق اور مصداق کا تعین کرے، اور یہ نہ واضح کرے کہ ان حالات اور ان واقعات کے باعث ان قرائن کی موجودگی میں فلاں شخص کو شرف افضلیت حاصل ہے ہمارے پاس ایک دلیل صریح قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ موجود ہے جس سے حضرت ابوبکر صدیق کی افضلیت بدلالۃ قطعی ثابت ہوتی ہے کہ حضرت عمرو بن العاص کی حدیث، جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: "من احب الناس اليك من الرجال فقال ابوها يعني عائشه رضي الله عنها ،وتقديمه في الصلوة على ما قدمناه مع ان الاتفاق على ان السنة ان يقدم على القوم افضلهم علما،وقراة وخلقاً وورعاً ،فثبت انه كان افضل الصحابة "(المسامره ،٢٥٨)

ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم مردوں میں سب سے زیادہ محبوب آپ کو کون ہے؟ فرمایا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا والد، نماز میں آپ کا ابوبکر صدیق کو امام بنانا آپ کے افضل الصحابہ ہونے کی دلیل قطعی ہے کیونکہ تمام آئمہ مسلمین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ طریقہ سنت کے مطابق نماز کی

امامت کا حقدار وہی شخص ہے جو علم، قراۃ، اخلاق، اور زہد و تقوی میں سب سے افضل ہو، رسول اللہ ﷺ کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز میں صحابہ کا امام بنانا دلیل قطعی ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے افضل ہیں۔

اسی عنوان میں صاحب مسامرہ کی ایک اور حدیث بخاری ملاحظہ ہو "وصح من حدیث ابن عمر فی صحیح البخاری قال کنا فی زمن النبی ﷺ لانعدل بابی بکر احدا ثم عمر ثم عثمان ثم نترک اصحاب النبی ﷺ لانفاضل بینھم"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس میں ہم ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو شمار نہیں کرتے تھے، ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ان کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، پھر ہم ان کے بعد صحابہ میں فضیلت کے لحاظ سے درجہ بندی نہیں کرتے تھے۔

اس حدیث میں احدا نکرہ تحت النفی ہے جو مفید عموم و استغراق ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس میں صحابہ ہر صحابی کے مقام و مرتبہ کا علم رکھتے تھے، رسول اللہ ﷺ کے ہر نوع تعلق قرابتداری شرف صحابیت، انفاق فی سبیل اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کی ہر کیفیت، اور ہر وصف اور ہر کمال سے واقف اور باخبر تھے، مگر اس کے باوجود حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے عقیدۂ افضلیت میں افضل تھے۔ اور یہ اعتقاد، اور نظریہ کسی ایک آدھ صحابی کا نہیں بلکہ جمہور صحابہ اس پر متفقہ رائے رکھتے تھے کیونکہ احادیث میں "کنا نخیر، کنا نقول، کنا لا نعدل" صیغہائے جمع وارد ہوئے ہیں۔

جیسا کہ محمد بن حنفیہ کی حدیث جو بخاری میں ہے اور ہم پہلے نقل کر آئے ہیں وہ اس حدیث کی تائید کرتی ہے کیونکہ محمد بن حنفیہ نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا "ای الناس خیر بعد النبی ﷺ فقال ابو بکر"، سامرہ اور مسامرہ کی تصریحات کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر دو آئمہ کے نزدیک افضلیت ابو بکر قطعی ہے، ظنی نہیں۔

حدیث عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی شرح میں امام نووی نے فرمایا:

"ھذا التصریح بعظیم فضائل ابی بکر و عمر و عائشہ رضی اللہ عنھم وفیہ دلالۃ

بینۃ لاھل السنۃ فی تفضیل ابی بکر ثم عمر علی جمیع الصحابۃ"

ترجمہ: یہ حدیث حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کے فضائل عظیمہ کی تصریح ہے اس حدیث میں ایک روشن دلیل ہے اہل سنت و جماعت کیلئے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت میں ابوبکر صدیق صحابہ میں سب سے افضل ہیں ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں۔

امام مسلم نے ابن ابی ملیکہ کی روایت میں حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ "من کان رسول اللہ ﷺ مستخلفا لو استخلفہ قالت ابوبکر فقیل لھا ثم من بعد ابی بکر قالت عمر، ثم قیل لھا من بعد عمر قالت ابوعبیدۃ بن الجراح، ثم انتھت الی ھذا" (مسلم، ۲۷۳)

ترجمہ: اگر رسول اللہ ﷺ خلیفہ یعنی اپنا جانشین مقرر فرمانا چاہیں تو وہ کون ہوسکتا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوں گے پھر پوچھا گیا ان کے بعد کون ہوگا؟ فرمایا عمر پھر سوال کیا گیا کہ ان کے بعد تو جواب دیا کہ ابوعبیدہ بن جراح، امام نووی رحمہ اللہ اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ھذا دلیل لاھل السنۃ فی تقدیم ابی بکر ثم عمر للخلافۃ مع اجماع الصحابۃ، وفی دلالۃ لاھل السنۃ ان خلافۃ ابوبکر لیست نبض من النبی ﷺ علی خلافۃ صریحاً بل اجتمعت الصحابۃ عقد الخلافۃ لہ وتقدیمہ لفضیلتہ"

یہ حدیث مسئلہ خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقدم ہونے کی دلیل ہے اسی طرح آپ کے بعد حضرت عمر کے خلیفہ ہونے کی، صحابہ نے آپ کی خلافت پر اجماع کیا ہے اور اسی حدیث میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر رسول اللہ ﷺ کی کوئی نص صریح موجود نہیں، بلکہ خلافت کے چناؤ میں آپ کی خلافت پر تمام صحابہ نے اجماع کیا، اور آپ کی افضلیت کی بنا پر آپ کو خلافت میں مقدم رکھا گیا، ہر دو احادیث اور ان کی تشریحات سے ثابت ہوا کہ تمام صحابہ کے ہاں آپ کی افضلیت مسلمہ تھی، اور یہ شخص آپ کے مقام اور مرتبہ سے آگاہ تھا

اسی لئے خلافت کے انتخاب میں آپ پر تمام صحابہ نے اجماع کیا۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں خلیفہ نامزد نہیں فرمایا، کیونکہ پیغمبر بوحی ربانی والہام سبحانی یقین میدانست کہ بعد آنجناب ابوبکر صدیق خلیفہ خواہد شد وصحابہء اخیار بروا جماع خواہند کرد، وغیرہ اور اخل نخواہند داد، چنانچہ حدیث فلبی علی الا تقدیم ابی بکر ترجمہ: بس قبول نداشت از من مگر مقدم ساختن ابوبکر را" وحدیث یابی اللہ و المؤمنون الا ابابکر" ترجمہ: قبول نخواہد داشت خدائے تعالیٰ ومسلمانان مگر ابوبکر را،

"وحدیث انہ الخلیفۃ من بعدی "ترجمہ: کہ در صحاح اہل سنت موجود است برآں دلالت صریح دارد، (تحفہ اثنا عشریہ، ۲۶۹)

ترجمہ: پیغمبر علیہ السلام کو وحی ربانی اور الہام سبحانی کے ذریعے یہ بتادیا گیا کہ ابوبکر آپ ﷺ کے خلیفہ ہوں گے، اور صحابہ کبار اور اخیار ان کی خلافت پر اجماع کریں گے اور ان کے بغیر کسی اور کو تسلیم نہیں کریں گے جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے ابوبکر کے علاوہ کسی اور کیلئے مجھ پر انکار کیا گیا ہے اور دوسری حدیث کہ اللہ تعالیٰ اور مؤمنین ابوبکر کے علاوہ کسی اور کو امام وخلیفہ تسلیم کرتے ہیں نہ کریں گے۔ اور تیسری حدیث بے شک ابوبکر ہی میرے بعد خلیفہ ہوگا یہ تینوں احادیث اہل سنت کی صحاح میں موجود ہیں جو خلافت ابوبکر پر صریحاً دلالت کرتی ہیں، جس طرح ان تین احادیث سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت نبویہ ثابت ہوتی ہے اسی طرح ان تین احادیث سے افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی بطریق قطعیت ثابت ہے کیونکہ معیار افضلیت ترتیب خلافت ہے کما صرح فی کتب اہل السنہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: "در آخر ایں کلام کہ شیعہ او را برائے ترویج شبیہ نقل نکردہ اند ایں لفظ ہم واقع است اکیم مثل ابی بکر"

ترجمہ: اس کلام کے آخر میں شیعہ نے خود اکیم مثل ابی بکر کے الفاظ لکھے ہیں خلافت ابوبکر کے بارے میں ان کا جو شبہ مرقوم ہے اس میں انہوں نے نقل نہیں کیے، شاہ صاحب کا مقصد یہ ہے کہ شیعہ بھی حضرت ابوبکر کی افضلیت کو تسلیم کرتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ: عمر وابوعبیدہ بن الجراح ہمیں دو کس اند کہ اول با ابوبکر صدیق در سقیفہ بیعت نمودہ اند بعد ازاں دیگراں و ہر دو دراں وقت در حق ابوبکر گفتہ اند انت خیرنا وافضلنا''

ترجمہ: تو بہترین ہستی، بزرگ ترین ماور یں کلمہ ایشاں را جمیع حاضران از مہاجرین وانصار انکار نکردہ بلکہ مسلم درشتہ، پس خیریت وافضلیت ابوبکر نزد جمیع صحابہ مسلم الثبوت وقطعی بود'' (تحفہ اثناعشریہ ص، ۲۷۱)

ترجمہ: سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر سب سے پہلے بیعت کرنے والے حضرت عمر، اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہما تھے، ان دو حضرات کے بعد دیگر صحابہ نے آپ کے دست اقدس پر بیعت کی، اور ان دو حضرات نے اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں کہا کہ آپ ہم سب سے بہتر اور سب سے بزرگ اور سب سے افضل ہیں ان کلمات کو تمام حاضرین جو انصار اور مہاجرین تھے، نے انکار فرمایا نہ ان کی تردید فرمائی بلکہ اس کو تسلیم کیا، جس کا نتیجہ یہ ہے تمام صحابہ کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق کا سب سے بہتر ہونا مسلم اور افضل ہونا قطعی تھا۔

حافظ عمادالدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں: ''وقد خطب علیه الصلوۃ والسلام فی یوم الخمیس قبل ان یقبض علیه السلام بخمس ایام خطبته بین فیها فضل الصدیق من سائر الصحابة مع ماکان قد نص علیه ان یوم الصحابة اجمعین کما سیأتی بیان مع حضورهم کلهم ولعل خطبته هذه کانت عوضا عما اراد ان یکتب فی الکتاب ''

(البدایة والنهایة، ۵، ص ۲۲۸)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے پانچ روز قبل یہ خطبہ ارشاد فرمایا تھا یہ عظیم خطاب تھا جس میں آپ ﷺ نے اپنے تمام صحابہ میں سے صرف حضرت ابوبکر صدیق کی فضیلت بیان فرمائی، باوجودیکہ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر کو تمام صحابہ کا امام مقرر فرما کر ان کی افضلیت پر نص فرمادی تھی،، جس طرح امامت کے موقعہ پر تمام صحابہ موجود تھے اسی طرح خطبہ عظیمہ کے موقعہ پر بھی صحابہ کی پوری جمعیت

موجود اور حاضر تھی، اور شاید یہ خطبہ مبارکہ واقعہ قرطاس کا نعم البدل اور تفسیر تھا، واقعہ قرطاس یہ تھا کہ
وفات سے چار دن پہلے جب مرض شدت اختیار کر گیا جو لوگ حجرۂ نبوی میں موجود تھے ان سے فرمایا
کاغذ، قلم، دوات لے آؤ تا کہ تمہارے لئے ایک وصیت نامہ لکھوا دوں اس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے
، یہ سن کر اہل مجلس اختلاف کرنے لگے حضرت عمر نے کہا آپ بیمار ہیں درد کی شدت ہے ایسی حالت
میں تکلیف دینا مناسب نہیں، کتاب اللہ ہمارے پاس ہے جو ہمیں گمراہی سے بچانے کیلئے کافی ہے
مسلم شریف کی حدیث میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:"قال لی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضه ادعی لی ابابکر اباک و اخاک حتی اکتب کتابا فانی اخاف ان
یتمنی متمن ویقول قائل انا اولی ویابی اللہ و المؤمنون الا ابابکر"(۲۷۳)
ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیماری کی حالت میں فرمایا میرا ارادہ ہوا تھا کہ ابوبکر اور ان کے فرزند
عبدالرحمٰن کو بلانے کیلئے کسی کو بھیجوں اور ان کو وصیت کر دوں اور ان کو اپنا ولی عہد بنا دوں تا کہ کہنے والے
کچھ نہ کہہ سکیں اور تمنا کرنے والے کچھ تمنا نہ کر سکیں، لیکن پھر میں نے ارادہ منسوخ کر دیا، اور یہ کہا کہ
وصیت کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ اور مومنین انکار کریں گے کہ ابوبکر کے علاوہ کوئی خلیفہ ہو، اس پر امام نووی
نے فرمایا: فی هذا الحدیث دلالة ظاهرة لفضل ابی بکر الصدیق رضی الله عنه و اخبار
منه صلی اللہ علیہ وسلم، بما سیقع فی المستقبل بعد وفاته و ان المسلمین یابون عقد الخلافة لغیره
ترجمہ: یہ حدیث ظاہراً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر دلالت کر رہی ہے اس
حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت ابوبکر صدیق اور افضلیت ابوبکر صدیق کے بارے میں اس اختلاف
کی خبر دی ہے جو آپ کے بعد پیدا ہو گا اور اسی حدیث میں یہ ارشاد بھی موجود ہے کہ مسلمان ابوبکر کی
خلافت اور افضلیت کا انکار نہیں کریں گے۔

مندرجہ بالا احادیث مبارکہ سے روز روشن کی طرح یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دلی منشاء یہ تھا کہ
آپ کی رحلت کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں، اور آپ نے ان کی نامزدگی نہ فرمائی بلکہ
ان کی خلافت کا معاملہ قضاء وقدر اور اجماع صحابہ پر چھوڑ دیا۔ پھر ایسا ہوا جس طرح آپ کی د

منشاء تھی ،تمام صحابہ کے اتفاق اور اجماع سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے ،امام بخاری کے کلام " اتونی اکتب لکم کتابا لن تضلو ابعدہ ابداً"
سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی منشاء صدیق اکبر کی خلافت کو تحریری شکل دینا تھی ،اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ امام بخاری نے کتاب الاحکام میں جو عنوان رکھا وہ "باب الاستخلاف" ہے۔ سیدنا پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: جب عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے سامان کتابت لانے کا قصد کیا تو آپ نے پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان ابوبکر کے بارے میں اختلاف کرنے سے انکاری ہیں ،ایام مرض میں تین روز کی نمازیں اور بقول بعض سترہ نمازیں صدیق اکبر نے پڑھائیں جو آنحضرت ﷺ کے ارشاد مکرر اور اصرار مؤکد سے امام بنائے گئے اس پر علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے جناب ابوبکر سے مخاطب ہوکر فرمایا "قد مک رسول اللہ فمن الذی یؤخرک
"تمہیں رسول اللہ ﷺ نے مقدم کیا ہے پھر کون ہے جو پیچھے کرے۔
حسن بصری حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر کو مقدم کیا اور لوگوں کو نماز پڑھوائی اور میں وہاں موجود تھا غیر حاضر نہیں تھا ،میں تندرست تھا بیمار نہیں تھا چونکہ آپ ﷺ کا منشاء یہ تھا اس لئے ہم سب اپنی دنیا کیلئے بھی اس شخص پر راضی ہوئے جس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اپنی رضا سے ،ہمارے لئے دینی پیشوا بنایا ،یعنی ہم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر راضی ہوئے ،آگے فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ امامت ابوبکر معمولی امامت نہ تھی بلکہ آنحضرت ﷺ کے اصرار ،خصوصاً اس دنیا سے ،عین وصال کے وقت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ تفویض خلافت تھی جس کو علی کرم اللہ وجہہ نے جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے خود بھی تسلیم فرمایا مزید فرمایا ان روایات مصدقہ اور امور مذکورہ بالا سے اس بات کا قوی امکان ظاہر ہوتا ہے کہ مطالبہء قرطاس وسامان کتابت صدیق اکبر کی خلافت کیلئے سند لکھنے کو تھا۔ (تصفیہ مابین سنی وشیعہ ،ص ۳۴ تا ۳۵)
صفحہ ۳۵ پر نقل فرمایا کہ حسن فرماتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی تو ہم نے اپنے معاملہ میں نظر کی پس ہم نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے ابوبکر کو نماز میں

ہمارا امام بنایا تھا اس لئے ہم نے دنیا کیلئے اسی کو پسند کیا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے ہمارے دین کیلئے پسند فرمایا تھا۔ پس ہم نے ابوبکر کو خلیفہ بنالیا ان تصریحات سے واضح ہوگیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق سند لکھنے کے بارے میں اہل سنت کا خیال بلا دلیل نہیں۔

ہم پہلے نقل کر آئے کہ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شیخین کی خلافت بلکہ خلفائے اربعہ کی خلافت آیت استخلاف سے قطعی قرار دی ہے دیکھیے ص ۱۲،اور ترتیب افضلیت ترتیب خلافت کے لحاظ سے ہے (حاشیہ ۲۳:ص ۱۲،۱۴)۔خلاصہ یہ ہوا کہ جو پہلا خلیفہ ہوگا وہی افضل ہوگا ابوبکر پہلے خلیفہ ہیں لہٰذا ابوبکر ہی افضل ہیں ابوبکر کی خلافت نص قطعی سے ثابت ہے لہٰذا آپ کی افضلیت بھی نص قطعی سے ثابت ہے، پھر نبی کریم ﷺ کا ابوبکر صدیق کو سند خلافت دینے کیلئے کاغذ، قلم، اور دوات کو طلب کرنا، گویا سند افضلیت ہی عطا کرنا تھا اسی لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: چونکہ نبی کریم ﷺ ابوبکر کو ہمارا دینی پیشوا مقرر فرما چکے تھے اس لئے ہم نے اپنی دنیا کیلئے بھی ابوبکر کو پسند کیا ہے اس سے ثابت ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ وقت امامت سے ہی ان کی افضلیت کے قائل چلے آرہے تھے، جس کا اظہار انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق کے روبرو کیا اور فرمایا: "لانری لھا احدا غیرک" "ہم آپ کے بغیر اس خلافت نبویہ کا اہل کسی کو نہیں سمجھتے۔(المسامرہ، ۲۵۷)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس وضاحتی بیان سے عقیدۂ اہل سنت کی تائید ہوتی ہے کیونکہ امامت ابوبکر ہی دلیل افضلیت ہے اگر سب صحابہ سے افضل نہ ہوتے تو ان کو امام کیوں بنایا جاتا؟

پیر کے دن صبح کو آپ نے حجرۂ مبارکہ کا پردہ اٹھایا اور دیکھا کہ صحابہ صفیں باندھے صبح کی نماز میں مشغول ہیں، صحابہ کو دیکھ کر آپ مسکرائے چہرہ انور ایسا دکھائی دے رہا تھا کہ مصحف شریف کا ایک ورق ہے یعنی سفید اور تاباں تھا ادھر صحابہ فرط مسرت میں ڈوب گئے خدشہ تھا کہ نماز نہ توڑ ڈالیں صدیق اکبر نے پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا آپ نے اشارے سے فرمایا کہ نماز پوری کرو، ضعف اور ناتوانی کے باعث آپ زیادہ دیر کھڑے نہ ہو سکے حجرۂ مبارکہ کا پردہ ڈال دیا اور اندر واپس تشریف لے گئے (بخاری) رسول اللہ ﷺ نے پردہ اٹھا کر صحابہ کو جمال نبوت کی زیارت کا آخری موقع فراہم فرمایا

صحابہ کرام کو حضرت ابوبکر صدیق کی اقتداء میں نماز پڑھتے دیکھ کر آپ خوش ہوئے اور مسکراہٹ سے اس کا اظہار فرمایا کیونکہ آپ کی ولی تمنا یہی تھی کہ ابوبکر امام ہوں اور ان کی عظمت اور افضلیت کو زندگی کے آخری لمحات میں دیکھ سکیں، سو اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر کو امامت اور افضلیت کا اعزاز بخشا۔

سید صاحب نے فرمایا کتاب ہذا میں اس چیز کی وضاحت آجائے گی کہ علماء وصوفیاء کی ایک بڑی تعداد نے اس مسئلہ میں توقف کو اختیار فرمایا یعنی کسی کی افضلیت کا قول نہیں کیا۔ (زبدۃ، ص ۱۸)

جواباً کہا جائیگا کہ مسئلہ افضلیت علماء اور مشائخ کے اعتراف، اقرار، اور تصدیق کا محتاج نہیں نہ ہی وجود مسئلہ کیلئے یہ اجزائے لازمہ تصور اور تسلیم کئے گئے ہیں، یہ مسئلہ اجماعی اور جمہوری ہے جس کا تعلق جمہور علمائے امت، اور جمہور اہل سنت، اگر کوئی فرد یا افراد اس کو تسلیم نہ کریں تو اس کی صحت اور حقانیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا وہ افراد علماء ہوں یا صوفیاء،، کیونکہ یہ مسئلہ دورِ صحابہ سے لے کر آج تک اسی طرح جمہور علماء اہل سنت اور صوفیائے امت کے درمیان متفقہ چلا آرہا ہے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولنا الشاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں: حضرت سید المؤمنین امام المتقین عبداللہ بن عثمان ابی بکر صدیق اکبر و جناب امیر المؤمنین امام العادلین ابو حفص عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہما وارضٰہما کا جناب مولیٰ المؤمنین امام الواصلین ابوالحسن علی بن ابی طالب مرتضیٰ اسد اللہ کرم اللہ وجہہ بلکہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے افضل وبہترین امت اجماعیہ ہے اصحاب رسول اللہ ﷺ کے سادات امت اور مقتدایان ملت وحاملان وناصران بزم رسالت ہیں، قرآن مجید خود صاحب قرآن کی زبان سے سنا اور اسباب فضل وکرامت کو بچشم خود مشاہدہ کیا دربار نبوت میں لوگوں کے قرب ووجاہت اور اس میں باہمی امتیاز وتفاوت سے جو آگہی انہیں حاصل ہے وہ دوسرے کو میسر نہیں، بالاتفاق انہیں افضل امت، جانتے اور ان کے برابر کسی کو نہ مانتے، یہاں تک کہ زمانہ فتن آیا اور بدعات واہوائی شیوع پایا، شیعہ شنیعہ وبعض دیگر اہل بدعت نے فرق اجماع کیا شق عصائے مسلمین کا ذمہ لیا مگر یہ فرق حقا اور طائفہ ناجیہ کہ اہل سنت وجماعت جن سے عبارت قرناً فقرناً قطعتہ

قطعیتہ اس مسئلہ پر متفق اللفظ رہا۔(مطلع القمرین،۶۳)

اعلیٰ حضرت کے فرمان سے ثابت ہوا کہ حضرات شیخین کا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور دیگر تمام صحابہ سے افضل ہونا ایک اجماعی مسئلہ ہے، صحابہ کرام سادات امت اور مقتدایان ملت ہیں، یہ نفوس قدسیہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن سیکھا اور سنا، اور اپنی چشمائے مبارک سے دیکھا کہ رسول اللہ کے دربار گوہر بار میں کون کتنی عزت ووجاہت رکھتا اور کون کتنا محبوب ہے؟ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا ادراک اور مشاہدہ صحابہ کرام کے علاوہ کسی کو بھی میسر نہیں، تمام صحابہ کرام ان وجوہ احترام اور دلائل عزت ووجاہت کو ملاحظہ کرنے کے بعد اس بات پر متفق تھے، کہ شیخین بارگاہ رسالت میں تمام صحابہ سے بڑھ کر مقام رکھتے ہیں، نجی محفل ہو یا مجمع عام کے بندوں اس کا اظہار فرماتے تھے، حضرت عمر، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت علی، حضرت محمد بن حنفیہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مروی احادیث اور ان کے اقوال پہلے گزر چکے، ہیں۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب زمانہ پرفتن آیا اہل بدعت اور اہل ہوا نے جدید اعتقاد اور آراء کا اختراع کیا۔

اجماع امت کو توڑ کر نئے خیالات اور مخالف اجماع اعتقادات کی طرح ڈالی، اور مسلمانوں کے اتفاق اور اتحاد میں شگاف ڈالی، مگر اہل سنت وجماعت کا فرق حقہ اور طائفہ ناجیہ قرن بعد قرن طبقہ بعد طبقہ مسئلہ افضلیت شیخین پر متفق اور متحد رہا، شیخین پر حضرت علی المرتضی ودیگر صحابہ کو ترجیح دینا ایک بدعت ہے علامہ ابن عابدین الشامی نے فرمایا: "اقول نعم نقل فی البزازیۃ عن الخلافۃ ان الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنهما فهو کافر، وان کان یفضل علیا علیهما فهو متبدع (ردالمحتار، ۴، ص ۲۳۷) ترجمہ: میں کہتا ہوں فتوی خلاصہ سے یہ مسئلہ فتوی بزازیہ میں منقول ہوا بے شک رافضی جب شیخین گالی دے اور ان پر لعن کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے، اور اگر حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو شیخین پر فضیلت دے تو بدعتی ہے

ثابت ہوا کہ اہل بدعت نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شیخین سے افضل کہا، اور اجماع امت کی مخالفت کی جب کہ حضرت علی رضی اللہ کا عقیدہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا تھا، حضرت سعد بن معاذ نے مجمع صحابہ میں جو سقیفہ بن ساعدہ میں انتخاب خلیفہ کے لئے جمع ہوا تھا کہا کہ ہم اس پر راضی ہیں تم میں سے امراء ہوں اور ہم میں سے وزراء، اس پر سب کا اتفاق ہو گیا، پھر ابو بکر صدیق نے فرمایا، میرا گمان ہے کہ قوم (صحابہ) کے نزدیک حضرت علی امامت و خلافت کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں یہ سن کر حضرت علی نے اپنی تلوار سونت لی اور کھڑے ہو کر صدیق اکبر سے فرمایا تم یا خلیفہ رسول اللہ، اے رسول اللہ کے خلیفہ اٹھیے" قدمک رسول اللہ فمن ذالذی یوخرک، اے ابو بکر جب رسول اللہ ﷺ نے آپ کو نماز کے لیے آگے کیا تھا پھر کون ہے جو آپ کو پیچھے کرے، حضرت صدیق اکبر نے کہا اے علی تم امیر ہو حضرت علی نے فرمایا تم امیر ہو اے خلیفہء رسول ﷺ آپ کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا مجھ کو حکم نہیں دیا تھا آپ کو حکم دیا تھا "صل بالناس" کہ لوگوں کو نماز پڑھاؤ، ہم اپنے دنیاوی امور میں راضی ہیں اس شخص سے جس سے رسول اللہ ﷺ ہمارے دین کے معاملہ میں راضی ہوئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ رسول اللہ ﷺ کہا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نماز کیلئے اپنا خلیفہ بنا دیا۔

بعض روایات میں ہے کہ سات دن یعنی پینتیس (۳۵) نمازوں میں خلیفہ بنایا۔ بعض میں تین دن ہے یعنی پندرہ (۱۵) نمازوں میں یہ دلائل سن کر سب صحابہ، مہاجرین وانصار نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی اور کسی ایک نے مخالفت نہیں کی، اور بیعت منعقد ہوگئی۔ (تمہید ابو شکور سالمی بحث خلافت و امارت)

یہ امر مسلمات میں سے ہے، کہ حضرت حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل الصحابہ تسلیم کیا اور اپنے سے بھی افضل جانا، اور اس کی دلیل بھی خود ہی پیش فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو نماز میں اپنا خلیفہ بنایا جو دین کا اہم رکن اور ستون ہے

جس پر دین کی عمارت کا قیام ہے، پھر فرمایا کہ اب کسی کی مجال نہیں کہ وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مصلیٰ خلافت سے مؤخر کرے، مقصد یہ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں افضل الصحابہ تھے، رسول اللہ ﷺ نے مصلیٰ نبوت پر شرف خلافت عطا فرما کر مہر تصدیق ثبت فرمائی تھی، وہ اب بھی قائم ودائم ہے لہذا اسی شرف افضلیت کی بنیاد پر منصب خلافت کے سزاوار بھی ابوبکر ہی ہیں۔

ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، "کنا نقول ورسول اللہ حي افضل امة النبي ﷺ بعده ابوبکر ثم عمر، ثم عثمان رضی اللہ عنهم"

ترجمہ: ہم رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں یہ کہا کرتے تھے، کہ رسول اللہ کے بعد تمام امت میں ابوبکر افضل ہیں پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہم۔

رسول اللہ ﷺ نے خود ابوبکر صدیق کی افضلیت کا اعلان فرمایا! حضرت ابوسعید سے مروی حدیث میں یہ جملہ بھی موجود ہے "لو کنت متخذ اخليلا لا تخذت ابابكر خليلا الحديث" اگر مجھے خلیل بنانے کی اجازت ہوتی، اگر میرے لئے کسی کو خلیل بنانا ممکن ہوتا تو میں ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "قيل اصل الخلة الافتقار، والانقطاع فخليل الله المنقطع عليه" خلیل کلی احتیاج اور کلی قطع تعلق کا نام ہے، خلیل وہ ذات جو کلی احتیاج، اور دنیا سے کلی قطع تعلق کا مرکز اور ماؤی ہو، اور ہر لمحہ اس کی یاد، اس کی محبت دل کی گہرائیوں میں موجود اور محیط ہو، چونکہ نبی کریم ﷺ کے نزدیک، دینی اور دنیاوی حاجات کا مبداء اور مرکز اللہ وحدہ لاشریک کی ذات احدیت تھی اور آپ کے قلب اطہر میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے بغیر کوئی شیء نہ تھی اس لئے فرمایا کہ میں اپنے پروردگار کے علاوہ مخلوق میں سے کسی کو خلیل نہیں بنایا۔ امام نواوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: "ومعنى الحديث ان حب الله تعالى لم يبق في قلبه موضعاً لغيره" حدیث پاک کا معنی یہ ہے کہ بے شک میرے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت نے غیر اللہ کیلئے جگہ نہیں چھوڑی بلکہ اللہ تعالیٰ کی محبت میرے دل پر محیط ہے کسی غیر کا تصور تک نہیں آتا پھر آپ کا یہ فرمانا کہ میرے دل میں

نوعیت اور اس کیفیت کی اگر کسی مخلوق کیلئے جگہ ہوتی تو وہ ابو بکر ہی ہوتے، اور ہر لمحہ میرے دل کی گہرائیوں میں ان کی محبت ہی جاگزیں ہوتی۔

یعنی میرا دل اللہ تعالیٰ کی محبت میں دھڑکتا ہے، کسی مخلوق کا اس میں گزر تک نہیں، اگر میرے دل کی کیفیت مخلوق کیلئے ہوتی تو وہ فقط ابو بکر تھے، خالق اور مخلوق کی درجہ بندی پیش نظر اور ملحوظ خاطر رکھنے کے بعد سوچیئے اور دیکھیے کہ رسول اللہ ﷺ کے دل میں عظمت ابو بکر کس حد تک ہے؟ اور ان کی محبت رسول اللہ ﷺ کے دل میں کس نقطہ عروج پر ہے؟ اور ''ما کذب الفواد ما رای'' کے حامل قلب اطہر میں حب الٰہی سے اگر جگہ خالی ہوتی تو کس کیلئے ہوتی؟

نبی ء قدرداں نے صحبت، اور قرابت کے ذرائع سے ملنے والی قدروں اور عظمتوں کی سرحدوں کو توڑ کر آخری مرتبہ اور آخری فضل کا تمغہ اس شخص کو عطا فرمایا ہے جس نے اسلام کی سربلندی کیلئے دنیائے انسانیت میں بے مثال مالی خدمات کا مظاہرہ کیا، صفات الوہیت کے بعد اوصاف محبوبی، اور کمالات نبوت ورسالت کی حامل ذات کی توجہ اور محبت کا محور بننے کیلئے اپنی بیٹی بھی عقد زوجیت میں دے دی، اور جب اس محبوب ہر دوسرا کی محبت کے تقاضے پورے ہوتے دکھائی نہ دیئے تو اپنی جان بھی محبوب کے قدموں میں نچھاور کر دی، سفر ہجرت کرتے ہوئے جب رسول اللہ ﷺ غار ثور میں پہنچے تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''واللہ لا تدخله حتی ادخل قبلک فان کان فیه شی اصابنی دونک فدخل فکسحه ووجدفی جانبه ثقبا فشق ازاره وسدها به وبقی منها اثنان فالقمهما رجلیه ثم قال لرسول اللہ ﷺ ادخل، فدخل رسول اللہ ﷺ ووضع راسه فی حجره ونام فلدغ ابوبکر فی رجله من الحجر ولم یتحرک مخافة ان یتنبه رسول اللہ ﷺ فسقطت دموعه علی وجه رسول اللہ فقال مالک یا ابابکر قال لدغت فداک ابی وامی، فتفل رسول اللہ ﷺ فذهب مایجده ثم انتقض علیه وکان سبب موته الحدیث رواہ رزین، مشکوٰۃ''

یارسول اللہ ﷺ بخدا آپ غار میں میرے داخل ہونے سے قبل اندر نہ جائیں، اگر غار میں کوئی موذی

چیز ہوئی وہ مجھے ایذاء دے گی، اور آپ محفوظ رہیں گے، چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ
پہلے داخل ہوئے، غار کو جھاڑ پھونک کر صاف کیا غار کے کنارے ایک سوراخ تھا چادر مبارک پھا
اس کو بند کیا اس کے بعد دو اور سوراخ تھے ان پر دونوں پاؤں رکھ دیئے، رسول اللہ ﷺ کی خدم
میں عرض کی اب آپ اندر تشریف لے چلیں رسول اللہ ﷺ جلوہ آرائے غار ہوئے اور ابو بکر صد
رضی اللہ عنہ کی گود میں سر رکھ کر محو استراحت ہوئے، ایک سوراخ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی ا
عنہ کا پاؤں ڈسا گیا، لیکن پاؤں کو اس وجہ سے حرکت تک نہ دی کہ حرکت دینے سے رسول اللہ ﷺ
کی نیند میں خلل آجائیگا، زہر کے اثر کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گے، آپ ﷺ نے فر
ابو بکر کیا ہوا؟ آپ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کسی موذی چیز نیکا ٹا ہے، رسو
اللہ ﷺ نے متاثرہ جگہ پر اپنا آب دہن شریف لگایا زہر کا اثر جاتا رہا، پھر آخر عمر میں وہ زہر لوٹ
جو آپ کی موت کا سبب بنا، اس پر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ای فحصل له شها
فی سبیل الله حالة کونة رفیقا لرسول الله ﷺ فی طریقه"(مرق
۱۱، ص، ۲۹۰)

ترجمہ: پس آپکو اللہ کی راہ میں شہادت کا منصب عطا ہوا کیونکہ آپ سفر ہجرت میں رسول اللہ ﷺ
کے رفیق سفر تھے، اور اسی سفر میں موذی جاندار کے کاٹنے سے آپ کے جسم میں زہر اتر گیا تھا
ہجرت کے دوران پیش آنے والے حالات کا تو ڑ کرنا اور دوران ہجرت کیلئے ہونے والے انعام
کی بارش مثلاً "اذیقول لصاحبه لایحزن ان الله معنا، ثانی اثنین اذهما فی الغار، فانز
سکینته" وغیرہ ذات صدیق کیلئے خاصہ ہائے لازمہ ہیں۔

، بحیثیت نوع صحابیت کا ان کے لزوم اور خصوص میں کوئی دخل نہیں اگر دخول ہوتا تو یہ خواص ا
لوازمات سب صحابہ پر اطلاق ہوتے، یہ خواص اور لوازمات بحیثیت فرد یعنی رفیق سفر، مبتلائے غم واند
، اور جان رسالت کے خطرہ شہادت اور محبت لایزال کے نتیجے میں ارزاں ہوئے، اور وہ فرد کامل ذات
صدیق ہے جس کا اطلاق علی غیرہ ممنوع ہے، اور یہ لوازمات فرد بھی

اور فرد کی تعریفات بھی ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان خواص لازمہ بینہ کے ساتھ ابوبکر صدیق کی تعریف کی ہے جو قیامت تک ہر خاص و عام کی زبان پر جاری اور ساری رہے گی تو ماننا پڑے گا کہ جس کی تعریف خواص لازمہ بینہ سے، خود خدا کرے وہ افضل الامت نہیں تو اور کیا ہے؟

نبی کریم ﷺ نے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو مختلف پیرائے میں بیان فرمایا، جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ کاروان صحابیت کا سالار اعظم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے جس کا ہر قدم، قدم نبوت سے ملا ہوا ہے، اور صاحب نبوت کے اتنا قریب ہے کہ صاحب نبوت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس ہی اس کے ایمان اور اعتقاد کی معراج اور آخری منزل ہے، ہر لمحہ اس کے حصول کیلئے وقف، اور ہر سعی اس فیضان کیلئے محبوب مشغلہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ کرنے کا حکم دیا اور ان دنوں میرے پاس کافی مال تھا میں نے کہا آج ابوبکر سے سبقت لے جانے کا بہترین دن ہے میں اپنا آدھا مال لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے گھر والوں کیلئے کتنا چھوڑ آئے ہو، میں نے عرض کیا جتنا لایا ہوں اسی کی مثل چھوڑ آیا ہوں تھوڑی دیر کے بعد ابوبکر اپنا سارا مال جو ان کے پاس تھا لیکر حاضر خدمت ہو گئے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا ابوبکر گھر والوں کیلئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ عرض کیا! "ابقیت لهم الله ورسوله" میں ان کیلئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ آیا ہوں، کسی محدث نے کسی مفسر نے کسی متصوف نے اس کی حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کی کہ یہ الفاظ کس حقیقت کا نام ہیں کس روحانی عظمت کی غمازی کرتے ہیں؟ یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا، کہ وہ کون سا بلند مرتبہ، اور کون سا عالی منصب ہے جس پر براجمان ہونے والا شخص ایسے الفاظ کہنے کا مجاز ہے بادی النظر میں صرف یہی کہا جا سکتا ہے، کہ جس کی رگ و پے میں توحید کا جلال اور رسالت کا جمال موجزن ہو وہی اس کلام معجزہ بیان کا قائل ہو سکتا ہے اور یہ اعزاز تاریخ انسانیت میں فقط حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا ہے جو اس بات کی دلیل ہے انبیاء اور مرسلین کے بعد تاج افضلیت جس کے سر سجا وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔

مسلم شریف کی حدیث جو ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں: "لاتبقین فی المسجد
خوخة الا خوخة ابی بکر" کے الفاظ انتہائی اہمیت کے حامل اور توجہ طلب ہیں یہ الفاظ آپ
آخری خطبہ شریفہ کی وہ شہ سرخی ہے، جس نے افضلیت ابو بکر کو نقد و جرح کے بغیر چار چاند لگا د
ہیں۔ یہی الفاظ تاریخ اسلام کی پیشانی کا جھومر ہیں، جو قیام قیامت تک عظمت صدیقی پر پڑنے وا
غبار کو جھٹکتے، اور افضلیت ابو بکر پر اڑنے والی تاریکی کو اپنی ضوء فشانی سے کافور کرتے رہیں گے،
الفاظ زبان مبارک سے بصورت آخری اور حتمی فرمان کے اس وقت ادا ہوئے جس وقت آپ
کامل اور اکمل توجہ فی الرفیق الاعلیٰ کی طرف تھی، ایسے وقت میں دیگر امور کے ہمراہ خصوصیت
ساتھ تمام دریچوں کے بند کرنے کا حکم دینا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دریچے کو کھ
رکھنے کا حکم دینا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور خلافت کا واضح اشارہ تھا، جو اہل نظ
، اور اہل علم سے مخفی نہیں، صدیق اکبر کی افضلیت کا اندازہ لگانا اور اس کی قطعیت کا عقیدہ رکھنا ا
لیے بھی مشکل اور نا جائز نہیں کہ ہر صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امکانی حد سے بڑھ کر محبت کی، مال
تو درکنار اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے، عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پامال ہوتے دیکھا تو دفاع میں
ایسی کاروائی فرمائی جو حق کی پہچان، باطل کا بطلان اور جاں نثاری کا نشان اور پیغام بن گئی، رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر احسان سے دیکھا داد تحسین دی، کلمات آفرین بھی ادا فرمائے، اس کاروائی محبت
بارگاہ ایزدی سے ملنے والے انعام و اکرام کی بشارت بھی دی، اجر و ثواب کا معاملہ دنیا میں نمٹا اور چ
دیا، ذاتی احسان کرنے والوں کے احسان کا بدلہ آپ نے اس کے عمل احسان سے کہیں بڑھ کر
دیا، تاریخ اسلام بتاتی ہے کہ اہل ایمان کی زندگی کا نصب العین اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا
، جس کیلئے ہر شخص ہر لمحہ کوشاں رہتا، اور کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتا، اس خواہش کے حامل
افراد کو ورطہ تحریر میں لانا، اور ان کو اعداد و شمار میں پرونا انتہائی مشکل ہے، مفہوم موافق کے طور پر یہ کہ
جائے گا کہ وہ ایک ہی ذات ستودہ صفات ہے جس نے دنیائے انسانیت میں آباد اور موجود ہر اپنے
بیگانے کا حق احسان بڑھ چڑھ کر ادا کیا اور اپنی زبان فیض حق ترجمان سے دنیا کو للکارا، بلکہ

قیامت تک آنے والی انسانیت کو لرزا کر رکھ دیا کہ "مالاحد عند نا یدا الا وقد کافیناہ" سنو اس آسمان کے نیچے مجھ پر کسی بھی شخص کا احسان نہیں، ہم نے اپنے ہر محسن کے احسان کا بدلہ اس کے احسان سے کہیں زیادہ دے دیا ہے۔ "ما خلا ابا بکر فان لہ عندنا ید ایکافئہ اللہ بھا یوم القیامۃ"

سوائے ابوبکر کے اس کا ہم پر اتنا بڑا احسان ہے، جس کا بدلہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ خود عطا فرمائے گا۔

اس کی شرح میں ملا علی قاری فرماتے ہیں "قیل ارادبالید النعمۃ قد بزلھا کلھا ایاہ ﷺ وھی المال و النفس و الاھل و الوالد"

ترجمہ: ید اسے مراد نعمت ہے جس کو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی مرضی سے پوری طرح خرچ کیا، اور وہ نعمت تین چیزیں ہیں (۱) مال (۲) ذات صدیق اکبر (۳) اولاد صدیق۔ یعنی یہ تینوں چیزیں کامل اور اکمل طور پر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں بطور نذرانہ پیش کیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اگر رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں تو حضرت عمر کی صاحبزادی بھی رسول اللہ ﷺ کی حرم محترم ہیں۔ حضرت عمر یا دیگر کسی صحابی کو یہ شرف کیوں حاصل نہیں ہوا، کہ اس کی جانی، مالی، اور اولاد کی خدمات کا صلہ دنیا میں ادا نہ ہو بلکہ قیامت کو اللہ تعالیٰ ان خدمات کا صلہ عطا فرمائے، اس کا جواب وہی ہے جو سید صاحب نے اپنی کتاب کے ص ۴۹ پر بالفاظ ذیل نقل فرمایا ہے:

ا: مصنف ابن ابی شیبہ و ابن عساکر میں سالم ابن الجعد سے روایت ہے کہ میں نے محمد بن الحنفیہ سے پوچھا: "ھل کان ابوبکر اوّل القوم اسلاما قال لا فقلت فیما علا ابوبکر و سبق حتی لا یذکر غیر ابی بکر قال لانہ کان افضلھم اسلاما من حین اسلم حتی لحق بربہ"

ترجمہ: میں نے محمد ابن الحنفیہ سے کہا حضرت ابوبکر صدیق سب قوم سے پہلے اسلام لانے تھے؟ انہوں نے کہا نہیں میں نے کہا تو کس وجہ سے ابوبکر چھا گیا؟ اور سبقت کر گئے؟ یہاں تک کہ ابوبکر

کے سوا کسی کا ذکر ہی نہیں ہوتا، انہوں نے کہا اس وجہ سے کہ ان کا اسلام سب سے اچھا تھا، جب وہ ایمان لائے، حتی کہ اپنے رب تعالیٰ سے جا ملے،

۲: ابن عساکر نے سند جید کے ساتھ یہ حدیث اخراج کی ہے محمد بن سعد، بن ابی وقاص، رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سعد رضی اللہ عنہ سے سنا: ''کان ابوبکر الصدیق اولکم ، اسلاما ''
کیا ابوبکر صدیق پہلے مسلمان تھے؟ انہوں نے کہا نہیں ''ولکنه اسلم قبلها اکثر من خمسة ولکن کان خیرنا اسلاما ''(تاریخ لخلفاء)

ترجمہ: بلکہ واقع یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق سے پہلے پانچ سے زیادہ افراد اسلام قبول کر چکے تھے لیکن ان کا اسلام اچھا تھا، واضح رہے کہ ایمان اور اسلام ایک ہی چیز ہے دونوں کا مصداق ایک ہی ہے، ان کے درمیان صرف لفظی فرق ہے، علامہ ابوشکور محمد بن عبد السعید سالمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا! درحقیقت مسلمان اور مومن کا ایک ہی مطلب ہے، اسلام اور ایمان میں صرف لفظی فرق ہے دلیل کے طور پر نقل فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے تمام امت کو مومن بھی فرمایا اور ان کو مسلمان کے نام سے بھی موسوم فرمایا، تو ثابت ہوا وہی بات ٹھیک ہے جو ہم نے بیان کی ہے کہ ایمان اور اسلام اور معرفت وتوحید مین فرق لغوی اور لفظی طور پر ہے اور حقیقت میں سب ایک ہے۔ (تمہید بحث ایمان اور اسلام میں فرق ہے)

امام ابوشکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ کی توضیح سے ثابت ہوا کہ اسلام اور ایمان ایک ہی چیز کے دو نام ہیں، مصنف ابن ابی شیبہ اور ابن عساکر کی تخریج کردہ ہر دو احادیث سے ثابت ہوا کہ کیفیت ایمان، تصدیق قلبی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے بہتر ہیں، دیگر صحابہ کو یہ تصدیق ایمان اسلام لانے کے بعد میسر ہوئی مگر ابوبکر صدیق کے دل میں اظہار اسلام اور قبول اسلام سے پہلے بھی موجود تھی، سیّد صاحب نے ''زبدہ، ص ۵۳'' پر تحریر فرمایا ہے کہ: ''عن فرات بن سائب قلت میمون بن مهران ابوبکر الصدیق اوّل ایمانا بالنبی ام علی بن ابی طالب قال و اللہ لقد امن ابوبکر بالنبی زمن بحیر الراهب فاختلف ما بینه و بین خدیجة حتی انکحها ایاه و ذالک

کلہ قبل ان یولد علی بن ابی طالب"

ترجمہ: فرات بن سائب کہتے ہیں میں نے میمون بن مہران سے پوچھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے سرکار دو عالم ﷺ پر ایمان لائے یا جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ؟ تو انہوں نے جواباً فرمایا خدا کی قسم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو بحیرا راہب کے دور میں سرکار دو عالم ﷺ پر ایمان لائے، اور اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جنابہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور سرکار دو عالم ﷺ کے درمیان آمد و رفت کی یہاں تک کہ ان کا باہمی نکاح کرا دیا اور یہ سب باتیں جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ولادت سے قبل واقع ہو چکی تھیں۔

سید صاحب نے زبدہ کے ص ۵۴ پر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بھی نقل فرمائی ہے: "ان ابابکر صحب النبی ﷺ وھو ابن ثمان عشرۃ سنۃ وھم یریدون الشام فی تجارۃ حتی نزلوا منزلا فیہ سدرۃ فنزل رسول اللہ ﷺ فی ظلھا ومضی ابوبکر الی راھب یقال لہ بحیرا یسئلہ عن الدین فقال من الرجل الذی فی ظل السدرۃ فقال ذالک محمد بن عبد اللہ قال واللہ ھذا نبی اللہ ما استظل تحتھا احد بعد عیسیٰ بن مریم الا محمد فوقع فی قلب ابی بکر الیقین"

(الریاض النضرۃ، ج ۱، ص ۸۷)

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سفر شام پر بغرض تجارت گئے اور ایک منزل پر فروکش ہوئے جہاں ایک بیر کا پیڑ تھا نبی اکرم ﷺ نے اس کے سایہ میں نزول اجلال فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دین کے بارے میں دریافت کرنے کیلئے ایک راہب کے پاس چلے گئے جس کو بحیرہ کہتے تھے، اس راہب نے دریافت کیا کہ وہ کون مرد ہے جو پیڑ کے سائے میں بیٹھا ہوا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وہ محمد ﷺ ابن عبداللہ ہیں راہب نے کہا خدا کی قسم یہ اللہ کا نبی ہے عیسیٰ ابن مریم کے بعد اس کے سائے میں کوئی نہیں بیٹھا سوائے محمد ﷺ کے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل کو یقین آ گیا، سید صاحب نے اس کی توجیہ پیش کرتے ہوئے نقل

فرمایا کہ صاحب کتاب کا منشاء یہ ہے کہ ایمان اس اقرار و تصدیق کا نام ہے جو بعد از اعلان نبوت ہو سکتی ہے۔

جواباً کہا جائے گا کہ بے شک ایمان اس اقرار و تصدیق کا نام ہے جو بعد از اعلان نبوت ہو، لیکن اس معیار اس نوع اور اس کیفیت پر مبنی ایمان، ایمان تکلیفی اصطلاحی ہے ورنہ ایمان لغوی شرعی تصدیق قلبی کا نام ہے۔

سیّدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "الایمان هو التصديق، والمعرفة، واليقين، والاقرار، والاسلام" (فقهه اكبر، ص ۲۱۰، مكتبه العلوم اسلاميه لاهور)

ملا علی قاری علیہ الرحمہ ایمان کی بحث میں نقل فرماتے ہیں: "وهو افعال من الامن يقال امنت وامنت غيرى ثم يقال امنه اذا صدقه" ایمان باب افعال سے ہے امن سے ماخوذ ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ میں ایمان لایا، اور دوسرے کو مخالفت نہ کرنے کی تصدیق دی، جیسے محاورہ ہے وہ اس پر ایمان لے آیا ہے جب کوئی کسی کی تصدیق کر دے تو کہا جاتا ہے وہ اس پر ایمان لے آیا ہے: "ثم نقل الى التصديق ويعدى باللام" پھر ایمان تصدیق کا معنی دیتے ہوئے لام سے متعدی ہونے لگا جیسے "وماانت بمومن لنا" آگے فرمایا "ثم فهم من قيد مجرد التصديق انه لا يعتبر معه اعمال الجوارح"

ایمان کو صرف قید تصدیق سے مقید کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ ایمان میں اعمال جوارح غیر معتبر ہیں یعنی مفہوم و اطلاق، مصداق و تحقق میں اجزائے ترکیبیہ نہیں ہیں۔ تصدیق کی تقسیم میں فرمایا: "ومن الجزم ان التصديق الظنى لايكفى فى حصول مسمى الايمان"

یہ یقینی امر ہے کہ تصدیق ظنی مطلوبہ ایمان کیلئے کافی نہیں، بلکہ تصدیق یقینی کا نام ایمان کامل ہے مزید فرمایا: "وقيل الاقرار شرط لاجراء الاحكام لالصحة الايمان، فيما بين العبد وربه قال حافظ الدين النسفى وهذا هو اكمامروى عن ابى حنيفة واليه ذهب ابو منصور الماتريدى والاشعرى فى اصح الروايتين عنه" (مرقات، ۱، ص ۴۸) ترجمہ: زبانی

اقرار کرنا تکمیل ایمان اور صحت ایمان کی جز نہیں، بلکہ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ بندے پر ان احکامات شرعیہ کا اجراء ہو جو بندے اور اللہ کے درمیان متعین ہیں، حافظ الدین النسفی نے فرمایا، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے اس بارہ میں یہی مروی ہے امام ابو منصور ماتریدی اور امام ابوالحسن اشعری صحیح روایت کے مطابق اسی کے قائل ہیں تشریحات بالا سے یہ امر واضح ہو گیا کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے،، جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اعلان نبوت سے پہلے حاصل تھی، جیسا کہ فرات بن السائب کی روایت سے ثابت ہے سیّد صاحب نے اس روایت کے بعد جو اپنا تبصرہ فرمایا ہے وہ تعجب خیز ہے فرماتے ہیں صاحب کتاب کے نزدیک، یہ ایمان وہ نہیں ہے جو اصطلاح شرع میں ایمان کہلاتا ہے، بلکہ اس سے مراد یقین ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کے بارے میں ہے۔(زبدہ،۵۳)

دیکھنا یہ ہے کہ یہاں سچائی کا کوئی موضوع زیر بحث اور زیر بیان نہیں بلکہ معاملہ زیر غور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا ہے، فرات بن سائب نے صاف بیان کیا اور قسم اٹھا کر میمون بن مہران نے بیان دیا: الفاظ یہ ہیں "قال واللہ لقد امن ابو بکر بالنبی زمن بحیرا راھب" اور پھر لقد کے ساتھ دوہری تاکید بھی فرمائی، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان شرعی تھا، اگرچہ اصطلاحی اور تکلیفی نہ تھا، کیونکہ یہ ایمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے پہلے کا ایمان ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان یقینی ہونے کی دلیل اور قرینہ مقالیہ یہ بھی ہے کہ بحیرا راہب نے پوچھا یہ مرد جو بیری کے درخت کے نیچے بیٹھا کون ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ یہ محمد بن عبداللہ ہیں، یہ سن کر اس نے کہا "واللہ ھذا نبی" خدا کی قسم یہ نبی ہیں، راہب نے خدا کی قسم کھا کر اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا تسلیم کیا اور اعلان بھی کیا یہ سن کر آپ کے دل کو یقین کامل ہو گیا کہ آپ واقعی نبی ہیں، راہب کے پاس آپ کے نبی ہونے کے دلائل میں سے ایک حسی دلیل یہ بھی تھی کہ اس پیڑ کے نیچے حضرت مریم علیہا السلام کے فرزند حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوا کوئی شخص نہیں بیٹھا، آپ بیٹھے ہیں لہٰذا آپ نبی ہیں۔(ممکن ہے اس نے کتب سابقہ میں پڑھا ہو اس پیڑ کے نیچے نبی آخر الزمان حضرت محمد رسول

اللہ ﷺ ہی تشریف فرما ہوں گے اس پیشن گوئی کو پورا ہوتے دیکھ کر اس نے جملہ قسمیہ کے ذریعے آپ کو بدوں تردد نبی مان کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بتایا ہو، اور یہ صورت حال دیکھ کر اور راہب کی زبانی سن کر آپ ﷺ کا نبی ہونا فی الفور یقین ''جو ایمان ہے'' کی صورت میں آپ کے دل کی گہرائیوں میں اتر گیا ہو)

فرات بن سائب کی روایت اس لئے بھی وزنی اور ہمارے مؤقف کی موید ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ طبعاً اور فطرتاً توحید پرست تھے شرک کی آلودگیوں سے ہمیشہ اپنے دامن حیات کو پاک رکھا یہی وہ جبلت تھی جو آپ کو بحیرا راہب کے پاس لے گئی مزید آپ نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے شب وروز بہت قریب سے دیکھے سفر شام کے دوران ذات مقدس کے خفیہ گوشے بھی جگمگا اٹھے، اور یقین کامل ہو گیا کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں، ممکن ہے سید صاحب رسول اللہ ﷺ کو اعلان نبوت کے بعد نبی مانتے ہوں لیکن اہل سنت و جماعت کے نزدیک انبیاء اور رسول نزول وحی سے قبل بھی نبی اور رسول ہوتے ہیں، جیسا کہ امام عبدالشکور محمد بن عبدالسعید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام قبل وحی انبیاء ہوتے ہیں اور معصوم واجب العصمت اور رسول قبل وحی رسول و نبی ہوتا ہے اور معصوم ہوتا ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارۂ بچپن میں اپنے رسول ہونے کی خبر دی اور تصدیق فرمائی ''قال انی عبد اللہ اتانی الکتب وجعلنی نبیا'' بچوں کو وحی ہوتی ہے نہ کتاب ملتی ہے مگر جو نبی اور رسول ہو یہ بغیر تاویل اور تعریف کے نص قطعی ہے اس کا منکر کافر ہے۔ (تمہید ابوشکور سالمی، بحث عصمت انبیاء) امام سالمی کی توضیح کی روشنی میں مسلک حقہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک جب رسول اللہ ﷺ بیری کے درخت کے نیچے بیٹھے اس وقت آپ نبی تھے، ایک مستقل موضوع ہے جو ایک طویل وقت کا تقاضا کرتا ہے سردست اس کی طرف توجہ کرنے کیلئے ہمارے پاس فراغت نہیں، بہرحال اعلان نبوت کرنے سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قلبی زیور سے آراستہ تھے شرعی اور لغوی ایمان سے لبریز تھے، تاہم اصطلاحی اور تکلیفی ایمان نہ تھا یہی وجہ تھی جب رسول اللہ ﷺ نے

لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو ہر شخص نے کچھ نہ کچھ ضرور کہا اور جھجکا مگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ذرہ بھر توقف نہیں کیا اور فوری اسلام قبول کر لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان اللہ بعثنی الیکم فقلتم کذبت وقال ابوبکر صدق وواسانی بنفسه وماله، الحدیث (بخاری، ۵۱۷)

ترجمہ: بے شک مجھے تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا میں نے تمہیں دعوت دی تو تم نے مجھے جھٹلایا لیکن ابو بکر نے میری دعوت کو قبول کیا اور اس کی تصدیق کی اپنی جان اور اپنے مال کو مجھ پر قربان کیا۔

یہ توضیحات اس بات پر شواہد ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام اور بانیء اسلام کی تصدیق وتائید میں کیفیت ایمانی کے اس درجے پر فائز ہیں، جہاں تمام صحابہ کا ایمان تول میں برابری کرنے سے قاصر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے موقعہ پر امت محمدیہ کا محدث بزبان رسالت حضرت عمر رضی اللہ عنہ حواس باختہ ہو کر تلوار کھینچ کر کھڑے ہوئے اور بآواز بلند کہنے لگے کہ منافقین کا گمان ہے کہ حضور پرنور انتقال کر گئے آپ ہرگز نہیں مرے، آپ اپنے پروردگار کے پاس گئے ہیں، جس طرح موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر خدائے تعالیٰ کے پاس گئے تھے اور پھر واپس آ گئے تھے، خدا کی قسم اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ضرور واپس آئیں گے، اور ان منافقوں کا قلع قمع فرمائیں گے، حضرت عمر جوش میں تھے، تلوار نیام سے نکالے ہوئے تھے کسی کی مجال نہ تھی کہ یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وصال کے وقت موجود نہ تھے پیر کی صبح آپ کو سکون کی حالت میں دیکھ کر اجازت لی اور اپنے گھر چلے گئے اسی روز زوال کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا، ابو بکر اس سانحہء جانگداز کی خبر سن کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور مدینہ منورہ پہنچ گئے، مسجد نبوی کے دروازے پر گھوڑے سے اترے اور حضرت عائشہ صدیقہ سے اجازت لیکر اندر حجرہ میں چلے گئے، تھوڑی دیر کے بعد پھر باہر آئے تو دیکھا کہ عمر جوش میں بھرے ہوئے ہیں، ابو بکر صدیق نے کہا رسول اللہ انتقال فرما گئے ہیں، اے عمر تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا "انک میت وانھم میتون وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد" تمام لوگ اس حکم الٰہی کے سنتے ہی حضرت عمر کو چھوڑ کر ابو بکر کے پاس جمع ہو گئے

،صدیق اکبر منبر نبوی کی طرف بڑھے اور بآواز بلند لوگوں سے کہا خاموش ہو جاؤ، لوگ بیٹھ گئے چنانچہ
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حمد وثناء کے بعد یہ خطبہ پڑھا: "امابعد من کان منکم یعبد اللہ فان اللہ حی
لایموت ،ومن کان منکم یعبدمحمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فان محمداً قد مات قال اللہ تعالیٰ وما
محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات اوقتل انقلبتم علی اعقابکم ومن
ینقلب علی عقبیه فلن یضر اللہ شیئا،وسیجزی اللہ الشاکرین ،وقد قال اللہ تعالیٰ انک
میت وانهم میتون ،وقال اللہ تعالیٰ کل شیء هالک الا وجهه ،وله الملک والیه
ترجعون ،وقال اللہ تعالیٰ کل من علیها فان ویبقیٰ وجه ربک ذوالجلال والاکرام ،وقال
اللہ تعالیٰ کل نفس ذائقة الموت ،الخ"

ترجمہ: جو شخص تم میں سے اللہ کی عبادت کرتا ہے وہ سو جان لے کہ تحقیق اللہ زندہ ہے، اور اس پر موت
نہیں آسکتی اور بالفرض، اگر کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو جان لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے
،اور نہیں ہیں محمد مگر اللہ کے رسول ہیں جن سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں، سو اگر آپ کا
انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہو جائیں تو کیا تم دین سے واپس ہو جاؤ گے، اور جو شخص دین اسلام سے
واپس ہو گا تو وہ اللہ تعالیٰ کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچائے گا اور اللہ عنقریب شکر گزاروں کو انعام دے گا
،اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مخاطب فرما کر یہ کہا ہے کہ بے شک آپ مرنے والے ہیں اور یہ سب لوگ
بھی مرنے والے ہیں، ہر چیز فنا ہونے والی ہے صرف خدائے ذوالجلال والاکرام کی ذات بابرکات باقی
رہے گی ،ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے قیامت کے دن سب کو اعمال کا پورا پورا اجر ملے گا
،آخر تک"

جوں ہی ان آیات بینات کو جناب صدیق اکبر نے پڑھا یک لخت حالات بدل گئے حیرت کا عالم
دور ہو گیا، اور حجاب آنکھوں سے اٹھ گیا اور سب کو یقین ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے
،آیات بینات کی تلاوت کے بعد یوں لگ رہا تھا جیسے ان آیات کو آج سے قبل کسی نے بھی نہ
سنا تھا، اب ہر آدمی کی زبان پر انہی آیات کی تلاوت تھی ،حضرت عمر کا بیان ہے کہ میری حالت بھی

یہی ہوئی کہ گویا ان آیات کو میں نے آج ہی پڑھا ہے میں نے بھی اپنے خیالات سے رجوع کیا، یہاں اس بات کا سمجھنا ضروری ہے کہ حضرت عمر اور دیگر تمام صحابہ رسول اللہ ﷺ کے وصال سے غم و پریشانی کی گہرائیوں میں اس قدر ڈوب گئے کہ ان کے قلوب واذہان سے ان آیات بینات کے نقوش مٹ گئے، فرط غم نے ان کے خزانہ حفظ سے ان آیات کا سرقہ کرلیا، محبت کے آنسو اس قدر سیلاب بے کراں ہوئے کہ آیات بینات کی جلوتوں، اور انوار کو بہا کر لے گئے، موت کی حقیقت پر مبنی اعلام باری تعالیٰ کی گونج، کانوں سے اتر گئی، مگر جناب ابوبکر صدیق راز دار نبوت، سفر و حضر کے ساتھی، رسول اللہ ﷺ کے ابروئے چشم کے اشارے پر جان، مال، اولاد قربان کرنے والے، چراغ نبوت کے پروانے، گلشن محمدی کی چہکتی ہوئی عندلیب ہے جس کی ہمت آسمان کی بلندیوں سے بھی بلند ہے جس کا عقیدہ توحید، کرۂ ارضی پر واقع پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط ہے، پروانہ شمع کے بغیر اور پھول بلبل کے بغیر، قطرہ سمندر کے بغیر، ذرہ خورشید کے بغیر، اور صدیق اپنے رسول کے بغیر کچھ نہیں، مگر آج کا صدیق وہ نہیں جو کفار کے ہاتھوں پٹا، موت کی دہلیز تک پہنچ گیا، ہوش آتا ہے تو اپنے آقا کی خیریت دریافت کرتا ہے، آج کا صدیق ثبات واستقامت کا کوہ گراں ہے، اللہ کی ذات وصفات کے مشاہدہ سے سرشار توحید و رسالت کا درس دے رہا ہے، ایسے نازک وقت میں صحابہ کے والہانہ جذبات کے دھارے کا رخ پلٹ کر جانب حق و سچ مبذول کر رہا ہے حضرت عمر جیسے محدث امت کی سوچ کو بدل کر سونتی ہوئی تلوار واپس نیام میں لا رہا ہے، ماننا پڑے گا کہ تمام صحابہ کے ایمان کے بالمقابل اگر ایمان ابوبکر کو تولا جائے تو بلاشبہ ایمان ابوبکر کا پلڑا بھاری ہوگا رسول اللہ ﷺ نے اس حقیقت کو آشکارا کرتے ہوئے فرمایا "لو اتزن ایمان ابی بکر مع ایمان جمیع امتی لرجح" (سبع سنابل ص ٦٦) مانعین زکوۃ کی ادائیگی سے روگردانی کی بحث وتمحیص کا سلسلہ شروع ہوگیا صحابہ نے ان لوگوں کے خلاف جہاد و قتال نہ کرنے کا مشورہ دیا، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے سے اختلاف رکھتے تھے، مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نہ مانے اور فرمایا جو شخص زکوۃ کے جانوروں کے ہمراہ اس کی رسی دیتا تھا اگر اس نے جانور کے

ہمراہ رسی نہ دی تو میں اس کے خلاف بھی جہاد اور قتال کروں گا کیونکہ یہ طریقہ میرے آقا و مولیٰ ﷺ کے زمانہ میں رائج اور نافذ تھا، اس کا چھوڑنا اور توڑنا میرے بس کی بات نہیں، چنانچہ آپ نے خداداد ہمت بیکراں اور جرأت بے پایاں کے بل بوتے، اس فتنے کے سوتے بھی خشک کر دیے، سوچنے کی بات ہے ذات صدیق اکبر میں وہ کونسی قوت ہے جو ثبات و استقلال اور جری ہونے کا جذبہ عطا کرتی ہے، جس کے سامنے صحابہ کی سوچ وفکر کے دھارے رک جاتے ہیں، علامہ عبد العزیز ملتانی نقل فرماتے ہیں: "ان اصل الخیرھو الاخلاص فی العمل ومحبة الحق سبحانه ودوام الحضور معه وھی اموریاطنیة ولذا قال بکربن عبد اللہ المزنی ما فضلکم ابوبکر بصوم وصلوۃ ولکن بشیء فی قلبه "انتھیٰ(نبراس شرح شرح عقائد)

عمل میں للّٰہیت، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی محبت اور اس کی بارگاہ میں ہمہ اوقات حاضری کا نام فضیلت ہے، ان تمام کا تعلق باطن سے ہے ظاہراً ان کا ادراک ناممکن ہے، ان امور کے عالم اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے افضل ہیں، وجہ افضلیت کو بیان فرماتے ہوئے ابوبکر عبداللہ المزنی نے فرمایا کہ ابوبکر صدیق کی افضلیت صوم وصلوہ کی کثرت کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے علاوہ کوئی اور چیز ہے جو ان کے دل میں جاگزیں تھی، وہ چیز کیا ہے؟

بے مثال اور لازوال درجے کا ہر عمل میں خلوص وللّٰہیت، غیر معدود، اور لامحدود درجہ کی محبت الٰہی، ذات وصفات باری تعالیٰ کا مشاہدہ، اور دربار الوہیت میں ہمہ اوقات حاضری۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ہیں، آپ کی خلافت، نبوت اور رسالت کی خلافت ہے آپ نے اپنے دور خلافت میں مدعیان نبوت، ارتداد، منع زکوۃ ایسے ہوشربا معرکے کیے، جرأت ہمت، استقلال یہ لوازمات نبوت ہیں، مگر ہر مشکل گھڑی میں بدرجہ اتم آپ میں پائے گئے، ان کے بل بوتے پر آپ نے فتنہ انگیز طوفان کے رخ پھیر دیئے اور ان کو فتح بھی کیا یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ تھا جو آپ کی بلند اعتقادی، بلند ہمتی، اور بلند فکری کی صورت میں موجود تھا جس نے باطل کے خوابوں کو شرمندہ تعبیر نہ ہونے دیا، بلکہ یوں کہنا بے جا نہ ہوگا، کہ فتح ونصرت کی تمام شعلہ

سامانیاں رسول اللہ ﷺ کے معجزہ کی مرہون منت تھیں جو نادیدہ قوت اور نا قابل فہم صلاحیت کی صورت میں آپ کی ذات ستودہ صفات میں ودیعت رکھی گئی تھیں، اسی لیے ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں کہ میں نے ابو حفص سے سنا کہ کہتا تھا "بعد از پیغمبر کوئی شخص ابوبکر سے افضل نہیں کیونکہ اس نے مقاتلہ مرتدین میں نبی کا سا کام کیا ہے،(تصفیہ مابین سنی وشیعہ،ص ١٩)

ظاہر ہے ابوبکر نبی نہیں تھے، مگر نبی کے کام جیسا کام کیا، اور یہ رسول اللہ ﷺ کی اعجاز کاری تھی جس کا ظہور ذات صدیق اکبر سے ہوا، جس کا ذکر خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں ہی فرمادیا تھا،

"مافاق ابوبکر بکثرۃ الصلوۃ والصیام ولکن بشیء وقر فی قلبه "سبع سنابل ،ص ٦٢)

یعنی ابوبکر نماز اور روزوں کی کثرت کی وجہ سے سبقت نہیں لے گئے لیکن اس چیز کی وجہ سے جوان کے دل میں ڈال دی گئی ہے، اور اسی لئے ان کی ذات سے ایسے امور صادر ہوئے جن کو دیکھ کر عقل محو حیرت ہو جاتی ہے،، رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں صحابہ کے سامنے ہجرت کا ذکر فرمایا، کہ اچانک ہوگی اور کانوں کان تک خبر نہ ہوگی، ایک روز آدھی رات کے وقت جبریل امین حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ خدا کا ارشاد ہے کہ مکہ سے ہجرت کیجیے رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور چل دیے جب دروازے پر پہنچے تو دیکھا کہ ابوبکر موجود ہیں فرمایا اے ابوبکر تمہیں کس نے خبر دی عرض کیا اس روز آپ نے فرمایا تھا کہ ہجرت ایسے وقت میں ہوگی کہ کسی کو پتہ نہ چلے گا اسی روز سے اپنے گھر نہیں سویا ہوں اور تمام رات حضور کے در دولت پر حاضر رہتا ہوں، پس یہ تپاک اور جاں سوزی اسی شیء عظیم کی نشانیوں میں سے ہے، جس کو ابوبکر صدیق کے دل میں کافی مقدار میں رکھا گیا تھا، اور یہ حالت کسی اور سے ظاہر نہ ہوئی،، (سبع سنابل،ص ٦٣)

رسول اللہ ﷺ نے خود ارشاد فرمایا:"ما اوحی الی شیء الا صبیته فی صدر ابی بکر "(الریاض النضرہ)

جو کچھ اللہ کی طرف سے میرے سینے میں ڈال گیا ہے وہ سب میں نے ابوبکر کے سینے میں انڈیل دیا ہے، دنیائے تصوف کے سرتاج بادشاہ حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:"خواجۂ

اوّل کہ اوّل یار اوست ثانی اثنین اذھما فی الغار اوست صدر دین صدیق اکبر قطب حق، در ہر

چیز از ہمہ بردہ سبق، ہر چہ حق از بارگاہ کبریاء، ریخت در صدر شریف مصطفیٰ، آں ہمہ در سینہء صد

ریخت، لاجرم لا بداز و تحقیق ریخت، چوں تو ں کردی ثانی اثنین قبول، ثانی ثنین او بود بعد از رسو

"ترجمہ: جب تم ثانی اثنین اذھما فی الغار کو مانتے ہو تو پھر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ ہی افضل الامت ہیں۔ ہر وہ چیز جواب رب کبریاء کی بارگاہ سے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

سینہء اقدس میں ڈالی گئی تھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر کے سینہ میں انڈیل دی، بغیر شک و

، اور یہ بہت ہی ضروری بات ہے کہ واقعی ہر چیز انڈیل دی۔ (منطق الطیر، ۲۸)

مندرجہ تصریحات سے نصاً ثابت اور معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دین کی ابتداء او

دائرہ حق کا مرکز ہیں، آپ اپنے تمام خداداد خصائص کی بدولت تمام صحابہ سے سبقت لے گئے ہیں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیخین کی افضلیت خود اپنی زبان مبارک سے بیان فرمائی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ

روایت کرتے ہیں کہ: "کنت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ طلع ابوبکر و عمر فقال ر سول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذان سید اکھول اھل الجنۃ من الاولین و الاخرین الا النبیین و المرسلی

یا علی لا تخبرھما "(ترمذی، ۲، ۲۸۵)

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں تھا کہ اسی اثناء میں ابوبکر اور عمر نمودار ہوئے، تو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دونوں جنتی بوڑھوں کے سردار ہیں لیکن اے علی تم نے ان کو یہ خوشخبری نہیں دینی"

محدثین نے حدیث کا معنی یہ بیان فرمایا ہے جتنے مسلمان بڑھاپے میں فوت ہوئے یہ ان کے سر

ہیں، لیکن یہ معنی الفاظ سے تھوڑا بعید ہے، کیونکہ سیاق و سباق حدیث سے تمام جنتیوں خواہ بوڑھے ہو

یا جوان ان کی سیادت مفہوم ہوتی ہے کیونکہ کوئی بھی جنتی عمر رسیدہ نہیں ہوگا سب کے سب جوان ہو

گے"

ملا علی قاری نے فرمایا: "فان الکھل اکمل الانسان و اعقل بالشباب و مدارج الجنۃ ع

قدر العقول "کہل یعنی بڑھاپا تکمیل انسانیت کا نام ہے، جوانی کی نسبت بڑھاپے میں عقل ز

ہوتی ہے جنت کی درجہ بندی معیار عقل کی مرہون منت ہے، جو زیادہ اہل فطنت ہیں لہٰذا جنت میں ان کا مرتبہ اور درجہ بھی سب سے بلند ہوگا، مراتب کے لحاظ سے انبیاء اور رسولوں کے مقامات سب سے ارفع اور بلند ترین ہوں گے، اور ان کے بعد شیخین کے مراتب اور مقامات ہوں گے، یعنی انبیاء اور رسولوں کے بعد جس طرح دنیا میں شیخین کا کوئی ہم مرتبہ اور صاحب فضیلت نہیں، اسی طرح جنت میں بھی ان کے مقامات اور درجات بلند اور ارفع ہوں گے، رہا یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس خبر کے دینے سے کیوں منع فرمایا؟ حضور ﷺ کی منشاء یہ تھی کہ یہ خبر عظیم رسول اللہ ﷺ خود اپنی زبان مبارک سے شیخین کو سنائیں، اس سے جہاں شیخین کے مقام و مرتبہ کا پتہ چلتا ہے وہاں دربار رسالت میں ان کا مقرب ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے اس حدیث کی تائید دوسری حدیث بھی ہے جس کو ابوسعید رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ "قال رسول اللہ ﷺ ان اھل الدرجات العلیٰ لیرھم من تحتھم کما ترون النجم الطالع فی افق السماء و ان ابابکر و عمر منھم و انعماً" (ترمذی، ۲، ۶۸۴)

جنت میں اہل جنت کے درجات اس قدر بلند ہوں گے کہ نچلے درجات والے لوگ ان کو اتنی بلندی پر دیکھیں گے جس طرح زمین سے افق آسمان پر طلوع ہونے والے ستارے بلندی پر دکھائی دیتے ہیں ابو بکر و عمر ان بلند ترین مراتب پر فائز لوگوں میں سے ہوں گے؟ بلکہ ان کے مقامات کی بلندی ان سے بھی زیادہ ہوگی، ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم و بیش انسان شرف صحابیت سے مالا مال ہوئے رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابہ کے متعلق فرمایا "اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم" مگر شیخین کا انفرادی ذکر ان کی گفتار و کردار کی خصوصیت کا ذکر یہ واضح دلیل ہے کہ دنیائے انسانیت میں انبیاء اور رسولوں کے بعد شیخین کا مقام اور مرتبہ سب سے بلند اور افضل ہے، جس کا انکار، جس پر اعتراض اور جس سے اعراض نصوص قطعیہ کے انکار کو مستلزم ہے، ایک مسلمان بھول کر بھی اس کا تصور ذہن میں نہیں لا سکتا، رسول اللہ ﷺ نے ایک دن صحابہ کرام سے خطاب فرمایا اور یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے چاہے تو دنیا میں رہے اور دنیا کی نعمتوں سے بہرہ ور ہو اور چاہے تو وہ

اللہ کے ہاں چلا جائے اور آخری نعمتوں سے لطف اندوز ہو مگر اس نے اللہ کے ہاں جانا پسند کر لیا ابوبکر یہ جملے سن کر رو پڑے، "فقال اصحاب رسول اللہ ﷺ الا تعجبون من ھذا الشیخ اذ ذکر رسول اللہ ﷺ رجلا صالحاً خیرہ ربہ بین الدنیا ولقاء ربہ فاختار لقاء ربہ قال فکان ابوبکر اعلمھم " الحدیث (ترمذی، ۲، ۲۸۴)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے کہا اس بوڑھے کے رونے سے تم متعجب نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے تو ایک مرد صالح کے اختیار کا تذکرہ فرمایا کہ چاہے وہ دنیا میں رہے یا اللہ کے پاس چلا جائے اس نے اللہ سے ملاقات کرنے کو پسند کیا ہے اس میں رونے کی کونسی بات ہے؟

بعد میں حقیقت خطاب سامنے آئی تو صحابہ کو تسلیم کرنا پڑا کہ ابوبکر تمام صحابہ میں بڑے علم والے ،اس خطاب مستطاب کے الفاظ ،اور جملے تمام صحابہ کے کانوں میں پڑے ،ہر صحابی نے اپنی فکر اور انداز کے مطابق اس کو لیا اور سمجھا ،لیکن کلام نبوت اور منشاء خطاب تک کسی کی رسائی نہ ،یہی کلام نبوت جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی سماعت فرمایا سیاق وسباق کی گہرائیوں اتر گئے اور رونا شروع کر دیا ،رونے کی وجہ کسی کے علم میں نہ تھی ،صدیق کے رونے پر اظہار کیا گیا بلکہ الا تعجبون من ھذا الشیخ " کا جملہ استہزاء کے طور پر بھی بولا گیا سر دست یہ خطاب ایک پیغام آخرین ،اور سربستہ راز تھا جس کا عقدہ فہم صحابہ پر کھل نہ سکا ،اسی نافہمی نے مذکورہ استہزاء کا عنوان بنایا ،مگر صدیق اکبر کے سینے میں دل ان کا تھا ،مگر دھڑکن رسول اللہ کی تھی آنکھیں کی تھیں مگر بینائی رسول اللہ ﷺ کی تھی کان ان کے تھے مگر شنوائی رسول اللہ ﷺ کی تھی دانش تھی مگر تفسیر رسول اللہ ﷺ کی تھی ،ایسا کیوں نہ ہوتا کہ یہی تو اسرار نبوت کو جانتے اور رموز رسالت پہنچانتے ہیں ان کا رونا بے مقصد اور بے معنی نہ تھا ،اس شیخ اکبر نے خطاب کے جھرونکوں سے عشق لگا کر رسول اللہ ﷺ کی جدائی ،اور اپنی تنہائی کا سیاہ منظر دیکھا تھا ،خطاب کا ہر ہر جملہ بار بن کر عشق ومحبت کا طلسم توڑ رہا تھا ،کاروان عشق ومستی کے لٹ جانے کا پیغام دے رہا تھا پر سے چراغ اور بلبل سے پھول کے چھپ جانے کی خبر دے رہا تھا ،چشمان صدیق سے گرنے والے

آنسو نا دیدہ طوفان غم کی ترجمانی کر رہے تھے، وقت کا دھارا خوابیدہ حقائق کو بیدار کرتا ہے نگاہوں سے اوجھل فکر و دانش سے مستور حالات کو بے نقاب کرتا ہے، جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال پر ملال ہوا تو سب پر عیاں ہو گیا کہ اسی سانحہ کو دیکھ کر الشیخ ابو بکر کی آنکھوں سے خطاب نبوی کے دوران آنسو چھلک پڑے تھے، صحابہ کرام کو تسلیم کرنا پڑا کہ "**فکان ابوبکر اعلمھم**، اعلمھم صیغہ اسم تفضیل ہے جو ظاہر کر رہا ہے کہ تمام صحابہ عالم تو تھے مگر اعلم نہ تھے، اعلم حضرت ابو بکر صدیق ہی تھے، کیونکہ افضلیت کیلئے اعلم ہونا ضروری ہے"

سیّد صاحب نے تحریر فرمایا: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے وہ شخص ہیں جن کو حضرت نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کا پہلا خلیفہ برحق بننے کا شرف حاصل ہوا اور خلافت کے اعتبار سے اس عظمت کا انسان نہ ہی پہلی امتوں میں کوئی گزرا ہے اور نہ ہی اس امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں کوئی ہے (یہ مذہب جمہور اہل سنت کا ہے) (زبدۃ، ص ۴۰)

سیّد صاحب اپنے عقیدے کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: 'ہمارا اپنا عقیدہ بحیثیت سنی کے جناب ابو بکر صدیق کے بارے میں بحیثیت خلیفہ رسول برحق ہونے کے افضل الامت ہونے کا ہے، (زبدۃ، ص ۱۰۹)

سیّد صاحب کی دونوں تحریروں سے روز روشن کی طرح ثابت اور واضح ہوا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق ہیں برحق اسی لئے ہیں کہ فرمان رسول ﷺ کہ "**الائمة من قريش**" کے فرمان کے مطابق قریش میں سے ہیں خلافت کیلئے آپ کا انتخاب نماز میں خلیفہ رسول ﷺ کے بننے کی وجہ سے ہے، صحابہ نے آپ کو سب سے افضل سمجھ کر آپ کی بیعت کی، آپ کی خلافت پر اجماع صحابہ ہوا، جو درحقیقت آپ کی افضلیت پر اجماع ہوا، آپ کی خلافت نبوت تھی اس لئے آپ افضل الامت قرار پائے۔

سیّد صاحب نے مستدرک کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ: نزال بن سبرہ کہتے ہیں ہم نے جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ بتائیں، آپ

نے فرمایا کہ وہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک ایسا شخص ہے جس کو اللہ نے جبریل امین کی زبان صدیق کے نام سے موسوم کیا، اور سرکار دو عالم ﷺ کی زبان گوہر فشاں سے بھی، وہ سرکار ﷺ نماز میں خلیفہ تھے، آپ ﷺ نے انہیں ہمارے دین کیلئے پسند کیا اور ہم نے اپنی دنیا کیلئے بھی ا ہی پسند کیا۔ (زبدہ، ص ۴۳)

سیّد صاحب نے قول فیصل کے طور پر تحریر فرمایا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسا شخص نہ پہلی امتوں ہوا ہے اور نہ اس امت میں ہے اس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ افض البشر بعد الانبیاء ہیں، اور یہ عقیدہ جمہور اہل سنت کا ہے، پھر تحریر فرمایا ہمارا اپنا عقیدہ بحیثیت سنی جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں بحیثیت خلیفہ رسول اللہ ﷺ برحق ہونے اور اف الامت ہونے کا ہے۔

اگر سید صاحب سنی ہیں تو پھر مسئلہ امامت وخلافت، اور اس کے لوازمات کا علم ہونا چاہیے، عقیدہ ا سنت و جماعت کے مطابق ترتیب خلافت کے لحاظ سے افضلیت بھی معلوم ہونی چاہیے، جبکہ صاحب نے زبدۃ کی ضخامت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی افضلیت کو ہی اہمیت دی ہے اور مختلف زاویوں سے افضلیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر مواد جمع کر کے اس کو اوراق کی زینت بنایا ، مناسب جگہ پر اس عنوان کو کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ افضل ہیں یا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ ؟ بیان کریں گے اگر چہ دلائل قطعیہ کے ذخیرہ سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ جملہ انبیاء اور رسولوں کے بع حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔ اور آپ کی افضلیت کا ہر پہلو دلائل قاہرہ سے وا ہو چکا ہے، غور طلب معاملہ یہ ہے کہ جب سیّد صاحب سنی ہیں اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ انبیاء ا رسولوں کے بعد افضل الاوّلین ہیں تو سنی عقیدہ کے خلاف افضلیت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اثبات میں مہمل اور مبہم دلائل نقل کر کے کتاب بڑھانے کا مقصد؟ آیئے دیکھیں سنی کون ہوتا ؟ امام اہلسنت مولنا الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اے عزیز جیسے تما ایمانیات پر یقین لانے سے آدمی مسلمان ہوتا ہے اور ایک کا انکار کافر مرتد کر دیتا ہے اسی طرح سنی

جو تمام عقائد اہل سنت میں ان کے موافق ہو، اگر ایک میں بھی خلاف کرتا ہے ہرگز سنی نہیں بدعتی ہے ،اسی لئے علمائے دین تفضیلیہ (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل جانے) کو سنیوں میں شمار نہیں کرتے ،اور انہیں اہل بدعت کی شاخ جانتے ہیں ،امام ابوشکور سالمی نے تمہید میں فرمایا:"بعض کلامهم بدعة ولا يكون كفرا وهو قولهم بان علياً كان افضل من ابی بكر ،عمر ،عثمان رضی الله عنهم سے افضل تھے،عقائد بزدوی میں ہے:"اقلهم غلوا الزيديه فانهم كانوا لايكفرون احدا من اصحاب رسول الله ﷺ ،ويقولون ان ابابكر وعمر كانا امامی حق ويفضلون عليا علی سائر الصحابة"

ترجمہ:سب رافضیوں میں کم تر غلو اور شدت میں زیدیہ ہیں کہ وہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کو کافر نہیں کہتے اور کہتے ہیں ابوبکر اور عمر خلیفہ برحق تھے،اور تفضیل دیتے ہیں علی کو باقی صحابہ پر۔

غنیۃ الطالبین شریف میں مشہور بذات پاک حضرت غوث اعظم ہے رضی اللہ عنہ عقیدہ روافض میں مرقوم:"ومن ذالک تفضيلهم علی جميع الصحابة" ترجمہ:عقائد رفض سے ہے ان کا تفضیل دینا علی کرم اللہ وجہہ کو تمام صحابہ پر،فتاویٰ خلاصہ میں ہے "فی الرافض من فضل عليا علی غيره فهو مبتدع"فتح القدیر میں فرماتے ہیں "فی الرافض ان فضل عليا علی الثلاثة مبتدع"،بحر الرائق میں ہے" الرافضی من فضل عليا علی غيره فهو مبتدع" علامہ عبدالعلی برجیدی شرح نقایہ اور علامہ شیخ زادہ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں فرماتے ہیں" الرافضی من فضل عليا فهو مبتدع"(مطلع القمرین ص،۶۵،۶۶)

یہ تمام حوالہ جات امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب مطلع القمرین میں جمع کئے اور نقل فرمائے ہیں،ہم نے اس کتاب سے یہاں اس لئے منتقل کئے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو تمام صحابہ پر فضیلت دینے والا شخص سنی نہیں ہوتا بلکہ بدعتی ہے،سید صاحب نے اپنے علمی راور قلمی شاہکار کے چار سو صفحات پر تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے عقیدہ کو حق اور سچ ثابت کرنے کیلئے پورا علمی زور لگایا ہے اب صورت حال متضاد ہوگئی ہے اگر واقعی سید صاحب سنی ہیں تو

تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے اثبات میں زبدۃ کی اتنی ضخامت کیوں؟ اور اگر زبدہ انکے ترجمان اور نشان حق ہے تو سنی ہونے کا دعویٰ چہ معنی دارد؟

اہل سنت و جماعت کے پاس سرمایۂ افتخار اہل بیت کی محبت ہی تو ہے، اگر سیدزادہ ویسے بات تو لائق تسلیم ہوتی ہے سید صاحب نے تو دلائل کی ایک جامع دستاویز پیش فرمادی ہے، لیکن اس باوجود ہمارے تعجب اور تحیر نے سر تسلیم خم نہیں کیا کہ آخر سید صاحب کا مقصد کیا ہے؟

ایک طرف تو وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ برحق بلا فصل، اور افضل البشر بعد الانبیا ، اور جمہور اہل سنت کا مذہب مانتے اور تسلیم کرتے ہیں۔ (زبدہ، ص ۴۰) اور دوسری طرف حضرت اللہ وجہہ کے افضل البشر بعد الانبیاء ہونے پر اپنے علم وفکر کی تمام توانایاں صرف کردیتے ہیں، یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بعد از انبیاء اہل سنت و جماعت کا اجماعی ہے تو پھر اس قافلے کا سالار اور ترجمان بننے کی کیا ضرورت تھی جو افضلیت ابوبکر کے دلائل قطع آنکھیں چرا کر اور اجماع امت کے حصار کو توڑ کر اپنی راہ چل دیا ہے، سوچ بسیار کے بعد ہماری کے تانے بانے یہاں آکر بکھر گئے ہیں کہ امور فطرت میں سے کوئی بڑی چیز سید صاحب کے آئی ہے جو ان کے علم بالحقائق کو محبوس کر کے اور خود سید صاحب کو یرغمال بنا کر لے گئی ہے، وگر صاحب ایسے عالم اور حق دوست انسان سے ایسی توقع نہیں کی جاسکتی تھی، اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل البشر بعد از انبیاء ہیں اعلیٰ حضرت نے نقل فر علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر، امام علامہ سیوطی میں زیر حدیث صالح المؤمنین ابوبکر و عمر فر ہیں:۔ای هما اعلی المومنین صفة و اعظمهم بعد الانبیاء" ترجمہ: یعنی ابوبکر و عمر مسلمانوں سے اعلیٰ ہیں، صفت میں اور انبیاء کے بعد سب سے بڑے ہیں، قدر و منزلت میں نقل فرمایا کہ: "شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی بیان وجہ تفضیل شیخین میں فرماتے ہیں ا (یعنی شیخین رضی اللہ عنہما) بزرگ بودند و مقرب در کاروبار دنیا و دین مقدم ابوبکر و عمر ہر دو وزیر آنحضرت بودند صلی اللہ علیہ وسلم صواعق المحرقۃ کا حوالہ دیتے ہوئے نقل فرمایا:۔ ثم یجب الا

والمعرفة بان خير الخلق وافضلهم واعظمهم منزلة عند الله بعد النبيين والمرسلين واحقهم بخلافة رسول الله ابوبكر الصديق ونعلم انه قد مات رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ولم يكن على وجه الارض احدبالوصف الذى قدمناز كره على غيره رضى الله عنه ثم من بعده على هذاالترتيب والصفة ابو حفص عمر بن الخطاب رضى الله عنه ثم من بعدها على هذا الترتيب والنعت عثمان بن عفان ،ثم على هذا النعت والصفة من بعد هم ابوالحسن على بن ابى طالب رضى الله عنهم انتهى ملخصاً" ترجمہ: پھر واجب ہے ایمان لانا اور پہچاننا کہ تمام جہاں سے بہتر اور افضل اور خدا کے نزدیک مرتبہ میں بڑے انبیاء ومرسلین کے بعد اور خلافت رسول اللہ کے مستحق تر ابوبکر صدیق ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا اور روئے زمین پر یہ وصف کسی میں نہ تھا سوائے صدیق کے، پھر ان کے بعد اسی ترتیب اور صفت پر عمر بن الخطاب ہیں رضی اللہ عنہما، پھر ان کے بعد اسی ترتیب اور وصف پر عثمان بن عفان پھر اسی نعت اور وصف پر ان سب کے بعد ابوالحسن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (مطلع القمرین،۴۵)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر سے ثابت ہوا کہ حضرات شیخین (ابوبکر، وعمر رضی اللہ عنہما) تمام صحابہ میں بزرگ، بارگاہ رسالت میں بہت قریب تھے، دین ودنیا کے کاموں میں سب سے پیش پیش تھے، حضرت ابوبکر صدیق اور عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گوہر بار میں وزیر اور مشیر تھے۔علامہ ابن حجر مکی کی تحریر سے واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد روئے زمین پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بہتر اور افضل کوئی شخص نہ تھا جو خلیفہ رسول بننے کی صلاحیت رکھتا ہو، اور پھر اسی وصف کے حامل حضرت عمر تھے یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابوبکر صدیق کی وفات کے بعد اہلیت خلافت میں یکتا تھے، اسی ترتیب اور وصف کے مطابق حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پائے کا روئے زمین پر کوئی بھی نہ تھا جو خلافت کا استحقاق رکھتا ہو، پھر انہی صفات کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی بے مثال شخص تھے، آپ کے علاوہ خلافت کا حقدار کوئی نہ تھا، خلاصہ یہ ہے کہ خلفائے

راشدین کی ترتیب خلافت معیار افضلیت ہے، انبیاء اور مرسلین کے بعد پوری انسانیت میں ابوبکر صدیق افضل ہیں۔ اور بقول علامہ ابن حجر افضلیت ابوبکر پر ایمان لانا واجب ہے،

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:"آخر صلوۃ صلاھا رسول اللہ ﷺ صلی فی ثوب واحد متو شحا خلف ابی بکر " رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کے ہمراہ ابوبکر کے پیچھے صرف ایک کپڑے میں نماز ادا فرمائی جو آپ کے کندھوں پر ڈالا ہوا تھا، (نسائی ا،ص ۱۶۷) اس کا سر بائیں ہاتھ کے نیچے، اور باقی دائیں کندھے پر تھا اور دوسرا سرا دائیں ہاتھ کے نیچے تھا (اور بقیہ حصہ بائیں کندھے پر تھا) (نسائی، ا،ص ۱۲۷)

رسول اللہ ﷺ نے بیماری کی حالت میں اپنی آخری نماز ابوبکر کی امامت میں ادا کر کے یہ ظاہر کیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صحابہ میں سب سے افضل ہیں آپ ﷺ کا نماز ایسے ایک امام اسلام ابوبکر صدیق کی اقتداء میں ادا فرمانا، ابوبکر صدیق کے افضل الامت ہونے کا عملی ثبوت ہے، قبل ازیں آپ ﷺ نے تاکید اور اصرار کے ساتھ ابوبکر صدیق کو صحابہ کا امام مقرر فرمایا۔ اور ابوبکر صدیق کی اقتداء میں خود نماز ادا فرما کر افضلیت ابوبکر کی قطعیت پر مہر تصدیق ثبت کی۔ امام نسائی نے افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر امامۃ اھل العلم و الفضل ' کا باب باندھ کر یہ حدیث نقل فرمائی ہے جس کے راوی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں "قال لما قبض رسول اللہ قالت الانصار منا امیر ومنکم امیر فاتاھم عمر فقال الستم تعلمون ان رسول اللہ ﷺ قد امرا بابکر ان یصلی بالنا س فایکم تطیب نفسہ ان یتقدم ابابکر قالوا نعوذ باللہ ان نتقدم ابابکر "

ترجمہ: عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ کا وصال ہوا تو انصار نے کہا ایک امیر تم میں سے ہوگا اور ایک امیر ہم سے ہوگا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے معشر انصار تم کو معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ ابوبکر لوگوں کی امامت کریں، پس تم میں کون شخص ہے جو ابوبکر پر پیش قدمی کرے، انصار نے کہا اللہ کی پناہ کہ ہم ابوبکر پر پیش قدمی

۔(نسائی، ۱، ۱۲۶)

رسول اللہ ﷺ کا ابو بکر کو صحابہ کا امام بنانے ، اور پھر آخری نماز ان کی اقتداء میں ادا فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کی نظر میں سب سے افضل اور مقدم ہیں رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد انصار کا یہ کہنا کہ "منا امیر و منکم امیر" اور اس کے جواب میں حضرت عمر کا یہ فرمان کہ "ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے نماز میں امام مقرر فرمایا۔ ان کو چھوڑ کر خلافت کا حقدار کون ہو سکتا ہے تم اپنے لئے امارت اور خلافت کو طلب کر کے رسول اللہ کی متعین فرمودہ حد سے تجاوز کر رہے ہو کیا تم ابو بکر کی اہمیت اور افضلیت کو نظر انداز کر کے آگے بڑھنا چاہتے ہو، انصار کا نعوذ باللہ ان نتقدم علی ابی بکر کا اعلان دست برداری کرنا افضلیت ابو بکر پر اجماع ہے کیونکہ مہاجرین تو سب سے پہلے ہی حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت پر متحد اور متفق تھے، اعتراض صرف انصار کر رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے معقول ، مدلل اور مسکت جواب کو سن کر انصار کا مہاجرین کی رائے کے موافق ہو جانا اجماع صحابہ نہیں تو اور کیا ہے؟

سید صاحب نے فرمایا! کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو افضل نہ جاننے کو سنیت سے اخراج کیلئے کافی مانا جائے تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو سنیت سے خارج ماننا جائے گا جنہوں نے شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کو افضل ماننا تو بجائے خود خلیفہ بھی نہیں مانا اور بیعت کئے بغیر مدینہ شریف چھوڑ کر شام چلے گئے وہیں ان کا وصال ہوا اور وہیں دفن ہوئے آپ کا مزار پر انوار مرجع خلائق ہے۔ (زبدہ، ۱۹)

جواباً کہا جائے گا کہ مسئلہ افضلیت ابو بکر صدیق کسی ایک صحابی کا (عام صحابی) نہیں بلکہ اس عظیم صحابی کا ہے جن کی افضلیت شان میں سید صاحب نے خود اپنی تالیف میں ص ۸۸ تا ۹۹، "۱۳" آیات کریمہ نقل کی ہیں۔ اور احادیث مبارکہ کا ایک معتد بہ ذخیرہ بھی نقل فرمایا ہے اس بلند مرتبت شخصیت کو "کسی ایک صحابی" کے الفاظ سے تعبیر کرنا مناسب نہیں، اہل سنت و جماعت تو جناب صدیق اکبر کو اجماع امت کی روشنی میں افضل البشر بعد الانبیاء مانتے ہیں، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا کردار جو بیعت صدیق اکبر کے موقعہ پر سامنے آیا سید صاحب نے بطور دلیل نقل کیا کہ انہوں نے شیخین کو

افضل مانا نہ خلیفہ کہا ان کو "ما انا علیہ و اصحابی " سے خارج کیا جائیگا، اہل سنت و جما
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم 'اللہ اللہ فی
لا تتخذوھم غرضا ' فمن احبھم فبحبی احبھم 'ومن ابغضھم فببغضی
"(شفا قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ)
کے مطابق ہر صحابی کو رشد و ہدایت کا سرچشمہ سمجھتے اور دل و جان سے محبت کرتے ہیں۔ لیکن
کریمین کو جمیع صحابہ سے افضل اور بزرگ ترین شخصیات تسلیم کرتے ہیں کیونکہ رسول اللہ
خود اپنی زبان گوہر افشاں سے ان کی عظمت اور افضلیت بیان فرمائی ہے آپ کا ارشاد ہے
"اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر" ملا علی قاری نے فرمایا: "ھذا امر بطاع
متضمن ثنائہ علیھما و موذن بحسن سیرتھما و صدق سریرتھما و مشیر الی
یکونان خلیفتیہ من بعدہ "(شرح شفاء شریف، ۹۲)
ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اطاعت شیخین کا حکم دینا ان کی تعریف کو بھی متضمن ہے اس میں ان کی
، اور کردار حسن کا بھی اعلان ہے، آپ کا یہ فرمان اس بات کا شارہ ہے کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ
ہوں گے اگر سعد بن عبادہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کی خلافت اور افضلیت کو تسلیم
کرتے تو اس سے اجماع صحابہ متاثر ہوتا ہے نہ افضلیت ابوبکر صدیق پر حرف آتا ہے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیر کے دن وصال فرمایا دوپہر کا وقت تھا اسی روز شام کو سقیفہ بنی ساعدہ میں انص
اجتماع ہوا، سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنانا چاہا، آپ رضی اللہ عنہ مریض تھے انصار ان کو ان کے مکا
نکال کر لائے تھے تاکہ ان کو امیر بنایا جائے، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما
سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچے تو دیکھا کہ حضرت سعد بن عبادہ موجود اور ایک کمبل اوڑھے ہوئے
بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے مہاجرین کو مخاطب کرتے ہوئے خطاب کیا، ان کا قلیل جماعت
کو پناہ دینا، رشتہء مواخات کے قیام، اس کے بناہ کرنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمات بجالانے
پورا احسان جتلایا جہاد و قتال میں دست و بازو بننے، اور صف شکن مجاہدین کا کردار ادا کرنے کا

بھی کیا اور آخر میں خلافت کا استحقاق ظاہر کیا اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انصار کے عشق ومحبت کا اعتراف کیا، ان کی دینی خدمات کی تصدیق کی، سلسلہ مواخات کو سراہا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بقول ملا علی قاری چالیس صحابہ سے مروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد "الائمة من قريش" سنایا، اور حضرت سعد بن عبادہ نے رضی اللہ عنہ کو قسم دیکر فرمایا کہ تمہاری موجودگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا امر خلافت کے والی قریش ہوں گے، حضرت سعد بن عبادہ "لقد صدقت" کہہ کر صدیق اکبر کی تصدیق کی، حافظ عماد الدین ابن کثیر نے اس روایت کیلئے ایک خاص عنوان "ذكر اعتراف سعد بن عباده بصحة ما قاله الصديق يوم السقيفة" قائم فرمایا ہے (البدایہ والنہایہ) یہ سنتا تھا کہ اسید بن حضیر، اور قبیلہ اوس کے نقیب اور سرداروں نے لوگوں سے کہا کہ اٹھو اور ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت کرو، چاروں طرف سے لوگ حضرت ابو بکر کی بیعت کیلئے امڈ پڑے، مگر سعد بن عبادہ ایک گوشہ میں بیٹھے رہے کسی نے کہا کہ دیکھنا کہیں سعد مر نہ جائے حضرت عمر نے کہا اللہ اس کو مارے سعد اٹھ کر چلے گئے۔ الشیخ ولی الدین ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب نے، اسماء الرجال لمشکوٰۃ میں حضرت عبادہ کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ سعد بن عبادہ انصار کے سردار، اور بارہ نقباء میں سے تھے، سرزمین شام میں منتقل ہو گئے اور حوران کے مقام پر انتقال فرمایا غسل کی جگہ پر مردہ پائے گئے آپ کی موت کا کسی کو علم نہ ہو سکا بدن نیلا ہو گیا تھا ہاتف نے غیب سے آواز دی کہ قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو ہم نے قتل کر دیا ہے بعد میں مشہور ہوا کہ جن نے ان کو مارا ہے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی یہ موت شاید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کلمات کی تعبیر ہو کیونکہ جناب عمر نے فرمایا تھا اللہ اس کو مارے۔ حضرت سعد بن عبادہ چونکہ امارت وخلافت کے خود امیدوار تھے، انصار موزوں ترین امیدوار کی حیثیت سے سامنے لائے تھے مگر فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بے بس ہو گئے، ان کی آرزو پوری نہ ہو سکی اور وہ اٹھ کر چلے گئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سن کر انکا تصدیق کرنا ہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور آپ کی خلافت کو تسلیم کرتا ہے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں تمام قبائل، مہاجرین وانصار جمع تھے

، بحث وتمحیص ، دلائل وتکرار کا سلسلہ جاری اور گرم تھا ، ہر شخص کو آزادی ء رائے کا حق حاصل تھا
، حضرت سعد بن عبادہ کا قبیلہ خزرج موجود تھا سب قبائل ، (مہاجرین ، وانصار) کی بیعت کرنے
حضرت سعد بن عبادہ موجود رہے مگر کوئی بات نہ کی جبکہ نکتہ ء اعتراض پر بولنے کا بہترین موقعہ تھا
''السکوت فی معرض البیان '' بیان کے مطابق حضرت سعد بن عبادہ کا خاموش رہنا حضرت
صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور خلافت کی تائید اور توثیق ہے ،، لیکن امام طبری فرماتے ہیں کہ
نے بھی تھوڑی دیر کے بعد اسی دن ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی ۔ (سیرت المصطفےٰ ،۳، ۲۲۳)
لہٰذا اسید صاحب کا حضرت سعد بن عبادہ کے حوالے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت
، اور خلافت تسلیم نہ کرنے کا طعن دینا حجت ہے نہ قابل تسلیم ‘‘
سید صاحب نے ابوبکر باقلانی کی کتاب مناقب آئمہ اربعہ ص ۲۹۴ سے نقل کیا کہ :''والقول بتفضیل
علی رضوان اللہ عنه مشهور عند اصحاب الحدیث '' ترجمہ : جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ
عنہ کی افضلیت کثیر صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک مشہور تھی ، جیسا کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما
حذیفہ رضی اللہ عنہ بن الیمان اور ابی ہیثم رضی اللہ عنہ بن تیہان وغیرہ ہم کے بارے میں روایت کیا جاتا
اگر چہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت اہل حدیث کے ہاں زیادہ مشہور تھی (زبدۃ ص ۱۹)
ا............ باقلانی کی یہ عبارت تضاد پر مبنی ہے ، کیونکہ پہلے یہ کہا کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت
کثیر صحابہ کے نزدیک مشہور تھی ، پھر کہا کہ اہل حدیث کے ہاں افضلیت ابوبکر صدیق زیادہ مشہور
یہ اہل حدیث کون تھے ؟ بلکہ وہ صحابہ کبار ہی تھے جن کے پاس ان احادیث کا ذخیرہ تھا جو انہوں
رسول اللہ ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے خود سنی تھیں ، ایک طرف ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ
حضرت حذیفہ بن الیمان ، حضرت عمار بن یاسر ، حضرت جابر بن عبداللہ انصاری ابی الہیثم بن تیہان
رضی اللہ عنہم کی اپنی ذاتی رائے ہے اور دوسری طرف وہ صحابہ ہیں جو اہل حدیث ہیں اور انہوں
افضلیت ابوبکر پر مبنی احادیث کثیرہ سن رکھی ہیں جو حد شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں ، پھر بھی احادیث
حامل صحابہ کرام کو ان صحابہ پر فوقیت اور ترجیح حاصل ہوگی جو افضلیت علی المرتضیٰ پر اپنی ذاتی رائے

رکھتے ہیں۔

۲............جب کثیر صحابہ افضلیت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر اعتقاد رکھتے ہیں تو صرف پانچ صحابہ کو ذکر کرنے کا فائدہ؟ صرف پانچ صحابہ کو نامزد کرنے پر کثرت صحابہ کا عدد اور مفہوم مکمل نہیں ہوتا۔

۳............ہر دو اصحاب رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر جب کثرت روایات موجود ہیں تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت نہ ہوسکی، کیونکہ دونوں شخصیات ایک ہی وقت میں ایک ہی جہت کے لحاظ سے افضلیت کی محل نہیں ہوسکتیں، ورنہ لازم آئے گا کہ دو اشخاص ایک ہی وقت میں ایک ہی حیثیت سے صفت واحدہ سے متصف ہوں یہ محال عادی ہے، سید صاحب نے نقل کیا کہ شعبی سے منقول ہے کہ میں نے جناب عبداللہ بن عباس سے پوچھا جبکہ یہ بات پہلے آپ سے پوچھی جاچکی تھی "ای الناس کان اول سلاما" سب لوگوں سے پہلے اسلام لانے والا کون شخص تھا؟ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جواباً فرمایا تم نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا قول نہیں سنا؟ "خیر البریۃ اتقاھا و اعدلھا، بعد النبی و اوفا ھا بماحملا" ساری مخلوق (بعد از نبی) سے اچھا ہے، سب سے زیادہ پرہیزگار ہے اور سب سے زیادہ عادل ہے جو فرائض اپنے ذمے لئے تھے سب سے زیادہ اچھی طرح انہیں نباہنے والا ہے "والثانی التالی المحمود مشھدہ، واول الناس منھم صدق الرسل"

دوسرا ہے گنتی میں جس کی شہادت پسندیدہ (یا جس کی حاضری نماز مین پسندیدہ ہے) اور سب لوگوں سے پہلے رسول (یا سارے رسولوں) کی اس نے تصدیق کی،

"ثانی اثنین فی الغار وقدطاف العدوبھم اذصعدالجبلا" بلند پایہ، شاندار، ممتاز غار میں دو کا دوسرا تھا، حالانکہ دشمن ان کے گرد گھیراؤ کئے ہوئے تھے۔

"وکان حب رسول اللہ قد علموا، من البریۃ لم یعدل بہ رجلا" لوگوں کو جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ابوبکر صدیق سے محبت کا علم تھا کہ وہ مخلوق میں سے کسی کو بھی حضرت ابوبکر صدیق کے برابر نہیں سمجھتے تھے، یہ اشعار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پڑھے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد خوشی ہوئی جس کا معنی یہ ہے کہ یہ اشعار کہنے کو شعر ہیں مگر دستور کی نظروں میں حدیث تقریری ہے اس پر سرکار

صلی اللہ علیہ وسلم کا تحسین وآفرین فرمانا اسی معنی کی تاکید مزید ہے۔(ریاض النضرۃ، ج،ا، ص،۵۲)

سید صاحب نے زبدۃ ص ۵۲ پر اول المسلمین کون؟ اختلاف روایات کا عنوان قائم کیا اور اس کے ضمن میں حضرت عبداللہ ابن عباس کے حوالے سے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مند بالا اشعار نقل کئے ہیں، اور سیّد موصوف کا مقصد یہ ہے کہ سب سے پہلا مسلمان کون ہے؟ اس روا کے مطابق تو پہلے مسلمان ابو بکر صدیق ہیں، لیکن اس کے بعد جو روایات ذکر کی گئی ہیں ان سے م ہوتا ہے کہ اوّل المسلمین حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ ہیں، اور جو سب سے پہلا مسلمان ہے وہی اف الامت ہے نتیجہ یہ نکلا کہ افضل الامت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ علی المرتضٰی ہیں، و مرادۂ اوّل المسلمین کون ہے؟ اس کی تفصیل اور تحقیق بعد میں آرہی ہے، سر دست یہاں بح ان اشعار سے ہے جن سے افضلیت ابو بکر کا اظہار ہو رہا ہے وہی ہمارا موضوع سخن ہے،،

(ا) شعبی ایک تابعی ہیں، کوفہ کے رہنے والے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئے، بہت بڑے صاحب علم تھے، ابن عینیہ کا کہنا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ زمانہ انہوں نے پایا ہے، امام زہری کا کہنا ہے کہ علماء تابعین صرف چار ہیں: (ا) سعید بن المس مدینہ میں (۲) شعبی کوفہ میں (۳) حسن بصرہ میں مکحول شام میں امام شعبی ۱۰۴ ہجری میں ۸۲ سال عمر میں فوت ہوئے اور پانچ سو صحابہ سے (اسماء الرجال لمشکوۃ) ملاقات کا شرف نصیب ہوا، امام ش کا حضرت عبداللہ بن عباس جو خاندان نبوت کے ممتاز فرد، اور صحابہ میں خیر الامت کے درجہ فائز ہیں سے اوّل المسلمین پوچھنا اور حضرت عبداللہ بن عباس کا حضرت حسان بن ثابت سے حضر ابو بکر صدیق کے اول المسلمین ہونے پر استشہاد کرنا ثابت کرتا ہے کہ صحابہ کرام کے نزدیک ا صدیق پہلے مسلمان ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا بھی یہی عقیدہ تھا ورنہ حضر حسان بن ثابت کے اشعار سے استشہاد کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ بقول سید صاحب جبکہ یہ با پہلے بھی پوچھی جا چکی تھی، یہ قرینہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس کا یہی عقیدہ تھا اگر یہ عقیدہ نہ دوبارہ پوچھنے پر یہ جواب ارشاد نہ فرماتے، امام شعبی کی خاموشی ثابت کرتی ہے کہ اگر ابو بکر صد

جمیع صحابہ کے نزدیک اول المسلمین نہ ہوتے تو وہ ضرور کہتے کہ سب صحابہ اس کے قائل نہیں، کیونکہ امام شعبی تو پانچ سو صحابہ کی صحبت اور زیارت سے مشرف ہو چکے تھے،۲: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق خیر البریہ ہیں، یعنی ساری مخلوق میں وہ افضل البشر ہیں، سوال یہ ہے کہ کسی ایک وصف، یا کمال میں خیر البریہ ہیں، یا علی الاطلاق؟ کسی قید کسی وصف کا ذکر نہیں تو پھر قانون ہے: "المطلق یجری علی اطلاقه" مقصد یہ ہوا کہ بغیر کسی قید، بدوں کسی تخصیص وصف کے ابوبکر مطلقاً افضل البشر بعد از انبیاء ہیں۔

۳: اتقائے امت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور تمام صحابہ اس پر متفق تھے، اس کے معنی، مفہوم، مصداق، اور شان نزول آیہء کریمہ میں کسی فرد امت کا اختلاف نہیں اگر چہ سید صاحب نے امام سیوطی علیہ الرحمہ کی تفسیر اتقان سے الف لام کی اقسام نقل کر کے فنون کے قوانین کو مسخ کر کے من پسند توجیہ اور خود تفسیر کر کے اور اصول تفسیر کو غلط رنگ دے کر ہر متقی کو صدیق اکبر کی جگہ بٹھا کر تحریف معنوی کا ارتکاب کیا الاتقی کون ہے؟ اس پر بھی فنی بحث کی جائیگی انشاء اللہ یہ جملے خیر البریہ، اتقاھا، و اعدلھا بعد النبی " عقیدہ اہل سنت کا مبداء اور روشن دلائل ہیں کیونکہ ان کا مفہوم افضل البشر بعد از نبی، اتقی البشر بعد از نبی، اعدل البشر بعد از نبی ہے اور یہ جملہ صفات جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہیں، اسی طرح: ''والثانی التالی'' دوسرا ہے گنتی میں یعنی دنیائے انسانیت میں انبیاء کرام بالخصوص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اول ہیں، جیسا کہ آپ نے خود ارشاد فرمایا: "انا سید ولد آدم "اور تمام انبیاء کرام کے بعد انسانیت کی سرداری میں آپ دوسرے نمبر پر ہیں، اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متصل اور قریب ہیں سید صاحب نے نقل فرمایا: اور خلافت کے اعتبار سے اس عظمت کا انسان نہ پہلی امتوں میں کوئی گزرا ہے اور نہ ہی اس امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں کوئی ہے۔ (زبدۃ،۴۵)

ثانی اثنین فی الغار کا لقب اللہ تعالیٰ نے جناب صدیق اکبر کو عطا فرمایا، جب آپ کے دل نے جان ایمان کی جان جانے کے لیے غار کو دکھانے کے لیے مشرک لائے دیکھ کر تیزی سے دھڑکنا شروع

کر دیا تھا۔

"وکان حب رسول اللہ ﷺ علموا ،من البریۃ "تمام صحابہ کو علم تھا کہ جناب صدیق ساری مخلوق سے رسول اللہ ﷺ کو زیادہ پیارے ہیں، یہ بھی جناب صدیق اکبر کیلئے بڑے واکرام کی بات ہے وہ ساری مخلوق سے رسول اللہ ﷺ کے محبوب ہیں، حالانکہ آپ کے صحا اپنے خاندان کے لوگ بھی تھے، اور صحابہ کو یہ علم بھی تھا کہ رسول اللہ ﷺ ابو بکر کے برابر کسی نہیں سمجھتے، کیونکہ وہ اول الناس، منہم صدق الرسل کے کردار کے مالک ہیں۔

علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا:"وقد اخرج الدار قطنی ،وابن شاھین وابن مرد وغیرھم عن ابن عمرقال ،قال رسول اللہ ﷺ لابی بکر رضی اللہ عنہ انت صا فی الغاروانت معی علی الحوض "(روح المعانی ،الجز العاشر،ص ۹۷)

ترجمہ: دارقطنی ،ابن شاہین ابن مردویہ وغیرھم نے یہ حدیث تخریج کی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم غار کے میرے ساتھی ہو، اور حوض کوثر پر بھی تم ساتھ ہوگے، اس پر ایک اور واقعہ اور ثبوت جو سید السادات رئیس العارفین ،مظہر نور خدا، حضر علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف" المحجوب" ص ۱۲۴) پر نقل فرمایا ہے: واامام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ میگوید چوں نوفل بن حیان رضی وفات یافت بخواب دیدم قیامت است وجملہ خلق اندر حسابگاہ قائم اند پیغامبر ﷺ دیدم متشم برلب حوض خود وبر راست وچپ وی مشائخ دیدم ایستادہ، وپیرے دیدم نیکوروئے وبر سر مو گزاشتہ وخد برخد پیغمبر ﷺ نہادہ واندر برابروے نوفل را دیدم ایستادہ چوں مرا بدید بسوئے وسلام گفتم مرا آب دہ گفت از پیغامبر دستوری خواہم پیغامبر ﷺ اشارت کرد تا مرا آب داد، مر آب بخوردم ومراصحاب خود را بدادم کہ ازاں جام ہیچ چیز کم نگشت گفتم با نوفل برراست پیغمبر کیست ،گفت ابراہیم خلیل صلوۃ اللہ علی نبیا وعلیہ ،دیگر برچپ وے ابا بکر صدیق رضی اللہ

ترجمہ: سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نوفل بن حیان فوت ہو گئے ان کی وفات

میں نے دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور تمام مخلوق حساب دینے کیلئے میدان حشر میں کھڑے ہیں، میں نے آپ کے دائیں بائیں مشائخ عظام بھی کھڑے دیکھے، میں نے ایک نہایت نورانی چہرے والے بزرگ دیکھے جنہوں نے اپنے سر پر سفید رنگ کے بال رکھے ہوئے تھے، اور اپنا رخسار رسول اللہ ﷺ کے رخسار مبارک پر رکھا ہوا تھا ان کے برابر میں نوفل بن حیان کو کھڑے دیکھا جب انہوں نے مجھے (امام ابوحنیفہ) دیکھا تو میرے، پاس آ گئے میں نے ان سے کہا مجھے پانی پلاؤ، انہوں نے فرمایا مجھے پیغمبر ﷺ سے پوچھنے دو، پیغمبر ﷺ نے اپنی مبارک انگلی سے اشارہ فرمایا کہ پانی پلاؤ، تب انہوں نے مجھے پانی دیا، اور میں نے پیا، اور اپنے ساتھیوں کو بھی پلایا، لیکن اس پیالے (جام) سے ذرہ بھر پانی کم نہ ہوا، میں (امام ابوحنیفہ)

نے نوفل بن حیان سے پوچھا کہ پیغمبر ﷺ کے دائیں طرف کھڑے بزرگ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوۃ اللہ علی نبینا وعلیہ ہیں، اور پیغمبر خدا ﷺ کے بائیں طرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، یہ واقعہ اگرچہ دلائل سمعیہ قطعیہ سے نہیں مگر افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ایک قوی دلیل، اور حدیث مذکورہ بالا کی تفسیر ہے جو حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے بحالت خواب اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بیان فرمائی، سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تابعی اور مجتہد فی الشرع ہیں، ان کی عظمت کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ حضرت علی بن عثمان ہجویری جلالی تحریر فرماتے ہیں: کہ من کہ علی عثمان الجلالی رضی اللہ عنہ بشام بودم بر سر روضہ بلال موذن خفتہ بودم خود را بمکہ دیدم اندر خواب کہ پیغمبر ﷺ از باب بنی شیبہ اندر آمد و پیرے، را در کنار گرفتہ چنانکہ اطفال را گیرند بشفقتی پیش وے دویدم و بر پشت پائش بوسہ دادم و اندر تعجب آں بودم تا آں پیرے کیست وی بحکم اعجاز بر باطن و اندیشہء من مشرف شد مرا گفت ایں امام تست و اہل دیار تو یعنی ابوحنیفہ" (کشف المحجوب ص ۱۲۵)

ترجمہ: میں ملک شام میں موذن رسول اللہ ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے روضہ انور پر سویا ہوا تھا، خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں مکہ مکرمہ میں ہوں، اور رسول اللہ ﷺ ایک بزرگ شخصیت کو اپنی بغل میں اس طرح لئے ہوئے تھے جس طرح چھوٹے بچوں کو شفقت کے وقت بغل میں لیا جاتا ہے بنی شیبہ کے دروازے سے اندر داخل ہوئے میں دوڑ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے

پاؤں مبارک کو بوسہ دیا، لیکن مجھے تعجب ہو رہا تھا کہ یہ بزرگ کون ہیں؟ رسول اللہ ﷺ میرے تعجب اور باطنی کیفیت پر مطلع ہوئے اور فرمایا یہ تیرا، اور تیرے ملک والوں کا امام ابو حنیفہ ہے (رضی عنہ) جو شخصیت داتا علی ہجویری کی امام ہو، جو ذات نبی کریم ﷺ کی بغل میں بچوں جیسی شفقت سمیٹ رہی ہو وہ شخصیت حضرت امام ابوحنیفہ کی ہی ہو سکتی ہے (رضی اللہ عنہ) بہرحال ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے بائیں طرف رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حوض کوثر پر کھڑے امام حنیفہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا اور اس واقعہء خواب کو سیدنا علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف مشہور کشف المحجوب میں نقل فرمایا؛ یہ دونوں ہستیاں ثقہ ہیں کا بیان ایک سچی شہادت کے زمرہ میں آتا ہے۔ جس کے ملاحظہ کے بعد افضلیت ابوبکر صدیق قطعیت، اور حتمی ہونے کے عقیدہ میں بھرپور مدد ملتی ہے، پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت حسان ثابت کے اشعار سے واضح ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عباس افضلیت ابوبکر کا عقیدہ رکھتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے خود ارشاد فرمایا کہ ابوبکر صدیق کی شان جو اشعار تم نے کہے ہیں وہ مجھے بھی سناؤ، علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ علیہ نے نقل فرمایا:

"ان رسول الله ﷺ قال لحسان هل قلت في ابي بكر رضي الله عنه شيئا ،قال قال قل وانا اسمع فقال احسان رضي الله عنه ،و ثاني اثن ين في الغار المنيف و طاف العدوبه اذصاعد الجبلاء و كان حب رسول الله ﷺ قد علموا ،من البرية يعدل به رجلا" (روح المعاني ،الجز العاش، ص ٩٧) ترجمہ پہلے گزر چکا ہے،

حضرت سعید ابن المسیب نے فرمایا: "كان ابوبكر الصديق رضي الله عنه من النبي ﷺ مكان الوزير و كان يشاوره في جميع اموره و كان ثانيه في الاسلام ،و كان ثانيه في الغار ،و كان ثانيه في العريش يوم بدر و كان ثانيه في القبر ولم يكن رسول الله ﷺ يقدم عليه احدا " (المستدرک للحاکم نیشاپوری ۳، ص،،٦٦)

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام رسول اللہ ﷺ کے نزدیک ایک وزیر کا تھا

اپنے تمام معاملات میں ان سے مشورہ لیتے تھے، اسلام کے حوالے سے آپ ثانی ہیں، غار میں بھی آپ ثانی تھے، معرکہ بدر کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کیلئے بنائے گئے چھپر میں بھی آپ ثانی تھے قبر انور میں بھی آپ ثانی ہیں، رسول اللہ ﷺ کسی صحابی کو آپ سے مقدم نہیں سمجھتے تھے، حضرت سعید ابن مسیّب رضی اللہ عنہ حضرت عمر کی خلافت کے دو سال گزرنے کے بعد مدینہ میں پیدا ہوئے سید التابعین آپ کا لقب ہے فقہ، حدیث زہد اور تقویٰ میں امام زمانہ تھے، حضرت عمر کے فیصلہ جات اور احادیث ابو ہریرہ کے سب سے بڑے عالم تھے، صحابہ کی جماعت کثیرہ سے ملاقات کا شرف نصیب ہوا اور ان سے احادیث کو بھی روایت کیا، حضرت مکحول جو شام میں نمونہ علم وعمل تھے کا فرمان ہے ''طفت الارض کلھا فی طلب العلم فما لقیت باعلم من ابن المسیب '' ترجمہ: میں نے حصول علم میں حجاز مقدس کا چپہ چپہ چھان مارا ہے لیکن میں نے ابن المسیب سے بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا، آپ کا فرمان ہے کہ میں نے چالیس حج کئے ہیں، ۹۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا،،

(اسماء الرجال لمشکوۃ)

حضرت سعید بن میتب مدینہ کے رہائشی ہیں، صحابہ کی کثیر تعداد سے ملے، اور ان سے احادیث لیں، حضرت ابو ہریرہ جو راویان احادیث میں صف اول کے راوی ہیں، ان کی مرویات کے عالم یکتا، قضایا حضرت عمر کے سب سے بڑے حافظ و عالم ہونے کے علاوہ چالیس مرتبہ مکہ مکرمہ حج کیلئے گئے، جہاں اطراف عالم سے آنے والے علمائے محدثین، صحابہ کرام، اور نہ جانے کتنے تابعین سے گفت وشنید کا موقعہ ملا، اگر افضلیت حضرت ابوبکر صدیق میں صحابہ یا تابعین کا اختلاف ہوتا وہ ضرور بیان کرتے، خود ان کا اپنی زبانی مذکورہ بالا احادیث کو بیان کرنا ثابت کرتا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت صحابہ اور تابعین میں متفقہ اور مجمع علیہا تھی۔

حبیب بن ابی حبیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "شھدت رسول اللہ ﷺ قال لحسان بن ثابت قلت فی ابی بکر شیئا قال نعم قال، قل حتی اسمع قال قلت، ثانی اثنین فی الغار المنیف وقد،..... طاف العدو به اذ صعد الجبلا،..... وکان حب رسول اللہ

ﷺ "من الخلائق لم یعدل به بدلا فتبسم رسول الله ﷺ "(المستدرک، ج۳، ص

آخری شعر قابل غور ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ محبت کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کے دل میں موجود تھے، اور آپ ﷺ ساری مخلوق میں ابو بکر صدیق کے بدلہ، اور مقابلہ میں کسی کو بھی نہیں چاہتے تھے۔ ساری مخلوق کے محبوب رسول اللہ ﷺ تھے، مگر ابو بکر صدیق، رسول اللہ ﷺ کے محبوب تھے اور اس درجہ محبوبیت میں کوئی فرد آپ کا شریک نہ تھا۔

ان اشعار کی عظمت بیکراں کا عالم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت سے خود فرمایا جو اشعار تم نے ابو بکر کی شان میں کہے ہیں، مجھے بھی سناؤ، آپ کا یہ فرمان اس بات کی دلیل ہے کہ واقعی ابو بکر صدیق گہری محبت کا روپ دھار کر ہر لحہ آپ کی نظر کرم میں تھے، محبوبیت ابو بکر صدیق کی دوسری دلیل یہ ہے کہ آپ ابو بکر کی شان میں "خیر البریة، اتقاها، واعدلها، واوفاها حملا، الثانی، التالی، اول الناس منهم صدق الرسل، ثان اثنین، وکان حب رسول الله ﷺ قد علموا......من البریة، لم یعدل به رجلا" کے مبنی بر حقیقت الفاظ کا مجموعہ جس کا ہر ہر لفظ جملہ افضلیت ابو بکر کے معانی کو واضح کر رہا تھا سماعت فرمایا اور افضلیت ابو بکر صدیق پر تبسم فرما کر مہر تصدیق ثبت فرمائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "کان ابوبکر سیدنا، وخیرنا واحبنا الی رسول الله ﷺ" (المستدرک، ۳، ص ۶۹)

ترجمہ: ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہمارے سردار تھے، اور ہم سب سے زیادہ اچھے تھے، اور ہم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے محبوب تھے، یہ حدیث، حضرت عبد اللہ بن عباس، حبیب بن ابی حبیب، حضرت انس رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث کی تائید و توثیق کرتی ہے، امام حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "صحیح علی شرط هما ولم یخرجاه" حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث شیخین (بخاری، مسلم) کی شرئط کے مطابق صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کی تخریج نہیں فرمائی:۔ امام حاکم فرماتے ہیں کہ امام بخاری اور امام مسلم نے حدیث کی صحت کیلئے جو شرائط مقرر فرما رکھی تھیں تمام شرائط اس میں پائی جاتی ہیں اس لئے یہ حدیث صحیح ہے، مگر سید صاحب نے حدیث عمر رضی اللہ

عنہ کو موقوف قرار دیا ہے۔ جو غلط ہے اور لائق تسلیم نہیں، حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: الموقوف هو المروی عن الصحابة قولا لهم، او فعلا، او نحوه متصلا کا ن اسناده او منقطعا " موقوف وہ حدیث ہے جس میں صحابہ کرام کے قول، فعل یا تقریر کو بیان کیا گیا ہو، اس حدیث کی سند متصل ہو یا منقطع" (تدریب الراوی) اس کے حکم میں کہ آیا حجت ہے یا نہیں؟ امام نووی نے فرمایا: "حدیث موقوف میں ایک تفصیل ہے اور علمائے حدیث کا اختلاف بھی موجود ہے" فرمایا: قال اصحابنا ان لم ينتشر فليس هو اجماعا "اگر حدیث موقوف علمائے حدیث کے درمیان منتشر نہیں ہوئی اور انہوں نے اس پر کوئی قیل وقال نہیں کی تو اس حدیث کو اجماع کا درجہ حاصل نہ ہوگا، اور اس پر قیاس مقدم ہوگا، یعنی قیاس پر عمل کیا جائے گا، اور اگر تابعی اس قول، فعل، یا تقریر کی مخالفت کرے تو اس کیلئے جائز ہوگا، پھر فرمایا:" واما اذا انتشر فان خولف فحكمه ماذكرناه، فان لم يخالف ففيه خمسة اوجه لاصحابنا العراقين الاربعة الاولیٰ منها وهي مشهورة في كتبهم في الاصول وفي اوائل كتب الفروع احدها انه حجة واجماع وهذا الوجه هو الصحيح عند هم "(مقدمه امام نووی)

ترجمہ: جب حدیث موقوف علمائے حدیث کے درمیان منتشر ہو جائے، مشہور ہو جائے اور اس کی مخالفت شروع ہو جائے تو یہ حدیث حجتہ ہے نہ اجماع ہے اور یہی ان کے ہاں صحیح ہے، اور شیخین کی شرائط پر صحیح ہے، بالفرض اگر یہ حدیث موقوف ہی تسلیم کر لی جائے تو بھی حجت اور اجماع ہے کیونکہ تمام صحابہ میں حدیث منتشر اور مشہور ہوئی کسی طرف سے اس کی مخالفت میں کوئی حدیث وارد نہیں ہوئی لہذا علمائے محدثین کے اصول کے مطابق یہ حدیث افضلیت ابوبکر صدیق کیلئے حجت ہے اور اجماع ہے، جس کا انکار امر ہدایت نہیں بلکہ امر ضلالۃ ہے، اس پر مزید گفتگو اجماع صحابہ کے مقام پر کی جائے گی انشاء اللہ اس حدیث کو امام محب طبری نے افضلیت اور خیریۃ ابوبکر صدیق کے باب میں نقل فرمائی ہے اور پھر فرمایا: "خرجه الترمذی وقال حسن صحيح"

(الریاض النضرۃ ۱، ص، ۱۳۷)

سید صاحب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکورہ کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تین ارشادات (۱) ابو بکر سیدنا (ابو بکر ہمارے سردار ہیں) (۲) خ
سب سے اچھے ہیں) (۳) واحبنا الی رسول اللہ (ہم میں زیادہ سرکار دو عالم ﷺ کو پیار
) قابل غور ہیں سید و خیر کا مفہوم متبادر تو افضل ہوتا ہے اور سب سے پیارا ہونے کو بھی افضل
دخل ہے سب سے پہلے تو علم المصطلع کی رو سے یہ بات قابل غور ہوگی کہ یہ حدیث موقو
جوابا کہا جائے گا'' ہم پہلے بھی نقل کر آئے ہیں کہ حاکم نیشاپوری نے اس حدیث کو صحیح فرمایا
ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ شیخین نے حدیث صحیح کیلئے جو شرائط متعین فرما رکھی تھیں وہ اس
جاتی ہیں لہٰذا اس حدیث کا صحیح ہونا شک وشبہ سے بالاتر ہے امام محب الدین طبری نے اس
کو امام ترمذی کی صحیح سے نقل فرمایا اور ساتھ ہی وضاحت بھی فرمادی کہ خرجہ الترمذی وقال ح
''اس حدیث کی تخریج امام ترمذی نے فرمائی ہے اور ساتھ یہ توضیح بھی کر دی ہے کہ یہ حدیث
ہے اور صحیح ہے حدیث حسن کون سی ہوتی ہے؟ امام نواوی نے فرمایا:''النوع الثانی الحـ
: قال الخطابی هو ما عرف مخرجه واشتهر رجاله وعليه مدار اكثر الحـ
، ويقبله اكثر العلماء ، واستعمله عامة الفقهاء'' (تقریب النواوی) ترجمہ: دو
حدیث حسن ہے، امام خطابی نے فرمایا کہ: حدیث حسن وہ ہوتی ہے جس کا مخرج معروف ہو، ا
راوی مشہور ہوں، اکثر حدیث کا مدار اسی پر ہو، اکثر علماء اس کو تلقی بالقبول کریں اور عام فقہاء
احکام میں اسکو استعمال کریں بمخرج معروف ہے امام ترمذی نے یہ حدیث مناقب ابو بکر صد
اور امام حاکم نیشاپوری نے فضائل ابو بکر میں، اور محب الدین طبری نے ابو بکر صدیق رضی اللہ
افضلیت اور خیر الامت ہونے کے عنوان میں ذکر کی ہے امام بخاری نے سقیفہ بنی ساعدہ میں
و مہاجرین کے اجتماع میں اس کا بیان ہونا ذکر کیا ہے، المستدرک کے مطابق اس حدیث کے
''علی بن حماد العدل، عباس ابن الفضل الاسفاطی، اسماعیل بن ابی اویس، سلیمان بن بلال
بن عروہ ان کے والد اور حضرت عائشہ ہیں جنہوں نے یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ

سماعت فرمائی ہے'' امام ترمذی، امام حاکم وغیرہ آئمہ حدیث نے تلقی بالقبول کیا ہے اب جبکہ یہ حدیث صحیح ہے اور حسن بھی تو یہ حجت شرعیہ ہے اس کے حجت شرعیہ ہونے میں ذرہ برابر شک وشبہ نہیں لیکن تعجب ہے سید صاحب کی حدیث دانی، اور ان کے علم المصطلح پر کہ بغیر تحقیق کئے یہ کہہ دیا ہے کہ یہ حدیث حجت شرعیہ نہیں کیونکہ یہ حدیث موقوف ہے، بالفرض اگر یہ حدیث موقوف بھی ہوتو بھی حجت شرعیہ ہے کیونکہ فنون حدیث کی روشنی میں حدیث موقوف محدثین، فقہاء اور علماء میں منتشر ہوجائے اور اس کے خلاف ردعمل سامنے نہ آئے تو یہ اجماع ہے حجت شرعیہ ہے، حضرت ابوبکر صدیق کی سیادت، افضلیت، اور محبوبیت کی نفی میں کونسی حدیث وارد ہوئی ہے؟ جبکہ افضلیت ابوبکر صدیق میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی متعدد احادیث موجود ہیں۔

تو وہ اجماع کا درجہ اور اجماع کا حکم رکھتی ہے، اجماع کے ہوتے ہوئے قیاس مسترد ہوگا، معلوم ہوتا ہے سید صاحب اجماع کو حجت شرعیہ نہیں مانتے جس طرح تفضیل علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے قائلین اجماع کے منکر ہیں، اجماع کے موضوع پر انشاء اللہ بعد میں بحث کی جائے گی فی الحال یہ ہمارا موضوع نہیں۔

سید صاحب نے نقل کیا ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ بھی تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ رکھتے تھے کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ ''کان و اللہ خیر البشر بعد رسول اللہ'' ترجمہ: خدا کی قسم (جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ) رسول اللہ ﷺ کے بعد سب لوگوں سے افضل تھے۔ (زبدۃ ص، ۲۱)

یہی جابر بن عبداللہ (انصاری) روایت کرتے ہیں کہ ''کنا عند النبی ﷺ فقال یطلع علیکم رجل لم یخلق اللہ بعدی احدا خیرا منہ ولا افضل ولہ شفاعۃ مثل شفاعۃ النبیین، ، فما برحنا حتی طلع ابوبکر فقام النبی ﷺ فقبلہ والتزمہ خرجہ الحافظ الخطیب ابوبکر احمد بن ثابت البغدادی) (الریاض النضرۃ، ۱، ص ۱۳۶، ۱۳۷)

کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے دربار گوہر بار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فرمایا تمہارے سامنے ایک آدمی نمودار ہونے والا ہے میرے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر اور افضل کسی انسان کو پیدا نہیں فرمایا

، اس کا مرتبہ شفاعت انبیاء کے مرتبہ شفاعت جیسا ہوگا، تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ حضرت ابوبکر نمودار ہوئے (آگئے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور گلے لگالیا، اس حدیث کی تخریج، حافظ الخطیب ابوبکر احمد بن ثابت البغدادی نے کی ہے،، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دو متضاد حدیثیں روایت کی ہیں، پہلی حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا" کان و الله خیر البشر بعد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں حدیث "لم یخلق الله بعدی احدا خیر امنه و لا افضل الحدیث روایت کی" ان میں تطبیق یوں ہوگی کہ: پہلی حدیث قول صحابی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ابوبکر باقلانی نے مناقب اربعہ ص ۴۸۰ پر رقم کیا ہے "قد روی ان جماعة من الصحابة کانت تظهر القول بفضل علی زمن ابی بکر " جس سے ثابت ہوا کہ یہ حضرت جابر بن عبداللہ کا اپنا ذاتی قول اور ذاتی رائے ہے، مگر لم یخلق الله بعدی احدا خیر امنه و لا افضل الحدیث " مرفوع حدیث ہے کیونکہ حضرت جابر بن عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں موجود تھے اور فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کانوں سے سنا، اور پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق آتے دیکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت بے پایاں کو بچشم سر ملاحظہ کیا، لہذا فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قول صحابی کیلئے ناسخ ہے واللہ خیر البشر" کا جملہ حضرت جابر بن عبداللہ کی ذاتی رائے ہے جو جانب داری کے پہلو سے خالی اور دلچسپی کے جذبات سے عاری نہیں، حدیث مبارک میں احدا نکرہ اور لم تخلق نفی جحد ہے، نکرہ تحت النفی مفید عموم ہے، گویا حدیث پاک میں نفی بھی ہے اور عموم بھی ہے، دیکھنا یہ ہے کہ یہاں نفی العموم ہے یا عموم النفی؟ اگر نفی العموم ہو تو یہ ایجاب جزی ہے، حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ حضرت ابوبکر صدیق سے افضل بعض افراد کو اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمایا ہے اور یہ سیاق حدیث کے خلاف ہے کیونکہ مقصود حدیث ساری مخلوق میں تنہا ابوبکر صدیق کی افضلیت اور خیریت کو بیان کرنا ہے اور یہ مفہوم اسی صورت حاصل ہوسکتا ہے جب عموم النفی ہو، جس کا مقصد اور مفہوم یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں حضرت

ابو بکر صدیق ہی افضل اور سب سے اچھے ہیں، وہوالمراد پھر اوّلاً تو جابر بن عبد اللہ انصاری کا قول حدیث صحیح اور حدیث مرفوع کے مقابل مردود ہے، حجت نہیں،

ثانیاً، بالفرض اگر اس کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک کی تکذیب لازم آتی ہے کہ آپ نے فرمایا اس وقت تک ابو بکر صدیق سے افضل کسی کو پیدا ہی نہیں کیا گیا حدیث جابر سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خیر البشر پیدا فرمایا ہے یہ کذب ہے۔ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نعوذ باللہ کاذب ہونا محال شرعی اور محال عقلی ہے اور جس سے امر محال لازم آئے اس کا وجود خود محال ہوتا ہے لہذا قول جابر بن عبد اللہ انصاری خود محال شرعی اور محال عقلی کو مستلزم ہے، ہاں اگر افضلیت اور خیریت کی جہت اور وجہ افضلیت میں اختلاف موجود ہو تو کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔

ثالثاً: حضرت ابی الدرداء روایت کرتے ہیں کہ: "رانی النبی صلی اللہ علیہ وسلم امشی امام ابی بکر ،فقال یا ابالدرداء اتمشی امام من هو خیرمنک فی الدنیا والاخرة؟ ماطلعت شمس ولاغربت علی احد بعد النبیین والمرسلین افضل من ابی بکر خرجه المخلص الذهبی وخرجه الدار قطنی "(الریاض النضرة ، ۱ ص ۱۳۶)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر کے آگے آگے چلتے ہوئے مجھے دیکھ لیا، تو فرمایا اے ابوالدرداء تم اس آدمی کے آگے چلتے ہو جو تم سے دنیا اور آخرت میں بہتر ہے کسی شخص پر سورج طلوع ہوا نہ غروب جو انبیاء اور مرسلین کے بعد ابو بکر سے افضل ہو اس حدیث کی تخریج مخلص الذہبی، اور دار قطنی نے کی ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث جو محبّ الدین طبری نے الریاض النضرۃ، ۱، ص، ۱۳۶، ۱۳۷) اور مخلص الذہبی، دار قطنی کی یہ حدیث جو ص ۱۳۶ پر ابوالدرداء کے حوالے سے نقل فرمائی ہے، حضرت حذیفہ ابن الیمان اور حضرت عمار بن یاسر کی آراء ہر دو احادیث کے مقابلہ میں مردود ہیں، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین صریحہ کے مقابل صحابی کی رائے کوئی وزن رکھتی ہے نہ اہمیت، بلکہ سید صاحب نے خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان نقل کیا ہے کہ: مستدرک میں ہے کہ نزال بن سبرہ کہتے ہیں کہ ہم نے جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا آپ جناب ابو بکر

صدیق کے بارے میں کچھ بتائیں آپ نے فرمایا کہ وہ (ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) ایک ایسی ہستی ہے جس کو اللہ نے صدیق کے نام سے موسوم کیا، اور سرکار دو عالم ﷺ کی زبان گوہر فشاں سے سرکار دو عالم ﷺ کے نماز میں خلیفہ تھے، آپ ﷺ نے انہیں ہمارے دین کیلئے پسند کیا اور اپنی دنیا کیلئے بھی انہیں ہی پسند کیا، (زبدۃ ،ص ۴۳) اس سے ثابت ہوا جو صحابہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق سے افضل مانتے یا عقیدہ رکھتے ہیں، یہ ان کی ذاتی رائے ہے، ان کے پاس کوئی حجت شرعیہ نہیں، مزید ان کا عقیدہ یا رائے، عقیدۂ علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ افضلیت ابو بکر کا عقیدہ رکھتے ہیں، اور یہ ان کے برعکس حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حضرت ابو بکر صدیق پر فضیلت دیتے ہیں بلکہ اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی افضلیت ابو بکر کا عقیدہ رکھتے ہیں محب الدین طبری رحمہ اللہ نے نقل فرمایا: "خرجه السمان في الموافقة عن جعفر بن محمد وقد سئل عن ابي بكر فقال ما اقول فيه ،لا اقول فيه الا خيرا الا الخير بعد حديث حدثنيه ابي محمد قال حدثني ابي علي قال حدثني ابي الحسين ،سمعت ابي علي بن ابي طالب يقول سمعت رسول الله ﷺ يقول ما طلعت شمس ولا غربت الحديث بتمامه قال لا انالني الله شفاعة جدي ان كنت كذبت فيما رويت لک واني لا رجو شفاعة يوم القيامة يعني ابابكر" (الرياض النضرة ، ا ،ص ۱۳۶)

ترجمہ: محدث السمان نے الموافقہ میں حضرت جعفر بن محمد سے مروی حدیث کی تخریج کی ہے یعنی امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ حضرت ابو بکر کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ فرمایا میں ان کے بارے میں کچھ نہیں کہتا، میں ان کے بارے میں اچھا ہی کہتا ہوں اس حدیث کے بعد جو میرے والد محمد رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کی تھی، انہوں نے فرمایا مجھے یہ حدیث میرے باپ علی نے بتائی تھی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ (زین العابدین) نے فرمایا تھا کہ یہ حدیث مجھے میرے والد گرامی حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بتائی تھی، اور انہوں نے فرمایا تھا کہ میں نے اپنے والد علی المرتضیٰ بن ابی طالب سے سنی تھی، وہ فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے

ہوئے سنا تھا کہ کسی شخص پر سورج طلوع ہوا نہ غروب جو انبیاء اور مرسلین کے بعد ابو بکر سے افضل ہو، پھر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو حدیث اے سائل میں نے تیرے سامنے روایت کی ہے اگر میں اس میں جھوٹا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے اپنے جد امجد (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت نصیب نہ کرے، اور بے شک میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن ابو بکر صدیق بھی میری شفاعت فرمائیں گے۔

یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین افضلیت ابو بکر صدیق پر بالاجماع عقیدہ رکھتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی افضلیت کا عقیدہ اہل بیت اطہار کا عقیدہ نہیں بلکہ یہ عقیدہ مخصوص مقاصد کی تکمیل کیلئے تراشا گیا، حیدر کرار رضی اللہ عنہ اور ان کی آل پاک کا اس سے دور کا بھی تعلق اور واسطہ نہیں، اسی لئے جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نقل فرماتے ہیں: اگر کسے را خواہم شنید کہ مرا بر شیخین تفضیل مے دہد او را حد افتراء کہ ہشتاد چابک است خواہم زد (تحفہ اثنا عشریہ، ۵)

ترجمہ: اگر کسی شخص کے متعلق میں نے سنا کہ وہ مجھے شیخین یعنی ابو بکر صدیق، اور عمر فاروق سے افضل مانتا یا کہتا ہے تو ایسا کہنا اور عقیدہ رکھنا افتراء ہے اور وہ شخص مفتری ہے اور افتراء کی حد اسی کوڑے ہیں، میں اس کو اسی کوڑے لگاؤں گا،،

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے آپ کی افضلیت کا اعتراف واقرار کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق کو اپنے گھر بلایا، آپ تشریف لے گئے

”فانطلق ابوبکر حتی دخل علی علیٍّ وقد جمع بنی هاشم عنده فقام علی فحمد الله واثنی علیه بماهو اهله ثم قال اما بعد فانه لم یمنعنا ان نبایعک یا ابا بکر انکاراً لفضیلتک ولا نفاسة علیک بخیر سامه الله الیک“ (الریاض النضرة ۱، ص، ۲۴۳)

ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں بنو ہاشم کا مجمع لگا ہوا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ کے مطابق اس

کی حمد وثناء بیان کی پھر فرمایا، اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد اے ابوبکر ہمارے بیعت نہ کرنے کا یہ نہیں تھا کہ ہم آپ کی فضیلت کے منکر ہیں، یا اس خیر کی نفاست کے منکر ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف بہایا ہے، یعنی خیر کی کثرت اور فراوانی عطا فرمائی ہے،،

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان جو پورے اجتماع کی طرف سے تھا اور تمام بنو ہاشم کے جذبات آراء کی ترجمانی تھی اس بات کی قوی دلیل ہے کہ بنو ہاشم تمام کے تمام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے افضل الامت اور خیر البریہ ہونے کے قائل تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت منبر خلافت پر بیٹھ کر اس کا اعلان فرماتے رہے، اور شیخین پر فضیلت دینے والے کو مفتری فر رہے، اور سزا دینے کی وعید فرماتے رہے،،

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور کا ایک واقعہ نقل فرمایا ہے:۔ دار قطنی سے روایت کی گئی ہے کہ ابو جحیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ساری امت افضل اعتقاد کرتے تھے، ایک جماعت اس کے مخالف بھی تھی، ان کی مخالفت سے آپ کو سخت ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ انہیں غمگین دیکھ کر علیحدہ لے ، ان سے فرمایا اے ابا جحیفہ اس رنجش کا کیا سبب ہے؟ اس نے اپنا حال بیان کیا تو آپ نے فرمایا جحیفہ سنو میں تمہیں بتاؤں کہ اس امت کا اس وقت بہترین انسان کون ہے؟ اس امت میں سب بہتر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ حدیث میں نے حضرت علی کی زبان مبارک سے بالمشافہ سنی تھی، اور میں اسے ہرگز چھپا نہیں سکتا، حضرت ابو جحیفہ مزید فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث اپنے کانوں سے سنی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے منبر پر فرمایا: کہ حضور ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر ہیں، اور پھر عمر رضی اللہ عنہما،، (تکمیل الایمان، ۱۶۷، مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاھور)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی پوری نسل پاک جیسا کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی مروی حدیث پہلے گزر چکی ہے،، اور تمام بنو ہاشم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے افضل

الامت اور خیر البشر بعد الرسول ﷺ ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے،، امام ابوبکر باقلانی کا مناقب آئمہ اربعہ ۴۸ پر بعض صحابہ کا افضلیت علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ نقل کرنا دلائل قاہرہ اور ثبوت باہرہ کی روشنی میں مردود ہے، اور جمہور اہل سنت و جماعت کی رائے کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل ہے،،
شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ مزید فرماتے ہیں: کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی مدح وثناء میں اتنے خطبے کہے ہیں کہ ان کے مطالعہ کے بعد کسی کو دم مارنے کی ہمت نہیں رہتی، اگر علمائے اہل سنت حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر بلکہ اس افضلیت کی قطعیت پر یقین رکھتے ہیں تو وہ حق پر ہیں۔(تکمیل الایمان۔۱۶۹، مکتبہ نبویہ لاہور)
حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ”کنا عند باب النبی ﷺ نفرا من المهاجرين والانصار، نتذاكر الانصار فارتفعت اصواتنا فخرج علينا رسول الله ﷺ فقال فيم انتم؟ فقلنا نتذاكر الفضائل قال فلا تقدموا على ابی بكر احدا فانه افضلكم فی الدنيا والاخرة اخرجهما صاحب فضائله“ ترجمہ: مہاجرین اور انصار کے صحابہ کا ایک گروہ رسول اللہ ﷺ کے در اقدس پر حاضر تھا ہم فضائل صحابہ میں مذاکرہ کر رہے تھے جس کی وجہ سے ہماری آوازیں بلند ہوئیں، رسول اللہ ﷺ اپنے کاشانہ اقدس سے باہر تشریف لائے فرمایا، تم کس معاملہ میں مباحثہ کر رہے تھے؟ ہم نے عرض کیا ہماری بحث وتمحیص فضائل صحابہ میں تھی آپ نے سن کر فرمایا کسی فرد صحابی کو ابوبکر پر فضیلت نہ دینا پس بے شک وہ تم سب سے دنیا اور آخرت میں افضل ہے۔(الریاض النضرۃ ۱، ص، ۱۳۷)
لاتقدموا، فعل نہی جمع حاضر ہے، مخاطبین نفرا من المہاجرین والانصار ہیں احدا، اسم نکرہ مفید عموم مطلق ہے، جو ہر فرد صحابی، ہر طبقہ صحابیت بلا امتیاز اور بدوں تخصیص قبیلہ اور خاندان سب کو شامل اور سب پر اطلاق ہوا ہے صحابہ کرام میں چار شخصیات یعنی رسول اللہ ﷺ کے بعد منصب خلافت پر فائز ہونے والے، فضائل ومراتب کے لحاظ سے ہمیشہ زیر بحث رہتے تھے، فانہ حرف تاکید کا اتصال ضمیر

کے ساتھ جس کا مرجع ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور کم ضمیر جمع مخاطب کا افضل کی زیر اضافت آنا، یہ قرائن مقالیہ ہیں کہ جناب صدیق اکبر دنیا میں بھی افضل البشر بعد الانبیاء ہیں اور آخرت میں بھی وہی افضل البشر بعد الانبیاء و مرسلین ہیں، یہ افضلیت ذات صدیق جو فرد انسانیت ہیں، کیلئے خاصہ ءلازمہ بینہ ہے، اور مابہ التفاصل اور مابہ الامتیاز، جملہ اسمیہ خبریہ شخصیہ اور قضیہ موجبہ جزئیہ حملیہ اور ضروریہ ہے،، جو فانہ افضلکم فی الدنیا و الاخرۃ کی صورۃ میں بطور دلیل اور خبر و حدیث کے مذکور ہے،،

علامہ ابو شکور محمد بن عبد السعید سالمی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ۔ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے در اقدس پر جمع ہوئے اور ان میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے، ہر صحابی اپنی فضلیت بیان کرر ہے تھے، جب آوازیں بلند ہوئیں تو حضور علیہ السلام باہر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کیا بات کرر ہے تھے کہ تمہاری آوازیں بلند ہوئیں، عرض کیا ہم فضیلت کا ذکر کرتے تھے، فرمایا تم میں ابو بکر بھی موجود تھے؟ یا نہیں؟ عرض کیا نہیں فرمایا پھر تم میں کسی کو فضیلت نہیں،، (تمہید، ۳۶۶ مطبوعہ فرید بکسٹال لاہور) معلوم ہوا رسول اللہ علیہ السلام کے نزدیک صاحب فضیلت اور افضل الامت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں،،

یہ دیکھ اور پڑھ کر تحیر کی انتہا نہیں کہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ جو فضائل ابو بکر صدیق کو دن کی روشنی سے بھی زیادہ واضح کرتیں اور افضلیت کا دائرہ نقطہ تخلیق سے لے کر جنت کی ابدالآباد مدتوں تک پھیلاتی ہیں، سید صاحب کو نظر نہ آئیں، نظر آیا تو امام باقلانی کا مرتب کردہ مناقب آئمہ اربعہ کا مجموعہ جس کا مؤلف،، خود بھی اجماع اور جمہور اہل سنت سے الگ سوچ رکھنے والا، اور الگ راہ چلنے والا، اور اس کا مرتب کردہ مجموعہ بھی جمہور اہل سنت و جماعت کے مسلک کے مغایر اور نقیض،، شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا کہ جمہور اہل سنت کا مذہب تو اسی ترتیب (ترتیب خلافت پر ہے) حضرت امام مالک سے جب دریافت کیا گیا کہ ساری امت میں افضل کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا حضرت ابو بکر صدیق، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما،، پھر نقل فرمایا امام نووی نے اصول

حدیث میں لکھا ہے کہ سب اصحاب سے افضل تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

امام بیہقی کی کتاب الاعتقاد کے حوالے سے تحریر فرمایا کہ: ابوثور کی شافعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ کسی نے صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی تقدیم وتاخیر میں اختلاف نہیں کیا، سب کے نزدیک حضرت ابوبکر حضرت عمر سے افضلیت اور تقدیم رکھتے ہیں، پھر فرمایا: الغرض علمائے اہل سنت کا یہ نظریہ ہے کہ تمام صحابہ پر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو افضلیت حاصل ہے ،، (۱۶۳)

مزید نقل فرمایا کہ: بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں لکھا ہے کہ ابوثور حضرت شافعی رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ صحابہ اور تابعین میں سے ایک شخص بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں اختلاف نہیں کرتا، (۱۶۴)

حضرت زمعہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ اور ابوبکر کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں "فخرج فلم يجد على الباب الا عمر فى جماعة ليس فيهم ابوبكر فقال يا عمر صل بالناس فلما كبر و كان صيتاوسمع ﷺ صوته قال يابى الله و المسلمون الا ابابكر،يابى الله و المسلمون الا ابابكر ،يابى الله والمسلمون الا ابابكر ،وفى حديث ابن عمر كبر عمر فسمع رسول الله ﷺ تكبيره فاطلع راسه مغضبا فقال اين ابى بكر قحافة :.قال العلماء فى هذاالحديث اوضح دلالة على ان الصديق افضل الصحابة على الاطلاق احقهم باالخلافة واولاهم باالا مامة ،قال قوله الاشعرى قد علم بالضرورة ان رسول الله ﷺ امرا الصديق ان يصلى بالناس مع حضور المهاجرين و الانصار مع يؤم القوم اقرؤهم لكتاب الله ،فدل انه كان اقرؤهم اى اعلمهم بالقرآن ،وقداستدل الصحابُ انفسهم بهذا على انه احق بالخلافة منهم عمرومر كلامه فى فضل المبايعة و منهم على "

ترجمہ: حضرت زمعہ حجرۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باہر نکلے حضرت عمر کو دروازے پر صحابہ کی ایک جماعت میں کھڑے دیکھا لیکن ابوبکر صدیق وہاں موجود نہیں تھے، حضرت زمعہ نے حضرت عمر کہا کہ چلیں آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت عمر بلند آواز تھے جب انہوں نے اللہ اکبر کہا ر اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سماعت فرمایا تو فرمایا، اللہ تعالیٰ اور مسلمان ابوبکر کے علاوہ کسی اور کی امامت کا ا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اور مسلمان ابوبکر کے علاوہ کسی اور کی امامت کا انکار کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ حضرت عمر نے تکبیر کہی تو رسول اللہ صلی سنی اپنا سر مبارک غصہ کی حالت میں اوپر اٹھایا اور فرمایا ابوبکر قحافہ کے بیٹے کہاں ہیں؟

علمائے محدثین نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ حضرت صدیق اکبر علی الاطلاق تما سے افضل اور خلافت نبویہ کے زیادہ حقدار ہیں اور امامت کیلئے سب سے زیادہ موزوں اور م ہیں، امام ابوالحسن اشعری نے فرمایا کہ یہ بات ضروری طور پر معلوم ہوگئی ہے کہ رسول اللہ صلی مہاجرین اور انصار صحابہ کی موجودگی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لوگوں کو نماز پڑ کا حکم فرمایا: آپ کا فرمان ہے کہ لوگوں کو نماز وہ شخص پڑھائے جو کتاب اللہ کا سب سے بڑ ہو، آپ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دینا اس بات کی دیل ہے ک صدیق قرآن حکیم کے سب سے بڑے عالم تھے، ابوبکر صدیق کی امامت کے تقرر کیلئے اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمان جاری فرمایا صحابہ کرام نے اس سے استدلال کیا ہے کہ ابوبکر صد خلافت کے سب سے زیادہ اہل اور حقدار تھے، ان استدلال کرنے والے صحابہ میں حضر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما ہیں۔

(الصواعق المحرقہ، ۴۳)

حضرت علی فرماتے ہیں: لقد امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابابکر ان یصلی بالناس وانی شاھد و انا بغائب ومابی مرض فرضینا لدنیانا مارضیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لدیننا"

ترجمہ: کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، او

شک میں اس وقت حاضر تھا غیر حاضر نہیں تھا، پس ہم اپنی دنیا کیلئے بھی اسی شخص کی خلافت و امارت پر راضی ہیں، جس شخص کو رسول اللہ ﷺ نے ہمارے دین کیلئے پسند فرمایا تھا،،

(ابن عساکر، الصواعق المحرقہ، ۲۳)

مندرجۃ الصدور احادیث سے ثابت ہوا کہ صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماعی عقیدہ ہے کہ تمام صحابہ میں ابوبکر صدیق ہی افضل ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق خلافت وامامت کے وہی حقدار ہیں، صحابہ کرام کے نزدیک ابوبکر صدیق کی افضلیت اور استحقاق خلافت کی دلیل یہی حدیث صلوۃ ہے جس میں حضرت عمر، حضرت علی ایسے جلیل القدر اصحاب علم وتقوی موجود تھے، گویا حضرت ابوبکر کی امامت صلوۃ افضلیت اور تاج خلافت کیلئے نص قطعی کا روپ دھار گئی اور چار وناچار ابوبکر صدیق کی افضلیت اور خلافت کو تسلیم کرنا پڑا، اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ بقول سید صاحب اور بحوالہ مناقب آئمہ اربعہ محررہ زبدۃ ص ۲۱) صدیق اکبر سے افضل ہوتے تو حضور ﷺ نماز کی امامت کیلئے خود ان کا تقرر فرماتے، حضرت علی باب العلم تھے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا حتمی، قطعی اور دوررس مقصد سمجھ گئے اور وقت آنے پر اعلان فرمایا کہ ابوبکر صدیق ہم سب سے افضل اور خلافت کے اہل ہیں، ہم ان کو تسلیم کرتے ہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے میری موجودگی میں نماز کیلئے اپنا خلیفہ مقرر فرمایا تھا، تعجب ہے کہ اولاد علی، آل حسن وحسین کے مدعی، عقیدہ علی سے تجاوز کر کے شاذ اور مردود روایات کو اپنے عقیدہ کی بنیاد اور معیار افضلیت بنا لیتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کا مرض جب شدت اختیار کر گیا آپ ﷺ کو نماز پڑھانے کی ہمت نہ رہی تو آپ نے فرمایا: مــروا ابــا بــکــر فلیصل بالناس الحدیث محدث شہیر احمد بن حجر المکی الھیثمی فرماتے ہیں:

واعلم ان ھذا الحدیث متواتر فانہ ورد من حدیث عائشۃ وابن مسعود وابن عباس وابن عمر وعبد اللہ بن زمعۃ، وابی سعید وعلی بن ابی طالب وحفصۃ وفی بعض طرقہ عن عائشۃ،،

ترجمہ: جان لو کہ یہ حدیث "مروا ابابکر فلیصل بالناس الحدیث" متواتر ہے کیونکہ اس کا ورود

حضرت عائشہ، ابن مسعود ابن عباس، ابن عمر، عبداللہ بن زمعۃ، ابی سعد، علی بن ابی طالب، حفصہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین " سے ہوا ہے، اسکو روایت کرنے والے صحابہ کا جم غفیر ہے اس لئے محدثین نے اسکو حدیث متواتر کا درجہ دیا ہے، اسی حدیث میں ہے کہ: فاتاہ الرسول فصل بالناس فی حیاۃ رسول اللہ ﷺ "ترجمہ: رسول اللہ ﷺ ابوبکر کی امامت کے دوران تشریف لائے اور پھر ان کی زندگی میں آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی ،،

اس حدیث متواتر سے درج ذیل چیزیں ثابت ہوئیں۔

﴿1﴾ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مصلیٰ امامت عطا فرمایا، خود تشریف فرمانے کے باوجود منصب امامت سے معزول فرمایا نہ مؤخر کیا۔

﴿2﴾ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں خود تاج خلافت و امامت ابوبکر کے سر رکھا۔

﴿3﴾ اپنی زبان مبارک سے تمام صحابہ (انصار و مہاجرین) کے سامنے افضلیت ابوبکر کو بیان فرمایا، اور استمرار و دوام بخشا۔

﴿4﴾ افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دلیل حدیث متواتر ہے، مناقب آئمہ اربعہ میں مندرج چند اصحاب کی رائے زیادہ سے زیادہ اخبار احاد ہیں جن کے مقابل حدیث متواتر ہے جو راجح ہے اور اخبار احاد مرجوح ہیں، بلکہ حدیث متواتر ان اخبار احاد کیلئے ناسخ ہے، قابل حجت نہیں ہیں۔

محدث ابن حجر مکی الهیثمی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں: فانظر الی ماصح عن ابن مسعود وھو من اکابر الصحابۃ وفقھائھم ومتقدمیھم من حکایۃ الاجماع من الصحابۃ جمیعا علی خلافۃ ابی بکر ولذا کان ھو الاحق بالخلافۃ عند جمیع اھل السنۃ والجماعۃ فی کل عصر منا الی الصحابۃ رضوان اللہ اجمعین "(الصواعق المحرقہ، ۱۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو صحابہء کبار، فقہائے صحابہ، اور متقدمین صحابہ میں سے ہیں نے فرمایا ہے کہ ابوبکر صدیق کی خلافت پر تمام صحابہ کا اجماع ہوا تھا، اسی لئے صحابہ کبار

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانہ پاک سے لے کر آج تک حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت پر مسلسل اہل سنت وجماعت کا اجماع چلا آرہا ہے اجماع صحابہ میں یہ تسلیم کیا تھا کہ تمام صحابہ میں ابوبکر سب سے افضل ہیں اور وہی خلافت کے حقدار ہیں، گویا افضلیت ابوبکر پر دور صحابہ سے لے کر آج تک پوری امت (اہل سنت وجماعت) کا اجماع آرہا ہے اگر اجماع امت کے مقابل کوئی ذاتی رائے رکھتا یا مخالفت کرتا ہے تو وہ مردود ہے، اجماع کے مقابل ایسی رائے کی کوئی حیثیت نہیں۔

﴿ولِلّٰہِ الْحَمْد﴾

امام ربانی الشیخ عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں:" و دليل اهل السنة فی تفضيل ابی بكر عن علی رضی الله عنهما الحديث الصحيح ما فضلكم ابوبكر بكثرة الصوم ولا صلوة ولكن بشیء وقر فی صدره وهو نص صريح فی انه افضلهم"

ترجمہ: حضرت علی سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کے افضل ہونے کی اہل سنت وجماعت کے پاس دلیل یہ حدیث صحیح ہے کثرت صوم وصلوۃ کی وجہ سے ابوبکر تم سے افضل نہیں ایک مخصوص شیء کی وجہ سے جوان کے سینہ اقدس میں ڈالی گئی ہے، یہ حدیث تمام صحابہ سے افضل ہونے میں نص صریح ہے۔"

دوسری دلیل نقل کرتے ہوئے فرمایا:" وفی البخاری عن ابن عمر كنا نقول خير الناس بعد النبی ﷺ ابوبكر ثم عمر، ثم عثمان ولا ينكر ذالك علينا" ترجمہ: بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ ء پاک میں کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر خیر الناس ہیں اور ان کے بعد حضرت عمر اور ان کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم ہیں۔ (الیواقیت والجواہر ۴۴۳) ہمارے اس تجزیے کا رسول اللہ ﷺ انکار فرماتے تھے نہ صحابہ کرام، گویا نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں بھی ابوبکر افضل الامت اور خیر الناس تسلیم کئے جاتے تھے، اور اس افضلیت کا کوئی بھی منکر نہ تھا، افضلیت علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ دور رسالت اور دور صحابہ کا نہیں بلکہ بعد کی پیداوار ہے امام شافعی اور محدث بیہقی کے حوالے

سے پہلے گزر چکا ہے کہ صحابہ اور تابعین کے دور میں افضلیت ابو بکر میں کوئی اختلاف نہ تھا بلکہ اس پر صحابہ اور تابعین کا اجماع تھا۔

الشیخ ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ نے فرمایا: "ومما فضل به ابوبكر رضى الله عنه انه مازال بعين الرضا من الله عزوجل اى: بحالته غير المغضوب فيها عليه:
(اليوقيت والجواهر، ۴۳۷)

ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس لئے افضل الامت ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بیکس پناہ میں آپ ہمیشہ نظر رضا میں رہتے یعنی آپ ہمیشہ ایسی حالت میں رہتے جہاں غیظ و غضب کا گزر تک نہ ہوتا آپ اللہ کی بارگاہ میں ہمیشہ مقام رضا میں رہتے، اور غیر المغضوب علیہ کی صفت گرانقدر سے محفوظ ہوتے، اسکی تائید اس آیہء کریمہ سے بھی ہوتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ان لا تنصروه فقد نصره الله اذاخرجه الذين كفروا" اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ تمام صحاب پر پہلے تہدید فرمائی ہے کہ جب کفار مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے نکالا تو تم نے اپنے رسول کی مدد کیوں نہیں کی؟ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی ہے،، حضرت ابو بکر صدیق اس تہدید سے مستغنی ہیں کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عین رضا سے سرشار، غار ثور میں رسول خدا پر برسنے والے انوار، اور نازل ہونے والی تجلیات سے بہرہ ور ہو رہے تھے، عین رضا، اور غیر المغضوب علیہ کے جلوے سمیٹنے کیلئے اس سے بہتر اور کوئی موقعہ نہ تھا، سفر ہجرت ہی وہ پرخطر سفر تھا جس میں کفار، آپ کو شہید کرنے کی مشاورت اور آپ کا پیچھا کر رہے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی ذات کے تحفظ کیلئے فقد نصرہ اللہ کی ضمانت عطا فرمائی جس سے بواسطہ رسول حضرت صدیق اکبر بھی مستفید ہوئے، دوسرے لفظوں میں حضرت صدیق اکبر ہر وقت ذات باری تعالیٰ اور اسکی صفات کے مشاہدے میں مستغرق رہتے اور ہر وقت الطاف باری تعالیٰ اور رضائے ربی کا محور بنتے،،

ایک حدیث میں ہے ولكن بسر وقر فى صدره کے الفاظ بھی آئے ہیں، اس پر الشیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ نے فرمایا: "واعلم ان الاشارة بهذا السر والله اعلم الى ما وقع له

رضی اللہ عنہ یوم موت رسول اللہ ﷺ من الثبات حین اضطربت عق
الصحابۃ ذالک الیوم "ترجمہ: جان لو کہ ھذا السر سے اشارہ اس ثبات قلبی اور ثبات
کی طرف ہے (اللہ بہتر جانتا ہے) جو رسول اللہ ﷺ کے وصال کے دن دیکھنے میں آیا، اس
تمام صحابہ کی عقول اضطراب کی نذر ہو گئیں، لیکن حضرت ابوبکر صدیق نے صحابہ کے اجتماع میں و
محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل " آیہء کریمہ پڑھ کر ذہنی اور قلبی بیداری
ثبات واستقلال کا مظاہرہ فرمایا اور صحابہ کے ہوش ٹھکانے لگائے، فرطِ غم سے نڈھال صحابہ کی
محبت کو تابع فرمان الٰہی کیا، اللہ کی رضا اور قضا کے حضور سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور کیا۔

الشیخ عبدالوہاب الشعرانی نے فرمایا: السر الذی وقر فی صدر ابی بکر رضی اللہ عنہ
وفضل بہ علی غیرہ ھو القوۃ التی ظھرت فیہ یوم موت رسول اللہ ﷺ فکانت ل
کالمعجزۃ فی الدلالۃ علی دعوی الرسالۃ فقوی حین ذھلت الجماعۃ "(الیوق
والجواھر، ۴۳۸)

ترجمہ: کہ وہ سر جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سینہء اطہر میں ڈالا گیا تھا اور جس کی وجہ
آپ دیگر صحابہ سے افضل تھے وہ ایک قوت تھی جو آپ میں اس دن ظاہر ہوئی جس دن نبی کریم
کا وصال ہوا تھا، یہ قوت ایسے ہی تھی جیسے کوئی رسول اپنی رسالت کا دعوی کرے اور اس کی تائید
معجزہ کا ظہور اور صدور ہو، پس اس وقت آپ بہت بڑی قوت کے حامل تھے جبکہ باقی صحابہ کے قا
واذہان سے رسول اللہ ﷺ کی موت کا ذہول (نسیان) ہو چکا تھا اس کی مختصر سی تشریح یوں ہ
ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد وحی کی آمد کا سلسلہ بند ہو چکا نبوت ورسالت کا درواز
ہو گیا تھا، رسول اللہ ﷺ کی تیئیس سالہ شبانہ روز محنت کا ثمر جو صحابہ کرام کی صورت میں موج
بکھرنے کو تھا بقائے اسلام کا شیرازہ منتشر ہونے کو تھا، امام وخلیفہ کے انتخاب وتقرر کا مسئلہ اولین
تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جو شخص کسی امام یا خلیفہ کی اتباع کے بغیر مرا وہ جہالت
موت مرا، قیامت صغریٰ کہ اس منظر میں شوکت اسلام اور عظمت قرآن کو باقی رکھنے اور

توحید ورسالت کو بلند رکھنے کیلئے کردار ادا کرنا اللہ کی مدد اور خصوصی تائید ونصرت کے بغیر ناممکن تھا ،ایسے کٹھن اور مشکل مرحلہ پر وہ سر،اور قوت جلوہ گر اور ظہور پذیر ہوئی جو اللہ تعالیٰ نے اس ،واقعہ اور اس مرحلہ کیلئے ذات صدیق میں تخلیقی طور پر ودیعت کر رکھی تھی ،اگر رسول اللہ ﷺ کے وصال کے دن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس قوت عظیمہ سے کام نہ لیتے تو عظمت اسلام کا پرچم سرنگوں اور قصر دین کی اینٹ اینٹ ہو جاتی اور تیئس سال کے صبر آزما جانکاہ اور شدت آمیز دورانیے کی کوکھ سے جنم لینے والے ان فرزندان توحید کے منہ ادھر ادھر ہو جاتے اور آج توحید کا علمبردار کعبہ کا پرستار اور حب نبی کا وفا شعار ڈھونڈنے کو نہ ملتا ،یہی وہ سر سرمدی ،اور قوت یزدانیہ تھی جو دست صدیق پر رسول اللہ ﷺ کا معجزہ بن کر نمودار ہوئی کیونکہ آپ کی خلافت ،خلافت نبوت ہے اور آپ کا زمانہ زمانہء نبوت ہے،اور یہی وہ فضیلت عظمیٰ ہے جس نے آپ رضی اللہ عنہ کو افضل البشر بعد الانبیاء والمرسلین کا اعزاز بخشا ہے۔

محدث ابن حجر مکی الھیثمی رحمہ اللہ نقل فرماتے ہیں:

"وصحح الذهبي وغيره طرقا اخرى عن علي بذالک وفي بعضها الا وانه بلغني ان رجالا يفضلوني عليهما فمن وجدته فضلني عليهما فهو مفتر،عليه ما على المفتري الا وكنت تقدمت في ذالک تعاقبت ،الاواني اكره العقوبة قبل التقدم"

ترجمہ: امام ذہبی اور دیگر محدثین نے اور اسناد سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو صحیح فرمایا ہے اور بعض روایات میں الا وانه بلغني کے الفاظ بھی ذکر کیے گئے ہیں کہ بے شک کچھ لوگ مجھے شیخین پر فضیلت دیتے ہیں اگر مجھے معلوم ہوا کہ وہ شخص مجھے شیخین پر فضیلت دیتا ہے تو وہ شخص مفتری یعنی افتراء ساز ہوگا ،اور اس پر وہی حد ہوگی جو افترا ساز کی ہوتی ہے سنو اگر مجھے واقعی اس کا افتراء ساز ہونا معلوم ہو گیا تو میں اس کو سزا دوں گا۔

لیکن ثبوت سے پہلے سزا دینے کو میں پسند نہیں کرتا۔(الصواعق المحرقه ،٦٠)

"واخرج الدارقطني عنه لا اجد احدا فضلني على ابي بكر وعمر الا جلدته

حد المفتری"

ترجمہ: محدث دار قطنی نے اس حدیث کی تخریج کی ہے کہ میں نے جس کسی کو بھی پایا کہ وہ مجھے اب
اور عمر رضی اللہ عنہما سے افضل سمجھتا ہے تو میں اس کو مفتری کی حد کی سزا داں گا۔ (الصواعق المحرقہ ، ۰
امام ذہبی، محدث دار قطنی اور دیگر آئمہ حدیث نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے "حدیث مفتری
روایت کیا ہے اور محدث ابن حجر مکی ہیثمی نے بھی اس حدیث کو الصواعق المحرقہ میں نقل ا
ہے، اور یہ حدیث صحیح ہے یہ حدیث بیانگ دہل اعلان فرما رہی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخ
سے افضل ماننا حقیقت اور سچ نہیں بلکہ جھوٹ، بہتان اور صریح افتراء ہے، اور یہ اتنا بڑا جرم ہے
اس کی سزا حد ہے اور وہ اسی کوڑے مارنا ہے اتنا بڑا جرم کیوں ہے؟ اس لئے کہ متعدد آیات قر
، اور بے شمار احادیث نبویہ اور آثار کی تکذیب لازم آتی ہے جس کیلئے دائرہ ایمان میں رہنے والا شخ
سوچ بھی نہیں سکتا، باقلانی نے اگر چند اصحاب کے نام مناقب آئمہ اربعہ میں تحریر کر دیئے ہیں
اسلام کی کوئی خدمت نہیں، اور نہ ہی اس نظریہ کے پرچار اور اقرار پر اس کو یا اس کے متبعین کو
اسلام کا لقب دیا جا سکتا ہے یہ عقیدہ اور یہ نظریہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عقیدہ کے قطعی خلاف
مغائر ہے کیا ایسا عقیدہ رکھنے والے شخص سے روح علی رضی اللہ عنہ خوش ہو گی؟ یا حضرت علی رضی
عنہ کی روح معلیٰ سے لے کر حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ تک آل علی اور اولاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم
ارواح مقدسہ، طیبہ، طاہرہ خوشی اور مسرت سے جھوم کر کہیں گی کہ یہ نظریہ اور یہ رائے واقعی مفکر اس
کی ہی ہو سکتی ہے دوسروں کو اس کی کیا خبر؟ جب حضرت علی خود تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے عقید
غلط، خلاف حقائق اور سنگین اخلاقی اور شرعی جرم قرار دیکر حد کی سزا کا تعین فرما رہے ہیں تو عق
تفضیل علی کی حقانیت پر باقلانی کی مناقب آئمہ اربعہ کو پیش کرنا کیسے جائز
؟........................ محدث ابن حجر مکی ہیثمی نے نقل فرمایا: "واخر
البھیقی عن الزعفرانی قال سمعت الشافعی یقول اجمع الناس علی خلافۃ ا
بکر و ذالک انہ اضطراب الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم یجدو تحت اد

السماء خیرا من ابی بکر فولوہ رقابھم" ترجمہ: بیہقی نے زعفرانی سے روایت کیا ہے کہ میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ لوگوں (صحابہ) نے حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت پر اجماع کیا تھا، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد لوگ اضطراب کا شکار ہو گئے تھے، انہیں آسمان نیل گوں کے نیچے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی شخص نہ ملا تھا اس لئے انہوں نے ابوبکر کو اپنا خلیفہ منتخب کر لیا۔(الصواعق المحرقہ ۱۴)

اس حدیث سے تین باتیں ثابت ہوئیں: (۱) آئمہ اربعہ حضرت ابوبکر صدیق کی افضلیت کے قائل ہیں (۲) اور آپ کی خلافت اجماع صحابہ سے معرض وجود میں آئی (۳) انصار و مہاجرین نے افضلیت ابوبکر صدیق کو تسلیم کیا اور پھر بیعت کی اگر ان کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل الامت ہوتے تو حضرت علی ہی خلیفہ ہوتے۔،

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "خلقت انا وابوبکر وعمر من طینۃ واحدۃ '

ترجمہ: مجھے ابوبکر اور عمر کو ایک ہی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔(الدیلمی عن ابن عباس، کنزالعمال، ۱۱)

یہ حدیث صراحتاً اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ شیخین کے اجسام مبارکہ کا خمیر اسی طینت طیبہ، طاہرہ، مطہرہ منورہ اور مقدسہ سے لیا گیا ہے جس سے رسول اللہ ﷺ کے وجود مقدس کو بنایا گیا ہے شیخین کا آپ کے قدموں میں محو استراحت ہونا اور خصوصاً ابوبکر صدیق سے یہ فرمانا کہ تو غار، مزار، اور حوض پر میرا ساتھی ہے اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طینت طیبہ، اور شیخین کی طینت مبارکہ کے درمیان گہرا اتصال، اور گہری مصاحبت ہے، گنبد خضریٰ کے اندر ترتیب مراتب اور ترتیب خلافت کے لحاظ سے شیخین کا آغوش رسالت میں آنا اور قیامت تک رہنا اسی ترتیب اور اسی انداز سے اپنی اپنی قبور سے اٹھنا اور پھر اسی کیفیت اور اسی ہیئت سے میدان حشر میں جلوہ گر ہونا قرآن حکیم کی ان ازلی صداقتوں کا اعلان ہے جو

"منھا خلقنا کم وفیھا نعید کم ومنھا نخرجکم تارۃ اخری" کی صورت میں فرمایا گیا تھا،

اسی مضمون کی تائید میں احادیث مبارکہ: "عن ابی زر قال قال رسول اللہ ﷺ خلق ابو بکر وعمر من طین واحد، وخلق عثمان وعلی من طین واحد" ابی زر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابو بکر اور عمر کو ایک مٹی سے، عثمان اور علی کو ایک مٹی سے پیدا کیا گیا ہے رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین،، (الریاض النظرۃ ا،ص،۵۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "اخبرنی جبریل ان اللہ تعالیٰ لما خلق آدم وادخل الروح فی جسدہ امر نی ان اخذ تفاحۃ من الجنۃ فاعصرھا فی حلقہ فعصرتھا فی فمہ فخلقک اللہ من النقطہ الاولی انت یا محمد ومن الثانیۃ ابابکر ومن الثالثۃ عمر، ومن الرابعۃ عثمان، ومن الخامسۃ علیا 'الحدیث "ترجمہ: مجھے (رسول اللہ ﷺ کو) جبریل علیہ السلام نے بتایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور روح ان کے جسم میں داخل کی تو مجھے حکم دیا کہ جنت سے ایک سیب توڑو، اور اسکو آدم علیہ السلام کے حلق میں نچوڑو میں نے سیب توڑ کر جناب آدم علیہ السلام کے منہ میں نچوڑا، تو اے محمد ﷺ پہلے قطرہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو پیدا فرمایا اور دوسرے قطرے سے ابو بکر صدیق کو، تیسرے قطرے سے حضرت عمر کو اور چوتھے قطرے سے حضرت عثمان کو، اور پانچویں قطرے سے حضرت علی کو پیدا فرمایا: (الریاض النضرۃ،۵۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "انا اول من تنشق عنہ الارض ثم ابوبکر ثم عمر الحدیث "ترجمہ: سب سے پہلے جو قبر سے اٹھے گا وہ میں ہوں، پھر ابو بکر صدیق قبر سے نکلیں گے، پھر عمر، (الریاض النضرۃ،ا،۱۶۳)

حضرت ابی الدرداء روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابو بکر "انت صاحبی علی الحوض وصاحبی فی الغار" تو حوض کوثر پر بھی میرا ساتھی ہوگا اور غار میں بھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: "ان النبی ﷺ خرج من باب المدینۃ متکأعلی ابی بکر وشمالہ علی عمر وعثمان آخذ بطرف ثوبہ وعلی بین یدیہ

فقال هكذا ندخل الجنة فمن فرق فعليه لعنة الله "(الرياض النضرة ، ١، ٥٣)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ باب المدینہ سے باہر تشریف فرما ہوئے اس حال میں آپ حضرت ابو بکر کا سہارا لئے ہوئے تھے، (آپ کا دایاں ہاتھ ابو بکر کے کندھے پر تھا) اور بایاں ہاتھ حضرت عمر کے کندھے پر تھا۔

حضرت عثمان نے اپنے کپڑے (غالباً چادر مبارک) کا ایک کونہ پکڑا ہوا تھا اور حضرت علی آپ کے آگے تھے (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) پھر آپ نے فرمایا ہم اسی کیفیت اور اسی حالت میں جنت میں داخل ہوں گے جو اس میں تفریق کرے گا اس پر اللہ کی لعنت ہو ہر جگہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اور آپ کے معتمد خاص ہی نظر آتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ ابو بکر صدیق کے کندھے پر اور بایاں ہاتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے کندھے پر رکھ کر اشارہ فرمایا کہ ابو بکر و عمر دنیا میں اشاعت دین اور تبلیغ اسلام میں میرے دست و بازو اور میری قوت ہیں، امور رسالت کی بحالی اور تبلیغ میں ان کا کردار نمایاں، اور میری تائید اور توثیق کا آئینہ دار ہوگا، اور جو شخص میرے اور ان کے درمیان تفرقہ ڈالے ہمارے قرب و اتصال میں دراڑیں پیدا کرے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ترتیب خلافت اور ترتیب افضلیت کو قرآن حکیم سے ثابت فرمایا: "عن ابن عباس فى قوله تعالى ومثلهم فى الانجيل ، كزرع اخرج شطأه ، الزرع محمد ﷺ وشطوه ابوبكر ،فازره عمر ،فاستغلظ بعثمان بعلى رضى الله عنهم اجمعين خرجه الجوهرى وابن عبد الله فى اماليه "ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ارشاد فرمایا "ومثلهم فى الانجيل كزرع اخرج شطأه الايه ، میں الزرع سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں، اور شطأہ سے مراد حضرت ابو بکر صدیق ہیں، اور ازرہ سے مراد حضرت عمر ہیں، اور فاستغلظ سے مراد حضرت عثمان ہیں، اور فاستوی سے مراد حضرت علی ہیں ۔(رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) (الریاض النضرۃ،١،٥٦)

بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اسی ترتیب خلافت اور ترتیب افضلیت کو خود بیان فرمایا، اور اس کے حتمی اور قطعی ہونے پر مہر تصدیق ثبت فرمائی: حضرت ابی بن کعب روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سورۃ والعصر کی تلاوت کی میں نے رسول اللہ ﷺ فداہ امی وابی سے عرض کیا کہ اس کی تفسیر کیا ہے؟ ”قال والعصر قسم من اللہ تعالیٰ باخر النھار، ان الانسان لفی خسر ابوجھل بن ھشام الاالذین امنوا ابوبکر الصدیق، وعملو الصلحت عمر بن خطاب وتواصوابالحق عثمان بن عفان، وتواصوابالصبر علی بن ابی طالب، اخرجہ الواحدی“ س ترجمہ: ۔آپ ﷺ نے فرمایا والعصر سے اللہ تعالیٰ نے دن کے آخری حصہ کی قسم کھائی ہے ان الانسان لفی خسر سے مراد ابوجہل بن ہشام ہے، الاالذین امنوا سے مراد ابوبکر صدیق ہیں، اور وعملو الصلحت سے مراد عمر ابن الخطاب ہیں، وتوا صوا بالحق سے مراد عثمان بن عفان ہیں، اور وتواصوابالصبر سے مراد علی بن ابی طالب ہیں،، (الریاض النضرۃ، ۱، ص، ۵۷)

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے اس ترتیب افضلیت کو بیان فرمایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک طویل خطاب فرمایا، اور اس کے آخر میں فرمایا: ”واعلموا ان خیر الناس بعد نبیھم ﷺ ابوبکر الصدیق، ثم عثمان ذوالنورین ثم انا الحدیث خرجہ ابن السمان فی الموافقۃ“ ترجمہ: لوگو جان لو کہ نبی کریم ﷺ کے سارے لوگوں سے بہتر اور افضل ابوبکر صدیق ہیں، ان کے بعد عثمان ذوالنورین ہیں اور ان کے بعد میں ہوں (الریاض النضرۃ ۱، ص، ۵۷)

اس خطاب سے بھی بزبان علی المرتضٰی یہ ثابت ہوا کہ افضل الامت اور خیر الامت حضرت ابوبکر صدیق ہیں، حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے اس حقیقت پسندانہ خطاب، اور ابوبکر صدیق کی افضلیت کے اعتراف اور اعلان عام کے بعد امام باقلانی ہوں یا کوئی اور قابل اعتماد نہیں رہتے۔

(وللّٰہ الحمد)

امام ترمذی امام حاکم حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں اور محدث طبرانی نے ”الاوسط“ میں

حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ: "ان رسول اللہ ﷺ خرج ذات یوم فدخل المسجد و ابوبکر و عمر احدھما عن یمینہ و الاخر عن شمالہ و ھو اخذ بایدیھما و قال ھکذا نبعث یوم القیامۃ"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ ایک دن اپنے حجرہ شریفہ سے باہر تشریف لائے اور مسجد میں داخل ہوئے درانحالیکہ ابوبکر آپ کے دائیں طرف اور عمر آپ کے بائیں طرف تھے، اور آپ نے ہر دو کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، اس کے بعد آپ نے فرمایا: قیامت کے دن بھی ہم اسی حالت میں اٹھیں گے، سچ ہے حق ہے ثابت ہے کہ ابوبکر و عمر دنیا میں آپ کے ساتھی مزار پرانوار میں آپ کے ساتھی اور میدان حشر میں بھی آپ کے ساتھی ہوں گے یہ اعزاز، یہ شرف اللہ تعالیٰ نے صرف شیخین کو ہی عطا فرمایا ہے۔

سید صاحب نے تحریر فرمایا کہ کچھ لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع نقل کر کے آپ کی افضلیت کو حتمی اور قطعی شکل دینے کی کوشش کی ہے جس جس نے نیک نیتی سے کوشش کی ہے خدائے کریم اس کو جزائے خیر عطا فرمائے، چونکہ ہم لوگ بھی افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عقیدہ رکھتے ہیں، لہذا چشم ما روشن دل ما شاد مگر کسی بھی مفروضے کی حمایت کرنا ہمارے لئے مشکل ہے۔ (زبدۃ، ۲۲)

جواباً کہا جائے گا کہ افضلیت ابوبکر پر اجماع امت ہے اور متعدد بار پہلے نقل ہو چکا ہے اور دلائل کثیرہ بھی نقل کر دیئے گئے ہیں، پوری امت افضلیت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اجماع قطعی کا عقیدہ رکھتی ہے، محدث ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے الصواعق المحرقہ کے باب ثالث، ص ۵۷ پر تحریر فرمایا ہے کہ: "اعلم ان الذی اطبق علیہ عظماء الملۃ، وعلماء الامۃ ان افضل ھذہ الامۃ ابو بکر الصدیق ثم عمر" ترجمہ: تجھے علم ہونا چاہیے کہ جس امر پر ملت کے اعاظم آئمہ، اور امت کے علماء کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں سب سے افضل صدیق اکبر ہیں اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

محدث مذکور رحمہ اللہ نے نقل فرمایا: "ان مالکا رحمه الله سئل ای الناس افضل بعد نبیهم ؟فقال ابوبکر ثم عمر ثم قال اوفی ذالک شک فقیل له علی و عثمان ؟فقال ما ادرکت احدامن اقتدی به تفضل احدهما علی الاخر "ترجمہ: حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون افضل ہے؟ فرمایا ابوبکر صدیق، اور پھر عمر، کیا اس میں کوئی شک ہے؟ پھر پوچھا گیا علی اور عثمان رضی اللہ عنہما میں سے کون افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جو ان کو ایک دوسرے پر فضیلت دیتا ہو اور میں اس کی اقتداء کروں، یعنی ان کو ایک دوسرے پر فضیلت نہیں دی جا سکتی، ان کی افضلیت ترتیب خلافت کے لحاظ سے ہے۔(کما بین فی الفصل الاول فی الباب الثالث)

پھر فرمایا کہ امام مالک کا فرمان اوفی ذالک شک سے کیا مراد ہے؟ وقوله رضی الله عنه اوفی ذالک شک یرید مایأتی عن الشعری ان تفضیل ابی بکر ثم عمر علی بقیة الامة قطعی "ترجمہ: امام مالک رحمہ اللہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ کیا تمہیں شک ہے اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی ساری امت پر افضلیت حتمی اور قطعی ہے۔

محدث ابن حجر مکی ہیثمی نے شیخ خطابی کا رد کرتے ہوئے فرمایا: "فکیف والحاکی لا جماع الصحابة والتابعین علی تفضیل ابی بکر وعمر وتقدیمهما علی سائر الصحابة من اکابر الائمة منهم الشافعی رضی الله عنه کما حکاه عنه البیهقی وغیره " ترجمہ: ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت ظنی کیسے ہو سکتی ہے؟ جبکہ آئمہ کبار کی ایک جماعت جن میں امام شافعی بھی ہیں نے تمام صحابہ سے حضرت ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما کو افضل اور مقدم قرار دیا اور اس پر صحابہ اور تابعین کا اجماع بھی نقل فرمایا، جیسا کہ امام بیہقی نے "کتاب اعتقاد" میں اسکی تفصیل لکھی ہے۔

ثابت ہوا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر صحابہ اور تابعین کا اجماع ہے اور اس اجماع کی صحت، انعقاد، اور حتمی ہونے میں آئمہ عظام اور علمائے امت متفق ہیں جن میں امام مالک، امام شافعی

نمایاں ہیں قاضی ابو بکر باقلانی شافعی المذہب ہونے کے باوجود صحابہ اور تابعین کے اجماع کو ظنی قرار دیتے ہیں، جو قابل اعتبار نہیں۔

سید صاحب نے محدث ابن حجر مکی ہیثمی کی درج ذیل عبارت نقل کرنے کے بعد تحریر کیا کہ اب ذرا خیال فرمائیے کہ اگر اجماع نصی تام ہو گیا ہوتا، (جملہ مجتہدین نے بول کر اتفاق کیا ہوتا تو افضلیت قطعی ہوتی، اور اس کا ماننا ضروری ہوتا۔ (زبدۃ، ۲۳)

جواباً کہا جائے گا کہ سید صاحب یا تو دانستہ اجماع امت کا مفہوم خلاف واضع اور خلاف اصول کر رہے ہیں، یا ان کے نزدیک اجماع صحابہ کی کوئی حیثیت اور کوئی اہمیت ہی نہیں بلکہ ان کے نزدیک اجماع امت کے موثر اور حجت ہونے کیلئے ضروری ہے کہ آئمہ مجتہدین قولاً اس پر مہر تصدیق ثبت فرمائیں، زیر بحث مسئلہ افضلیت ابوبکر ہے اور اس پر تمام صحابہ اور تابعین کا اجماع ہے اور اجماع نصی تام ہے اور حجۃ شرعیہ ہے اس کیلئے مجتہدین کے اجماعی قول کی ضرورت نہیں کیونکہ اجماع صحابہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد انصار نے مہاجرین سے کہا "منا امیر و منکم امیر، فاتاهم عمر فقال یامعشر الانصار الستم تعلمون ان رسول الله ﷺ قدامر ابابکر ان یؤم الناس فایکم تطیب نفسه ان یتقدم ابابکر، فقالت الانصار نعوذبالله ان نتقدم ابابکر"

ترجمہ: انصار نے کہا ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے ہو، اتنی دیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور فرمایا اے انصار کی جماعت کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر صدیق کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، تم میں سے کس کا جی چاہتا ہے کہ وہ ابوبکر صدیق کو پیچھے کر دے اور خود آگے ہو، انصار نے کہا کہ ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ ابوبکر کو پیچھے کر دیں اور خود آگے ہو جائیں۔ (البدایہ والنہایہ، ج، ۵، ص، ۲۱۶)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امامت صحابہ سے ثابت کیا جو رسول اللہ ﷺ کے حکم سے معرض وجود میں آئی جب یہ دلیل قطعی انصار کے سامنے آئی تو

انہوں نے افضلیت ابوبکر کو الفاظ قطعیہ، نعوذ باللہ ان تتقدم ابابکر، کے ساتھ تسلیم کیا، اور حرف اعتراض تک زبان پر نہ لائے، امامت کی بنیاد پر انصار و مہاجرین کا دست صدیق پر بیعت کرنا اجماع ہے اور یہ خلافت ابوبکر اور افضلیت ابوبکر کیلئے حجت شرعیہ ہے، حافظ ابن کثیر نے نقل فرمایا: "وان اللہ قد جمع امرکم علی خیرکم صاحب رسول اللہ ﷺ ثانی اثنین اذھما فی الغار فقوموا فبایعوہ فبایع الناس ابابکر بیعۃ العامۃ بعد بیعۃ السقیفۃ " (البدایہ والنہایہ ،۵ص،۲۱۸)

ترجمہ: اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے امر خلافت کو تم میں سے افضل آدمی پر، جو رسول اللہ ﷺ کا صحابی خاص، اور غار میں دو کا دوسرا ہے اس پر جمع فرمایا یعنی تم میں سے بہترین شخص کو خلیفہ بنایا، پس اٹھو اور اس کی بیعت کرو، پھر سب لوگوں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، ہر دو حدیث سے معلوم ہوا کہ بیعت کا مرحلہ دوبار آیا، اور بیعت کی تکمیل مسجد نبوی میں ہوئی بیعت الناس یعنی بیعت عامہ تھی، مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم نے دومرتبہ افضلیت ابوبکر صدیق کو تسلیم کیا ایک دفعہ سقیفہ بنی ساعدہ میں اور دوسری مرتبہ مسجد نبوی میں اگر خیر کم کے جملہ پر صحابہ کو اعتراض یا انکار ہوتا تو بول پڑتے جس طرح صحابہ کے مجمع میں انصار نے منا امیر و منکم امیر کا نکتہ اعتراض اٹھایا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت قطعی ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

جو حضرت عائشہ صدیقہ نے حضرت عمر سے روایت کی ہے :"کا ن ابوبکر سیدنا وخیرنا واحبنا الی رسول اللہ ﷺ"(المستدرک،۳،ص ۶۹)

امام حاکم نے اس کو صحیح کہا اور شرائط شیخین کے مطابق قرار دیا (ایضاً) اس حدیث کی حقیقت اور معنویت کو تمام صحابہ نے تسلیم کیا اور کسی طرف سے اس کے خلاف آواز بلند نہ ہوئی اسطرح یہ حدیث بھی افضلیت ابوبکر کی قطعیت پر دلیل ٹھہری، مزید رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی زبان مبارک سے فرمایا:"یابی اللہ ذالک والمؤمنون یابی اللہ ذالک والمؤمنون" ترجمہ: اللہ اور مسلمان ابوبکر صدیق کے

علاوہ اور شخص کی امامت کا انکار کرتے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ، ۵، ص ۲۰۴)

حافظ ابن کثیر نے فرمایا: ”ومن تامل ماذکرناہ ظہر لہ اجماع الصحابۃ المہاجرین منہم والانصار علی تقدیم ابی بکر وظہر برہان قولہ علیہ السلام یابی اللہ والمؤمنون الا ابابکر“ ترجمہ: کہ جو دلائل ہم نے نقل کئے ہیں جو شخص میں غور وتدبر کرے گا اس کے لئے روز روشن کیطرح یہ ظاہر ہو جائے گا کہ حضرت ابوبکر کی (خلافت) پر انصار ومہاجرین کا اجماع منعقد ہوا ہے۔ اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ (البدایہ والنہایہ، ۵، ص، ۲۱۹)

اور نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان: ”یابی اللہ والمؤمنون الا ابابکر“ ترجمہ: ابوبکر صدیق کی امامت کے علاوہ کسی اور شخص کی امامت کے اللہ اور مسلمان انکاری ہیں جہاں اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس میں افضل الصحابہ تھے، وہاں اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کی افضلیت قطعی اور اجماعی ہے اگر آپ کی افضلیت قطعی نہ ہوتی تو ”یابی اللہ والمؤمنون الا ابابکر“ کی مستثنائے مفرغ سے آپ کی انفرادیت اور افضلیت کو ثابت کیا جاتا، غرضیکہ انصار کا بیک زبان ہو کر یہ اعلان کرنا نعوذباللہ ان نتقدم ابا بکر“ اجماع نص ہے، اور یہ حجت شرعیہ ہے صحابہ کے اجماع کے بعد آئمہ مجتہدین کے قولی اجماع کی ضرورت کیا ہے؟

بلکہ آئمہ مجتہدین کے اجماع کی حیثیت ہی کیا رہ جاتی ہے؟ اگر سید صاحب کے نزدیک آئمہ مجتہدین کا اجماع ہی حجت اور دلیل شرعی ہے تو لیجیے وہ بھی موجود اور ثابت ہے محدث ابن حجر مکی نے امام مالک اور امام شافعی کا مذہب پہلے بیان کر دیا ہے اب رہے امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم تو ان کا عقیدہ بھی بڑا واضح ہے آپ کی شہرہ آفاق اور مقتدر تصنیف فقہ اکبر میں ہے: ”وافضل الناس بعد النبیین علیہم الصلوۃ والسلام ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ، ثم عمر بن خطاب الفاروق رضی اللہ عنہ ثم عثمان بن عفان ذو النورین رضی اللہ عنہ، ثم علی

ابی طالب المرتضیٰ رضوان اللہ تعالی علیھم اجمعین "(ص،۹۲)

ترجمہ: انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے بعد سب انسانوں سے افضل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے بعد حضرت عمر بن خطاب الفاروق، اور ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ، اور ان کے بعد حضرت علی بن ابی طالب المرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔

شیخ المشائخ قطب ربانی عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمارے امام حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ سے ایک دوسری روایت مروی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت واضح نص اور اشارہ دونوں سے ثابت ہے حضرت حسن بصری اور محدثین کی ایک جماعت رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے اس روایت کی وجہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی وہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مجھے آسمان کی طرف معراج کرایا گیا تو میں نے اللہ کی بارگاہ میں سوال کیا کہ میرے بعد علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنادے اس پر فرشتوں نے کہا اے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے لیکن آپ کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت پر اجماع کیا، پھر نقل فرمایا حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے مجھ سے وعدہ لیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے بعد مسلمانوں کے امیر ہوں گے، پھر حضرت عمر فاروق، ان کے بعد حضرت عثمان غنی اور ان کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔ (غنیۃ الطالبین ص،۲۶۴، مطبوعہ لاہور)

بحمد اللہ صحابہ کرام بشمول انصار و مہاجرین کے اجماع آئمہ مجتہدین فی الشرع حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کے اجماع سے بھی ثابت ہوا کہ آپ افضل الصحابہ تھے، اسی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کو خلیفۃ المسلمین بنایا گیا، اہل سنت وجماعت کے جملہ آئمہ مجتہدین نے صحابہ کرام کے اجماع پر، اتفاق کیا اور اپنی اپنی تصانیف میں دلیل اور سند کے طور پر تحریر بھی فرمایا:۔ اگر ان آئمہ مجتہدین جو اہل سنت وجماعت کے مقتدی اور پیشوا ہیں

، کے علاوہ کوئی مجتہد ہوتو وہ قابل قبول نہیں ، شیخ المشائخ قطب ربانی سید عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ نے بھی خلافت ابوبکر صدیق اور افضلیت ابوبکر پر اجماع صحابہ کو تسلیم کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج سے حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت اور افضلیت پر استشہاد بھی کیا ہے۔

سید صاحب نے تحریر کیا کہ امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے افضلیت کو ظنی کہہ کر قطعیت کو پاکیزہ پانی میں دھوڈالا۔ (زبدۃ، ۲۳)

محدث ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ افضلیت کے قطعی ہونے کا ہے سید صاحب نے پوری عبارت پڑھی ہے نہ سمجھی ، نہ غور کیا نہ سیاق وسباق دیکھا ہے، محدث ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا : "وقد اجمعوا ایضا علی استحقاقھم الخلافۃ ھذاالترتیب ،لکن ھذا قطعی کما مربادلتہ مبسوطاً" (۵۹)ترجمہ: تمام صحابہ، تمام آئمہ، تمام علمائے امت کا اجماع ہے کہ ترتیب معہودہ کے مطابق وہ (خلفائے اربعہ) خلافت کے مستحق تھے، اور یہ ترتیب اور استحقاق قطعی ہے، جیسا کہ پہلے دلائل کثیرہ سے گزر چکا ہے، معلوم ہوا محدث ابن حجر مکی افضلیت ابوبکر کو ظنی نہیں مانتے قطعی کہتے ہیں۔

مزید ایک سوال اور ایک جواب کی صورت میں وضاحت فرماتے ہیں : "فان قلت لم یکن التفضیل بینھم علی ھذا الترتیب قطعیا ایضا حتی عند غیر الاشعری للاجماع علیہ "ترجمہ: اگر خلفائے اربعہ کے درمیان پائی جانے والی ترتیب کو بھی قطعی کہا جائے تا کہ امام ابوالحسن اشعری کے علاوہ جو لوگ ہیں وہ بھی اس کی قطعیت پر اجماع کو تسلیم کریں، جواب دیتے ہوئے فرمایا : "قلت اما بین عثمان وعلی فواضح للخلاف فیہ کما تقدم " ترجمہ: ترتیب خلافت کو قطعی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ حضرت عثمان اور علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں واضح اختلاف موجود ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اس لئے ترتیب کو قطعی نہیں کہا سکتا۔

پھر فرمایا: "واما بین ابی بکر ثم عمر ثم غیرھما فھو ان اجمعوا علیہ الا ان فی کون الاجماع حجۃ قطعیۃ خلاف فالذی علیہ الاکثرون انہ حجۃ قطعیۃ مطلقاً فیقدم

علی الادلة کلها و لایعارضه دلیل اصلا ویکفر او یبدع ویضلل مخالفه

"ترجمہ: حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی افضلیت پر اجماع امت موجود ہے اور جانبین سے دلائل بھی دیئے گئے ہیں لیکن اس اختلاف اور ان دلائل کے باوجود حجت قطعیہ ہے، لیکن اس کے باوجود اس میں اختلاف ہے، پھر بھی اس کے اکثر علماء عظمائے امت اس اجماع کو حجت قطعیہ قرار دیتے ہیں اس اجماع کو دیگر تمام ادلہ پر تقدیم دیتے ہیں، اور اس اجماع کے معارض کوئی دلیل نہیں، اس اجماع کے مخالف کی تکفیر کی جائے یا اسکو بدعتی کہا جائے یا گمراہ قرار دیا جائے سب جائز ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر چہ حضرت عثمان ذوالنورین، اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی افضلیت میں اختلاف موجود ہے اور جانبین سے دلائل بھی دیئے گئے ہیں لیکن اس اختلاف اور دلائل کے باوجود ترتیب خلافت کے لحاظ سے افضلیت پر اجماع امت ہے جس کا منکر کافر، بدعتی، یا گمراہ ہوسکتا ہے۔

اسی اختلاف کو دیکھ کر امام رازی اور امام آمدی نے فرمایا:۔ یہ اجماع قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے، محدث مذکور رحمہ اللہ نے نقل فرمایا: "وقال الامام الرازی الامدی انه ظنی مطلقاً" جواب دیتے ہوئے فرمایا "والحق فی ذالک التفصیل فمااتفق علیه المعتبرون حجة قطعیة و ما اختلفوا کا لاجماع السکوتی والاجماع الذی یردمخلافه فهو ظنی "اس تفصیل میں حق بات یہ ہے جس اجماع پر معتبران امت نے اتفاق کرلیا ہے وہ اجماع حجت قطعیہ ہے اور جس اجماع میں اختلاف موجود ہو وہ اجماع سکوتی کی مثل ہے، اور وہ اجماع جس کے مخالف کوئی ہو تو وہ اجماع ظنی ہے حضرت ابو بکر کی افضلیت پر جو اجماع ہوا وہ قطعی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں ہی نماز میں اپنا خلیفہ بنایا، انصار و مہاجرین کے تمام صحابہ نے آپ کی اقتداء میں علالت کے ایام میں برابر نمازیں پڑھیں، او پھر سقیفہ بنی ساعدہ اور مسجد نبوی میں گویا دو مرتبہ آپ کی افضلیت کا اقرار کرنا پڑا، اکثر صحابہ کرام نے مکمل اتفاق کیا، کسی طرف سے بھی اس کے مخالف یا

معارض کوئی امر سامنے نہیں آیا۔

محدث ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا:

''وایضاً ورد فی ابی بکر وغیرہ کعلی نصوص متعارضۃ یأتی بسطھافی الفضائل وھی لا تفید القطع لانھا باسرھا احادو ظنیۃ الدلالۃ مع کونھا متعارضۃ ایضاً ولیس الاختصاص بکثرۃ اسباب الثواب موجبا لزیادۃ مستلزمۃ للافضلیۃ قطعا،بل ظنا لانہ تفضل من اللہ فلہ ان لا یثیب المطیع ویثیب غیرہ وثبوت الامامۃ وان کان قطعیا لا یفی د القطع بالافضلیۃ بل غایتہ الظن ''ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق،اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بہت سی نصوص متعارض وارد ہوئی ہیں، کہ ابوبکر صدیق افضل ہیں یا حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں کے فضائل میں ان نصوص متعارضہ کو شرح وبسط سے ذکر کیا جائے گا۔

یہ نصوص متعارضہ کسی کی افضلیت کیلئے دلائل قطعیہ نہیں ہیں، کیونکہ تمام نصوص احاداور ظنی الدلالت ہیں،اور سب سے بڑھ کر یہ کہ باہم متعارض ہیں،ثواب کے اسباب کثیرہ کی تخصیص سے کثرت ثواب بھی دلیل قطعی کے زمرہ میں افضلیت کا موجب نہیں، بلکہ مفید ظن ہے،اس لئے ثواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فضل ہے اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ مطیع اور فرمانبردار کو ثواب نہ دے گنہگار کو دے امامت کا ثبوت اگر چہ قطعی ہے مگر افضلیت کیلئے قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے۔سید صاحب نے محدث ابن حجر مکی کی عبارت یہاں تک نقل کی اور آخر میں کہا کہ امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے افضلیت کو ظنی کہہ کر قطعیت کو پاکیزہ پانی میں دھوڈالا۔(زبدۃ،۲۴)

محدث مذکور نے فرمایا: کیف ولا قطع علی بطلان امامۃ المفضول مع وجود الفاضل'' امامت کا مسئلہ اگر چہ قطعی ہے مگر افضلیت کی قطعیت کیلئے مفید نہیں بلکہ مفید ظن ہے،اگر امامت افضلیت کیلئے مفید قطعیت ہوتی تو لازم آتا کہ فاضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت باطل ہوتی، جبکہ مفضول کی امامت کے بطلان پر کوئی دلیل نہیں۔

محدث مذکور رحمہ اللہ کی تقریر کا خلاصہ ان شاء اللہ یہ ہے کہ اگر چہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کا

ثبوت قطعی ہے کیونکہ یہ دلائل قطعیہ سے ثابت ہے لیکن اس کے باوجود افضلیت ابوبکر صدیق کیلئے دلیل قطعی نہیں، اس کے بعد خود ہی فرماتے ہیں، "لکنا وجدنا السلف فضلوهم كذلك وحسن ظننا بهم قاض بانهم لولم يطلعوا على دليل فى ذالك لما اطبقوا عليه فلزمنا اتباعهم فيه وتفويض ما هو الحق فيه الى الله تعالى" ترجمہ: لیکن ہم نے اپنے سلف صالحین کو پایا ہے کہ وہ اسی طرح خلفاء اربعہ کو فضیلت دیتے ہیں، یعنی ابوبکر صدیق کو افضلیت قطعیہ دیتے ہیں، اور ہمارا حسن ظن ان کے حق میں یہ فیصلہ دیتا ہے کہ اگر اسلاف افضلیت ابوبکر صدیق کے قطعی ہونے پر کسی دلیل پر مطلع نہ ہوئے تو وہ اجماع اور اتفاق نہ کرتے، افضلیت ابوبکر کی قطعیت میں اسلاف کا اتباع ہم پر بھی لازم ہے کہ افضلیت کے قطعی اور ظنی ہونے میں جو حق ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے۔ (الصواعق المحرقہ، ۵۹، ۶۰)

انصاف کرنا بلند پایہ نیکی ہے، قارئین خود انصاف فرمائیں کہ سید صاحب نے ضمنی سوال نقل کر دیا، اس کا جواب ملاحظہ کرنے اور اس کو نقل کرنے کی توفیق نصیب نہ ہوئی، ضمنی سوال کو ہی ابن حجر مکی جیسے عظیم محدث اور امام کا عقیدہ سمجھ لیا، اور فخریہ انداز میں لکھ دیا کہ امام ابن حجر مکی نے قطعیت کو ظنیت کے پاکیزہ پانی میں دھو دیا ہے۔ سید صاحب لکنا سے شروع ہونے والے پورے جواب کو ہضم کر گئے ہیں کیونکہ اس عبارت سے امام صاحب نے ظنی افضلیت کی تردید اور قطعی افضلیت کی تائید اور توثیق فرمائی ہے اور ظنیت کا عقیدہ رکھنے والوں کو قطعیت کے گہرے سمندر میں ڈبو دیا ہے سید صاحب باقلانی کی پیروی میں اتنی دور نکل گئے کہ امام ابن حجر مکی کا تجزیہ دلائل انہیں عقیدہ نظر آیا اور جو تجزیاتی عمل کا خلاصہ اور پوری ملت اسلامیہ کا عقیدہ تھا وہاں تک رسائی سے قاصر رہے۔

امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے فرمایا: "وقد التبس هذا المقام على بعض من لا فطنة عنده فظن ان من قال من الاصوليين ان افضلية ابى بكر انما ثبتت بالظن لا بالقطع يدل على ان خلافته كذالك وليس كما زعم على انهم كما صرحوابذالك صرحوا معه بان خلافته قطعية فكيف حينئذ يتاتى ظنه ذالك البعض هذا ولك ان تقول

ان افضلیة ابی بکر ثبتت بالقطع حتی عند غیر الاشعری ایضا بناء علی معتقد الشیعة والرافضه وذالک لانه وردعن علی وهو معصوم عند هم ،والمعصوم لا یجوز علیه الکذب ان ابابکر وعمر افضل الامة " ترجمہ: عقل ودانش سے عاری لوگوں پر یہ مقام (کہ افضلیت ابوبکر ظنی ہے یا قطعی ؟) مخفی رہا ہے انہوں نے یہ گمان کرلیا ہے کہ چونکہ کچھ علمائے اصول نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی افضلیت دلائل ظنیہ سے ثابت ہے دلائل قطعیہ سے نہیں لہذا آپ کی خلافت کا ثبوت بھی ظنی ہوگا ،جبکہ ایسا نہیں یہ ان کا اپنا زعم ہے کیونکہ انہوں نے افضلیت ابوبکر صدیق کے ظنی ہونے کی جہاں تصریح کی ہے وہاں یہ بھی واضح کردیا ہے کہ آپ کی خلافت قطعیہ ہے۔

جب خلافت قطعیہ ہے تو ان کے گمان کے مطابق افضلیت ظنی کیسے ہوسکتی ہے وہ بھی قطعی ہی ہے ،اور اے مخاطب تم یہ کہنے میں حق بجانب ہو کہ حضرت ابوبکر کی افضلیت دلیل قطعی سے ثابت ہے یہاں تک کہ جو لوگ اشاعرہ نہیں مثلاً شیعہ اور رافضی ہیں ان کے عقیدے کے مطابق بھی افضلیت ابوبکر کا ثبوت دلیل قطعی سے ہے ،شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معصوم مانتے ہیں ،اور معصوم کیلئے جھوٹ بولنا جائز نہیں ،حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا :"ان ابابکر وعمر افضل الامة " بے شک ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما پوری امت سے افضل ہیں۔

امام رحمہ اللہ نے نقل فرمایا:"قال الذهبی وقدتواتر ذالک عنه فی خلافته وکرسی مملکته وبین جم الغفیر من شیعته ،ثم بسط الاسانید الصحیح فی ذالک ،قال ویقال رواه عن علی نیف وثمانون نفسا وعددمنهم جماعة ثم قال فقبح الله الرافضة م اجهلهم " (انتهی) ترجمہ: امام ذہبی نے فرمایا کہ یہ مذکورہ بالا حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بطریق تواتر مروی ہے (یعنی یہ حدیث متواتر ہے) یہ حدیث آپ نے اپنے دور خلافت میں کرسی ءمملکت پر تشریف فرما ہوکر شیعوں کے جم غفیر کے سامنے ارشاد فرمائی ،امام ذہبی نے اسکی اسانید صحیحہ کا تفصیلی تذکرہ بھی فرمایا ہے ۔اور کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی سے زائد افراد نے اس کو روایت کیا اور

پھر متعدد جماعت نے روایت کی، پھر فرمایا اللہ روافض کو تباہ کرے یہ کس قدر جاہل ہیں۔

(الصواعق المحرقہ ۶۰)

محدث ابن حجر مکی علیہ الرحمہ نے کس وضاحت سے فرمایا کہ عقل وشعور سے عاری لوگ حضرت ابوبکر صدیق کی افضلیت کو ظنی اور خلافت کو قطعی کہتے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق کی افضلیت دلیل قطعی سے ثابت ہے جسطرح آپ کی خلافت قطعی ہے اسی طرح آپ کی افضلیت بھی قطعی ہے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ماننے والوں کو کھلے بندوں افضلیت قطعی کا اعلان کرنا چاہیے کیونکہ حیدر کرار حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں ''ان ابابکر و عمر افضل الامۃ'' کا اعلان فرماتے رہے ہیں۔

حافظ ابوذر الہروی نے متعدد طرق اور دارقطنی وغیرہ نے اس حدیث کی تخریج کی ہے کہ ابوجحیفہ کہتے ہیں: ''دخلت علی علی فی بیتہ فقلت یا خیر الناس بعد رسول اللہ ﷺ فقال مھلا یا اباجحیفۃ الا اخبرک بخیر الناس بعد رسول اللہ ﷺ ابوبکر وعمر و یحک یا ابا جحیفۃ لا یجتمع حبی وبغض ابی بکر وعمر فی قلب مومن'' ترجمہ: کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کے گھر حاضر ہوا تو میں نے انہیں یاخیر الناس بعد رسول اللہ ﷺ کے الفاظ سے مخاطب کیا (ترجمہ: اے رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بہتر انسان) آپ نے فرمایا اے اباجحیفہ رک جاؤ تمہیں بتاؤں رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بہترین انسان کون ہیں؟ وہ ابوبکر عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

اے اباجحیفہ تیری بات قابل افسوس ہے مومن کے دل میں میری حب اور ابوبکر وعمر کا بغض جمع نہیں ہو سکتے، یعنی مومن وہی ہے جس کے دل میں میری، ابوبکر عمر کی محبت ہو۔ (رضی اللہ عنہم)

محدث دارقطنی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تخریج کی ہے: ''ان ابا جحیفۃ کان یری ان علیا افضل الامۃ فسمع اقواما یخالفونہ فحزن حزنا شدیدا فقال لہ علی بعد ان اخذ بیدہ وادخلہ بیتہ ما اخزنک یا ابا جحیفۃ فذکر لہ الخبر فقال الا اخبرک بخیر ھذہ

الامة ،خیرھاابوبکر ثم عمر فاعطیت الله عھدا ان لااکتم ھذاالحدیث بعدان شافھنی به علی مابقیت "ترجمہ: کہ ابو جحیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل الامت جانتے تھے، انہوں نے سنا کہ لوگ اس رائے میں ان کے مخالف ہیں، انہیں شدید حزن وملال ہوا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور گھر کے اندر لے جا کر پوچھا کہ تم کیوں غمگین ہو؟ انہوں نے لوگوں کی مخالفت کے بارے میں بتایا، اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تمہیں بتاتا ہوں کہ امت میں سب سے بہتر کون ہے؟ اس امت میں سب سے بہترین حضرت ابوبکر صدیق، اور حضرت عمر ہیں (رضی اللہ عنہما) ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں اس حدیث کو چھپاؤں گا نہیں کیونکہ یہ حدیث میں نے بالمشافہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنی ہے، (الصواعق المحرقہ، ۶۰)

محدث ابن حجر مکی علیہ الرحمہ نے یہ احادیث اس بات پر نقل فرمائی ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت قطعی ہے ظنی نہیں اگر قطعی نہ ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں خیر الناس بعد رسول اللہ ﷺ کے اعلانات کیوں فرماتے؟ سید صاحب کو باقلانی کے آستانے سے فراغت ملتی تو یہ احادیث، اور امام ابن حجر مکی کا تجزیہ اور قول فیصل بھی دیکھ لیتے۔

امام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا:

"اجمع اھل السنة ان افضل الناس بعد رسول الله ﷺ ابوبکر ثم عمر ،ثم عثمان ثم علی ،ثم سائر العشرة،ثم باقی اھل بدر ،ثم باقی اھل احد ،ثم باقی اھل البیعة ، ثم باقی الصحابة ،ھکذا حکی الاجماع علیه ابومنصور البغدادی "ترجمہ: اہل سنت وجماعت کا اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب لوگوں میں افضل ابوبکر، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی، پھر باقی عشرہ مبشرہ والے، پھر اصحاب بدر، پھر اصحاب احد، پھر بیعت رضوان والے، اور پھر باقی صحابہ ہیں۔ اس ترتیب پر ابومنصور بغدادی نے اجماع نقل کیا ہے۔ (تاریخ الخلفاء، ۳۴)

اہل سنت وجماعت کے نزدیک اجماع امت دلیل قطعی ہے، جس سے حضرت ابوبکر صدیق کی

افضلیت ثابت ہے، امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے فرمایا: "قلت الاجماع حجة علی کل احدوان لم یعرف مستندہ لان اللہ عصم ھذہ الامة من ان تجمع علی ضلالة ویدل لذالک بل یصرح بہ قولہ تعالیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ماتولی ونصلیہ جھنم وسآئت مصیرا" ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ اجماع ہر ایک پر حجۃ شرعیہ ہے اگر چہ اسکی اسناد معلوم نہ ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو گمراہی پر جمع ہونے سے محفوظ رکھا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس پر دلالت بلکہ تصریح ہے کہ جو مومنین کے راستہ کو چھوڑ کر کسی اور راستے پر چلا ہم اس کو ادھر ہی چلائیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے جو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے معلوم ہوا اجماع حجت شرعیہ ہے ہر مسلمان پر حجت ہے اس کی پیروی اور اس پر عمل داری لازمی شرعی تقاضا ہے کیونکہ امر ضلالۃ پر امت مسلمہ کا اجماع محال شرعی ہے، اور اجماع امت کی مخالفت دخول جہنم کا موجب ہے سید صاحب کا یہ کہنا کہ اگر اجماع نصی تام ہوگیا ہوتا، تو افضلیت قطعی ہوتی قطعاً غلط اور خلاف حقائق ہے افضلیت ابوبکر پر اجماع نصی تام ہوا ہے کیونکہ انصار و مہاجرین کے خطابات ہوئے ہر فریق نے اپنے اپنے موقف پر دلائل پیش کیے بالآخر انصار کو تسلیم کرنا پڑا کہ قریش ہی (مہاجرین) خلافت کے حقدار ہیں۔

مگر جب قریش کے حق میں فیصلہ ہوگیا تو پھر یہ طے کرنا باقی تھا کہ قریش میں سے تاج خلافت کس کے سر پر رکھا جائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر اور حضرت عبیدہ ابن الجراح کا نام پیش کیا مگر دونوں حضرات نے انکار کیا اور یہ کہا کہ ابوبکر ہم سب سے افضل، اور سب کے سردار، اور رسول اللہ ﷺ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں، اس کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حوالہ دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر صدیق کو نماز میں اپنا خلیفہ مقرر فرمایا، اے انصار کیا تم ابوبکر سے آگے ہوگے؟ انصار نے بیک زبان ہوکر نعوذ باللہ ان نتقدم ابابکر" کیا ابوبکر کو بحث و تمحیص کے بغیر خلیفہ بنایا گیا تھا؟ کیا انصار و مہاجرین نے دلائل نہیں دیئے تھے، کیا انصار نے اپنے لئے امارت کا مطالبہ نہیں کیا تھا؟ کیا انصار نے خلافت کیلئے سعد بن عبادہ کو نامزد نہیں کیا تھا؟ جب یہ سب کچھ

ہوا ہے تو اجماع نصی تام نہیں ہوا اس سے بڑھ کر اجماع نصی تام کی کیا تعریف اور کیا تشکیل ہو سکتی ہے سقیفہ بنی ساعدہ میں پہلے دن استحقاق خلافت پر بحث ہوئی اور بیعت خاصہ منعقد ہوئی پھر منگل کے دن مسجد نبوی میں تمام لوگوں نے دست صدیق اکبر پر بیعت کی۔ اور تمام انصار و مہاجرین نے بالاجماع، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ چن لیا۔

امام حاکم نیشاپوری نے نقل فرمایا: "لما قبض رسول اللہ ﷺ قالت الانصار منا امیر و منکم امیر قال فاتاھم عمر رضی اللہ عنہ فقال یا معشر الانصار، الستم تعلمون ان رسول للہ ﷺ قد امر ابابکر یؤم الناس فایکم تطیب نفسہ ان یتقدم ابابکر رضی اللہ عنہ؟ فقالت الانصار نعوذ باللہ ان نتقدم ابابکر" (المستدرک، ۳، ۷۰) پھر فرمایا ھذا حدیث صحیح الاسناد و لم یخرجاہ۔ ترجمہ:۔ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو انصار نے کہا ایک امیر ہم سے ہو اور ایک امیر تم میں سے ہو راوی نے کہا اتنے میں حضرت عمر تشریف لائے اور فرمایا اے گروہ انصار کیا تم نہیں جانتے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ وہ لوگوں کی امامت کریں، تم میں سے کس کا جی چاہتا ہے کہ وہ ابوبکر کو پیچھے کر دے اور خود آگے ہو جائے اس پر انصار نے بول کر کہا کہ ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں کہ ہم ابوبکر سے آگے ہو جائیں۔ یہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ امام حاکم نیشاپوری نے فرمایا ہے۔ اس حدیث پر غور کرنے کے بعد آفتاب نصف النہار سے زیادہ یہ موقف روشن ہو جاتا ہے کہ یہ اجماع سکوتی نہیں تھا بلکہ قولی و نصی تھا،، دو دن کی بحث و تکرار کے بعد، خلافت ابوبکر اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر انصار و مہاجرین کا اتفاق اور اتحاد ہوا تھا،،

اہل بیت کے جلیل القدر افراد نے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ کی افضلیت اور عظمت کو تسلیم کیا ہے۔

قال علی رضی اللہ عنہ و الزبیر: ما غضبا الا لا ناقد اخرنا عن المشاورۃ و انا نریٰ ابا بکر (احق الناس بھا بعد رسول اللہ ﷺ انہ لصاحب الغار، وثانی اثنین، و انا لنعلم یشرفہ و کبرہ ولقد امرہ رسول اللہ بالصلوٰۃ بالناس و ھو حی، (المستدرک .۳. ۷۰)

ترجمہ: حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:۔ ہمارا ناراض ہونا اس وجہ سے تھا کہ مشاورت کے معاملہ میں ہمیں موخر کیا گیا، اور ہماری رائے یہی ہے کہ ابوبکر رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت کے زیادہ حقدار ہیں۔ بے شک وہی صاحب غار، اور ثانی اثنین ہیں، (اور بے شک ہم ان کی افضلیت، اور بزرگی کو مانتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں ان کو نماز پڑھانے کا حکم فرمایا تھا اہل بیت کے ان افراد کا حضرت ابوبکر صدیق کی افضلیت، اور بزرگی کا اعتراف کرنا ثابت کرتا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت قطعی تھی ورنہ حروف تحقیق کے ساتھ کلام کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

اللہ تعالیٰ نے افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وسیجنبها الاتقی الذی یؤتی ماله یتزکی وما لا حد عنده من نعمة تجزی الا ابتغاء وجه ربه الاعلی ولسوف یرضی "امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا "**قال ابن الجوزی اجمعوا انها نزلت فی ابی بکر ففیها التصریح بانه اتقی من سائر الامة والاتقی هو الاکرم عند الله لقوله تعالیٰ ان اکرمکم عند الله اتقاکم ،الاکرم عند الله هو الافضل فنتج انه افضل من بقیة الامة** "(الصواعق المحرقه ،٦٦)

ترجمہ: محدث ابن الجوزی نے فرمایا: تمام مفسرین، تمام علمائے امت کا اجماع ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے اس آیہء کریمہ میں اس بات کی تصریح ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ساری امت سے افضل اور اتقی ہیں، اور اتقی ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرم ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "**ان اکرمکم عند الله اتقاکم** "اور جو اللہ کے ہاں اکرم ہے وہی افضل ہے نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ساری امت میں افضل ہیں۔

حضرت امام رازی رحمہ اللہ نے فرمایا: **اجمع المفسرون منا علی ان المراد منه ابوبکر ، رضی الله عنه ،واعلم ان الشیعة باسرهم ینکرون هذه الروایة ویقولون انها نزلت فی حق علی بن ابی طالب علیه السلام** "ہم میں سے تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ اتقی سے

مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، تمام شیعہ اس کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ آیہء کریمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

جلیل القدر محدثین نے بھی فرمایا ہے:

"الایۃ نزلت فی ابی بکر کما اخرجہ البزاز عن الزبیر ابن العوام و ابن جریر و ابن المنذر ،والاجری و ابن ابی حاتم عن عروہ و الحاکم عن ابن اسحق وقال صحیح علی شرط مسلم ،وقال الفخری الرازی اجمع المفسرون علی ان المراد بالاتقی ابوبکر' وصیغۃ التفضیل تقتضی الخصوص ومن عممہا احتاج الی تاویل الاتقی بالتقی وھو مجاز قطعا والمجاز خلاف الاصل ولا یصار الیہ الا بدلیل ولا دلیل بل الدلیل یعارضہ وھو سبب النزول واجماع المفسرین فالام للعھد "(الصواعق المحرقہ ،٦٦)

ترجمہ: کہ یہ آیہء کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ محدث البزاز نے زبیر بن العوام، ابن جریر، ابن المنذر، آجری، ابن ابی حاتم، حاکم وغیرہ محدثین نے روایت کیا ہے امام حاکم نے فرمایا ابوبکر کی شان میں نازل ہونے والی یہ روایت صحیح ہے اور شرائط مسلم پر پوری اترتی ہے امام فخر الدین الرازی نے فرمایا تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ الاتقی سے مراد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اتقی اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو خصوص کا تقاضا کرتا ہے اور جن لوگوں نے معنی عموم لینے کیلئے یہ تاویل کی کہ الاتقی، تقی کے معنی میں ہے انہوں نے مجازی معنی مراد لیا ہے، اور معنی مجازی، اصل معنی کے خلاف ہے، لفظ کو دلیل کے بغیر معنی حقیقی سے معنی مجازی میں استعمال نہیں کیا جا سکتا، اور یہاں مجازی معنی مراد لینے کے لیے

کوئی دلیل نہیں بلکہ معنی مجازی کے خلاف دلیل موجود ہے اور وہ تین چیزیں ہیں۔(۱) سبب نزول ۔(۲) تمام مفسرین کا اجماع، (۳) الاتقی میں الف لام کا عہد خارجی کیلئے ہونا مذکورہ بالا تمام تصریحات سے درج ذیل امور ثابت ہوئے، ثابت ہوا کہ "سیجنبھا الاتقی الایۃ" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی، (۲) جو اتقی ہے وہی اکرم ہے (۳) جو اکرم ہے

وہی افضل ہے، (۴) ابوبکر صدیق ہی اتقی اور اکرم ہیں لہذا وہی افضل ہیں (۵) اتقی کو تقی کی معنی میں استعمال کرنا غلط ہے کیونکہ تقی معنی مجازی ہے، معنی مجازی مراد لینے کیلئے قرینہ صارفہ اور دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، معنی مجازی مراد لینے کیلئے آیہء مقدسہ میں کوئی قرینہ موجود نہیں بلکہ اس کے معارض دلائل موجود ہیں وہ یہ کہ سبب نزول یعنی شان ابوبکر صدیق کو بیان کیا گیا ہے، (۶) تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ الاتقی سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، اتقی اسم تفضیل ہے جس کو عموم معنی (تقی) کیلئے استعمال کرنا اور بدون دلیل یہ معنی مراد لینا غلط ہے کیونکہ اسم تفضیل کی وضع خصوصی معنی اور خصوص فرد کیلئے ہے۔

پھر اس کی خصوصیت اس لئے بھی واضح ہے کہ الاتقی پر الف لام عہد خارجی ہے اور اس کا مرجع معہود فی الخارج ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، دلائل قاہرہ سے جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ آیہء مقدسہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے، جس میں واضح فرمایا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب صحابہ سے افضل ہیں اسی لئے تمام علمائے امت مفسرین ہوں یا محدثین سب نے اس آیہء کریمہ کو بالاجماع افضلیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر دلیل قطعی کے طور پر نقل کیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ افضلیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قطعی ہونے پر آیہء کریمہ برھان قاطع اور دلیل ساطع ہے، اسی لئے محدث ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے حضرت ابوبکر صدیق، اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی افضلیت میں وارد ہونے والی متعارض اخبار آحاد کا تحقیقی جائزہ اور ناقدانہ موازنہ کرنے کے بعد فرمایا کہ :

"ولک ان تقول ان افضلیۃ ابی بکر ثبتت بالقطع حتی عند غیر الاشعری ایضاً"

ترجمہ : تم بالا خوف وخطر کہہ دو کہ افضلیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دلیل قطعی سے ثابت ہے جو دلیل اشاعرہ اور غیر اشاعرہ شیعہ اور روافض کے نزدیک بھی مسلمات میں سے ہے، امام رحمہ اللہ نے یہ فرمایا ہے اہل سنت وجماعت اور شیعہ نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی افضلیت میں جو دلائل دیئے ہیں اگر ان کو اخبار آحاد گردان کر ظنی بھی تسلیم کرلیا جائے تو بھی ہمیں

افضلیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قطعی ہی ماننا پڑے گا کیونکہ:

"لکنا وجدنا السلف فضلوھم کذالک وحسن ظننا قاض بانھم لو لم یطلعوا علی دلیل فی ذالک لما اطبقوا علیہ فلزمنا اتباعھم فیہ" (الصواعق المحرقہ، ۶۰)

ترجمہ: لیکن ہم نے اپنے اسلاف کو پایا ہے کہ انہوں ترتیب خلافت کے مطابق ہی خلفائے اربعہ کو افضل قرار دیا ہے، اور ان کے بارے میں ہمارے حسن ظن کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر وہ دلیل قطعی پر مطلع نہ ہوتے تو افضلیت پر اتفاق نہ کرتے، افضلیت کے مسئلہ میں ہم پر ان کی اتباع لازم ہے اور یہی ہے کہ جمہور کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت قطعی ہے، ان حقائق کی روشنی میں سید صاحب کا اجماع امت کے قول قطعی کو مفروضہ کہنا غلط ثابت ہوا، اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ سید صاحب نے محدث ابن حجر مکی رحمہ اللہ کے موازنہ دلائل کے ضمن میں جو احتمال اور سوال ہو سکتا تھا وہ نقل کر دیا کہ امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ کا آخری فیصلہ اور عقیدہ یہ ہے جبکہ یہ صرف احتمال اور سوال کی حد تک تھا اس کا جواب اور امام موصوف کا عقیدہ اگلے صفحہ پر لکنا سے شروع ہو رہا ہے، تعجب اس بات پر ہے کہ سید صاحب نے پہلے تحریر فرمایا کہ کچھ لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع نقل کر کے آپ کی افضلیت کو حتمی اور قطعی شکل دینے کی کوشش کی ہے، جس جس نے نیک نیتی سے یہ کوشش کی ہے خدا کریم اس کو جزائے خیر عطا فرمائے، کیونکہ ہم لوگ بھی افضلیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عقیدہ رکھتے ہیں، لہذا چشم ماروشن دل ماشاد، پھر فرمایا مگر کسی بھی مفروضے کی حمایت کرنا ہمارے لئے مشکل ہے افضلیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مذہب جمہور ہے، جو کہ اسلام میں کوئی قانون ساز ادارہ نہیں ہے لہذا اس پر کسی بھی قطعیت کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی، (زبدۃ ص ۲۲) سید صاحب کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ انہوں نے پہلے یہ تسلیم کیا کہ جن جن آئمہ امت نے اجماع سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو قطعی کہا اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، جزائے خیر اسی لئے عطا فرمائے کہ انہوں نے ایک حق کو ثابت کرنے کیلئے سعیء جمیلہ کی ہے اور وہ حق کیا ہے؟ افضلیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قطعی ہے اس پر خوشی کا اظہار بھی فرمایا کہ چشم ماروشن دل ماشاد، پھر تائید اور

توثیق کرتے ہوئے فرمایا کیونکہ ہم لوگ بھی افضلیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عقیدہ رکھتے ہیں ،اور آخر میں فرمایا مگر کسی بھی مفروضے کی حمایت کرنا ہمارے لئے مشکل ہے ،سید صاحب نے پہلے اجماع سے ثابت ہونے والی افضلیت قطعیہ کو تسلیم کیا اور الفاظ ترحم اور جزا بھی نقل کر دی ،اپنا عقیدہ بھی یہی بتایا مگر بعد میں اس عقیدہ اجماعیہ کو مفروضہ قرار دیا تحقیق توازن اور علمی دنیا میں امت مسلمہ کے اس اجماعی عقیدہ کو مفروضہ تسلیم کرنا مشکل ہے اور سید صاحب کے بدلتے ہوئے موقف کو درست تسلیم کرنا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے ،اگر افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مفروضہ ہے تو پوری امت کا اجماع غلط اور شاہ صاحب کا موقف درست ماننا پڑے گا ،جب کہ شاہ صاحب کے موقف کو درست ماننا محال شرعی اور محال عقلی ہے ،محال شرعی اس لئے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ان اللہ لا یجمع امتی او قال امۃ محمد علی ضلالۃ ویداللہ علی الجماعۃ الحدیث ترمذی"

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ میری امت کو یا شک راوی کی بنا پر امت محمد علیہ الصلوۃ والتسلیم کو گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا ثابت ہوا کہ امر ضلالۃ پر امت محمدیہ کا اجماع ہونا ناممکن ہے بقول سید صاحب اگر امت محمدیہ نے ایک غلط یا فرضی عقیدہ پر اجماع کر لیا ہے قرآن وحدیث جس کی تائید اور توثیق نہیں کرتے تو یہ اجماع جعلی فرضی اختراعی اور امر ضلالت ہوگا ،اور امر ضلالت پر پوری امت کا اجماع بالتفصیل متحقق ہوگا ،اور اس نوعیت اور اس کیفیت کا اجماع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے کذب کو مستلزم ہوگا فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کذب سے متصف ہونا محال شرعی اور محال عقلی ہے یہ محال شرعی کس سے لازم آیا ،کہ افضلیت ابو بکر یا افضلیت قطعیہ کو مفروضہ تسلیم کرنے سے اور قانون یہ ہے کہ جس سے امر محال لازم آئے وہ امر خود محال باطل اور غلط ہوتا ہے لہذا سید صاحب کا افضلیت قطعیہ کو مفروضہ قرار دینا غلط باطل اور محال شرعی ہے ،ابو بکر باقلانی کی تقلید میں رائے جمہور اور اجماع امت کو علم ودانش تحقیق وتجزیہ اور ثبوت سے تہی دامن کرنے سے پہلے "اتبعوا السواد الاعظم" کو ضرور دیکھ لینا چاہیے تھا ،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرقہ بندی کی اتباع وتقلید سے منع فرمایا اور جمہور کی راہ

اپنانے کا حکم دیا ہے، امت کی اجتماعی اور تحقیقی رائے حجت ہے، اور حق ہے، ملا علی قاری اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں، "قال المظهر في الحديث دليل على حقية اجماع الامت" ترجمہ: "مظہر نے فرمایا کہ یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ اجماع امت حق ہے پھر فرمایا:" فالحديث يدل على ان اجتماع المسلمين حق المراد اجماع العلماء ولا عبرة باجماع العوام لانه لا يكون عن علم" ترجمہ: یہ حدیث پاک دلالت کرتی ہے کہ مسلمانوں کا اجماع حق ہے اور اجماع امت سے مراد علمائے امت کا اجماع ہے، عوام مسلمانوں کا اجماع مراد نہیں کیونکہ عوام مسلمانوں کا اجتماع اور اجماع علم و تحقیق کے بغیر ہوتا ہے۔ (مرقات، ۱، ص ۲۴۹)

ثابت ہوا علمائے امت کا اجماع حق اور حجت شرعیہ ہے، امام ابن حجر ہیثمی مکی فرماتے ہیں کہ علمائے امت جس امر پر اجماع کر لیں اس کا ماننا، اس پر عمل کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے، فرمایا: "قلت الاجماع حجة على كل احد وان لم يعرف مستنده لان الله عصم هذه الامة من ان تجتمع على ضلالة الخ" ترجمہ: میں کہتا ہوں اجماع امت حجۃ شرعیہ ہے اور ہر ایک کیلئے تسلیم کرنا واجب ہے اگر چہ یہ معلوم نہ ہو کہ اجماع کس سند کی وجہ سے ہوا ہے، اس لئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس امت (علمائے امت) کو گمراہی پر جمع ہونے سے محفوظ فرمایا ہوا ہے۔ (الصواعق المحرقہ، ۵۹)

دور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے لے کر آج تک ہر دور کے علماء نے افضلیت ابو بکر صدیق کے قطعی ہونے پر اجماع کیا ہے، بقول سید صاحب اگر افضلیت قطعی ایک مفروضہ ہے اور پوری امت نے اس پر اجماع کیا ہے تو قابل غور امر یہ ہے کہ یہ مفروضہ (افضلیت قطعی)

خطاء، یا امر ضلالۃ ہوگا، ہر دو صورتوں میں لازم آئے گا کہ امت کے جمیع افراد نے خطاء پر اتفاق کیا ہو اور معصیت کا ارتکاب کیا ہو یہ غلط فاحش ہے کیونکہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجماع علی الضلالۃ سے اس امت کے تحفظ کی ضمانت دے رکھی ہے، اس کے باوجود اگر امت نے مفروضے پر اجماع کر لیا ہے تو ضمانت تحفظ کا حکم کہاں گیا؟ پھر بھی اگر مسلمان کہلواتے ہوئے کہا جائے کہ افضلیت قطعی کا اجماعی عقیدہ مفروضہ ہے تو اس کے متعلق کچھ کہنے یا لکھنے کی ضرورت نہیں افضلیت قطعیہ کا عقیدہ اگر جعلی

فرضی، اختراعی یا بے بنیاد ہوتا تو صدیوں سے اس عقیدہ کو پذیرائی نہ ملتی، صدیوں تک زندہ اور تابندہ نہ رہتا، اشاعت وفروغ کے سلسلہ میں تائید ایزدی، سے منور اور غلبہ وشوکت سے مشرف اور ید اللہ علی الجماعۃ کی قوت سے مسلح نہ ہوتا،، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ید اللہ علی الجماعۃ کی شرح میں فرمایا:

''کنایة عن النصرة، والغلبة والحفظ والرحمة او معناه احسانه وتوفيقه لاستنباط الاحكام والاطلاع على ما كان عليه رسول الله ﷺ واصحابه من الاعتقاد والعمل''

ترجمہ: يدالله على الجماعة سے مراد نصرت الٰہی اور غلبہ ہے یا اس سے مراد عقیدہ جمہور اجماع امت کی حفاظت اور اہل اجماع پر نزول رحمت ہے، یا اس کا معنی احسان الٰہی اور توفیق رفیق ہے جو اللہ تعالیٰ علمائے امت کو غیر منصوص علیہا احکام کے استنباط کیلئے عطا فرماتا ہے اور ان امور پر مطلع فرماتا ہے جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کا عقیدہ اور عمل تھا معلوم ہوا اجماع امت ہو یا سواد اعظم (جمہور) وہ خوش بخت اور بلند نصیب مسلمانوں کا گروہ ہے ہر لحہ نصرت الٰہی جس کا مقدر ہے اور طوفان بدعقیدگی پر ہمیشہ اس کا قول اور عمل غالب رہا ہے کیونکہ یہی وہ مقدس لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کے قول وفعل کے ترجمان اور مبلغ ہیں، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ پاک سے لے کر آج تک چشم فلک نے کئی حادثات، کئی واقعات اور کئی رنگ دیکھے، انسانیت کے عروج وزوال کا مشاہدہ کیا، کائنات کے بدلتے تیور، اور نشیب وفراز دیکھے، تخت وبخت کے دروس عبرت ملاحظہ کئے، کل یوم ھوفی شان کے مناظر دیکھے، مگر ہر دور میں افضلیت ابوبکر صدیق کے شمس کو مخالفت ومخاصمت کی اوٹ میں ڈوبتے نہیں بلکہ حقانیت اور صداقت کے نصف النہار میں درخشندہ اور تابندہ ہی دیکھا، جس کی روشنی آج بھی افریقہ کے صحراؤں، یورپ کے دریاؤں، ایران کے سبزہ زاروں، روس کے مرغزاروں، چین کے بازاروں اور ہندوستان کے پہاڑوں کو منور کر رہی ہے،، پوری دنیائے اسلام کا بے لاگ سروے اور بے باک موازنہ کرنے سے یہی حقیقت ثابت ہے کہ انبیاء اور رسولوں کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انسانیت کے ہیرو ہیں، عظمت وافضلیت کے اس اوج کمال پر براجمان ہیں، جہاں عقل انسانی ورطہ حیرت میں ڈوب جاتی ہے،،

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اتبعوا السواد الاعظم سواد اعظم کی پیروی کرو، ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا: "یعبربه عن الجماعة الکثیرة والمراد ماعلیه اکثر المسلمین وهذافی اصول الاعتقاد کارکان الاسلام" سواد اعظم جماعت کثیرہ کا نام ہے اور سواد اعظم سے مراد وہ امر ہے جس پر مسلمانوں کی اکثریت ہو، اور یہ اتباع اصول اعتقادیات میں ہے جیسے اسلام کے بنیادی ارکان ، یعنی اسلام کے بنیادی ارکان میں بھی مسلمانوں کی جماعت کثیرہ کی پیروی کرو، حالانکہ ان ارکان اسلام کا ثبوت قرآن وسنت میں موجود ہے لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کو اصولیات میں بھی جماعت کثیرہ کا عقیدہ اپنانے کا حکم دیا گیا ہے۔

جس طرح اسلام کے بنیادی اصولوں میں جمہور مسلمانوں کے نقش قدم پر چلنے کا حکم ہے اسی طرح اسلام کے وہ بنیادی امور جن پر نظام خلافت اور اصول امارت کا دارومدار ہے ان میں بھی جمہور مسلمانوں کے اعتقادات کو اپنانے کی تلقین کی گئی اور حکم دیا گیا ہے اگر جمہور اہل سنت (سواد اعظم) کے وجود اس کی تحقیقات اور استنباط کی اہمیت نہ ہوتی تو رسول اللہ ﷺ ان کی پیروی کا حکم کیوں دیتے؟ اور یہ سند کیوں جاری کی جاتی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر وہ عمل اور ہر وہ فیصلہ حسن اور محبوب ہے جس پر مسلمانوں کی جماعت کثیرہ کاربند ہو اور ان کی اجماعی سوچ وفکر کی اس پر چھاپ ہو، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پاک ہے: "ماراہ المسلمون حسنا فهو عند الله حسن" (ردالمختار، ۱، ص ۳۸۹) تو گویا اللہ تعالیٰ جمہور (سواد اعظم) کی جمہوری کاوشوں ، جمہوری افکار ونظریات کو ہی اپنا حق قرار دے کر اپنی رضا اور قضاء قرار دیتا ہے، سوال یہ ہے کہ حسن وقبح شرعی امور میں سے نہیں؟ ان عمل درآمد تقاضائے شریعت نہیں، کسی امر کے قبیح یا حسن ہونے کیلئے دلیل کی ضرورت نہیں؟ اس دلیل کا ماخذ کیا ہے؟ قرآن وسنت یا اجماع اگر دلیل قرآن وسنت میں سے میسر نہ ہو تو پھر اس کے قبح وحسن کی تمیز اور فرق کیلئے کس طریق استدلال کی ضرورت ہے؟ لامحالہ اجماع امت یا اس کے تابع سواد اعظم کا سہارا لینا پڑے گا اور جو فیصلہ ان کی تحقیقات اور تبحر علمی کی گہرائیوں سے نکل کر منصہ شہود پر جلوہ گر ہوگا وہی مانند العمل اور واجب التسلیم ہوگا، جمہور (سواد اعظم) شریعت میں

قانون ساز ادارہ نہ ہوتا تو غیر منصوص علیہا امور کے حسن و قبح کو معلوم کرنے اور ان پر مہر تصدیق ثبت کرنے، نافذ العمل ہونے کیلئے تائید و توثیق کے اختیارات تفویض نہ کیے جاتے،، اللہ تعالیٰ نے سواد اعظم کے اتباع کو لازم قرار دیتے ہوئے فرمایا: "ویتبع غیر سبیل المومنین نوله ماتولی ونصلیه جهنم وسآء ت مصیرا" جو شخص مومنین (جماعت کثیرہ، سواد اعظم) کی راہ کے علاوہ کوئی اور راستہ تلاش کرے، اسی راہ پر چلنے کا بدلہ دیا جائے گا اور ہم اس کو دوزخ میں داخل کریں گے، جو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے، آیہء کریمہ کی توضیح اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ من شذ، شذ فی النار معلوم ہوا سواد اعظم کے قول اور عمل کی مخالفت گمراہی، اور بے دینی ہے جس کا انجام دوزخ ہے سواد اعظم (جمہور) کی رائے اس کے وجود اس کی شرعی اہمیت اور دینی حیثیت کا انکار کرنا دلیل شرعی کی اساسی حیثیت کا انکار ہے جو قرآن و حدیث کی روشنی میں ضلالہ صریحہ ہے، علامہ سعد الدین التفتازانی نے سواد اعظم کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

"السواد الاعظم عامة المسلمین ممن هو اهل السنة والجماعة ، سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے عام مسلمان ہیں، یعنی اہل سنت و جماعت کی جماعت کثیرہ کا نام سواد اعظم ہے، ان کی پہچان اور علامت کے بارے میں فرمایا: "هم الذین طریقتهم طریق الرسول علیه السلام دون المبتدع (التوضیح) سواد اعظم سے مراد اہل سنت و جماعت کی وہ کثیر جماعت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر گامزن ہو، بدعت کی مرتکب نہ ہو، دین کی فروعات میں سواد اعظم کا قول حجت شرعیہ اور واجب العمل ہے، اگر قول جمہور حجت شرعیہ نہ ہو اور اس پر عمل کرنا واجب نہ ہو تو پھر ماراہ المسلمون حسنا فهو عند الله حسن ہے کس امر کے حسن ہونے کی ضمانت دی گئی ہے؟ لامحالہ وہ امر حسن عنداللہ اسی لئے ہے کہ علماء کی جماعت کثیرہ نے اللہ کے دیئے ہوئے علم راسخ سے افادہ مومنین کیلئے ایک قانون ایک اصول اور ایک ضابطہ کی صورت میں مستنبط اور مرتب کیا ہے،، سید صاحب کا یہ کہنا درست ہے کہ جمہور قانون ساز ادارہ نہیں، کیونکہ سیاسی اور پارلیمانی ڈکشنری میں قانون ساز دو ہی ادارے ہوتے ہیں، (۱) نیشنل اسمبلی (۲) سینٹ

یہ دونوں ادارے دنیاوی اموراور تعمیر و ترقی کے حوالے سے منصوبے تشکیل دیتے اوران کی تکمیل کیلئے قانون وضع کرتے ہیں، اسمبلی اور سینٹ کے ممبران کن کن خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں محتاج بیان نہیں لیکن سواد اعظم، (جمہور) جو دین کے فروعی مسائل کے حل میں قرآن و حدیث کی گہرائیوں میں اتر کر نور ایمان اور تقوی کی روشنی میں امت مسلمہ کے افادہ کیلئے دماغ سوزی کرتے ہیں، اور ایک موڑ پران کی آراء اور تحقیقات باہم متحد اور متفق ہو جاتی ہیں تو ان کی یہ اجتماعی کاوش قانون بن کر نور حسن سے عنداللہ مزین اور مشرف ہو جاتی ہے، قول جمہور اور حکم جمہور اجماع امت، قرآن اور حدیث کی کوکھ سے جنم لیتا ہے ان ادلہ ثلثہ شرعیہ کا امین اور علمبردار ہو کر حجت شرعیہ کہلاتا ہے جو بلا شبہ ایک قانون شرعی ہے، اگر سواد اعظم، (قول جمہور) کا استنباط، اور تخریج احکام عندالشرع قانون سازی نہ ہوتی تو ید اللہ علی الجماعۃ کا اعلان تحسین فرمایا جاتا نہ تاج تفاخران کے سر پر رکھا جاتا اگر جمہور کو قانون ساز ادارہ تسلیم نہ کیا جائے تو دین کے تمام فروعی مسائل کا خون ہو جائے گا جو صدیوں سے معمول بہا چلے آرہے ہیں، اعتقاد اور عمل کی پوری دنیا اجڑ جائے گی اور ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھر جائے گا۔

مسئلہ زیر بحث یہ تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت ظنی اور اجتہادی ہے سید صاحب نے امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ کی شہرہ آفاق تالیف الصواعق المحرقہ کے ص، ۵۹ سے استشہاد بھی کیا ہے اور اس کا جواب ہم انہی امام ابن حجر مکی کی اسی کتاب کے ص، ۶۰ سے پہلے نقل کر آئے ہیں، مزید تسلی اور تشفی کی خاطر چند ثبوت اور پیش کئے جاتے ہیں، کہ افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قطعی ہے ظنی اور محض اجتہادی نہیں،، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نقل فرماتے ہیں ''عمر و ابوعبیدہ ابن الجراح ہمیں دو کس اند کہ اول با بوبکر صدیق در سقیفہ بیعت نمودہ، بعد ازاں دیگراں، و ہر دو دراں وقت در حق ابوبکر گفتہ اند کہ انت خیرنا وافضلنا'' ترجمہ: تو بہترین ما ہستی و بزرگ ترین و ایں کلمہ ایشان را جمیع حاضران از مہاجرین و انصار انکار نہ کردہ بلکہ مسلم داشتہ پس خیریت و افضلیت ابوبکر نزد جمیع صحابہ مسلم الثبوت و قطعی بود،، (تحفہ اثنا عشریہ، ص ۲۷۱)

ترجمہ: سقیفہ بنی ساعدہ میں سب سے پہلے بیعت کرنے والے حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ بن

الجراح رضی اللہ عنہما تھے، اور اسی وقت حضرت ابو بکر صدیق کی شان میں انت خیرنا و افضلنا کے الفاظ کہے یعنی آپ ہم سب سے افضل یعنی بزرگ ہیں، یہ کلمات وہاں موجود انصار و مہاجرین کے پورے مجمع نے سنے اور تردید نہیں کی بلکہ پورے مجمع نے تسلیم کئے پس ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خیریت اور افضلیت ثابت، مسلم، اور قطعی تھی۔

امام ابن حجر مکی فرماتے ہیں:

"وقد اجمعوا ایضا علی استحقاقھم الخلافة علی ھذا الترتیب لکن ھذاقطعی کما مر بادلته مبسوطا" (الصواعق المحرقه، ۵۹) تمام امت کا اجماع ہے کہ اسی ترتیب پر ان کا استحقاق خلافت تھا لیکن یہ ترتیب خلافت قطعی ہے دلائل کے ساتھ اس کی تفصیل پہلے آ چکی ہے، تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ خلفائے اربعہ کی افضلیت قطعی ہے اور وہ ترتیب خلافت کے لحاظ سے ہے اس سے ثابت ہوا کہ افضلیت ابو بکر صدیق قطعی ہے ظنی نہیں،

محدث ابن حجر مکی علیہ الرحمہ نے نقل فرمایا کہ "تعلم مماقررناه اجماع الصحابة ومن بعدھم علی حقیة خلافة الصدیق وانه اھل لھا وذالک کاف لولم یرد نص علیه بل الاجماع اقوی من النصوص التی لم تتواتر لان مفاده قطعی ومفادھا ظنی (الصواعق المحرقه، ۱۰۶)

ترجمہ: اس سے قبل تجزیہ دلائل کی جو تقریر ہم کر چکے ہیں کہ صحابہ کرام تابعین آئمہ مجتہدین جمہور علمائے اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق ہے اور آپ ہی اس کے اہل تھے، اگر خلافت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حقانیت اور اہلیت پر نص وارد نہ بھی ہو تب بھی یہ افضلیت قطعیہ کیلئے کافی تھا، کیونکہ اجماع کا حکم قطعی ہے اور نصوص احادہ غیر متواترہ کا مفاد ظنی ہے سید صاحب نے محدث ابن حجر کی تحریر کو نہیں سمجھا غور کیے بغیر یہ لکھ دیا کہ افضلیت کو ظنی کہہ کر قطعیت کو پاکیزہ پانی میں دھو ڈالا، (زبدۃ، ۲۳)

امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ نقل فرماتے ہیں وما اخرج ابن سعد عن علی ایضا قال قال علی لما قبض النبی ﷺ نظرنا فی امرنا فوجد النبی ﷺ قد قدم ابابکر فی الصلوة فرضینا

لدنیانامارضیه النبی ﷺ لدیننا فقد منا ابابکر ''(الصواعق المحرقه ،۲۷)

ترجمہ: ابن سعد نے حضرت علی سے اس حدیث کی تخریج کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا تو ہم نے اپنے معاملہ میں غور و فکر کیا (خلافت کے حقدار ہم ہیں یا ابو بکر) تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہم پر مقدم فرمایا تھا، پس جب رسول اللہ ﷺ نے ہمارے دین کیلئے پسند فرمایا تو ہم نے دنیا کیلئے بھی پسند کرتے ہوئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلافت کیلئے مقدم کیا ہے ۔اس مضمون کی بہت ساری احادیث پہلے نقل ہو چکی ہیں ،لیکن اس حدیث کی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود اپنی زبان مبارک سے وہ افضلیت بیان کر رہے ہیں اور اعتراف بھی کر رہے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاصل تھی ،اور پھر اسی حاصل شدہ افضلیت کو بنیاد بنا کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ تسلیم کیا ،اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی ،اگر افضلیت ظنی یا عارضی ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کبھی خلیفہ تسلیم کرتے نہ بیعت کرتے ،اور یہ قول آپ کے دل کی آواز اور مبنی بر حقیقت ہے یہ تقیہ یا نعوذ باللہ جھوٹ پر مبنی نہ تھا کیونکہ شیعہ مذہب میں امام وقت معصوم ہوتا ہے جھوٹ وغیرہ کا صدور اس سے ناممکن ہے ،حضرت علی رضی اللہ عنہ تو سید الآئمہ ہیں ،ان کے متعلق تو جھوٹ یا تقیہ کا تصور کرنا بھی محال ہے ،لہذا جو لوگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو ظنی کہتے ہیں وہ غلط ہیں ،کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بزبان خود انہیں خیر الناس بعد النبی ﷺ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنهما فرمایا ہے۔(بخاری ،بروایت محمد بن الحنفیہ)

علامہ بدر الدین العینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :''وفی روایت الترمذی کنا نقول ورسول الله ﷺ حی ابوبکر ،عمر ،عثمان ''ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہم کہا کرتے تھے رسول اللہ ﷺ کے بعد ابو بکر صدیق افضل ہیں ،اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ،اور ان کے بعد حضرت عثمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین افضل ہیں پھر فرمایا'' ورواه الطبرانی

بلفظ کنا نقول رسول اللہ ﷺ حی افضل ھذہ الامۃ ابو بکر و عمر و عثمان یسمع ذالک رسول اللہ ﷺ فلاینکرہ" ترجمہ: محدث طبرانی نے اس حدیث کوان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہم کہا کرتے کہ اس امت کے سب سے افضل انسان ابو بکر ہیں ان کے بعد عمر اور ان کے بعد عثمان ہیں،،

رسول اللہ ﷺ سماعت فرماتے اور اس کا (افضلیت) انکار نہیں فرماتے تھے صاف معلوم ہوا کہ ابو بکر صدیق کی افضلیت کا قطعی ہونا رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مسلم تھا، اور صحابہ کا اجماعی عقیدہ تھا اگر افضلیت قطعی نہ ہوتی تو رسول اللہ ﷺ صحابہ کی بیان کردہ درجہ بندی کو رد فرما دیتے آپ کا رد نہ فرمانا اور انکار نہ کرنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ قطعی ہے ظنی نہیں ،علماء اس حدیث کے بعد فرماتے ہیں'' وعلی ھذا اھل السنۃ والجماعۃ "(عمدۃ القاری ،۱۶، ص۱۷۷) اہل سنت وجماعت کا بھی یہی عقیدہ ہے۔

باقلانی صاحب اگر اس کے خلاف اپنی ذاتی اور انفرادی رائے رکھتے ہیں تو ان کو مبارک ہو اگر سید صاحب باقلانی کی رائے کو دلیل قطعی گردان کر اجماع امت اور عقیدہ جمہور کو مفروضات کہتے ہیں تو کہتے رہیں اس سے افضلیت کی قطعیت متاثر ہوتی ہے نہ ظنی میں تبدیلی ہوتی ہے،

محبّ الدین الطبری نے نقل فرمایا:

''وقد رای اصحاب رسول اللہ ﷺ جمیعا ان یستخلفوا ابابکر رضی اللہ عنہ خارجہ ابن السری، وھذا من اقوی الادلۃ علی خلافتہ رضی اللہ عنہ فان الاجماع قطعی"

(الریاض النضرۃ، ۱، ص ۲۲۰)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے جمیع صحابہ کی رائے یہ تھی کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا جائے محبّ الطبری فرماتے ہیں ابو بکر صدیق کی خلافت کی صحت پر جتنی دلیلیں ہیں ان تمام دلیلوں میں یہ سب سے قوی دلیل ہے کیونکہ اس پر تمام صحابہ کا اجماع ہے اور یہ اجماع قطعی ہے علم کی دنیا میں ایسا ممکن ہے کہ اجماع قطعی کو اجماع ظنی کا درجہ دیا جائے؟

یا اجماع تو قطعی ہو مگر مفید ظن ہو، ماننا پڑے گا کہ جس طرح اجماع قطعی تھا اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق کی افضلیت بھی قطعی تھی، اگر قطعی نہ ہوتی تو تمام صحابہ کا اجماع قطعی کیسے ہوتا؟ الشیخ عبدالوہاب الشعرانی رحمہ اللہ نے فرمایا: "وقال الشیخ تقی الدین بن ابی المنصور فی عقیدته ویعتقدان ابابکر رضی الله عنه افضل من سائر الامة المحمدیة وسائر الانبیاء، واصحابهم لانه کان ملازما لرسول الله ﷺ بالصدیقیة لزوم الظل للشاخص حتی فی میثاق الانبیاء ولذالک کان اول من صدق رسول الله ﷺ" (الیوقت والجواهر، ۴۳۸)

ترجمہ: شیخ تقی الدین بن ابی المنصور رحمہ اللہ نے اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا یہ عقیدہ رکھا جائے گا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ساری امت محمدیہ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں سے بھی افضل ہیں اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے تمام صحابہ سے بھی افضل ہیں اس لئے کہ ان کی صدیقیت کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تلازم رہا ہے، جس طرح سائے کا شجر کے ساتھ تلازم ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صدیقیت کا تلازم اس وقت بھی موجود تھا جب روز میثاق انبیاء کرام سے رسول اللہ ﷺ اللہ پر ایمان لانے اور ان کی نصرت کرنے کا عہد لیا گیا تھا، اگر ذات رسول اللہ ﷺ سے صدیقیت کا تلازم نہ ہوتا تو آپ نبی کریم ﷺ کی تصدیق کرنے والوں میں اول نہ ہوتے، یعنی ذات صدیق ذات رسول اللہ ﷺ کیلئے سائے کی مانند تھی جس طرح ایک وجود کو سایہ لازم ہوتا ہے کبھی بھی اور کسی بھی جگہ اس سے جدا نہیں ہوتا ساتھ ہی رہتا ہے اسی طرح ذات رسول اللہ ﷺ کیلئے صدیقیت لازم فرد کی طرح آپ کے ساتھ رہی، ماننا پڑیگا جس طرح ذات رسول ﷺ سب سے اول سب سے افضل ہے اسی طرح ذات صدیق بھی وصف صدیقیت میں بے مثل بے مثال سب سے مقدم اور سب سے افضل ہے سید صاحب نے نقل کیا کہ امام ابن حجر مکی نے جملہ دلائل افضلیت کی انتہا ظن پر کر دی اور ثابت کر دیا کہ افضلیت پر اجماع ہرگز نہیں ہوا اگر اجماع نصی تام ہوا ہوتا افضلیت ظنی ہرگز نہ ہوتی، (زبدۃ، ۲۵)

اس کا جواب دلائل قاہرہ سے پہلے دیا جا چکا ہے دہرانے کی ضرورت نہیں مزید تحریر کیا کہ حضرت امام

ابن حجر مکی نے اپنی اس پیش کردہ عبارت میں سید شریف جرجانی متوفی ۸۱۶ھ کی شرح مواقف جلد ۸، ص ۴۰۴ کی پیش کردہ عبارت کا خلاصہ بڑی جمعیت کے ساتھ پیش فرمایا،

﴿1﴾ ایک تو پیش کردہ عبارت میں اس امر کی وضاحت فرما دی کہ موازنہ صرف جناب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے درمیان منعقد ہوا کوئی تیسری شخصیت مفاضلہ ایک دوسرے سے افضل ہونے میں موضوع گفتگو نہیں بنی، جواباً کہا جائے گا کہ سید صاحب نے حضرت امام ابن حجر مکی کی تحقیق کا پوری طرح مطالعہ کیا نہ جائزہ لیا، حضرت امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ترتیب خلافت افضلیت قطعیہ کی دلیل نہیں، کیونکہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی افضلیت میں اختلاف ہے "قلت امابین عثمان وعلی فواضح للخلاف فیہ کما تقدم، واما بین ابی بکر ثم عمر ثم غیرھما فھو ان اجمعوا علیہ، الا ان فی کون الاجماع حجۃ قطعیۃ خلاف "ترجمہ: میں کہتا ہوں حضرت عثمان اور علی رضی اللہ عنہما کی افضلیت میں واضح اختلاف ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے لیکن حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت عثمان، اور حضرت علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی افضلیت پر اگرچہ اجماع قطعی ہے لیکن اس کے باوجود اس میں اختلاف موجود ہے یعنی امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ

﴿1﴾ خلفائے اربعہ کی افضلیت قطعی ہے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی افضلیت میں اختلاف ہے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت میں اختلاف ہے نہ قطعیت میں فرق۔

﴿2﴾ امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ کے نزدیک اختلاف ہونے کے باوجود افضلیت حجۃ قطعیہ ہے کیونکہ حضرت امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے فرمایا:

﴿3﴾ فالذی علیہ الاکثرون انہ حجۃ قطعیہ مطلقا، وہ امر جس پر اکثر امت کا اجماع ہو مطلقاً حجت قطعیہ ہے یعنی یہ نہیں کہ اجماع نصی تام مفید قطعیت ہے اور اجماع سکوتی مفید ظنیت ہے جیسا کہ سید صاحب اور ان کے امام باقلانی کا مذہب ہے

﴿4﴾ پھر فرمایا فالحق فی ذالک التفضیل فما اتفق علیه المعتبرون حجة قطعية
"اس سارے تفصیل میں حق یہ ہے کہ جس امر پر معتبران امت (جمہور) متفق ہوں وہ امر حجت قطعیہ ہے۔

﴿5﴾ وما اختلفوا کالاجماع السکوتی، ولاجماع الذی یرد مخالفة فهو ظنی
"ترجمہ: اور جس امر میں معتبران امت (جمہور) مخالفت کریں، جیسے اجماع سکوتی اور وہ اجماع جس کا کوئی مخالف ہو، یہ ظنی ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز پر جمہور کا اتفاق نہ ہو بلکہ اس کی مخالفت کریں، تو وہ چیز مفید قطع نہ ہوگی بلکہ مفید ظن ہوگی، جیسے اجماع سکوتی، جمہور بحث وتمحیص نہ کریں، تردید و تائید بھی نہ کریں خاموشی اختیار کریں، چپ سادھ لیں تو ان کا یہ طرز عمل ظن ہوگا، اور پھر اسی طرح وہ اجماع جس کا کوئی مخالف ہو یا اس کے خلاف کوئی معارض ہو وہ بھی مفید ظن ہے ظن کا فائدہ دینے والے صرف یہی دو قسم کے اجماع ہیں۔

لیکن یہی امام ابن حجر مکی فرماتے ہیں: "وقدعلمت مما قررته لک ان هذاالاجماع له مخالف نادر فهو ان لم نعتدبه فی الاجماع علی مافیه من الخلاف فی محله لکنه یورث انحطاطه عن الاجماع الذی لا مخالف له فالاول ظنی، وهذا قطعی"
ترجمہ: اس سے قبل تمہارے لئے اس موضوع پر جو تقریر میں نے کی ہے اس سے تجھے اس بات کا علم ہو گیا ہوگا کہ اجماع قطعی کی مخالفت شاذ و نادر ہے اور اجماع کی قطعیت میں وہ مخالفت غیر معتبر ہے اور اس کے قابل اعتبار ہونے یا نہ ہونے میں بھی اپنی جگہ اختلاف پایا گیا ہے یہ اختلاف اس اجماع کو اس اجماع کے برابر قرار نہیں دیتا جس کا کوئی ایک بھی مخالف نہ ہو، پہلا اجماع جو سکوتی ہو یا اس اجماع کی مخالفت کی گئی ہو ظنی ہے اور یہ آخر الذکر اجماع جس کی شاذ و نادر طور پر مخالفت کی گئی قطعی ہے ظنی نہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر جو اجماع ہوا نہ وہ سکوتی تھا اور نہ ہی اس کی مخالفت میں کوئی امیدوار سامنے آیا، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ انصار و مہاجرین کے مکالمے، بحث

وتکرار سے قبل امیدوار تھے، مگر جب حضرت عمر نے دلیل پیش کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تمام انصار و مہاجرین سے مقدم کیا تو تم میں سے کس کا دل خوش ہوگا کہ ان کو پیچھے کر دیا جائے اور خود آگے بڑھ جائے، اس پر حضرت سعد بن عبادہ بھی خاموش ہو گئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم کرلیا، حضرت امام محدث ابن حجر مکی کی تفصیل اور تحقیق کے بعد سید صاحب کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ امام موصوف نے افضلیت پر منعقدہ اجماع کو ظنی قرار دیا نہ اجماع سکوتی فرمایا، بلکہ واشگاف الفاظ میں افضلیت ابو بکر کو قطعی فرمایا اور اس پر منعقد ہونے والے اجماع کو مفید ظن نہیں بلکہ قطعی، اور حجۃ قطعیہ فرمایا اور بار بار فرمایا، امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا: ”وبھذا یترجح ماقاله غیر الاشعری من ان الاجماع هنا ظنی لانه الائق مماقررناه من ان الحق عند الاصولین التفصیل المذکور وکان الاشعری من الاکثرین القائلین بانه قطعی مطلقاً“

ترجمہ: اشاعرہ کے علاوہ جو لوگ بھی ہیں وہ اس اجماع ظنی کو ترجیح دیتے ہوئے کہتے ہیں افضلیت کے مسئلہ میں اجماع ظنی ہے اور اجماع قطعی کے بارے میں جو تقریر ہم نے کی ہے اس کے مطابق علمائے اصولین کے نزدیک مذکورہ بالا تفصیل ہی حق ہے، یعنی اجماع سکوتی اور اجماع مختلف فیہ مفید ظن ہیں، اور وہ اجماع جو نصی تام ہو اور اس کے مخالف کوئی نہ ہو وہ اجماع حجت قطعیہ ہے، امام ابو الحسن اشعری علمائے اصول کی اس جماعت کثیرہ سے ہیں، جو اس بات کے قائل ہیں کہ اجماع حجۃ قطعیہ ہے، امام ابن حجر مکی علیہ الرحمہ نے ہر نوع تحقیق سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر جو اجماع ہے وہ حجۃ قطعیہ ہے مفید ظن نہیں سید صاحب نے زبدۃ ص ۲۵، پر جو کچھ تحریر کیا ہے وہ امام موصوف کا عقیدہ نہیں نہ اجماع قطعی کو اجماع ظنی فرمایا اور نہ ہی عقیدہ جمہور اور اکثر متکلمین کے مذہب سے انحراف کیا ہے، سید صاحب کو امام ابن حجر مکی کی تحقیق اور تفصیل کا ادراک نہیں ہو سکا۔

امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے افضلیت کی تعریف اور اس کی پہچان اور ادراک کے بارے میں نقل فرمایا

”فحقیقة الفضل ماهو فضل عندالله وذالک لا یطلع علیه الا بالوحی، وقدورد الثناء علیهم

ولا یتحقق ادراک حقیقة ذالک الفضل عند عدم دلیل قطعی متناو سنداالالمشاهد لزمن الوحی واحواله علیہ السلام معهم لظهور القرائن الدالة علی التفصیل حینئذ " ترجمہ: فضیلت اللہ کے نزدیک فضل یعنی بزرگی کا نام ہے، اس کا علم اور معرفت وحی کے بغیر ناممکن ہے خلفائے اربعہ کی ثناء کی گئی ہے اس بزرگی، اور شرف کی حقیقت کا ادراک ایسی دلیل جو متن اور سند کے لحاظ سے بھی قطعی ہو کے بغیر ناممکن ہے اس کی حقیقت کا ادراک اس شخص کیلئے ممکن ہے جس نے زمانہ ءوحی کا مشاہدہ کیا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملات صحابہ کے ساتھ دیکھے ہوں قرآن وسنت سے دلائل کثیرہ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت ہے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باہمی تعلقات اور معاملات تمام صحابہ نے بچشم خود ملاحظہ کئے ہیں ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کے سامنے ابو بکر صدیق کے کارنامے، مخلصانہ جذبہ، ایثار و قربانی کے نمونے، ذوق جانثاری، عشق و مودت کی تمثیلات وغیرہ امور بیان فرمائے، دربار الوہیت میں شان عبدیت، اور مقام عبدیت سے بھی صحابہ کو روشناس فرمایا جس سے افضلیت ابو بکر صدیق کا ہر گوشہ جگمگا اٹھا، اور نماز میں اپنی نیابت عطا فرما کر افضلیت ابو بکر کی تکمیل فرمائی جو قطعیت کا روپ دھار گئی اس کی تائید کرتے ہوئے ملا علی قاری نے فرمایا:

"والذی اعتقده وفی دین الله اعتمده ان تفضیل ابی بکر قطعی ،حیث امره صلی اللہ علیہ وسلم بالامامة علی طریق نیابة ،مع ان المعلوم من الدین ان الا ولی بالا مامة افضل وقد کان علی کرم الله وجهه حاضرا فی المدینة و کذا غیره من اکابر الصحابة و عینه علیه الصلوة و السلام لما علم انه افضل الانام فی تلک الایام حتی انه تاخر مرة وتقدم عمر فقال علیه الصلوة و السلام ابی الله و المؤمنون الا ابابکر" وہ امر جو میرا عقیدہ ہے اور دین کے معاملہ میں جس پر میں اعتماد کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت قطعی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نائب بنا کر ان کو امامت کا حکم فرمایا تھا جب کہ دین میں یہ بات معلوم ہے کہ افضل شخص ہی امامت کا اہل ہے، اس وقت حضرت علی اور دیگر صحابہ ءکبار بھی مدینہ طیبہ میں موجود تھے اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو امامت

کیلئے فرمایا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اس وقت ابو بکر سے بہتر کوئی شخص نہیں، یہاں تک کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نماز کیلئے آگے بھی کیا گیا پھر بھی آپ نے فرمایا، ابو بکر صدیق کے علاوہ ہر شخص کا اللہ اور مؤمنین نے انکار کیا ہے۔ پھر نقل فرمایا:

"ولذاقالت الصحابة رضيه ﷺ لديننا اومانرضى به في امر دنيا نا و ذالك حين اجتمعوا في سقيفة بني ساعدة واستقررايهم بعد المشاورة والمنازعة على خلافة ابي بكروا جماع الصحابة حجة قاطعة ،لقوله عليه السلام لا يجتمع امتي على الضلالة وقد بايعه على روس الشهاد" (شرح فقهه اكبر ،٧٦ مطبوعه سعيدى كراچى)

ترجمہ: اسی افضلیت کی وجہ سے صحابہ کرام نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ہمارے دین کیلئے پسند فرمایا تو کیا ان کو اپنی دنیا کیلئے پسند نہ کریں، اور یہ اتفاق اس وقت ہوا جب تمام صحابہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع تھے، باہمی مشاورت، بحث ونزاع کے بعد سب نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق رائے کر لیا، صحابہ کرام کا اجماع، حجت قطعیہ ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی، ببانگ دہل تمام صحابہ نے آپ کی بیعت کی۔

مزید فرمایا: "على ان مخالفة واحدولو كانت ظاهرة لم تخرف اجماع الامة اذغايته انه يدعى المثلية اويزعم الاحقيقة من غيردليل اورده في القضية " (ایضاً)

ترجمہ: اگر ایک شخص ظاہر ہو کر مخالفت کرے پھر بھی اجماع کی قوت میں کوئی دراڑ نہیں آتی اس لئے کہ انتہا یہ ہے کہ وہ شخص مجوزہ شخص کے ساتھ برابری کا دعوی کرتا ہے یا اس کا گمان یہ ہے کہ وہ اس خلافت کا زیادہ حقدار ہے جبکہ اس کے پاس برابری، یا زیادہ حقدار ہونیکی کوئی دلیل بھی نہیں۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی توضیح سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس میں بھی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے افضل تھے، اور اسی بنا پر آپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز میں بھی اپنا نائب تعینات فرمایا تھا، سقیفہ بنی ساعدہ میں بحث وتکرار، مشاورت اور منازعت کے بعد یہ دلیل نیابت ہی تھی جس کے سامنے انصار اور مہاجرین نے سر تسلیم خم کیا، اور اجماع صحابہ

معرض وجود میں آیا، اور پوری امت کیلئے حجۃ قطعیہ قرار پایا،

ملا علی قاری نے فرمایا: خلیفہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ سب سے افضل ہو، اور اس پر اجماع امت ہے ،و اما الخلیفة فلیس لهم ان یولوا الخلافة الا افضلهم وهذا فی الخلفاء خاصة و علیه اجماع الامة "(شرح فقهه اکبر ۲۵)

پھر فرمایا: "ثم اعلم ان جمیع الروافض ،و اکثر المعتزلة یفضلون علیا علی ابی بکر " معلوم ہونا چاہیے کہ تمام روافض اور اکثر معتزلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل مانتے ہیں، جمہور اہل سنت و جماعت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا

:"والصحیح ماعلیه جمهور اهل السنة وهو الظاهر من قول ابی حنیفة علی مارتبه هناوفق مراتب الخلافة " صحیح عقیدہ وہی ہے جس پر جمہور اہل سنت و جماعت کاربند ہیں، اور وہ عقیدہ حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول سے بالکل واضح ہے جیسا کہ انہوں نے خود یہاں (فقہ اکبر) میں ترتیب ذکر کی ہے کہ افضلیت ترتیب خلافت کے لحاظ سے ہے، یعنی افضل الامت حضرت ابوبکر صدیق ہیں اور ان کے بعد حضرت عمر اور ان کے بعد حضرت عثمان اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں،

مزید فرمایا: "وفی شرح العقائد علی هذاالترتیب وجد نا السلف،و انظر انه لولم یکن لهم دلیل هنالک لما حکموا بذالک "(شرح فقهه اکبر ،۷۵،مطبع سعیدی)

ترجمہ: شرح عقائد نسفی میں ہے کہ ہم نے اپنے اسلاف کو اسی ترتیب پر دیکھا ہے، پایا ہے، اور غور کرو کہ اگر ان کے پاس کوئی دلیل قطعی نہ ہوتی تو وہ اس ترتیب کے مطابق افضلیت کا حکم کیوں ارشاد فرماتے:

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقاریر اس امر کی شہادت ہے کہ خلیفہ ہونے کی لازمی شرط یہ ہے کہ وہ اپنے زمانے کے سب لوگوں سے علی الاطلاق افضل ہو، (۲) حضرت امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اسلام میں خلیفہ کی افضلیت ترتیب خلافت پر منحصر ہے، چنانچہ جناب صدیق اکبر امت محمدیہ علیہ التحیۃ والثناء میں پہلے خلیفہ ہیں لہذا وہ سب سے افضل ہیں، (۳) ایک سنی حنفی کیلئے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ

عنہ کی اتباع لازم ہے ان کی اقتداء تقلید میں یہ تسلیم کرنا بھی ضروری ہے کہ افضلیت کا معیار ترتیب خلافت وہ صراط مبین ہے جس پر ہمارے اسلاف چلے ہیں، ان کی مخالفت کرنا گمراہی اور بے دینی ہے،

محدث طبرانی رحمہ اللہ نے الاوسط میں سعد بن زرارہ سے روایت کیا کہ: "قال رسول الله ﷺ ان روح القدس جبریل اخبرنی ان خیر امتک بعدک ابوبکر" (تاریخ الخلفاء، ۳۵)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک روح القدس جبریل علیہ السلام نے مجھے خبر دی ہے کہ آپ کے بعد آپ کی امت کا سب سے بہترین، یعنی سب سے افضل انسان ابوبکر ہیں،

ابوبکر ہی اس افضلیت کے تاجدار ہیں جس کی خبر، روح القدس جبریل امین دے رہے ہیں"

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "الا من سرہ بحبوحۃ الجنۃ فلیلزم الجماعۃ فان الشیطان مع الفذ" (مشکوۃ، باب مناقب الصحابۃ)

ترجمہ: سنو جس شخص کو جنت کا بہترین حصہ پسند ہو وہ جماعت کی پیروی کو لازم سمجھے،،

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ای السواد الاعظم، وما علیہ الجمھور من الصحابۃ والتابعین والسلف والصالحین" (مرقات، ۱۱، ۲۷۷)

ترجمہ: سواد اعظم وہ لوگ ہیں جو جمہور صحابہ کرام، تابعین اور سلف صالحین کے عقائد اور نظریات پر کاربند رہے ہیں،

ہم پہلے نقل کر چکے ہیں کہ ہر دور کے جمہور اہل علم حضرات کی جماعت کثیرہ ہے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ ہر دور کے علماء ہی حق اور سچ کے ترجمان صحابہ، تابعین کے دینی افکار مذہبی رجحانات، اور تحقیقی نظریات کے امین اور علمبردار ہیں، سید صاحب نے نقل فرمایا افضلیت ابوبکر صدیق پر اجماع کے دعویداروں میں امام ابن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ بھی ہیں ملاحظہ فرمائیے کہ وہ اپنے دعویٰ سے کس خوبصورتی کے ساتھ دست بردار ہوتے ہیں:

"مما یؤید انہ ھنا ظنی ان المجمعین انفسھم لم یقطعوا بالافضلیۃ المذکورۃ وانما ظنوھا فقط کما ھو المفھوم من عبارات الائمۃ واشاراتھم وسبب ذالک ان المسئلۃ اجتھادیۃ" (زبدۃ، ص ۲۱)

جواباً کہا جائے گا کہ امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ اپنے دعوی اجماع سے دست بردار نہیں ہوئے وہ بارہا اپنے عقیدہ کی وضاحت وثقاہت بیان کر چکے ہیں، اس کیلئے صواعق المحرقہ کے ص ۱۳، جس کا عنوان ہے ''الفصل الثانی فی بیان انعقادالاجماع علی ولایة'' نیز ص ۱۶، ۲۳، ۵۷، ۵۹، ۶۰، ۶۱) کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کا مسلک ظنی نہیں قطعی ہے اور ترتیب خلافت کی بنیاد پر ہے امام ابن حجر مکی نے فرمایا کہ جو لوگ حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت کو قطعی مانتے ہیں، وہ کثرت ثواب کی وجہ سے قطعی نہیں مانتے کیونکہ کثرت ثواب اور ترتیب خلافت مفید ظن ہیں، مفید قطع نہیں، اور یہ بات ان آئمہ کی عبارات اور اشارات سے مفہوم ہوتی ہے، کیونکہ کثرت ثواب اور ترتیب خلافت کی بنیاد پر جو افضلیت حاصل ہو وہ اجتہاد کی پیداوار ہے اور اجتہاد مفید ظن ہے جمہور اہل سنت و جماعت نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قطعی ہونے کا جو قول کیا ہے وہ اجماع امت کی بنا پر ہے، امام ابن حجر مکی اپنے دعوی قطعیت سے دست بردار نہیں ہوئے۔ بلکہ افضلیت ظنیہ کے قائلین، اور ان کے دلائل پر تبصرہ فرماتے ہوئے یہ عبارت مذکورہ بالا نقل کی اور ص ۶۰، پر شروع ہونے والے لفظ لکتا سے جواب اور اپنا عقیدہ بیان فرمایا ہے، سید صاحب اس عبارت پر دوبارہ غور کریں،

سید صاحب صاحب نے تحریر کیا کہ اب ذرا خیال فرمائیے کہ اگر اجماع نصی تام ہو گیا، یعنی (جملہ مجتہدین نے بول کر اتفاق کر لیا ہوتا تو افضلیت قطعی ہوتی، (زبدة، ۲۳) سید صاحب کی اس عبارت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اجماع نصی تام وہ ہے جس پر جملہ مجتہدین نے قول کر کے اتفاق کیا ہو، مجتہدین سے کیا مراد ہے؟ مجتہدین فی الشرع یا مجتہد فی المذہب، مجتہد فی الشرع چار امام ہیں: امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام مالک رضی اللہ عنہم ان کا مسلک حضرت ابو بکر صدیق کے بارے میں پہلے نقل ہو چکا ہے، افضلیت قطعیہ پر سب کا اتفاق ہے، کیونکہ سب کا مسلک یہ ہے کہ اجماع صحابہ سے آپ کی خلافت معرض وجود میں آئی، اور اسلام میں خلیفہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے زمانے میں سب سے افضل اور اعلیٰ ہو، اور اگر مجتہدین سے مراد صحابہ مجتہدین ہوں تو یہ بھی ہو چکا ہے۔

کیونکہ حضرت عمر ایسے محدث امت ابوعبیدہ بن الجراح جیسے امین امت، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم جیسے فقہاء صحابہ، اور مجتہدین صحابہ موجود تھے، ان کی موجودگی میں تمام انصار و مہاجرین نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی: اس طرح بھی جملہ مجتہدین کا اجماع نصی تام ہوا،

زبدہ کی تحریر کا ہر صفحہ بلکہ ہر جملہ اور ہر فقرہ بول بول کر کہہ رہا ہے کہ سید صاحب نے قاضی باقلانی کی شخصیت کو علمی وجاہت اور تحقیقی ثقاہت میں اپنا ہیرو تسلیم کر لیا ہے جس کا ذکر خیر چھوڑنا ان کیلئے کوئی آسان کام نہیں، قاضی باقلانی افضلیت ابوبکر صدیق کو ظنی مانتے ہیں، ان کی اقتداء کرتے ہوئے سید صاحب بھی ظنی کہتے اور لکھتے ہیں، محدث ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"ثم الذی مال الیه ابو الحسن الاشعری امام اهل السنة ان تفضیل ابی بکر علی من بعده قطعی، وخالفه القاضی ابوبکر الباقلانی فقال انه ظنی" (الصواعق المحرقہ، ۵۸)

پھر وہ امر جس کی طرف امام اہل سنت ابوالحسن اشعری مائل ہوئے ہیں وہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی افضلیت باقی صحابہ پر قطعی ہے، امام ابوبکر باقلانی نے ان کی مخالفت کی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق کی افضلیت قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے" غالباً مجتہدین کے اجماع قولی کا ذکر انہوں نے اسی لئے کیا ہے کہ ان کے موقف کی تائید ہو سکے مگر یہ ناممکن ہے اس لئے کہ اجماع حجت قطعیہ ہے اور اجتہاد دلیل ظنی ہے،

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام صحابہ نے حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کی خلافت پر اتفاق کر لیا تھا اور جس چیز پر سارے صحابہ علمائے مجتہدین کا اجماع ہو وہ برحق (قطعی) ہوتی ہے،

کیونکہ علیحدہ علیحدہ اجتہاد میں تو غلطی کا احتمال ہو سکتا ہے مگر اجتماعی اتفاق رائے میں کبھی غلطی نہیں ہوا کرتی، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "وکذالک جعلنا کم امة وسطالتکونوا شهداء علی النا س"

اے امت محمد یہ تمہیں معتدل امت بنایا تا کہ تم اوروں پر گواہی دے سکو (پھر فرمایا)

"ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ماتولی "ترجمہ: جو مسلمانوں کے اجتماعی راستہ سے روگردانی کرے گا ہم اسی راہ پر پھینک دیں گے جو اس نے اختیار کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لن یجمع امتی علی الضلالة "ترجمہ: میری امت گمراہی پر ہرگز جمع نہ ہوئی جس چیز پر سب نے اجماع کرلیا وہ حق ہے(قطعی ہے) اگر بعض صحابہ نے عمداً بیعت سے انکار کیا تھا تو وہ خطاء پر تھے، (تکمیل الایمان ص ۱۵۷)

یہی شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حق بات یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت صحابہ کرام کے اجماع اور اجتہاد سے ہوئی، اور اجماع یقینی تھا علم اصول فقہ میں ہے ظنی نص غیر قطعی اجماع کیلئے کافی سند ہے، (تکمیل الایمان ،۱۶۰)

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کی تحریر سے ثابت ہوا کہ صحابہ کا اجماع قطعی تھا ،ظنی نہیں تھا جمہور امت ،اور علمائے اسلام کے سواد اعظم کا یہی مسلک ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت قطعی ہے ،ظنی نہیں ،قاضی ابو بکر باقلانی کی نظروں میں ،اجماع صحابہ نہیں ،سقیفہ بنی ساعدہ میں انوار توحید، جمال رسالت ،اور اشراق نبوت سے مستنیر ہونے والی آنکھیں ،علوم ربانیہ ،فیوض یزدانیہ ،سے معمور سینے ،رخ والضحیٰ سے پھوٹنے والے عشق و مستی کے جلووں سے مسرور دل ،جان بازی اور جاں نثاری کے انمول نقوش ،مہ توحید سے سرشار اذہان وقلوب ،شراب جرأت و بہادری کے وہ مجسمے ،میدان کارزار میں ضرب الا الٰہی سے دشمنوں کی صفوں کو پلٹنے والے وہ تیرانداز ،قہر وغضب کی قہر وبار بن کر دشمن کے کلیجوں کو چبا جانے والے وہ شیر ربانی ،دشمن کی تلواروں اور نیزوں کی پیاس بجھانے والے وہ قفسہائے عنصریہ گلشن کائنات کا رنگ اور حالات بدلنے والے وہ ابر نیساں ،داستان توحید و رسالت کے وہ درخشندہ ابواب نہیں تو پھر کیا ہے اگر قاضی ابو بکر باقلانی کے مکتب اشاعت کا کوئی مدیران حقائق جاویدانی سے صرف نظر کرتا ہے تو کیا ہوا جبکہ فلک توحید و رسالت کے ان نیر ہائے تاباں کو دیکھنے والی جمہور امت ،اعظم امت کا سواد اعظم ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہا ہے ،اس رشک آور منظر کو اسوقت سے لے کر اس وقت تک ہی دیکھ رہا ہے بلکہ قیام قیامت تک دیکھتا رہے گا۔

دنیائے اسلام کی ایک عظیم شخصیت، خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز کا عقیدہ اور بیقراری کا ایک واقعہ زیب قرطاس کرنا ضروری سمجھتا ہوں، حنبلی مذہب کے جلیل القدر امام ابن بطہ روایت کرتے ہیں کہ: "ان عمر بن عبد الله العزيز بعث محمد بن الزبير الحنظلي الى الحسن البصري، هل كان النبي ﷺ استخلفه ابوبكر فقال اوفي شك صاحبك نعم، والله الذي لا اله الاهو استخلفه لهم كان اتقى لِلّٰه من ان يتوثب عليها" (شرح فقهه اكبر، ۷۴)

ترجمہ: بے شک عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے محمد بن الزبیر الحنظلی کو حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ یہ پوچھ آؤ کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ نامزد فرمایا تھا، اس پر حضرت خواجہ حسن بصری نے فرمایا کیا آپ کے ساتھی (عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ) کو اس میں کوئی شک ہے؟ (سنو) ہاں قسم ہے خدا کی جسکے بغیر کوئی مستحق عبادت نہیں، نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ مقرر فرمادیا تھا، کیونکہ وہی (اتقی) اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے تھے، ان سے بڑھ کر خلافت کا حقدار کون ہوسکتا تھا۔

خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ کا زمانہ، خیر القرون کا زمانہ ہے، سرزمین عرب ہی نہیں بلکہ اطراف واکناف میں صحابہ کے شاگرد پھیلے ہوئے ہیں، اور دین متین کی تبلیغ وہدایت کا کام سرانجام دے رہے ہیں، نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کے ہر ہر گوشے کے علماء کی کثرت اور بہتات ہے، آپ ﷺ کی وفات اور اس کے بعد کی تفصیلات لوگوں کے قلوب واذہان پر ان مٹ نقوش کی طرح جامد اور راسخ ہیں، ابوبکر صدیق کی معاشرتی، نجی رفاقت نبوی ﷺ میں گزرنے والی زندگی کے صبح وشام آئینہ کی طرح صاف، شفاف اور آفتاب نصف النہار سے بھی زیادہ روشن ہیں، ہر سنجیدہ، فکر انسان ابوبکر صدیق کی شخصیت، افضلیت، اور عظمت کا گرویدہ ہے، صحابہ کرام نے ذات صدیق کو ذات رسول اللہ ﷺ میں محو ومستغرق دیکھا، الفت ومحبت، مروت ومودت، جاں گدازی ودل فرازی کی ایسی مثالیں قائم فرمائیں کہ چشم فلک خیرہ اور قدسی محو حیرت ہوگئے، کانٹوں سے ٹانگی ہوئی عبا پہن لی گھر کی پونجی کا سارا ذخیرہ راہ خدا میں لٹا کر افلاک میں حیات نو کا پانی پلٹ دیا، اللہ کے خزانہ

ہائے رحمت میں ہلچل مچ گئی اور عرش بریں سے رضائے صدیق کا پوچھا جانے لگا، یہ عظمتیں، یہ رفعتیں، یہ کرامتیں، حضرت ابوقحافہ کے فرزند ارجمند صدیق اکبر کے مقدر کا جھومر بنیں، جو خود بھی صحابی، جس کا باپ بھی صحابی، جس کا بیٹا بھی صحابی، اور جس کا پوتا بھی صحابی، یہی وہ آسمان صحابیت کا بدر کامل ہے جو در رسول ﷺ سے صحابیت کا سارا نور لوٹ کر لے آیا، جس سے نہ صرف مردان پاک باز منور ہوئے بلکہ گھر کی قدسی صفات نسوانیت بھی جگمگا اٹھی، یہ ماں کے لعلوں کا کام نہیں بلکہ توحید و رسالت کے متوالوں، اور جیالوں کا کام ہے، جس کی ارزانی شخصیات کے تابع نہیں بلکہ مشیت یزدانی کی مرہون منت ہے، اگر عظمتوں کے پیکر، تقویٰ و جانبازی کی تصویر، ایثار و خلوص کی تفسیر کی ضوء فشانیاں قاضی ابوبکر باقلانی اور ان کے پیروکار کو نظر نہ آئیں تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ صحابہ کرام کا اجماع، جملہ آئمہ مجتہدین، امت مرحومہ کے علمائے محققین بلکہ جمہور مسلمان سقیفہ بنی ساعدہ میں نزول اجماع کے وقت سے لے کر آج تک بلکہ قیامت تک دیکھ رہے ہیں، قاضی ابوبکر باقلانی اور ان کے ہم نواؤں کو کیوں نظر نہیں آ رہا، اس کا جواب ہمارے ذمے نہیں، ہم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع جو حجت قطعیہ ہے کو دلائل قاہرہ سے کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔

اور بطور سند امام ابن حنبل رحمہ اللہ کی روایت سے سید الاصفیاء، رئیس التابعین، حجۃ العلماء الراسخین سیدنا امام حسن بصری رحمہ اللہ کی زبانی یہ بھی تحریر کر دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق اتقی لِلّٰہ تھے یعنی اتقی کا اطلاق، مفہوم اور مصداق حضرت ابوبکر صدیق ہی تھے، اسی لئے دلیل قطعی کے طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سیجنبھا الاتقی الایہ" اگر سید صاحب یا کوئی اور ان سے بالا شخصیت الاتقی کو تقی کے صیغہ اور معنی میں ڈھالنے کی کوشش کرے تو حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ کے بیان فرمودہ لفظ اور معنی کے بعد مردود، اور ہمارے لئے قابل تسلیم نہ ہوگا، قاضی ابوبکر باقلانی چوتھی صدی ہجری کی پیداوار ہیں، جو اعتقادی منافرت، مذہبی تفرق کا دور ہے، خاندانی، گروہی اور نسلی تعصب اور تفاخر کا زمانہ ہے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق دین اسلام کی وحدت کا شیرازہ گروہوں اور فرقوں میں بٹ چکا ہے قومی یکجہتی، اور ملی وحدت دور دور تک نظر نہیں آتی

،عقائد اسلاف کا حلیہ بگاڑ دیا گیا ہے جمہور، اجماع امت، علمائے حقہ کے سواد اعظم کی علمی اور فکری نگارشات کو فرسودہ اور بے منطق قرار دے کر فرد اور شخص کی فکر ناہنجار سے ذبح کر دیا گیا ہے، مگر حضرت امام حسن بصری کے دور پرانوار پر خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم کی مہر تکریم، اور چھاپ خیریت ہے، اس دور پر انوار رسالت کی برسات، اور اس دور میں موجود شخصیات ان نفوس مقدسہ سے فیض یاب ہیں جنہوں نے اپنی آنکھوں سے صاحب قرآن کا جمال وکمال، اور علوم قرآن کا منبع وجلال دیکھا تھا، حادثات اور واقعات کے تناظر میں نزول قرآن کے آب پاروں کو دیکھا تھا ،اور معلم قرآن نے معانی وتفاسیر کے بحر بیکراں کو ان کے سینوں میں اتار کرامت کیلئے رشد وہدایت کا سرچشمہ بنادیا تھا، ایمان وعمل کی پختگی کیلئے ایسی مے توحید پلائی تھی کہ جادہ مستقیم پر چلنے والے ہوں یا بے راہ روی کے مسافر، سب کے لئے ان کا وجود مینارۂ نور کا کام دے رہا ہے، چوتھی صدی ہجری کے دور کو دور صحابہ، یا دور تابعین پر کسی صورت فضیلت، اور ہرگز ترجیح نہیں دی جاسکتی، قاضی ابوبکر باقلانی نے مناقب آئمہ اربعہ میں نقل سے کام لیا ہے، وہ ان کی اپنی رائے یا دوسرے لوگوں کے اقوال عامہ ہیں، مگر حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان خلیفہ، اور صحابہ کرام کی زبانی خود سماعت فرمودہ ہے، اور قول صحیح ہونے کی بناء پر حدیث ہے کیونکہ کہ یہ قول تابعی ہے کہاں قاضی باقلانی اور ان کے ہم نواؤں کی اپنی آراء اور کہاں یہ حدیث لہذا ایسی صورت میں قاضی ابوبکر باقلانی اور ان کے پیروکاروں کے اقوال کو حدیث پر ترجیح دے سکتے ہیں، نہ دلیل کے مرتبہ میں تسلیم کر سکتے ہیں، سید صاحب نے زبدہ ص ۲۲ پر تحریر کیا ہے کہ یہاں امام ابوبکر باقلانی کے حوالہ جات کثرت سے استعمال کئے گئے ہیں کیونکہ امام ابن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ نے اپنی کتاب صواعق المحرقہ میں کافی مرتبہ امام ابوبکر باقلانی کا ذکر فرمایا ہے، مثلاً الصواعق المحرقہ ص ۵۸، پر ہے ''ان تفضيل ابى بكر على من بعده قطعي، وخالفه القاضي ابوبكر باقلاني فقال انه ظني '' پوری عبارت نقل کی گئی ہے، جو تین جملوں پر مشتمل ہے، پہلے جملہ میں ابوبکر صدیق کی افضلیت قطعیہ کا بیان ہے اور حرف تحقیق کے ساتھ اس کا آغاز ہے، دوسرے دو جملوں میں سے پہلے جملہ میں افضلیت قطعیہ کی نفی ہے

اور ابوبکر باقلانی کو مخالف صریح ،باسم ظاہر فاعل حقیقی کے حیز میں بطور خاص ذکر کیا گیا ہے اور اس کا قول مخالف اور عقیدہ متضاد بھی مختص کیا گیا ہے "فقال انه ظنی" یہ استشہاد ہے یا اس کے عقیدہ کی تردید ونقیض ،ایک طرف قطعیت ہے اور اس کے مد مقابل ظنیت ،کیا قول ظنیت ،قطعیت کیلئے دلیل تقویت ہو سکتا ہے؟ کیا ایک نقیض دوسری نقیض کیلئے دلیل ہو سکتی ہے؟ قطعیت جو قوی تر ،اور موثر حکم ہے ،ظنیت جیسی کمزور اور مردود ترین چیز ،قطعیت کے طاقتور اور بلند ترین حکم کو سہارا دے سکتی ہے استشہاد تو وہ دلیل ہے جو مخصوص موقف ،اور خاص مقدمہ کے ثبوت ورسوخ کیلئے تائید وتوثیق کا ذریعہ بن سکے ،یہ بات اور بھی باعث حیرت ہے کہ ایک طرف ،مہاجرین وانصار صحابہ کا جم غفیر ہے ،تابعین ،آئمہ مجتہدین ،ہر دور کا سواد اعظم ،افضلیت ابوبکر صدیق کی قطعیت کا علمبردار اور امین ہے جو نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے مسلح ہو کر ایستادہ برقدم ہے ،اور دوسری طرف باقلانی مناقب آئمہ کی رائفل تھامے افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قطعیت پر فائر کر رہا ہے ،عظمتوں کی حدوں سے پار ہونے والے حق وسچ کے ان مجاہدوں کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ اپنی سپاہ میں باقلانی جیسے شخص کو شامل کریں تاکہ حصار قطعیت کا دفاع ہو سکے ،امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے قاضی ابوبکر باقلانی کا ذکر اپنے موقف کی تائید اور استشہاد کیلئے نہیں فرمایا ،بلکہ بے نقاب کرنے کیلئے کیا ہے کہ دیکھو ایک طرف صحابہ ،تابعین ،تبع تابعین آئمہ مجتہدین ،اور سواد اعظم ہے اور دوسری طرف ابوبکر باقلانی ہے جو پوری امت مسلمہ کے خلاف محاذ آراء ہے ،یہ امر بھی تحیر اور تعجب سے خالی نہیں کہ سید صاحب نے قاضی ابوبکر باقلانی کے مخالف نظریہ کو "استشہاد" کیسے اور کیوں سمجھ لیا ہے ،،لیکن ہم یہاں ان کی خدمت میں انہی کا نقل کردہ مصرعہ: جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے: (زبدہ ،ص ۲۳) بطور تحفہ پیش کرتے ہوئے رواں بمنزل ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نقل فرماتے ہیں: حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دوسرے جلیل القدر صحابہ نے کہا ہم آپ سے اعلیٰ اور اولیٰ کسی کو نہیں جانتے ،پیغمبر خدا ﷺ نے آپ کو دین کے معاملہ میں پیشوا بنایا ہے ،اور اپنی زندگی کے آخری دنوں میں نماز میں آپ کو مقرر کیا ہے ،باوجودیکہ ہم اہل

بیت ،اہل مشورہ وہاں موجود تھے،ان حالات میں ہم فیصلہ کرتے ہیں کہ آپ خلافت کے حق دار اور لائق ہیں ،حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ نے اعلانیہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ،اور اجماع منعقد ہوا،(تکمیل الایمان ص ۱۵۴)مذکورہ عبارت میں اعلیٰ ،اولیٰ کے الفاظ افضلیت کا معنی دیتے ہیں ،جس سے ثابت ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام کا حضرت ابوبکر صدیق کے بارے میں وہی عقیدہ تھا جس پر اجماع ہوا تھا،شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے فرمان کے مطابق جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحاب کبار نے بیعت کر لی تو اجماع قطعی منعقد ہوگیا ،جس کے ظنی ہونے میں دور،دور تک شائبہ وہم وگمان نہیں ،اس اجماع کا کوئی مخالف نہ تھا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھی حقائق ،اور اتفاق رائے سامنے آنے پر ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی اسی اجماع کی نسبت امام ابن حجر مکی نے تحریر فرمایا جس اجماع کا کوئی مخالف ہو وہ ظنی ہے،اور جس کا کوئی مخالف نہ ہو وہ قطعی ہے۔

”والاجماع الذی یرد مخالفه فهو ظنی“اور جس کا کوئی مخالف نہ ہو وہ قطعی ہے۔فرمایا ”فالاول ظنی وهذا قطعی “(الصواعق المحرقه ،۵۹)

سید صاحب نے تحریر کیا کہ امام ابن حجر مکی نے آخر میں اجتہادی کا قول کر کے اجماع کے سارے دروازے دسویں صدی کے آخری ربع تک بند کر دیئے،کیونکہ اجماعی مسائل میں اجتہاد ممنوع ہے،

سید صاحب کا یہ کہنا کہ اجماعی مسائل میں اجتہاد ممنوع ہے،بالکل درست اور قابل تسلیم ہے مگر یہ کہنا کہ افضلیت ابوبکر صدیق کا مسئلہ اجماعی نہیں بلکہ اجتہادی ہے خلاف حقائق ہے،ملاحظہ ہو وہ حدیث مبارک جس کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں ،محدث ابن حجر مکی نے نقل فرمایا:

”ومما یصرح بذالک ایضا ما اخرجه الحاکم وصححه عن ابن مسعود قال ماراه المسلمون حسنا فهو عندالله حسن وماراه المسلمون سیئا فهو عندالله شیء وقدرای الصحابة جمیعا ان یستخلف ابوبکر فانظر الی ماصح عن ابن مسعود وهو من اکابر الصحابة وفقهائهم ومتقدمیهم من حکایة الاجماع من الصحابة جمیعا علی خلافة ابی بکر ولذا کان هو الاحق بالخلافة عندجمیع اهل

السنة والجماعة فی کل عصرمنا الی الصحابة رضوان اللہ علیهم اجمعین '(الصواعق المحرقہ ،۱۳۰)

ترجمہ: وہ دلائل جو صریحاً افضلیت قطعیہ پر دلالت کرتے ہیں ،ان میں ایک حدیث وہ بھی ہے جو حاکم نے تخریج کی ہے،اور اس کو صحیح قرار دیا ہے،اور وہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے،آپ نے فرمایا جس چیز کو مسلمان (اجماع،سواداعظم) اچھا قرار دیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھی ہے اور جس چیز کو مسلمان برا خیال کریں وہ اللہ کے ہاں بھی بری ہے ،تمام صحابہ کی متفقہ رائے ہوئی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا جائے اب دیکھو کہ جس چیز کی صحت حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے،وہ عبداللہ بن مسعود جو اکابر صحابہ،فقہاء صحابہ،اور متقدمین صحابہ میں سے ہیں،وہ فرماتے ہیں کہ ابوبکر صدیق کی خلافت پر صحابہ کا اجماع ہوا ہے اسی وجہ سے ہمارے زمانے سے لے کر دور صحابہ رضی اللہ عنہم تک کے تمام اہل سنت و جماعت کا عقیدہ چلا آرہا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی خلافت کے حقدار تھے،حضرت ابوبکر صدیق کی افضلیت قطعیہ پر دور صحابہ سے لے کر اس وقت تک تمام اہل سنت و جماعت کا متفقہ عقیدہ چلا آرہا ہے،یعنی یہ عقیدہ دور صحابہ سے لے کر ۹۷۴ھ تک اجماع کی پوری قوت اور پوری تابانی سے چلا آیا،اور ۹۷۴ھ سے لے کر آج تک آفاق ارضی میں جاری اور ساری ہے اور انشاء اللہ قیام قیامت تک یہ سلسلہ جاری اور ساری رہے گا،سید صاحب نے یہ کیسے کہہ دیا کہ محدث ابن حجر نے اجتہادی کا قول کر کے اجماع کے سارے دروازے دسویں صدی کے آخری ربع تک بند کر دیئے،کیا سید صاحب نے امام موصوف کی مذکورہ بالا تحریر نہیں دیکھی ،کیا عبداللہ بن مسعود سے مروی حدیث اجماع نہیں پڑھی ،امام موصوف کے وضع کردہ باب اجماع پر بھی نظر نہیں رکی ،،اللہ تعالیٰ کے ہاں جو اجماع کا حسن و جمال ہے اس کے نظارے ملاحظہ نہیں کئے ،امام موصوف بدستور اجماع قطعی کے قائل ہیں ،اور اس پر انہوں نے دلائل کی برسات فرمائی ہے ،امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے اجماع کے دروازے بند نہیں کئے بلکہ بند کرنے والے کو دعوت فکر و تامل دی ہے،

اجماع کے دروازے بند نہیں کئے بلکہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کیلئے شاہراہ عام تعمیر کر کے

منزل اجماع تک رسائی کو ممکن بنا دیا ہے،، رہا یہ کہ یہ مسئلہ اجتہادی کیسے ہے؟ تو اس کا پس منظر یہ ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جب انصار و مہاجرین کے درمیان میں منصب خلافت پر بحث شروع ہوئی ،جانبین سے دلائل کا آغاز ہوا ،استحقاق خلافت پر ہر گروہ ہر فریق نے تقاریر کے ذریعے بھی لوگوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی یہ تجویز سامنے آئی کہ ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک امیر ہم میں سے ہو،حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے الائمۃ من القریش کی دلیل پیش فرمائی ،حضرت علی رضی اللہ عنہ تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے ،(تمہید ابو شکور سالمی)حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر صدیق کو تمام مہاجرین اور انصار سے نماز میں مقدم کیا تھا کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو جس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدم کیا ہے تم اس کو پیچھے دھکیل کر خود آگے ہونا پسند کرتے ہو،انصار و مہاجرین کے تمام شرکاء جو سقیفہ بنی ساعدہ میں موجود تھے ،نعوذ باللہ ان تتقدم علی ابی بکر پڑھنے لگے،ان تمام دلائل کو تجزیاتی عمل سے گزارا گیا ،پوری بحث اور تمحیص کا موازنہ کیا گیا ،خلافت و امارت کے بنیادی کردار کو زیر غور لایا گیا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی کو مدنظر رکھا گیا ،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارات خلافت سے راہ نمائی حاصل کی گئی ،اس سارے مواد کو تحقیق اور ترجیح کے ترازو میں تولا گیا ،اجتہاد کی عقابی نگاہوں سے بھانپ کر افضلیت اور اہلیت خلافت کے اس مسئلہ گرانمایہ کو یکسو کرتے ہوئے فیصلہ دیا گیا کہ تمام صحابہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی معیار افضلیت پر پورے اترتے ہیں ،اور وہی خلافت نبوت کے اہل اور حقدار ہیں ،اس سارے عمل کو اجتہاد کہنا نادر خیالی نہیں بلکہ روشن خیالی ہے ،اس پراسیس کی تکمیل پر تمام صحابہ کا جم غفیر بیعت کیلئے امڈ آیا ،اور بیعت کی اور یہ اجماع صحابہ ہے ،جس کا پہلا پتھر وہ اجتہاد ہے ،جو مختلف عوامل کو یکجا کرنے اور زیر ترتیب لانے سے وجود پذیر ہوا ،سقیفہ بنی ساعدہ نے پہلے اجتہاد کا رنگ دیکھا اور بعد ازاں اجماع امت کی قوت و تاثیر ملاحظہ کی ،تاریخ اسلام میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا اجتہاد اور پہلا اجماع تھا ،یہ اجتہاد اجماع امت کی پیداوار نہیں ،تا کہ یہ کہا جائے اجماعی مسائل میں اجتہاد ممنوع ہے بلکہ اجتہاد اجماع کیلئے بنیاد اور زینہ بنا ،بے شک یہ اجتہاد مفید ظن

ہے لیکن اجتہاد کے نتیجہ پر منعقد ہونے والا صحابہ کا اجماع حجۃ قطعیہ ہے،، اہل سنت و جماعت نے دور صحابہ سے لے کر اس وقت تک اسی اجماع پر اتفاق اور عمل کیا ہے،

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اجماع کی تعریف، اقسام اور حکم بیان کیا جائے تا کہ سید صاحب جو لفظ اجماع، اجماع صحابہ، اور اجماع امت سے الرجک ہیں، اور بار، بار، کہتے ہیں کہ اجماع مفید ظن ہے دلیل قطعی نہیں اس کی قلعی کھل جائے، صحیح، غلط، حق اور باطل کی تمیز اور تفریق ہو جائے، علمائے اصول وفقہ نے اجماع کی تعریف، اور معنی نقل کرتے ہوئے فرمایا: "الاجماع لغة العزم، والاتفاق، اجماع کا لغوی معنی، ارادہ، اور اتفاق کرنا ہے،، جب کوئی شخص کسی امر پر پختہ ارادہ کرے تو کہا جاتا ہے اجمع فلان علی کذا ای عزم علیہ اور جب سب لوگ کسی چیز پر متفق ہو جائیں تو کہا جاتا ہے، اجمعوا علی کذا ای اتفقوا علیہ اور اصطلاحی مفہوم یہ ہے اتفاق علماء کل عصر من اہل السنة ذوی العدالة والاجتہاد بعد عہد النبی ﷺ، علی حکم من الاحکام الشرعیة" (حاشیہ اصول الشاشی، ۴)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے زمانہء پاک کے بعد احکام شرعیہ میں سے کسی حکم پر ہر دور کے اہل اجتہاد اور اہل عدل علماء اہل سنت کا اتفاق کر لینا اجماع امت ہے،

علامہ شاشی نے فرمایا: "اجماع ہذہ الامة بعدما توفی رسول اللہ ﷺ فی فروع الدین حجة موجبة للعمل بہا شرعا کرامة لہذہ الامة" ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد دین کے فروعی مسائل میں امت محمدیہ کا اجماع حجت شرعیہ ہے، جس پر عمل کرنا واجب ہے، اس اجماع کا حجت شرعی ہونا اس امت کی عظمت و کرامت کی وجہ سے ہے،

ثابت ہوا کہ اہل سنت و جماعت کے جید، اور محقق، علماء کا امر شرعی پر اتفاق کر لینا حجت شرعیہ ہے اور ان کے متفقہ قول پر عمل کرنا واجب ہے، اہل سنت و جماعت کا سواد اعظم دور صحابہ سے لے کر آج تک ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت قطعیہ پر متفق اور متحد چلا آ رہا ہے، اگر سید صاحب اور ان کے باقلانی اجماع امت کو تسلیم نہیں کرتے تو ان کی مرضی، لیکن اگر سید صاحب اور ان کے باقلانی

مناقب آئمہ اربعہ، اور زبدۃ التحقیق کو صحائف آسمانی کی طرح سینے سے لگانے، اور ان پر ایمان لانے کیلئے مجبور کریں تو یہ ممکن نہیں بلکہ محال ہوگا کیونکہ بحیثیت امتی ہم رسول اللہ ﷺ کے فرمان ''اتبعوا السواد اعظم ''پر ایمان لانے اور اس پر عمل کرنے کے پابند ہیں۔

اجماع اپنی قوت شرعی اور ایجاب حکم کے لحاظ سے چار قسم ہے، علامہ شاشی نے فرمایا: ''ثم الاجماع علی اربعۃ اقسام اجماع الصحابۃ علی حکم الحادثۃ نصا'' ترجمہ: اجماع کی چار قسمیں ہیں، (۱) صحابہ کا اجماع: جو صراحتاً کسی امر حادث پر واقع ہوا ہو، یہ اجماع صحابہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہے، اس کی قوت اور حکم اسی طرح ہے، جس طرح نصوص قرآنیہ کی قوت اور حکم ہے، امام شاشی نے فرمایا: ''اما الاول فھو بمنزلۃ آیۃ من کتاب اللہ تعالی ''محشی نے فرمایا:

''ای فی المرتبۃ فی الاعتقاد و العمل فردہ کفر لکن الفرق انما ھو اعتباری، لان الاول کتاب اللہ تعالیٰ فھو ذو العظم من الثانی ''(غایۃ) اعتقاد و عمل میں اجماع کا وہی مرتبہ ہے جو آیت قرآنی کا ہے، جس طرح آیت قرآنی کا انکار کفر ہے، اسی طرح اجماع صحابہ کا انکار بھی کفر ہے، آیت قرآنی اور اجماع میں فرق اعتباری ہے، کیونکہ آیت قرآنی کتاب اللہ ہے اور اس کی عظمت بے پایاں ہے، اور اجماع بھی بہت عظمت کا حامل ہے لیکن اس کی عظمت کتاب اللہ سے کم ہے،، اجماع کی پہلی قسم ''اجماع الصحابۃ علی حکم الحادثۃ نصاً'' اجماع کی پہلی قسم کسی امر حادث پر صحابہ کا ظاہری طور پر متفق ہو جانا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد امر خلافت پر انصار و مہاجرین کا ابوبکر صدیق کی خلافت پر متفق ہو جانا، اور کسی کا انکار نہ کرنا یہ اجماع کی پہلی قسم ہے اور یہ سب سے اقویٰ ہے، صاحب منار نے فرمایا:

''فالا قوی اجماع الصحابۃ نصا، فانہ مثل الایۃ و الخبر المتواتر'' صحابہ کرام کا نصی اجماع، آیت قرآنی اور خبر متواتر کی مانند ہے، اس پر ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''حتی یکفر جاحدہ، ومنہ الاجماع علی خلافۃ ابی بکر'' اجماع صحابہ نصی تام ہے، اس کے منکر کو کافر قرار دیا جائیگا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر جو اجماع صحابہ ہوا یہ اجماع

نصی تام ہے، اس کے منکر کو کافر قرار دیا جائے گا۔

صاحب منار عبداللہ بن احمد بن محمود، اور صاحب نور الانوار، الشیخ احمد ملا جیون کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صحابہ کا اجماع نصی تام ہوا، لیکن سید صاحب نے تحریر کیا کہ اب ذرا خیال فرمایئے اگر اجماع نصی تام ہوگیا ہوتا (جملہ مجتہدین نے بول کر اتفاق کیا ہوتا) تو افضلیت قطعی ہوتی، (زبدۃ ،۲۳)

سید صاحب کی تحریر سے معلوم ہوا کہ ان کی اور قاضی ابوبکر باقلانی کی نظر میں اجماع نصی تام نہیں ہوا، اس کے دو ہی مفہوم ہو سکتے ہیں، (۱) اجماع نصی ناقص ہوا ہے، (۲) اجماع سکوتی ہوا ہے۔

اجماع نصی ناقص، اجماع کی کوئی قسم ہے ہی نہیں، البتہ اجماع سکوتی اجماع کی دوسری قسم ہے اس کی تعریف کرتے ہوئے، صاحب منار نے فرمایا: "ثم الذی نص البعض وسکت الباقون من الصحابة وهو المسمی بالاجماع السکوتی ،ولا یکفر جاحده وان کان من الادلة القطعیة" اجماع کی دوسری قسم وہ ہے کہ کچھ صحابہ قول صریح کریں اور باقی خاموشی اختیار کریں، یہ اجماع سکوتی ہے، اس اجماع کے منکر کو کافر قرار نہیں دیا جائیگا، اگر چہ یہ اجماع بھی دلیل قطعی ہے، سید صاحب اگر اس اجماع کو، اجماع سکوتی بھی قرار دیں، (جبکہ یہ اجماع قطعی ہے، اجماع نصی تام ہے) تب بھی یہ دلیل قطعی ہے پھر بھی اس پر عقیدہ رکھنا اور عمل کرنا واجب ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام صحابہ، انصار و مہاجرین نے بدوں کسی اعتراض اور بدوں کسی انکار کے اتفاق کیا تھا، انعقاد اجماع سے قبل اگر چہ انصار نے اپنی خدمات اور معاونت کے حوالے سے اپنا استحقاق ظاہر کیا تھا لیکن دلائل پیش ہوجانے کے بعد کسی طرف سے بھی اعتراض اور انکار سامنے نہیں آیا تھا، اجماع سکوتی کی شرعی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے علامہ شاشی نے فرمایا: "ثم الاجماع بنص البعض وسکت الباقین فهو بمنزلة المتواتر" وہ اجماع جس میں کچھ لوگ صریحاً قول کریں اور باقی خاموش رہیں، سکوت اختیار کریں یہ اجماع سکوتی ہے، اور خبر متواتر کے قائم مقام ہے، یعنی خبر متواتر قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہے، اور اس پر ایمان لانا اور اس کے حکم کو ماننا واجب

ہے،، انکار کرنے والا کافر نہیں بلکہ بدعتی اور گمراہ ہے۔

حسامی میں ہے "فالاقوی اجماع الصحابة نصاً" اجماع کی اقسام میں سب سے قوی ترا جماع ،اجماع صحابہ ہے جو نصاً ہو یعنی بحث وتمحیص غور وفکر کے بعد منعقد ہو،حاشیہ حسامی میں ہے:

"کاجماعهم علی خلافة ابی بکر لانه اجماع لا خلاف لاحد فی صحته لوجود عترة الرسول علیه السام و علیهم الرضوان فیهم ولوجود النص عن الکل و کان مثل المحکم من النصوص و المتواتر من الخبار" اجماع صحابہ نصی کی مثال،جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صحابہ کا اجماع نصی تھا اس لئے کہ تمام صحابہ کرام کی طرف سے اس میں نص،(بحث وتکرار دلائل اور صریح تائید) موجود تھی ،اور یہ ایسا قوی اور موثر اجماع تھا جس کا کوئی بھی مخالف نہ تھا،اور اس کی صحت اور تاثیر میں کسی فرد نے بھی اختلاف نہیں کیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی عترت ،آل اسمیں موجود تھی ،اور اجماع کی حیثیت اور مرتبہ نص محکم اور خبر متواتر کی طرح ہے ،حاشیہ حسامی میں محشی نے اجماع سکوتی کی مثال یہ ذکر کی ہے کہ بعض اہل اجماع نے ایک مسئلہ پر اتفاق کیا،اور دوسرے مذاہب کے علماء کا اس مسئلہ پر اتفاق ہوا نہ تردید کی غور وتامل کا زمانہ گزر گیا اور کوئی مخالف بھی سامنے نہ آیا تو جمہور علماء کے نزدیک یہ اجماع ہے اور حجۃ ہے امام شافعی کے نزدیک اجماع نہیں ،اور حجت بھی نہیں ،علمائے احناف میں سے عیسیٰ ابن ابان اور اشاعرہ میں سے ابوبکر باقلانی اور بعض معتزلہ نے اس کو اجماع ہی تسلیم نہیں کیا،خلاصہ یہ ہے کہ اجماع صحابہ اجماع نصی ہے اجماع کی اقسام میں یہ سب سے اقوی ہے ،اور اس کی شرعی حیثیت اور تاثیر نص محکم اور خبر متواتر کی سی ہے جس میں کذب ،تخصیص ،تاویل ،اور تبدیلی ممنوع ہے ،یعنی صحابہ کا نصی اجماع ایسی قطعیت کا حامل ہے جس میں کذب ،کسی قسم کی تخصیص ،مفہوم قطعی کی تاویل یا اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی جاسکتی ،حسامی میں ہے: فاذا ازداد قوة و احکم المراد به من التبدیل سمی محکما" ترجمہ:"مفسر کی جب قوت زائد،اور مراد مستحکم ہو جائے ،اور تبدیلی ممکن نہ ہو تو وہ محکم ہے، اجماع صحابہ نصی خبر متواتر کی مانند ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی اتنی کثیر تعداد کا کسی خطاء پر

اتفاق کرنا محال عقلی اور محال شرعی ہے علم اصول فقہہ سے بھی ثابت ہوا سقیفہ بن ساعدہ میں صحابہ کا منعقد ہونے والا اجماع سکوتی نہ تھا بلکہ نصی تھا جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اجماع سکوتی جمہور علمائے اصول کے نزدیک اجماع ہے اور حجۃ ہے، عیسیٰ ابن ابان، اور قاضی ابوبکر باقلانی کے نزدیک اجماع ہی نہیں،

مندرجہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اجماع کئی قسم ہے قسم اول، اجماع صحابہ ہے اور یہ اجماع سب سے قوی ہے اس کا درجہ آیت قرآنی نص محکم کے برابر ہے، اس کا منکر کافر، اس پر اعتقاد رکھنا اور عمل کرنا واجب ہے، اجماع سکوتی جمہور علماء کے نزدیک اجماع ہے قطعیت اور وجوب عمل کی تاثیر رکھتا ہے اس کا منکر کافر نہیں، مگر برگشتہ راہ ضرور ہے،،

سید صاحب کو علم ہونا چاہیے کہ جب صحابہ کا نصی اجماع آیت قرآنی کے درجہ میں ہے تو مفید قطع ہے؟ یا مفید ظن، سید صاحب نے تو اجماع سکوتی کی بات کی ہے مگر قاضی ابوبکر باقلانی تو اس کا نام سننا گوارا نہیں کرتے، ملاحظہ ہو، علامہ شاشی فرماتے ہیں: ''ثم الاجماع بنص البعض وسکوت الباقین فھو بنزلۃ المتواتر'' یہ اجماع سکوتی ہے مگر خبر متواتر کے درجہ میں ہے پھر بھی اس کی صحت، تواتر، اور محفوظ من الکذب پر ایمان رکھنا واجب ہے، اور یہ تسلیم کرنا بھی واجب ہے کہ یہ دلیل قطعی ہے اور اس کے مقتضاء پر عمل کرنا واجب ہے، بقول سید صاحب اگر اجماع سکوتی ہوا تو بھی خبر متواتر کے درجہ میں ہونے کی وجہ سے دلیل قطعی کے طور پر مانا جائیگا، پھر بھی مفید قطعیت ہوگا، نہ کہ مفید ظن، اگر عیسیٰ بن ابان اور قاضی ابوبکر باقلانی اس کو اجماع تسلیم کرتے ہیں نہ قرار دیتے ہیں تو اس سے اس اجماع کے وجود قطعی، اور تاثیر قطعیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ جمہور علمائے اصول، اور علمائے متکلمین نے اس کو اجماع کا درجہ دے کر موثر بہ قطعیت قرار دے دیا ہے، اس کا منکر مرتکب ضلالۃ ہے دیکھو حاشیہ علامہ شاشی فرماتے ہیں، ثم اجماع من بعدھم بمنزلۃ المشھور من الاخبار'' تابعین کا اجماع خبر مشہور کے درجہ میں ہے اس کا منکر اگرچہ کافر نہیں صاحب ضلالۃ ہے، پھر فرماتے ہیں:

"ثم اجماع المتاخرین علی احداقوال السلف بمنزلة الصحیح من الاحاد"

اسلاف کے مختلف اقوال میں سے کسی ایک بات پر، کسی ایک قول پر متاخرین کا اجماع کر لینا یہ خبر واحد صحیح کے درجہ میں ہے، اس پر عمل کرنا واجب ہے، اور یہ اجماع ادنی درجہ کا ہے اور حجت شرعیہ ہے، اگر اس کے مقابل قیاس آجائے تو خبر واحد صحیح قابل ترجیح ہوگی، اور قیاس متروک العمل ہوگا،،

حسامی میں ہے: "قال بعضهم لا اجماع الا لصحابة "اجماع وہی ہے جو صحابہ کا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اجماع صحابہ کرام اہل رائے اور اہل اجتہاد کے متفقہ فیصلہ کا نام ہے صحابہ کرام، نصوص قرآنیہ کے حالات، اسباب نزول کے مشاہدات اور مقامات نزول کے علماء اور حوادثات جو وجوہ نزول ہی کے عارف، رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال، سیرت و کردار کے محافظ، معانی قرآن کے واقف، تاویلات کی خبر رکھنے والے، قرآن اور سنت کے مجتہدین اولین ہیں، اس لئے اجماع صحابہ باقی تمام اقسام سے ارفع واقوی ہے، سقیفہ بنی ساعدہ میں منعقدہ اجماع اجماع صحابہ ہے، کتاب انسانیت کے وہ زریں ابواب ہیں جو نزول قرآن، مقامات نزول، وجوہات نزول، معانی قرآن، تاویلات کے علاوہ حامل قرآن صاحب قرآن کی ذات و صفات، معاشی، معاشرتی زندگی کے ہر ہر پہلو اور ہر ہر گوشے کو محیط ہیں۔

اجماع امت کو توڑنے والے رائے جمہور کو سبوتاژ کرنے والے، حق اور سچ کا معارضہ کرنے والے نہیں، قیام قیامت تک آنے والی امت مسلمہ کیلئے اجماع امت کی شاہراہ تعمیر کرنے والے ہیں، امت محمدیہ کو تفرق و تشتت کی تنگ گھاٹیوں سے نکال کر ید اللہ علی الجماعۃ کی منزل دکھانے والے ہیں،، (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

ممکن ہے سید صاحب اور ان کے قاضی ابو بکر باقلانی اس اجماع کو اس لئے تسلیم نہ کرتے ہوں کہ حضرت علی اور دیگر بنو ہاشم اس میں موجود نہ تھے اس لئے یہ اجماع ہی نہیں ہوا اگر ہوا بھی اجماع سکوتی ہے، قطعیت کیلئے مفید نہیں،

جواباً کہا جائیگا کہ ہم پہلے نقل کر چکے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سقیفہ بنی ساعدہ

کے اجماع کے متعلق فرمایا ہے تمام صحابہ نے اتفاق رائے سے ابوبکر صدیق کو خلیفہ بنایا تھا اور اس لئے بنایا تھا کہ وہ سب صحابہ میں افضل تھے امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا: "فانظرالی ما صیح عبداللہ ابن مسعود وھومن اکابرالصحابة وفقھائھم ومتقدمیھم من حکایة الاجماع من الصحابة جمیعا علی خلافة ابی بکر (الصواعق المحرقة، ۱۳)

ترجمہ: اس روایت کو مدنظر رکھو جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ عبداللہ بن مسعود جو اکابر صحابہ میں سے ہیں، فقہائے صحابہ میں سے ہیں، متقدمین صحابہ میں سے ہیں، کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام صحابہ کا اجماع ہوا تھا،

امام ابن حجر مکی علیہ الرحمہ نے نقل فرمایا ہے: "فالامة اجتمعت علی حقیة امامة احد الثلاثة ابی بکر و علی و العباس ثم انھمالم ینازعاہ بل بایعاہ فتم بذالک الاجماع لہ علی امامتہ دونھما اذلولم یکنعلی حق لنازعاہ کمانازع علی معاویة مع قوة شوکة معاویة عدة وعددا علی شوکة ابی بکر فاذلم یبال علی بھا ونازعہ فکانتمنازعة لابی بکر اولی واخری فحیث لم ینازعہ دل علی اعترافہ بحق خلافة، ولقد سالہ العباس فی ان یبایعہ فلم یقبل "(الصواعق المحرقہ، ۱۳)

ترجمہ: خلافت کے معاملہ میں صحابہ نے اتفاق کیا کہ امامت کے حقدار تین اشخاص ہیں، (۱) ابوبکر صدیق، (۲) علی (۳) عباس رضی اللہ عنہم حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے خلافت کیلئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کوئی تنازعہ نہیں کیا بلکہ دونوں نے حضرت عباس کی بیعت کر کے اجماع کو مکمل فرمایا، اگر حضرت ابوبکر صدیق بیعت کے حقدار نہ ہوتے تو حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما ضرور ان سے تنازعہ کرتے، جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے تنازعہ کیا تھا باوجودیکہ امیر معاویہ شوکت امارت، اقتدار، اختیار اور لاؤ لشکر کے مالک تھے اور حضرت ابوبکر صدیق کے پاس ان میں سے کوئی چیز نہ تھی، امیر معاویہ کے پاس ان چیزوں کے ہونے کے باوجود حضرت علی نے کوئی پرواہ نہ کی اور امارت کے معاملہ میں

ان سے تنازعہ کیا، خلافت نبوت کے مسئلہ میں ابوبکر صدیق زیادہ موزوں اور زیادہ حقدار تھے کہ ان سے تنازعہ کیا جائے اس کے باوجود حضرت علی کا ان سے تنازعہ نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما اس بات کے معترف تھے کہ خلافت کے حقدار حضرت ابوبکر صدیق ہی ہیں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا امام اہل سنت ابوشکور سالمی رقمطراز ہیں حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ میرا گمان ہے کہ قوم کے نزدیک حضرت علی امامت وخلافت کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار سونت لی اور کھڑے ہوکر صدیق اکبر سے فرمایا: "قم یاخلیفة رسول الله" اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ اُٹھیے "قدمک رسول الله فمن ذالذی یوخرک" "اے ابوبکر جب رسول اللہ ﷺ نے آپ کو (نماز کیلئے) آگے کیا تھا پھر کون ہے جو آپ کو پیچھے کرے، حضرت صدیق اکبر نے کہا اے علی تم امیر ہو، حضرت علی نے فرمایا تم امیر ہو، اے خلیفہء رسول ﷺ آپ کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا مجھ کو حضور نے حکم نہیں دیا تھا، (اشارہ تھا نماز کیلئے) آپ کو حکم دیا تھا، صل بالناس کہ لوگوں کو نماز پڑھاؤ، ہم اپنے دنیاوی امور میں راضی ہیں، اس شخص سے حضور ہمارے دین کے معاملہ میں راضی ہوئے، حضرت علی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کو خلیفہ رسول اللہ ﷺ کہا اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت صدیق اکبر کو نماز کیلئے خلیفہ بنایا تھا، (تمہید علامہ ابوشکور سالمی، ۳۵۶)

امام ابن حجر مکی اور امام ابوشکور سالمی رحمۃ اللہ علیہما کی تصریحات سے ثابت ہوا کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت علی موجود تھے، خلافت کے متعلقہ جملہ امور ان کی موجودگی میں زیر بحث آئے اور طے کیے گئے اسی سقیفہ میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے درمیان استحقاق خلافت میں جو مکالمہ ہوا وہ بھی واضح ہے امام ابن حجر مکی اور امام ابوشکور سالمی ببانگ دہل اس اجماع کو، اجماع صحابہ نصی کہہ رہے ہیں مگر خدا جانے وہ کون سی چیز ہے جو سید صاحب اور قاضی ابوبکر باقلانی کو اعتراف حقیقت سے روک رہی ہے سید صاحب نے زبدہ کے ص ۲۵، (۲) میں تحریر کیا ہے کہ دونوں

دھڑوں پر پیش ہونے والے دلائل یا اخبار واحدہ ہو کر ظنیت الدلالۃ ہیں، یا متعارض ہو کر دلیل افضلیت نہ بن سکے ان کا خلاصہ ہر دو جماعتوں کیلئے موجب ظن بن سکا لہذا اسے قطعی عقیدہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ہم پھر حیرت میں ڈوب گئے ہیں، اولا تو شاہ صاحب کی تحریر ہی حسن مضمون سے دور ہے افضلیت ابوبکر صدیق کے قطعی اور ظنی ہونے میں دو دھڑے کہاں ہیں؟ سقیفہ بنی ساعدہ میں دوسرا دھڑہ کہاں ہے؟ اور وہ کون لوگ ہیں؟ اس اجماع کا کون مخالف ہے پہلے نقل ہو چکا ہے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر منعقد ہونے والے اجماع کا کوئی مخالف نہیں، حضرت علی، حضرت عباس، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم اور دیگر بنو ہاشم وہاں موجود ہیں، جو خاندان نبوت کے بے مثال، بے داغ، اور لازوال عظمتوں، شجاعتوں، کے ہیروز ہیں، مخالفت کرتے تو یہ لوگ کرتے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حمایت صدیق اکبر میں اپنی تلوار نامدار سونت لی ہے، قم یا خلیفہ رسول اللہ فرما رہے ہے، سید صاحب کو دوسرا دھڑہ کہاں ملا؟ کہاں نظر آیا، اسی طرح تابعین، تبع تابعین، علمائے مجتہدین کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع ہے، شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے سارے صحابہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق کر لیا تھا، اور جس چیز پر سارے صحابہ، علمائے مجتہدین کا اجماع ہو وہ برحق ہوتی ہے، کیونکہ علیحدہ علیحدہ اجتہاد میں تو غلطی کا احتمال ہو سکتا ہے مگر اجتماعی اتفاق رائے میں کبھی غلطی نہیں ہوا کرتی،، (تکمیل الایمان، ۱۵۷)

شیخ موصوف نقل فرماتے ہیں: بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں لکھا ہے کہ ابو ثور نے حضرت شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ صحابہ اور تابعین میں سے ایک شخص بھی ابوبکر صدیق اور ان کے بعد حضرت عمر کی فضیلت میں اختلاف نہیں کرتا، (ایضا، ۱۶۴)

شیخ موصوف علیہ الرحمہ مزید نقل فرماتے ہیں: جمہور اہل سنت کا مذہب اسی ترتیب (ترتیب خلافت) پر ہے، آگے نقل فرمایا، حضرت امام مالک سے جب دریافت کیا گیا کہ ساری امت میں افضل کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ الخ (ایضا، ۱۶۲)

موصوف مزید نقل فرماتے ہیں: الغرض علمائے اہل سنت کا یہ نظریہ ہے کہ تمام صحابہ پر ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو افضلیت حاصل ہے، اس عنوان احادیث نبویہ اور نصوص قرآنیہ کے علاوہ آئمہ مجتہدین کے مذاہب بھی پہلے نقل ہو چکے ہیں، سید صاحب نے کن دو دھڑوں کی بات کی ہے اجماع قطعی ہے یا ظنی؟ دور صحابہ سے لے کر آج تک پوری امت اجماع قطعی پر متفق ہے، اگر کوئی اس فردوس کا منکر ہے تو غلطی، خطاء، اور امر ضلالۃ پر ہے وہ خبر متواتر کا منکر ہے، علامہ حسام الدین فرماتے ہیں:

"والصحیح عندناان اجماع علماء کل عصر من اهل العدالة و الاجتها د حجة"

اگر جمہور اہل سنت و جماعت کو ایک دھڑہ کہا جائے اور مخالفت کرنے والوں کو دوسرا دھڑہ کہا جائے جیسا کہ سید صاحب نے کہا ہے تو لازم آئے گا کہ جمہور علمائے امت کی بات قابل تسلیم اور قابل تعمیل نہ ہو، یہ اتبعوا السواد اعظم'' کی خلاف ورزی ہو اور وہ جرم عظیم ہے، کیونکہ سواد اعظم سے علیحدگی پر من شذ شذ فی النار کی وعید شدید موجود ہے۔

سید صاحب کا یہ کہنا کہ دونوں دھڑوں پر پیش ہونے والے دلائل ظنیت الدلالۃ ہیں، غلط ہے اجماع صحابہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہے، آیت قرآن کے درجہ اور حکم میں ہے، نص محکم اور خبر متواتر کے حکم میں ہے، کیا یہ ظنی الثبوت اور ظنی الدلالۃ ہیں؟

دوسرے دھڑے کے پاس اسی نوعیت کی کونسی دلیل ہے جو اس کے حکم قطعی کو موجب نہ بناتی ہو؟ یہ بھی زیر نظر رہے کہ:۔ صحابہ کا اجماع خبر واحد نہیں، خبر متواتر کے درجہ میں ہے، لہذا یہ قطعی عقیدہ ظنی نہیں، سید صاحب کا یہ کہنا کہ اسے قطعی عقیدہ قرار نہیں دیا جاسکا غلط ہے،

سید صاحب نے زبدۃ ص ۲۵، پر تحریر کیا ہے کہ کچھ اہل علم نے دعوی کیا تھا کہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ثواب زیادہ ہے لہذا جناب ابوبکر صدیق افضل ہیں، حضرت امام ابن حجر مکی نے اس وجہ کو بھی مسترد کر دیا اور واضح کر دیا کہ کثرت اسباب ثواب سے مختص ہونا یہ بھی وجہ افضلیت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ثواب دینا واجب نہیں اور مطیع کو محروم کر سکتا ہے اور عاصی کو ثواب دے سکتا ہے بنا بریں

اس وجہ سے بھی افضلیت ثابت نہیں ہو سکتی،،

غالبًا سید صاحب کی کچھ اہل علم سے مراد حضرت شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی ہیں، کیونکہ شیخ علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضلیت ثواب کی زیادتی کے پیش نظر ہوتی ہے،

(تکمیل الایمان، ص ۱۶۱)

امام ابن حجر مکی نے فرمایا: "ولیس الاختصاص بکثرۃ اسباب الثواب موجبا لزیادۃ مستلزمۃ للافضلیۃ قطعا، بل ظنا لانہ تفضل من اللہ فلہ ان لا یثیب المطیع ویثیب غیرہ و ثیوب الامامقو ان کان قطعیا لایفید القطع بالافضلیۃ بل غایتہ الظن" (الصواعق المحرق، ۵۹)

امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ کی مذکورہ اس عبارت سے سید صاحب نے یہ ثابت کیا ہے کہ امام ابن حجر مکی نے کثرت اسباب ثواب کی وجہ سے ملنے والی افضلیت کو مسترد کر دیا ہے، درحقیقت سید صاحب اس عبارت کو نہیں سمجھ سکے، ابن حجر نے فرمایا ہے کہ کثرت اسباب ثواب، یا ثواب کی زیادتی افضلیت قطعیہ کو مستلزم نہیں، بلکہ افضلیت ظنی کیلئے مفید ہے کیونکہ ثواب کا دنیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک گونہ فضیلت ہے، اللہ چاہے تو مطیع کو ثواب سے محروم کر دے اور اگر چاہے تو گنہگار کو عطا فرما دے، ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ان لوگوں کا رد فرمایا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ثواب کی کثرت، یا اسباب ثواب کی کثرت کی وجہ سے افضلیت قطعیہ ہے، سید صاحب کو عبارت کے آخری الفاظ لزیادۃ مستلزمۃ للافضلیۃ قطعا بل ظنا" نظر نہیں آئے، اور غور کئے بغیر یہ لکھ دیا کہ افضلیت ثابت نہیں ہوتی، خلاصہ یہ ہے کہ امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں افضلیت کی تردید نہیں فرمائی بلکہ افضلیت قطعی کی تردید فرمائی ہے کہ ثواب کی زیادتی، یا اسباب ثواب کی کثرت افضلیت قطعی کا موجب نہیں ان سے صرف افضلیت ظنیہ ثابت ہوتی ہے اور یہ ہمارا موقف نہیں ہمارا موقف افضلیت قطعی ہے اور وہ اجماع صحابہ سے ثابت ہے جو دلیل قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہے،، جس پر عبارت کے آخری کلمات للافضلیۃ قطعا بل ظنا گواہ اور قرینہ موجود ہیں اور پھر

"لیس حرف نفی موجبا لزیادۃ مستلزمۃ للافضلیت قطعاً" پر داخل ہے صرف موجبا

لزیادۃ مستلزمۃ للافضلیۃ پر داخل نہیں تا کہ کہا جائے کہ کثرت اسباب ثواب فضیلت کا باعث نہیں ،مقام غور طلب ہے،مزید یہ کہ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی کی عبارت بے غبار اور واضح ہے کہ افضلیت کثرت ثواب ،زیادتی ثواب سے حاصل ہوتی ہے،قطعیت یا عدم قطعیت کی انہوں نے بات ہی نہیں کی ،امام ابن حجر نے تفصیل میں جا کر اور وضاحت کردی کہ زیادتی ثواب سے جو افضلیت حاصل ہوتی ہے وہ ظنی ہے قطعی نہیں۔

سید صاحب نے قاضی ابوبکر باقلانی کی رائے مناقب آئمہ اربعہ ،ص ۴۸۱، سے نقل کی افضلیت اجتہادی مسئلہ ہے،زبدۃ ،ص ۲۴۳،اس پر پہلے ذکر ہو چکا ہے،کہ افضلیت ابوبکر صدیق اجتہادی نہیں بلکہ قطعی ہے،اس کی تھوڑی سی توضیح مزید ہو جائے تو بہتر ہے،رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کا جمع ہونا اور حضرت سعد بن عبادہ کو خلافت کا اہل سمجھنا اور گھر سے لے آنا ان کا اجتہاد تھا،اور ماخذ اجتہاد کیا تھا؟ کہ انہوں نے بے مثال اور لازوال انداز میں مہاجرین کی مدد کی تھی ،جائیداد میں شرکت کو یقینی بنایا بلکہ اپنی دوسری بیوی تک کو طلاق دے کر مہاجر بھائی کے حبالہء عقد میں لے آئے ،انصار کی افرادی قوت کی معیت ،اور جمعیت سے مکہ مکرمہ فتح ہوا اور اسلام صحراءِ عرب سے نکل کر عجم کی وادی میں داخل ہوا،قیصر و کسریٰ کے ایوانوں پر اسلامی پرچم لہرایا،ان کے ماتحت تمام ریاستیں بھی زیور اسلام سے آراستہ ہوئیں ،رسول اللہ ﷺ کی عزت ،ناموس اور تحفظ میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی ،لیکن جب مہاجرین کو معلوم ہوا کہ انصار سقیفہ بن ساعدہ میں جمع ہیں،اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرنا چاہتے ہیں،تو یہ بھی وہاں پہنچ گئے، بحث و تکرار،اور تنازعہ کا منظر قائم ہوا،الائمۃ من قریش کی صورت میں دلیل پیش ہوئی،سب نے بیک زبان ہو کر امنا و صدقنا کہا تو پھر مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ قریش میں سے کون ہو؟ انصار نے تجویز پیش کی ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر تم میں سے ہونا چاہیے ،اس پر بھی بحث ہوئی کہ یہ تجویز اصول شریعت اور قانون اسلام کے مطابق کہاں تک درست ہے،دلائل سماعت ہوئے آخر کار انصار کو اپنے اس فیصلہ سے بھی دستبردار ہونا پڑا،قریش میں سے تین شخصیات پر قرعہ فال پڑا،وہ

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہم تھے، حضرت ابوبکر نے کہا کہ علی خلیفہ ہیں، حضرت علی نے کہا میں نہیں ابوبکر آپ ہیں، حتی کہ حضرت علی نے کہا یعنی دلیل پیش کی کہ ہماری حاضری میں رسول اللہ ﷺ نے نماز میں آپ کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا تھا، ہم اپنی دنیا کیلئے بھی آپ کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں، پھر فرمایا: "قم یا خلیفۃ رسول اللہ ﷺ لنبایعک ، امام ابن حجر مکی علیہ الرحمہ نے فرمایا: "ثم انھما لم ینازعاہ بل بایعاہ فتم بذالک الاجماع علی امامتہ دونھما "(الصواعق المحرقہ، ص، ۱۳)

حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تو آپ کی امامت (خلافت) پر اجماع مکمل ہوگیا، سقیفہ بنی ساعدہ میں صحابہ کرام کی تمام آراء اس بات پر متفق ہوگئیں کہ آج خلافت کے اہل تین افراد ہیں، ان میں حضرت ابوبکر صدیق بھی تھے، لیکن جب حضرت علی، اور حضرت عباس نے حضرت ابوبکر صدیق کو منتخب کیا اور خلیفہ رسول اللہ ﷺ کہہ کر پکارا اور بیعت کی تو آپ کی خلافت پر اجماع صحابہ کی مہر تصدیق ثبت ہوگئی، عنوان خلافت میں صحابہ کرام کی آراء اجتہادی تھیں اور تمام آراء کی سماعت کے بعد تمام صحابہ کا ایک مؤقف پر متفق ہوجانا اجماع ہے، پوری امت کے جمہور علماء آئمہ مجتہدین سقیفہ بنی ساعدہ میں اجماع صحابہ سے پیدا ہونے والی افضلیت کو قطعی کہہ رہے ہیں، اگر قاضی یا فلانی کہتے ہیں، کہ یہ اجتہادی ہے تو ان کی مرضی، لیکن جمہور اور فرد کا تقابل بہر صورت ملحوظ خاطر رکھا جانا چاہیے، سید صاحب نے تحریر کیا کہ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اوائل اسلام سے دسویں صدی ہجری کے آخری نصف تک تو یہ مسئلہ اجماعی نہیں تھا بلکہ اجتہادی تھا اب کہیں راتوں کی تنہائیوں میں یہ مسئلہ اجماعی ہوگیا، اجماع کے باب میں قرون اولیٰ کا حوالہ نہیں دیا جاسکتا، البتہ اسے متاخرین ہند کی کرامت میں شمار کیا جاسکتا ہے،

جواباً کہا جائے گا کہ امام ابن حجر مکی کا اقتباس جو اوپر ذکر ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت پر اجماع صحابہ مکمل ہوا، اسی روایت اور قول کو شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے تکمیل الایمان ص ۱۵۴، ۱۵۵، پر نقل فرمایا ص ۱۶۲، پر حضرت امام مالک کا عقیدہ بیان کیا ص ۱۶۴، حضرت امام شافعی کا

عقیدہ اوران کے حوالے سے تمام صحابہ اور تابعین کا عقیدہ بیان کیا،ص ۱۶۶، پر خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ امام ذہبی کے حوالے سے جس کو اسی سے زائد افراد اور صحیح اسناد سے بیان کیا ہے، کیا یہ لوگ قرون اولیٰ میں سے نہیں حضرت حسن بصری، خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما کا زمانہ قرن اوّل نہیں؟ آئمہ مجتہدین کا دور قرن اولیٰ میں شمار نہیں ہوتا؟

خلافت کے حوالے سے شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا: جمہور اہل سنت و جماعت کے نزدیک اجماع صحابہ سے ثابت ہے، (تکمیل الایمان،۱۵۳)

امام نواوی کے حوالے سے نقل فرمایا: امام نووی نے اصول حدیث میں لکھا ہے کہ حضرت صدیق اکبر مطلقاً سب صحابہ سے افضل ہیں، (تکمیل الایمان،۱۶۴)

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "ولذا کان لھو الاحق بالخلافۃ عند جمیع اھل السنۃ والجماعۃ فی کل عصرمنا الی الصحابۃ رضوان اللہ علیھم اجمعین "(اصواعق المحرقہ،۱۳۰)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر صحابہ نے اجماع کیا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے اور اسی افضلیت کی وجہ سے وہ خلافت کے زیادہ حقدار ٹھہرے، صحابہ کرام کے دور مقدس سے لے کر آج تک ہر دور کے علماء اہل سنت و جماعت عقیدہ افضلیت پر کار بند چلے آرہے ہیں، یہ عقیدہ متاخرین ہند کی کرامات نہیں، بلکہ اجماع صحابہ کی پہلی، اور کائناتی کرامت ہے جس کے اثرات سے ملت اسلامیہ مستفید ہوتی رہی صدیاں گزر گئیں مگر اثرات ختم ہوئے نہ کم شاہ عبدالحق محدث دہلوی ہوں یا مجدد الف ثانی، یا مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمہم اللہ، عقیدہ افضلیت کے مبلغ اور ترجمان ہیں بانی واضع اور موجد نہیں، سید صاحب محدث ابن حجر رحمہ اللہ کی تحقیق، تفصیل، اور عقیدہ کو نہیں سمجھ پائے اس لئے متاخرین ہند کو نشانہء تنقید بنایا، افضلیت ابوبکر صدیق کو نصوص قرآنیہ، احادیث نبویہ، اور جمہور علمائے اہل سنت و جماعت کے اقوال اور تصریحات سے ثابت کر چکے ہیں، درسیات کی کتب، اصول الشاشی، نورالانوار، منار، اور حسامی سے بھی شواہد نقل کئے گئے ہیں اب علم الکلام "عقائد" کی کتب سے استشہاد کرتے ہیں تا کہ سید صاحب کو

معلوم ہوجائے کہ یہ عقیدہ متاخرین ہند کی کرامات نہیں بلکہ جمہور علمائے محققین اور مجتہدین کا عقیدہ ہے۔جس کی بنیاد سقیفہ بنی ساعدہ کے اجتماع میں صحابہ نے رکھی تھی شرح عقائد میں ہے "وافضل البشر بعد نبیا ابوبکر الصدیق" ہمارے نبی اکرم ﷺ کے بعد افضل البشر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں،اس پر علامہ عبدالعزیز الفرہاری نے فرمایا:"اعلم ان المذهب عند اهل السنة ماروا ه الحاكم وابن عدى والخطيب عن ابى هريرة ان رسول الله ﷺ قال ابوبكر وعمر خير الاولين والاخرين وخير اهل السموت وخير اهل الارضين الا النبيين والمرسلين "نبراس ،۲۹۹)

ترجمہ: جان لو کہ اہل سنت و جماعت کا وہی مذہب ہے جس کو حاکم ،ابن عدی،اور خطیب نے بروایت ابی ہریرہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابوبکر عمر اولین،آخرین، سے افضل اور بہتر ہیں،اور تمام زمینوں اور آسمانوں کے اہالیان سے افضل ہیں،

خیالی شرح،شرح عقائد میں ہے:"قال عليه الصلوة والسلام والله ما طلعت الشمس ولا غربت بعد النبيين والمرسلين على احدا فضل من ابى بكر "ترجمہ:رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:خدا کی قسم انبیاء اور رسولوں کے بعد کسی ایسے شخص پر سورج طلوع ہوا نہ غروب جو ابوبکر سے افضل ہو،ابودرداء کی روایت سے یہ حدیث پہلے بھی ہم نقل کر چکے ہیں،شرح عقائد کے مصنف علامہ سعدالدین التفتازانی رحمہ اللہ ہیں جن کا زمانہ تقریباً آٹھویں صدی ہجری کا اوائل ہے،

حضرت ابوشکور سالمی محمد بن عبدالسعید سالمی فرماتے ہیں ہم کہتے ہیں ابوبکر افضل الصحابہ ہیں پھر عمر فاروق پھر عثمان غنی ،پھر علی رضی اللہ عنہم ہیں،(تمہید،۳۶۶) یہ پانچویں صدی کے نصف آخر کے عظیم عالم ہیں،اور سیدنا شیخ المشائخ گنج بخش علی ہجویری رحمہ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے،سیدنا حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:"وافضل الناس بعد النبيين عليهم الصلوة والسلام ابوبكر الصديق" (فقه اكبر ،۹۲)انبیائے کرام کے بعد تمام انسانوں سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے ،جب کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت موجود تھی ،آپ نے چودہ صحابہ کی زیارت کی اور ملاقی بھی ہوئے ،اور صحابہ سے آپ کی مرویات محدث خوارزمی

کی جامع المسانید میں موجود ہیں، حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے سات صحابہ کو دیکھا ہے یہ امام جلال الدین السیوطی نے تدریب الراوی میں نقل فرمایا ہے، حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے جن صحابہ کو دیکھا ان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سرفہرست ہیں، آپ نے چار ہزار آئمہ تابعین سے علم حدیث حاصل کیا، آپ نے مشہور عالم تابعی الشعبی، ابراہیم النخعی سے بھی ملاقات کی، ۱۲۰ ہجری میں آپ نے وفات پائی،

حضرت امام ابوحنیفہ خود تابعی ہیں، صحابہ کے دور اقدس میں تولد ہوئے اور تابعین کے دور میں وفات پائی، اگر صحابہ کے دور میں افضلیت ابوبکر صدیق کا عقیدہ نہ ہوتا تو دور تابعین میں یہ عقیدہ ہرگز نہ ہوتا، کیونکہ تابعین کے علوم، عقائد، اعمال ان سینوں سے منتقل ہوئے تھے، جو سینے انوار نبوت، اور جمال رسالت سے مستفیض اور مستیز ہوئے تھے، سید صاحب نے سوچے بغیر اس عقیدۂ افضلیت کو متاخرین ہند کی راتوں رات کرامت کہہ دیا ہے، سید صاحب الصواعق المحرقہ کے صفحات، ۵۹، ۶۰، کو دوبارہ پڑھیں اور سمجھیں۔

سید صاحب نے زبدۃ ص ۲۷، پر تحریر فرمایا جس کا ماحصل یہ ہے کہ امام ابوبکر باقلانی نے ابتدائے کلام میں کہہ دیا ہے کہ یہ مسئلہ اجتہادیہ ہے، لہذا اجتہادی ہے، سید صاحب اجتہادی ہونے پر مصر ہیں، اجماع امت، جمہور علمائے مجتہدین کے مقابل فرد واحد کی راہ پر چلنے کیلئے بضد ہیں، لا اکراہ فی الدین کے مطابق ہمارے پاس جبر و اکراہ کا کوئی اختیار نہیں، لیکن یہ ہماری مذہبی اور اخلاقی ذمہ داری ہے کہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین نے جو شاہراہ تعمیر کی اور ہر دور کے جمہور علمائے مجتہدین اس شاہراہ پر گامزن رہے اور بعد میں آنے والوں کیلئے نشان منزل چھوڑ گئے ان کی پاسداری اور تابعداری کی تحریک کی جائے، سید صاحب نے اجتہاد کا سرسری جائزہ لینے کیلئے مبسوط سرخسی سے حدیث معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کا حوالہ نقل کیا ہے حدیث اس طرح ہے، قال رسول اللہ ﷺ لمعاذ ابن جبل حین وجهه الی الیمن لم یقضی، قال بکتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال بسنة رسول اللہ ﷺ قال فان لم فی سنة رسول اللہ ﷺ، قال اجتهد برأی، قال الحمد للہ

الذی وفق رسول رسوله لمایرضی به رسوله" ترجمہ: جب جناب نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کویمن روانہ فرمایا تو پوچھا کہ کس چیز کے مطابق فیصلے کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلے کیا کروں گا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہیں کتاب اللہ میں کوئی دلیل نہ مل سکے تو؟ انہوں نے عرض کیا سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلے کروں گا، آپ نے استفسار فرمایا اگر تمہیں سنت رسول اللہ (ﷺ) میں کوئی دلیل نہ مل سکے تو انہوں نے عرض کیا اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ساری تعریفیں اس اللہ کی ہیں جس نے اپنے رسول اللہ ﷺ کے نمائندے کو اس چیز کی توفیق عطا فرمائی جس سے رسول اللہ ﷺ راضی ہو گئے، مندرجہ بالا تفصیل سے پتہ چلا کہ اجتہاد ہمیشہ اس چیز میں ہوتا ہے جس میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے کوئی دلیل نہ مل سکے، اجماع بھی کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے زمرے میں سے ہے، لہذا جنہوں نے کہا کہ یہ مسئلہ اجتہادیہ ہے انہوں نے یہ اعلان کر دیا کہ ہمارے پاس دونوں میں سے کسی ایک کی بھی افضلیت ثابت نہ ہو سکی جو بنائے عقیدہ بن سکے لہذا اس کو ہم مسئلہ اجتہادیہ قرار دیتے ہیں، اگر قرآن وحدیث سے ان دو (ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور علی المرتضی رضی اللہ عنہما) میں سے کسی کی بھی افضلیت کی دلیل قطعی مل جاتی تو یہ مسئلہ افضلیت ظنی بھی نہ ہوتا اور اجتہادی بھی نہ ہوتا لہذا جن جن حضرات نے افضلیت کو قطعی اور اجماعی قرار دینے کی کوشش کی ہے، انہوں نے اسلاف کی خلافت ورزی فرمائی ہے، (زبدۃ، ص ۲۸)

سید صاحب نے قاضی ابو بکر باقلانی کی اتباع اور اپنے عقیدے کے پرچار میں حدیث معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے استشہاد بھی کیا ہے اور اس سے نتیجہ یہ اخذ کیا کہ اجتہاد ہمیشہ اس چیز میں ہوتا ہے جس میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے کوئی دلیل نہ مل سکے، علمائے اسلام اور فقہائے امت کا یہی عقیدہ اور یہی عمل ہے، اور یہی حدیث معاذ ابن جبل بنائے اجتہاد ہے ہم بار بار پہلے نقل کر چکے ہیں کہ جمہور علمائے امت افضلیت قطعی کے قائل ہیں اور اس پر ذخیرہ دلائل بھی نقل ہو چکا ہے تاہم پھر بھی جواب دینا ضروری معلوم ہوتا ہے چنانچہ محدث امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے عنوان قائم فرمایا

ہے، "فی نصوص السمعیة الدالة علی خلافته من القرآن والسنة "اور اس کے بعد نقل فرمایا "فمنها قوله تعالیٰ یاایها الذین امنوا من یرتدمنکم عن دینه فسوف یاتی الله بقوم یحبهم ویحبونه اذلة علی المؤمنین اذلة علی الکافرین ،یجاهدون فی سبیل الله ولا یخافون لومة لائم ذالک فضل الله یؤتیه من یشاء والله واسع علیم "ان ادلہ سمعیہ (نقلیہ) سے یہ آیہء کریمہ بھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرماتا ہے: اے ایمان والو! تم میں سے جو بھی اپنے دین سے پھر گیا (مرتد ہو گیا) پس عنقریب اللہ ایسی قوم لائے گا (ان پر مسلط فرمائے گا) کہ اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں، مومنوں پر انتہائی نرم دل، اور کافروں پر بہت سخت، وہ راہ خدا میں جہاد کرنے والے ہیں، ملامت گر کی ملامت سے وہ خائف نہیں ہوتے، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے (جو ان پر ہے) وہ جس کو چاہے عطا فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ وسیع فضل کا مالک اور نہایت ہی علم والا ہے، آگے فرماتے ہیں: "اخرج البهیقی عن الحسن البصری انه قال هو والله ابوبکر لما ارتدت العرب جاهدهم ابوبکر واصحابه حتی ردهم الی الاسلام "ترجمہ: امام بیہقی نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے اس کی تخریج فرمائی ہے، کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، خدا کی قسم یہ آیہء حضرت صدیق اکبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کی خبر سن کر جب عرب کے بہت سے قبائل اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو گئے تو حضرت ابو بکر اور ان کے ساتھیوں نے ان کے ساتھ جہاد کیا یہاں تک کہ ان کو واپس دائرہ اسلام میں لے آئے،، جبکہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مرتد قبائل سے جہاد و قتال کرنے سے روکتے رہے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بنی اسد اور غطفان کی سرکوبی کیلئے حضرت خالد بن ولید کی سربراہی میں لشکر اسلام روانہ فرمایا، کچھ مارے گئے کچھ قیدی بنے، اور جو بچے وہ اسلام میں لوٹ آئے، پھر مسلمۃ الکذاب کے ساتھ جہاد کیلئے حضرت خالد بن ولید کو مامور فرمایا، مسیلمۃ الکذاب نے مزاحمت کی کئی دنوں تک قلعہ کا محاصرہ رہا بالآ خر اس کو قتل کر کے جہنم رسید کیا،

خلافت کے دوسرے سال حضرت علاء حضرمی کو بحرین کی طرف بھیجا کیونکہ وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے تھے، جواثا کے مقام پر آمنا سامنا ہوا، اور واپس اسلام میں لوٹ آئے، اسی طرح عکرمہ بن ابی جہل کو عمان کی طرف، مہاجرین امیہ، زیاد بن لبید الاناری کو مرتدین کی گوشمالی کیلئے مختلف قبائل کی طرف روانہ فرمایا، جو اسلامی افواج کی تاب نہ لا سکے، دل و جان سے حقانیت اسلام کو تسلیم کر لیا، اور حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے، یہ واقعات آیہ مذکورہ بالا کی تفسیر ہیں، اور آیہ مقدسہ خلافت ابو بکر رضی اللہ عنہ، افضلیت ابو بکر کی ترجمان ہے، جیسا کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر فرمایا، اس آیہ مقدسہ کا مصداق حضرت ابو بکر صدیق ہیں، کیونکہ آیہ مقدسہ میں جن اوصاف کریمہ کا ذکر ہے وہ صرف اور صرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں ہی پائے جاتے ہیں، اور دوسری آیت جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نص صریح ہے، وہ یہ ہے: "للفقراء المهاجرين الى قوله اولئک هم الصادقون "محدث امام ابن حجر مکی فرماتے ہیں:

وجه الدلالة ان الله تعالىٰ سماهم لابى بكر خليفة رسول الله صادقون فيه فحينئذ كانت الاية ناصه على خلافته" ترجمہ: طرز استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مہاجرین کا نام صادقین رکھا ہے اور جس شخص کے صادق ہونیکی گواہی اللہ دے وہ جھوٹا نہیں ہو سکتا، پس لازم آیا کہ تمام صحابہ ابو بکر صدیق کو خلیفہ رسول اللہ کہنے میں سچے ہیں (کیونکہ وہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ رسول اللہ کہا کرتے تھے) پس اس دلالت کی وجہ سے یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نص صریح ہے،

تیسری آیت "اهدنا الصراط المستقيم، صراط الذين انعمت عليهم "ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا" قال الفخر الرازى هذه الاية تدل على امامة ابى بكر رضى الله عنه لانه ذكر ان تقدير الاية اهدنا صراط الذين انعمت عليهم، والله تعالىٰ قد بيين فى الاية الاخرى ان الذين انعم عليهم من هم بقوله تعالىٰ اولئک الذين انعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين ولاشک ان رأس الصديقين ورئيسهم ابوبكر رضى

الله عنه فكان معنى الاية ان الله تعالىٰ امران نطلب الهداية التى كان عليها ابوبكر وسائر الصدیقین "ترجمہ:"اهد نا الصراط المستقيم ،صراط الذين انعمت عليهم "

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کی دلیل ہے،امام نے تحریر فرمایا کہ آیت مبارکہ کی ترتیب یوں ہے"اهدناالصراط الذين انعمت عليهم ' 'اے اللہ ہمیں ان لوگوں کی راہ دکھا جن پر تو نے انعام فرمایا ہے،اس پر اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں واضح فرمایا کہ جن پر میں نے انعام فرمایا وہ کون ہیں؟وہ انبیاء،صدیقین،شہداء،صالحین ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ صدیقین کے سالار اعظم،اور سردار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

معنی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے وہ ہدایت طلب کریں جس پر حضرت ابوبکر صدیق اور دیگر صدیقین تھے،اور چوتھی آیت''وعدالله الذين امنوا منكم وعملوا الصالحات يستخلفنهم فى الارض كما استخلف الذين من قبلهم وليمكنن لهم دينهم الذى ارتضى لهم وليبدلنهم من بعد خوفهم امنا يعبدوننى لايشركون بى شيئا"

ترجمہ:اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ وعدہ کیا،ہے جو ایمان لائے،اور اچھے عمل کئے البتہ ضرور ضرور ان کو زمین میں خلافت عطا فرمائے گا،جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا ،اور ان کیلئے ان کے پسندیدہ دین کو قوت اور شوکت عطا فرمائے گا،اور ان کے خوف کو امن میں بدل دے گا،وہ اللہ کے عبادت گزار ہیں،وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے،امام ابن حجر مکی فرماتے ہیں:قال ابن كثير هذه الاية منطبقة على خلافة الصديق'' حافظ عماد الدین ابن کثیر نے فرمایا کہ یہ آیہء کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر پوری طرح منطبق ہوتی ہے۔

پانچویں آیت:

"قل للمخلفين من الاعراب ستدعون الى قوم اولى بأس شديد تقاتلونهم اويسلمون فان تطيعوا يؤتكم الله اجرا حسنا وان توليتم من قبل يعذبكم عذابا اليما" امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا:"قال ابن ابى حاتم ،وابن قتيبة وغيرهما هذه الاية حجة على

خلافة الصديق لانه الذی دعاالی قتالهم فقال الشيخ ابوالحسن الاشعری رحمه الله امام اهل السنة سمعت الامام ابالعباس بن سريج يقول الصديق فی القرآن فی هذه الاية قال لان اهل العلم اجمعوا علی انه لم يكن بعدنزولها قتال دعواالیه الادعاء ابی بكر لهم وللناس الی قتال اهل الردة ومن منع الزكاة ،قال فدل ذالک علی وجوب خلافة ابی بكرو افتراض طاعته اذاخبر الله ان المتولی عن ذالک يعذب عذابااليما" ترجمہ: ابن ابی حاتم، ابن قتیبہ وغیرہ محدثین فرماتے ہیں، یہ آیہء ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ایک حجت، یعنی مضبوط دلیل ہے ،اس لئے آپ ہی مرتدین اور مانعین زکوۃ کے خلاف قتال و جہاد کے داعی ہیں ،امام اہل سنت الشیخ بوالحسن اشعری فرماتے ہیں کہ میں نے ابوالعباس بن سریج کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس آیت کی روشنی میں صدیق قرآن میں ہیں ،اور اس آیت میں ہیں ،امام نے فرمایا تمام اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد کوئی بھی دعوت جہاد نہیں دی گئی نزول آیت کے بعد صرف حضرت ابوبکر نے مرتدین اور مانعین زکوۃ کے خلاف دعوت جہاد دی ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت واجب اور آپ کی اطاعت سب پر فرض تھی ،یہ آیات مقدسہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر براہین قاطعہ ہیں ،سقیفہ بنی ساعدہ میں موجود صحابہ کی جمعیت کیا ان آیات بینات سے بے خبر تھی ،ان کا نزول اور وجوہات نزول سے ان کے قلوب واذہان خالی تھے ،یا رسول اللہ ﷺ نے ان کے معانی اور تفاسیر سے اپنے صحابہ اور اپنے جانثاروں کو گہرائیوں میں اتار کر ان کے مراجع اور مالات سے آگاہ نہیں فرمایا تھا؟ کیا رسول اللہ ﷺ کو یہ معلومات نہ تھیں کہ میرے صحابہ میں کون سب سے افضل ہے؟ اور میرے بعد استحقاق خلافت کس کو حاصل ہے؟ آپ کا یہ فرمان کس چیز کی دلیل ہے؟ کہ حضرت ابن زمعہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی علالت کے ایام میں نماز پڑھانے کا حکم دیا، حضرت ابوبکر صدیق اس وقت مدینہ میں موجود نہ تھے ،حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور صحابہ کو نماز پڑھائی ''فقال رسول الله ﷺ لا لا لا يأبی الله والمسلمون الاابابكر فيصلی با لنا س " ترجمہ: پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں

نہیں نہیں ابو بکر کے علاوہ ہر شخص کا اللہ اور مؤمنین انکار کرتے پس وہی لوگوں کو نماز پڑھائے، رسول اللہ ﷺ نے ہر مقام پر اپنے مقام کے بعد ابو بکر اور ان کے بعد حضرت عمر کا نام لیا اور ساتھ رکھا، اگر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عدم حاضری میں حضرت عمر نے نماز پڑھا دی، تو رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر پر یہ گراں کیوں گزرا،؟ اور اعلانیہ انکار اور ناپسندیدگی کا اظہار کیوں فرمایا؟ اور اظہار ناراضگی کرتے ہوئے جو الفاظ ادا فرمائے:

" لا لا لا یأبی اللہ و المسلمون الا ابابکر " یہ اس بات پر نص ہے کہ اللہ، اللہ کے رسول، اور تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں، کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں، وہی نائب رسول ہیں، اور وہی خلیفہء رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے ابو بکر کو ہی رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ بنایا ہے، چونکہ مصلیٰ رسول پر حضرت عمر کھڑے تھے، اور یہ منصب اللہ تعالیٰ نے ابو بکر صدیق کو ہی عطا فرمایا تھا، اس لئے فرمایا: لا لا لا یأبی اللہ و المسلمون الا ابابکر سوال یہ ہے کہ نماز فرض خداوندی ہے ادائیگی فرض ہے، نمازی صحابہ کرام ہیں، جو دینی مسائل کا سرچشمہ ہیں، ابو بکر صدیق موجود نہیں فضیلت اور افضلیت کے معیار پر اترنے والے دوسرے شخص حضرت عمر ہیں، رسول اللہ ﷺ کے بعد ان کا تیسرا مرتبہ ہے، ابو بکر صدیق کے بعد ان کا مقام دو مرتبہ ہے، پھر یہ ابو بکر صدیق کے خلیفہ ہیں، ان کا مصلیٰ رسول پر کھڑا ہونا، اللہ، اللہ کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کو کیوں پسند نہیں؟ اس خلافت و امامت کا وہ کیوں انکار کرتے ہیں؟ صرف اس لئے کہ اس منصب کا وہی حقدار ہے جس کا مقام و شرف رسول اللہ ﷺ کے بعد ہے اس امامت و منصب کا وہی حقدار ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اہل بنایا ہے، اور وہ صرف ابو بکر صدیق ہی ہیں، یہ حدیث دو امور کو ثابت کرتی ہے، افضل البشر بعد الانبیاء ابو بکر صدیق ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ابو بکر صدیق کو خلیفہء رسول ہونے کا اعزاز بخشا ہے، اللہ، اللہ کے رسول، اور تمام صحابہ کے نزدیک وہی سب سے افضل ہیں، محدث ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے فرمایا: قال العلماء فی ھذا الحدیث اوضح دلالۃ علی ان الصدیق افضل الصحابۃ علی الاطلاق و احقھم بالخلافۃ و اولاھم بالامامۃ قال الاشعری قد علم بالضرورۃ

ان رسول اللہ ﷺ امر الصدیق ان یصلی بالناس مع حضور المهاجرین والانصار"(الصواعق المحرقه، ۲۳)

علماء نے فرمایا ہے اس حدیث میں واضح دلالت اس بات پر موجود ہے کہ صدیق اکبر علی الاطلاق تمام صحابہ سے افضل ہیں، خلافت کے زیادہ حقدار، اور امامت کے سب سے زیادہ اہل اور مستحق ہیں، امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین وانصار کی موجودگی میں حضرت ابوبکر صدیق کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا، محدث ابن حجر مکی علیہ الرحمہ کی نقل فرمودہ عبارت: قال العلماء الخ سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ علی الاطلاق تمام صحابہ سے افضل ہیں، جب افضلیت مطلقہ ہے تو قانون کی روشنی میں المطلق یجری علی الاطلاق اور مطلق سے مراد اس کا فرد کامل ہوتا ہے، افضلیت مطلقہ کا فرد کامل افضلیت قطعیہ ہے افضلیت ظنیہ نہیں،

افضلیت ظنیہ کا قول پھر بھی خلاف اصول اور خلاف قواعد ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں: "واولیٰ مایستدل به علی افضلیة الصدیق فی مقام التحقیق نصبه علیه الصلوٰۃ والسلام لا مامة الانام مدة مرضه فی اللیالی والایام، ولذاقالا لاکابر الصحابة رضی ﷺ لدیننا افلانرضاه لدنیانا، ثم اجماع جمهورهم علی نصبه للخلافة ومتابعة غیرهم ایضا فی آخرامرهم "(شرح فقهه اکبر) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے افضلیت قطعیہ میں علماء نے جو تحقیق کی اور دلائل دیئے ان میں افضلیت کے قطعی ہونے پر سب سے بہترین دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی علالت کے ایام میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو شب وروز کی نمازوں میں صحابہ کا امام مقرر فرمایا تھا، اور اسی بنا پر اکابر صحابہ کرام نے کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر صدیق کو ہمارے دین کیلئے پسند فرمایا اور امام مقرر کیا ہے، تو ہم اپنی دنیا کیلئے کیوں ان کی امامت وخلافت کو پسند نہ کریں، یعنی ہم دنیا کیلئے بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ مانتے ہیں، دوسری دلیل یہ ہے کہ جمہور صحابہ نے حضرت ابوبکر صدیق کو اپنا خلافت کیلئے منتخب فرمایا، اور بقیہ صحابہ نے ان کی متابعت کی اس کے بعد فرمایا: "وما الخلیفة فلیس لهم ان یولوا الخلیفة الا

افضلهم وهذا في الخلفاء خاصة و عليه اجماع المة "(شرح فقهه اكبر، ۷۵)

ترجمہ: صحابہ کرام کیلئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ غیر افضل کو اپنا خلیفہ منتخب کرتے بالخصوص خلیفہ چننے میں تمام امت کا اس پر اجماع ہے تمام امت کا اجماع ہے کہ خلیفہ سب سے افضل ہونا چاہیے تو جب تمام صحابہ نے حضرت ابوبکر صدیق کو پنا خلیفہ منتخب کر لیا تو سب نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے سے افضل قرار دیا، تو گویا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع صحابہ ہوا، اور اجماع صحابہ حجۃ قطعیہ ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"واجماع الصحابة حجة قاطعة لقوله عليه الصلوة والسلام لا تجمع امتي على الضلالة "(شرح فقهه اكبر، ۷۶) ترجمہ: صحابہ کا اجماع دلیل قطعی ہے اس لئے کہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ میری امت کا اجماع گمراہی پر نہیں ہوگا،

مندرجہ بالا تصریحات ملا علی قاری علیہ الرحمہ کی ہیں، جو علوم عقلیہ ونقلیہ میں یکتائے روز، اور مرجع علماء اور فضلاء ہیں، دسویں صدی ہجری کے مجدد ہیں، آپ کی وفات ۱۰۱۴ھ میں ہوئی، کس وضاحت سے آپ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور خلافت پر صحابہ کا اجماع ہے اور اجماع دلیل قطعی ہے اس سے ثابت ہوا کہ گیارویں صدی ہجری کے آغاز تک افضلیت قطعی کا دروازہ جو صحابہ کرام نے اجماع کی قوت سے کھولا وہ کھلا ہوا تھا، جمہور علمائے امت شاہراہ قطعیت پر ظنیت کے بچھائے گئے کانٹوں کو صاف کر رہے تھے قطعیت کا دروازہ کبھی دور، اور کسی زمانہ میں بند نہیں ہوا، یہ دروازہ کیسے بند ہوتا، اس کے کھولنے والے صحابہ کرام تھے جس قوت سے کھولا تھا اس کا نام اجماع تھا، جس کو فرمان رسول اللہ ﷺ **لاتجتمع امتي على الضلالة** کی تائید اور سند حاصل تھی اگر ہر دور میں افضلیت قطعی کا دروازہ بند ہوتا تو جمہور علمائے محققین کی رسائی خانہء قطعیت تک کیسے ہوتی؟ اور ہر دور میں پرچم قطعیت کو بلند رکھنے کیلئے سینہ سپر کیوں ہوتے؟ اور قطعیت کی جو شمع اجماع سے روشن کی گئی تھی اس کو فروزاں رکھنے کیلئے تحقیق وتدقیق، تصنیف وتالیف، اور تبلیغ واشاعت کا سرمایہ کیوں صرف کرتے؟ جمہور علماء، جمہور آئمہ اور جمہور مسلمان دور صحابہ سے

لے کر متاخرین ہند بلکہ آج تک بیک زبان ہو کر نعرہ قطعیت کیوں بلند کرتے؟ ماننا پڑے گا کہ ظنیت کا اعتقاد رکھنے والے، قطعیت کا قول کرنے والے اسلاف کی خلاف ورزی کر رہے ہیں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو باختلاف روایات پندرہ، یا پچیس نمازوں میں رسول اللہ ﷺ کا نماز میں خلیفہ بننے کا شرف حاصل ہوا، اور یہی شرف خلافت کیلئے اجماع صحابہ کا سبب بنا، جس کی ضیاء بار کرنوں سے نہ صرف ہر دور کے قافلہ ہائے قطعیت منور ہوئے بلکہ قیامت تک آنے والے اہل سنت و جماعت کے کاروان اس سے مستفیض اور مستنیز ہوتے رہیں گے، جمہور علمائے امت کے نزدیک مسئلہ افضلیت قطعی ہے، مگر قاضی ابو بکر باقلانی اور سید صاحب کے نزدیک اجتہادی ہے، امت محمدیہ میں لاکھوں آئمہ، حفاظ، اور جلیل القدر علماء گزرے ہیں، سوائے باقلانی کے کسی نے مسئلہ افضلیت کو اجتہادی کہا نہ ظنی، اجتہادی تب ہوتا جب قرآن وحدیث سے دلیل افضلیت میسر نہ آتی، علمائے امت نے قرآن وحدیث سے دلائل کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اخذ کیا ہے، جو توجہ اور انصاف کا تقاضا کرتا ہے۔

امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے گیارہ آیات قرآنیہ اور ایک سو چودہ احادیث حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت پر نقل کی ہیں، جبکہ سید صاحب نے خود چودہ آیات شان ابو بکر میں نقل کی ہیں، اجتہاد اس وقت کیا جاتا ہے جب مسئلہ یا واقعہ کے حل کی دلیل، علت، اور ثبوت قرآن وسنت سے نہ ملے، صحابہ کرام میں اس معیار اور اس شان کے کوئی صحابی نہیں، اللہ تعالیٰ نے جن کی شان کو چودہ آیات میں اور رسول اللہ ﷺ نے ایک سو چودہ اقوال مبارکہ میں بیان کیا ہے، جس ذات کی شان، اور علو مقام میں ایک سو چودہ احادیث رسول وارد ہوں اس کی افضلیت بلکہ افضلیت اجتہادی اور ظنی ہے کیا قرآن وحدیث اور اجماع صحابہ سے بڑھ کر بھی کوئی دلیل قطعی ہے؟ علمائے اصول فقہ تو تیسری دلیل اجماع صحابہ کو آیت قرآنی کا درجہ دیتے ہیں، جس طرح آیت قرآن پر ایمان لانا اور اس کے مقتضاء پر عمل کرنا واجب ہے اسی طرح اجماع صحابہ پر ایمان رکھنا اور ما بہ الاجماع پر عمل کرنا واجب ہے، اجماع صحابہ جب اتنی قوت اور تاثیر کا حامل ہے، تو یہ مفید قطع ہے یا مفید ظن؟

محدث ابن حجر مکی رحمہ اللہ علیہ نے سلیمان بن یسار کی روایت سے نقل کیا ہے کہ "قال رسول الله ﷺ خصائل الخير ثلثمائة وستون خصلة اذا ارادالله بعبدخيرا جعل فيه خصلة منهايدخل الجنة فقال ابوبكر رضى الله عنه يا رسول الله آفى فى شىء منها قال نعم جميعا من كل "ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا افضلیت کے خصائل (اوصاف) تین سوساٹھ ہیں، جب اللہ تعالیٰ کسی اپنے بندے پر خیر فرمانا چاہتا ہے تو ان اوصاف میں سے ایک وصف اس میں پیدا کردیتا ہے، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرماتا ہے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ان اوصاف خیر میں سے مجھ میں بھی کوئی وصف پایا جاتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، تم میں تمام اوصاف خیر (افضلیت) پائے جاتے ہیں، ابن عساکر کی روایت کے الفاظ اس طرح سے ہیں: "فقال ابوبكر يارسول الله ﷺ لى منهاشىء قال كلها فيك فهينئا لك يا ابابكر" (الصواعق المحرقه، ۴۷) ترجمہ: ابوبکر نے کہا یارسول اللہ ﷺ ان اوصاف میں سے مجھ میں بھی کوئی شیء پائی جاتی ہے آپ نے فرمایا (اے ابوبکر) تم میں سب پائی جاتی ہیں، تمہیں مبارک ہو، معلوم ہوا، خیر (افضل) ہونے کیلئے ایک وصف ہی کافی ہے اور اللہ تعالیٰ خیر کے ایک وصف کے ذریعے جنت میں داخلہ عطا فرماتا ہے، تو جس ذات میں اللہ تعالیٰ نے خیر کے تمام اوصاف (۳۶۰) کو جمع کردیا ہو وہ افضل البشر بعد الانبیاء ابوبکر صدیق ہیں، انہی اوصاف خیریت کی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لاينبغى لقوم فيهم ابوبكر ان يومهم غيره"، جس قوم میں ابوبکر موجود ہوں وہاں کوئی دوسرا امام نہیں ہوسکتا، کیونکہ امامت قوم سے افضل شخص کا تقاضا کرتی ہے ابوبکر سے بڑھ کر قوم میں (صحابہ میں) کوئی افضل ہے ہی نہیں لہذا وہی امام ہوں گے، ان دلائل قطعیہ کی موجودگی میں اگر پھر بھی اجتہاد کی ضرورت ہے تو اللہ سمجھ عطا فرمائے،

پانچویں صدی ہجری نصف آخر کے عظیم متکلم، اور بلند پایہ محقق، اور سیدنا علی ہجویری داتا گنج بخش لاہوری رحمہ اللہ کے ہم عصر ابوشکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اجماع امت سے دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام جمع ہوئے اور سب نے بالاتفاق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم کیا، اور

کسی ایک نے بھی انکار نہیں کیا، (تمہید، ۳۵۱) امام اہل سنت ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ان تفضیل ابی بکر علی من بعدہ قطعی" (الصواعق المحرقہ، ۵۸)

امام ابن حجر مکی نے نقل فرمایا: "و کان الاشعری من الاکثرین القائلین بانہ قطعی مطلقاً" (الصواعق المحرقہ، ۵۹)

کہ امام اشعری ان اکثر اصولیین میں سے ہیں جو افضلیت کو علی الاطلاق قطعی مانتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت بعد والے تمام صحابہ، خلفاء پر قطعی ہے، امام موصوف کا سن وفات، ۳۳۰ھ ہے،

اسلاف، صحابہ، تابعین، تبع تابعین آئمہ مجتہدین ان میں سے کسی نے بھی افضلیت نے ظنی ہونے کا قول نہیں کیا، اسلاف کی خلاف ورزی تب ہوتی جب اسلاف ظنی کا قول کرتے اور بعد میں آنے والے خلف قطعی ہونے کا قول کرتے، اسلاف کی خلاف ورزی تو ظنی کہنے والے کرر ہے ہیں، ظنیت کا دروازہ تو اس وقت بند ہوا جب صحابہ کرام سقیفہ بنی ساعدہ خزرجی میں جمع ہوئے، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کرلیا اور کسی ایک نے بھی انکار نہیں کیا تھا اسی اجماع پر ہر دور کے جمہور علماء کا اجماع چلا آرہا ہے، اصول فقہ کی روشنی میں ہر دور کے جمہور علماء کا اجماع بھی حجت شرعیہ ہے، سید صاحب نے خود اپنی کتاب، زبدۃ ص ۳۰ پر نقل کیا ہے، ترجمہ: ان میں سے جنہیں ہم نے پیدا فرمایا: ایک امت ہے جو راہ دکھاتی ہے، حق کے ساتھ اور حق کے ساتھ ہی عدل وانصاف کرتی ہے، (پیر کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ)

ترجمہ: یہ گروہ حق پروہ علماء وہادیان دین کا ہے اس آیت سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ ہر زمانے کے اہل حق کا اجماع حجت ہے، اور یہ بھی ثابت ہوا کہ کوئی زمانہ حق پرستوں کی ایک جماعت جو علمائے حقہ اور ہادیان دین متین کی ہوگی ہر دور میں موجود رہے گی وہ دین کی راہ نمائی کرے گی، سلف وخلف کے عقائد نظریات اور افکار کی ترجمانی کرے گی اس جماعت کا نام جمہور علمائے اہل سنت وجماعت ہے قرآن وحدیث اور تاریخ آدمیت کا مطالعہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر دور میں وحدت قومی ہو یا ملی اس کا فقدان رہا ہے، الہامیات سے قبل علاقائی اور قبیلائی اختلافات رہے، الہامی کتب کے

نزول کے بعد مذہبی بنیادوں پر فرقہ بندی معرض وجود میں آئی ،قرآن حکیم کے نزول سے پہلے تین قسم کے مذاہب کا چرچا تھا کفر، یہودیت اور نصرانیت ،جن میں اہل کفر ستر، یہودا کہتر ،اور نصاری بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے،ظہور اسلام کے بعد کافی حد تک یہ فرقے دائرہ اسلام میں آ گئے ،مگر چونکہ فرقہ بندی کے اثرات پوری طرح ختم نہ ہوئے تھے ،اس لئے اس فرقہ سازی کے رجحان کو اسلام کے مضبوط قلعے میں دراڑیں ڈالنے کا موقعہ مل گیا ،اور مسلمانوں کو تہتر فرقوں میں بانٹ دیا ،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرقہ بندی کے تناظر میں ارشاد فرمایا:"ان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین وسبعین ملة ،وتفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملة کلهم فی النار الا ملة واحدة قالوا من هی یا رسول الله قال ماانا علیه واصحابی رواه للترمذی "

ترجمہ: بے شک بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے ،اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی ،ایک گروہ کے علاوہ باقی سب جہنمی ہوں گے ،صحابہ کرام نے عرض کیا وہ گروہ کون سا ہوگا ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس گروہ کا عقیدہ عمل وہی ہوگا جو میرا اور میرے صحابہ کا ہے ،حدیث پاک میں لفظ امت قابل غور ہے کیونکہ یا ضمیر متکلم کی طرف اس کی اضافت ونسبت ہے دیکھنا یہ ہے کہ اس کا مصداق اور مفہوم کیا ہے؟ ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے فرمایا:

"ثم قیل یحمل امة الدعوة فیندرج سائر الملل الذین لیسوا علی قبلتنا فی عدد الثلاث والسبعین "ترجمہ: پھر کہا گیا ہے کہ امتی سے مراد امت دعوت ہے ،چونکہ آپ پوری انسانیت کے رسول ہیں ،اور آپ کی توحید و رسالت پر مبنی دعوت پوری آدمیت کیلئے ہے اس لئے مجوسی ، یہودی ،نصرانی اور دیگر اہل کفر امت دعوت ہیں ،اور امتی میں داخل اور شامل ہیں باوجود یکہ ان کا قبلہ اور ہے ، یہ بہتر فرقوں میں بٹ جائیں گے ،یا امتی میں امت سے مراد امت اجابت ہے۔

ملا علی قاری نے فرمایا: ویحمل امة الاجابة ،فیکون الملل الثلاث والسبعون منحصرة فی اهل قبلتنا والثانی هو الاظهر "(مرقات ،ج ،۱ ،ص ،۲۴۸)

ترجمہ: امتی میں امت سے مراد امت اجابت ہے یعنی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ کی دعوت قبول کی

،دین اسلام کے پیروکار بنے ،اور بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے ، یہ امت اجابت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی ،جن میں سے بہتر فرقے دوزخی اور ایک جنتی ہوگا ، اس فرقہ کی پہچان اور نشان امتیاز یہ ہوگا کہ وہ اس عقیدہ اور عمل پر گامزن ہوں گے ،جس پر میری اور میرے صحابہ کی عملی مہر ثبت ہوگی ، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :''المرادهم المهتدون المتمسكون بسنتي وسنة الخلفاء والراشدين من بعدي فلا شك ولاريب انهم هم اهل السنة والجماعة "

ترجمہ: وہ فرقہ جو جنتی ہوگا ، یہ وہ لوگ ہوں گے جو میری سنت اور میرے بعد ہونے والے خلفائے راشدین کی سنت سے راہنمائی حاصل کرنے والے ، اور مضبوطی سے پکڑنے والے ہوں گے ، اس میں کوئی تردد اور شک نہیں کہ اس معیار پر چلنے والے اہل سنت و جماعت ہیں ، پھر فرمایا:''وقيل التقدير اهلها من كان على ما اناعليه واصحابي من الاعتقاد، والقول ،والفعل فان ذالك يعرف بالاجماع فما اجمع عليه علماء الاسلام فهو حق وما عداباطل "
(مرقات ا ص ۲۴۸)

ترجمہ: اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حدیث اصل میں یوں ہے، اهلها من كان على ما انا عليه واصحابي "ترجمہ: کہ جنت کے اہل وہ لوگ ہوں گے جن کا عقیدہ ، جن کا قول ، اور جن کا عمل میرے ، اور میرے بعد آنے والے خلفائے راشدین جیسا ہوگا ، لیکن ان امور کا علم اور معرفت کے بغیر ناممکن ہے جس امر پر علمائے اسلام کا اجماع ہوا ہے وہ امر حق ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ باطل ہے ، آیئے دیکھیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں حدیث ما اناعلیہ و اصحابی کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتقاد ، قول اور عمل کیا ہے؟ ہم پہلے نقل کر چکے ہیں ، خود سید صاحب نے چودہ آیات قرآنیہ محدث ابن حجر مکی رحمہ اللہ علیہ نے گیارہ آیات قرآنیہ اور ایک سو چودہ احادیث نبویہ افضلیت ابوبکر میں نقل کی ہیں ، ان تمام نصوص میں اگر صرف حدیث امامت پر ہی غور کیا جائے تو مسئلہ افضلیت نکھر کر بلکہ روز روشن سے بھی زیادہ تابدار ہوکر سامنے آجاتا ہے دوران علالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز

میں اپنی خلافت و نیابت کیلئے منتخب فرمایا، کیونکہ آپ کا انتقاد تھا کہ ابو بکر ہی مصلیٰ رسول پر کھڑے ہو کر صحابہ کی نماز میں امامت کے اہل ہیں، اور پھر آپ نے اعتقاد ہی نہیں رکھا، بلکہ اپنے قول سے بھی اس کا اظہار مروا ابابکر فیصل بالناس کی صوت میں فرمایا: اور پھر حجرۂ مبارکہ کا پردہ ہٹا کر حضرت ابو بکر صدیق کی امامت اور اقتداء میں صحابہ کرام کو مصروف نماز دیکھ کر اطمینان اور مسرت کا مظاہرہ تبسم کی صورت میں فرمایا، اور بروز پیر بعد از ظہر آپ وصال فرما گئے مگر اس روز صبح کی نماز آپ نے حضرت ابو بکر صدیق کی اقتداء میں ادا فرما کر افضلیت ابو بکر پر قطعیت کی مہر ثبت فرما دی اور ایک نماز میں تشریف فرما ہوئے، ابو بکر صدیق کو تشریف آوری کا علم ہوا تو مصلّے سے پیچھے ہٹنے لگے تو فرمایا اپنی جگہ پر کھڑے رہو اور خود آگے ہو کر امامت فرمائی، اس پر کیف منظر کو سامنے لایئے اور فیصلہ کیجئے کہ کون افضل ہے کس کی افضلیت قطعی ہے کس کی افضلیت پر رسول اللہ ﷺ مہر تصدیق ثبت فرما رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ ابو بکر صدیق کے آگے تشریف فرما، اور امام ہیں ان کے بعد دوسرے نمبر پر حضرت ابو بکر صدیق ہیں جو مقتدی اور مکبر ہیں، رسول اللہ ﷺ کی اداؤں کو دیکھ اور سمیٹ کر صحابہ تک پہنچا رہے ہیں، یہ کہنا ابھی غلط اور بے جا نہ ہوگا، کہ رسول اللہ ﷺ ابو بکر کے امام ہیں اور ابو بکر صدیق صحابہ کے امام ہیں، اس لئے فرمایا ہوگا کہ ابو بکر اپنی جگہ (مصلیٰ پر) پر کھڑے رہو، وہ ابو بکر ہی ہیں جن کی افضلیت پر رسول اللہ ﷺ کبھی امام بن کر اور کبھی مقتدی بن کر مہر قطعیت ثبت فرما رہے ہیں، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے اعتقاد، قول اور عمل سے ایسی مہر قطعیت ثبت فرمائی جو تاریخ انسانیت کا سنہری باب بن گئی، اور جہاں تک بعد کے تین خلفاء راشدین کا تعلق ہے حضرت عمر، اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے پہلے زبانی کلامی اعتراف افضلیت فرمایا، اور بعد از اں سقیفہ بن ساعدہ میں عملاً بیعت فرما کر فرمان رسول اللہ ﷺ کی تعمیل اور تکمیل فرمائی، بلکہ افضلیت کی تعبیر اور تفسیر میں ان کی گفتار و کردار کی خصوصیت نمایاں رہی، اور اجماع صحابہ کا حصہ بن گئی۔

محدث امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا: ''واما ابو بکر فقد علمت النصوص السابقة المصرحة بخلافته وعلى فرض ان لانص عليه ايضا ففي اجماع الصحابة عليها

غنی عن النص اذھو اقوی منه لان مدلوله قطعی و مدلول خبر الواحد ظنی ‘‘

(الصواعق المحرقه ، ۲۹)

ترجمہ: جہاں تک ابوبکر صدیق کی خلافت کا تعلق ہے اس کی حقیقت پر نصوص صریحہ پہلے نقل ہو چکی ہیں ، بالفرض اگر ایک نص بھی نہ ہو تو بھی اس سے فرق نہیں پڑتا ، کیونکہ ابوبکر صدیق کی خلافت پر اجماع صحابہ منعقد ہوا ہے ، اجماع صحابہ نص (خبر واحد) سے زیادہ قوی ہے کیونکہ خبر واحد کا مدلول (حکم) ظنی ہے اور اجماع کا مدلول (اجماع سے ثابت ہونے والے حکم یا امر) قطعی ہے اس سے بھی ثابت ہوا کہ ما انا علیہ واصحابی کا مفہوم قطعی ہے ، ظنی نہیں ، اجماع صحابہ اور اجماع امت یعنی جمہور علمائے اہل سنت و جماعت کی پیروی اور اتباع کے بغیر ما انا علیہ واصحابی کا مدلول اور مصداق معلوم ہو سکتا ہے نہ اس تک رسائی ممکن ہے ، ﴿وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ﴾

سید صاحب نے بھی زبدۃ کے ص ۳۰ پر کتاب الملل والنحل سے یہ حوالہ پیش کیا ہے کہ : ’’قیل و من الناجیة قال اهل السنة و الجماعة ،قیل ما السنة و الجماعة ،قال ماانا علیه الیوم و اصحابی ‘‘پوچھا گیا ان فرقوں میں سے ناجیہ فرقہ کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ اہل سنت و جماعت ہیں ، پوچھا گیا اہل سنت و جماعت کون ہیں ، فرمایا گیا جس پر آج میں ہوں اور میرے صحابہ رضوان اللہ علیہم ہیں امام احمد بن حنبل اور ابوداؤد نے معاویہ سے جو روایت کی ہے اس میں

’’ثنتان و سبعون فی النار ‘ کے بعد واحدۃ فی الجنة و ھی الجماعة ‘‘ کے الفاظ روایت ہوئے ہیں ، یعنی بہتر فرقے دوزخی ہوں گے ، اور ایک جنت میں جائے گا ، اور وہ فرقہ اہل سنت و جماعت کا ہو گا ، سید صاحب نے یہ حدیث مسند امام احمد بن حنبل ، ابوداؤد ، مشکوۃ سے نقل نہیں کی ، بلکہ شہرستانی کی کتاب الملل والنحل سے نقل کی ہے ہم نے اصل ماخذ سے نقل کرنے کی سعادت حاصل کی ہے ، ’’وھی الجماعة‘‘ سے کیا مراد ہے؟ اور یہ کونسی جماعت ہے ، ، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ’’ای اهل العلم و الفقه الذین اجتمعوا علی اتباع آثاره علیه الصلوة و السلام فی النقیر و القطمیر ،ولم یبتدعوا بالتحریف و التغییر ‘‘(مرقات ، ۱ ، ص ، ۲۴۸)

ترجمہ: یہ وہ علماء اور فقہاء ہیں جنہوں نے ہر کہ اور مِہ میں نبی کریم ﷺ کے آثار (اقوال، افعال، اور اعتقاد) کی اتباع پر اجماع کیا ہے، دنیا میں پائے جانے والے تمام مذاہب اور تمام عقائد کے حاملین میں سوائے مذہب اہل سنت و جماعت اور علمائے اہل سنت و جماعت کے کوئی بھی ان اوصاف کا جامع اور ان صفات سے متصف نہیں، یہی وہ مسلک ہے جس میں علمائے مفسرین فقہاء مجتہدین، علمائے محدثین، اولیاء کاملین پائے جاتے ہیں، جن کی زندگیوں کا ماحصل رسول کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کی سنت کی پاسداری ہے، جن کی زندگی کے شب و روز ہر قسم کی تحریف لفظی اور معنوی، اور تغیر و تبدل سے پاک ہیں، اہل سنت و جماعت کے علاوہ ہر مذہب ہر مسلک نے عقائد اور دلائل میں تحریف لفظی، تحریف معنوی، تغیر اور تبدل کی بھرپور کاوش کی ہے اگر اس بات پر شک وشبہ ہو تو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی شہرہ آفاق تصنیف تحفہ اثناء عشریہ اور محدث ابن حجر مکی رحمہ اللہ کی الصواعق المحرقہ کا مطالعہ کیا جائے،،

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس میں تین قسم کے عقائد تھے، (۱) مؤمنین (۲) منافقین (۳) مشرکین

﴿1﴾ مؤمنین: جو دائرۂ ایمان میں داخل ہوئے اور یاایھا الذین امنوا کے خطاب عزت مآب سے نوازے گئے،

﴿2﴾ منافقین: جو بظاہر کلمہ گو، مسلمانوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے، میل ملاپ رکھتے مگر ان کے دل کفر اور شرک میں ہی دھڑکتے تھے، قرآن مجید نے ان کو بے نقاب کرتے ہوئے منافقین کے لقب سے پکارا۔

﴿3﴾ کافر اور مشرکین: جو ظاہری اور باطنی طور پر دشمنان اسلام تھے، کفار تمام مسلمانوں کے دشمن تھے، منافقین تمام مسلمانوں کے بالعموم اور نامور شخصیات کے بالخصوص دشمن اور حاسد تھے، منافقین پر حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کا نام نامی اسم گرامی برق بار بن کر گرتا تھا، حدیث پاک میں ہے، لایحب علیا منافق ولا یبغضہ مومن "منافق علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہے نہ کرے گا

،اور مومن آپ سے بغض رکھتا ہے نہ رکھے گا ،(ترمذی) حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ جو حضرت علی المرتضیٰ سے محبت نہ کرے ،جسکے دل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت نہ ہو وہ مومن نہیں منافق ہے ،اور جو آپ سے کسی قسم کا بغض رکھے وہ بھی منافق ہے ،رسول اللہ ﷺ کے دور اقدس میں منافق کی پہچان تعریف علی اور ذکر علی تھا (رضی اللہ عنہ) یعنی جب صحابہ کرام حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر خیر کرتے یا آپ کے محاسن اور کمالات بیان کرتے تو جو منافق ہوتا سن کر اس کا منہ کالا ہو جاتا ،رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے بارے میں فرمایا کہ اس کے تہتر گروہ ہو جائیں گے ،ان میں پہلا گروہ جو رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا معجزہ بن کر نمودار ہوا ،وہ خوارج ہیں ،جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کے خلاف خروج کیا ،اور تنازعہ خلافت میں ثالث مقرر کرنے پر آپ کے خلاف نعرۂ کفر بلند کیا ،جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کرنے پر خود کافر ہو گئے تھے ،اسلام میں سب سے پہلے فرقہ جو مسلمانوں کی جمعیت سے الگ ہوا اصحابہ کرام کو دشنام طرازی کا نشانہ بنانے لگا ،بالخصوص خلیفۃ المسلمین کی برملا توہین اور تکفیر کرنے لگا وہ خوارج کا گروہ ہے (لعنۃ اللہ علیہ) رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے اتحاد ،اتفاق اور سواد اعظم کی پیروی کا سختی سے حکم فرمایا ہے اور جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے والے کیلئے بھی سخت وعید فرمائی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"وایاکم والشعاب وعلیکم بالجماعۃ والعامہ رواہ احمد"

ترجمہ: فرقہ بندی سے بچو ،تم پر جماعت کی متابعت لازم ہے اور عام جماعت کی پیروی بھی ،،

ملا علی قاری نے فرمایا:"

یعنی علیکم بمتابعۃ جمھور العلماء من اھل السنۃ والجماعہ ،او علیکم بمخالطۃ عامۃ المسلمین وایاکم ومفارقتھم والعزلۃ عنھم" (مرقات ، ۱ ،۲۵۵) ترجمہ: یعنی تم پر جمہور علمائے اہل سنت و جماعت کی پیروی لازم ہے ،یا تم پر عام مسلمانوں کے ساتھ میل جول رکھنا لازم ہے ،جمہور علمائے اہل سنت و جماعت اور عام مسلمانوں سے علیحدگی ،اور تفریق سے بچو ،

اس حدیث کی روشنی میں ہم پر لازم ہے کہ ہم جمہور علمائے اہل سنت و جماعت اور عام مسلمانوں کے اعتقاد و قول پر عمل کریں، شخصیات، یا انفرادیت کی سوچ اور عقیدہ رکھنے والوں سے علیحدگی اختیار کریں، افضلیت ابو بکر صدیق ایک ایسا مسئلہ ہے، جس پر نہ صرف جمہور علمائے اہل سنت و جماعت کاربند آرہے ہیں بلکہ تمام مسلمان بھی ان کے شانہ بشانہ افضلیت کا پرچم تھامے رواں دواں ہیں، قاضی ابو بکر باقلانی بے شک چوتھی صدی ہجری کے ممتاز علماء میں شمار ہوتے ہیں، مگر ان سے قبل بڑے بڑے اعاظم علماء، آئمہ تابعین اور تبع تابعین ہو گزرے ہیں، جن کا موقف یہ تھا کہ ابو بکر کی تمام صحابہ پر افضلیت قطعی ہے، اگر دلیل قطعی ان کے پاس نہ ہوتی قطعیت کا قول کیوں کرتے؟ اگر افضلیت ظنی ہوتی تو قطعیت کہنے کی مجبوری کیا تھی؟ پھر اگر کوئی فرد واحد قول قطعیت کرتا تو جمہور فرد واحد کا اتباع کیوں کرتے؟ جمہور علماء نے دلائل کی کھال اتاری، تحقیق و تفتیش کے گہرے سمندر میں اترے تقابل و توازن کا دباؤ سہنے کے بعد فرمایا، افضلیت ابو بکر صدیق قطعی ہے ظنی نہیں،،

سید صاحب، نے زبدۃ، ص ۳۲، ۳۳ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام فخر الدین رازی، اور شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی کے حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عظمت کردار، اور رفعت شان کے متعلق جو کچھ تحریر کیا ہے وہ مشت نمونہ از خروارے ہے، کسی مسلمان کو اس سے انحراف اور اس پر اعتراض کی ہمت اور جرأت نہیں، ہم بصدق دل اس کو اپنے ایمان کا حصہ مانتے ہیں کیونکہ یہ اعزازات خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے ان کو عطا فرمائے ہیں،،

سید صاحب، نے زبدۃ، ص، ۳۵ پر نسب کی اہمیت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ، اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے مطابق قریشی ہونے پر خلافت کا انحصار ہوا، پھر فرمایا: پہلا فیصلہ جس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت حقہ طے پائی اس کا پہلا مبنی نسب ہے خلیفہ کے قریشی ہونے پر اجماع ہو گیا،،

جواباً کہا جائے گا کہ یہ اجماع نہیں، بلکہ انقیاد و طاعت ہے، سید صاحب نے تحریر یہ کیا ہے کہ افضل الامت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب خلیفہ بنایا جانے لگا تو انصار نے کہا منا امیر، و منکم امیر ، ایک امیر ہمارا ہوگا، اور ایک امیر تمہارا ہوگا، تو جناب صدیق اکبر کی ذات ستودہ صفات نے ارشاد

فرمایا حضور سرورِ دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے "الائمة من قریش" اس وقت جملہ انصار خاموش ہو گئے، انصار کا موقف یہ تھا کہ ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک امیر تم میں سے ہو، جبکہ مہاجرین کا موقف یہ تھا کہ امیر مہاجرین میں سے ہوگا، یہ دو متضاد آراء تھیں، اور یہ رائے بھی خلاف تھی، کہ ایک امیر مہاجرین میں سے ہو، اور ایک امیر انصار میں سے، یہ آراء باہم متضاد اور مختلف ہیں، حضرت سعد بن عبادہ کا خلافت کے امیدوار کی حیثیت سے سقیفہ بنی ساعدہ کے اجتماع میں موجود ہونا اختلاف مواقف کی زبردست دلیل ہے، اجماع تو عزم اور ارادے کا نام ہے انصار نے حصول خلافت کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ مطالبہ کیا تھا، اور اس پر دلائل پیش کیے تھے، مطالبے کا نام رائے نہیں، رائے پیش کی جاتی ہے اور مطالبہ دلائل سے منوایا جاتا ہے، مہاجرین اور انصار کے موقف الگ الگ تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف کی تائید میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان پیش کیا اور حضرت سعد بن عبادہ سے فرمایا کہ اے سعد بتاؤ تمہارے سامنے اور دیگر فلاں فلاں صحابی کے سامنے یہ ارشاد نہیں فرمایا تھا حضرت سعد بن عبادہ نے کہا بالکل فرمایا تھا، فرمان رسول جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ تھا انصار سن کر خاموش ہو گئے، اپنے موقف اور اپنے مطالب سے دستبردار ہو گے، خاموشی اور دستبرداری کا نام اجماع نہیں، الائمۃ من قریش دلیل ہے جس سے انصار کا موقف غلط ٹھہرا، اور مہاجرین کا موقف صحیح قرار پایا، انصار نے خاموشی اختیار کی، خاموشی اختیار کرنا، اتفاق، اور تائید نہیں بلکہ انقیاد و اتباع اور تسلیم و رضا ہے اجماع تب ہوتا جب نص حدیث موجود نہ ہوتی، کیونکہ اجماع شریعت کی تیسری دلیل ہے اس کا وجود اس بات پر موقوف ہے قرآن وسنت سے کسی امر پر دلیل اور ثبوت نہ ملتا ہو، جب ایک امر کا ثبوت اور دلیل قرآن وحدیث سے مل جائے تو اجماع کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی، اور اگر پھر بھی اجماع منعقد ہو جائے تو غیر موثر ہوگا، پھر اجماع اس چیز پر ہوتا ہے جو غیر منصوص ہو، امامت کا قریش میں ہونا منصوص ہے اور یہ حدیث مبارکہ اس کے منصوص ہونے کی دلیل ہے لہذا انصار کی خاموشی کو اجماع نہیں کہا جا سکتا، سید صاحب نے زبدۃ کے ص ۱۵ پر یہ عنوان قائم کیا ہے:: "اول المسلمین کون، اختلاف روایات"

پھر لکھا کہ اب یہ تحقیق کہ پہلا مسلمان ان دونوں بزرگ ترین ہستیوں میں کون ہے کسی دینی افادے اور ایمانی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، سید صاحب کا مقصد یہ کہ جو پہلے مسلمان ہوگا وہی افضل ہوگا، حضرت علی رضی اللہ عنہ مردوں میں سب سے پہلے ہیں اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بعد میں اسلام لائے ہیں لہذا التقدم اسلام کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں، یہ عقیدہ چونکہ زبدۃ کا اصل موضوع، اور دلائل کا محور ہے، اس لئے اس پر دلائل دینا، اور دائیں، بائیں سے مواد اکٹھا کرنا سید صاحب کے نزدیک دین کیلئے افادیت، اور ذوق ایمانی کیلئے دلچسپی کا باعث ہے۔ اسی عنوان کی پہلی حدیث جس کے راوی حضرت علی المرتضیٰ ہیں آپ فرماتے ہیں:

"اوّل من اسلم من الرجال ابوبکر، و اول من صلی الی القبلة علی ابن ابی طالب خرجه ابن السمان "(بحواله رياض النضرة، محب الدين طبری، ۱، ۸۵)

مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے حضرت ابو بکر صدیق ہیں اور سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے والے حضرت علی ابن طالب ہیں (رضی اللہ عنہ)

امام ابو منصور عبد القاهر بن طاهر تميمی بغدادی اپنی کتاب اصول الدین، ۹، ۲۹۸، میں تحریر کرتے ہیں کہ: "الصحابة علی مراتب اعلاهم رتبة السابقون منهم الی الاسلام ، من سبق منهم من الرجال ابوبکر و من اهل البيت علی و من النساء خديجه و من الموالی زيدبن حارثه و من الحبشة بلال و من الفرس سلمان (رضی الله عنهم)

ترجمہ: اسلام لانے کے حوالے سے صحابہ کے کئی مراتب ہیں مقام اور مرتبہ کے لحاظ سے وہ سب سے اعلیٰ ہوں گے جو سب سے پہلے ایمان لائے، مردوں میں سے سبقت کرنے والے ابو بکر صدیق، اور اہل بیت میں حضرت علی، اور عورتوں میں حضرت خدیجہ، اور غلاموں میں زید بن حارثہ اور حبشہ سے حضرت بلال، اور فارس سے سلمان فارسی ہیں،، (رضی اللہ عنھم)

سید صاحب نے تحریر کیا کہ: "و اختلفوا فی علی و ابی بکر فاکثر اصحاب التواريخ علی ان عليا اسلم قبل ابوبكر بيوم " حضرت علی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کے بارے

میں اختلاف ہے کہ ان میں سے پہلے کون ایمان لایا، اکثر مورخین کے نزدیک حضرت علی اور حضرت ابوبکر صدیق سے ایک دن پہلے اسلام لائے۔

سید صاحب نے زبدۃ ص ۴۸ پر امام جلال الدین السیوطی کی تاریخ الخلفاء سے ایک روایت "اوّل من اسلم علی" بھی نقل کی ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ جنابہ خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا پہلی مسلمان ہیں

سالم بن الجعد سے روایت ہے کہ انہوں نے محمد بن الحنفیہ سے پوچھا "هل كان ابوبكر اول القوم اسلاما قال لا فقلت فيما علا ابوبكر وسبق حتى لايذكر غير ابى بكر قال لانه كان افضلهم اسلاما من حين اسلم حتى لحق بربه" (مصنف ابن ابی شیبه)

ترجمہ: کہ بتاؤ کیا ابوبکر ساری قوم سے پہلے ایمان لائے تھے، انہوں نے کہا نہیں تو میں نے کہا تو پھر کس وجہ سے تمام صحابہ پر چھا گئے، اور سب پر سبقت لے گئے، یہاں تک کہ ابوبکر کے علاوہ کسی کا ذکر ہی نہیں ہوتا، انہوں نے کہا اس لئے کہ ان کا اسلام سب سے اچھا تھا، جب سے وہ ایمان لائے تھے حتی کہ وہ اپنے رب تعالیٰ سے جا ملے، "وقال غير من اهل العلم، اول من اسلم من الرجال ابوبكر واسلم على وهو ابن ثمان سنين واول من اسلم من النساء خديجة خرجه الترمذى" (الرياض النضرة، ۱، ۸۹)

ترجمہ: دوسرے اہل علم نے کہا سب سے پہلے مرد، جو اسلام لایا وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اسلام لائے جبکہ وہ آٹھ برس کے تھے، اور عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں، اس کی تخریج امام ترمذی نے کی ہے،

"واخرج ابن عساكر من طريق الحارث عن على رضى الله عنه قال اول من اسلم من لرجال ابوبكر"

ترجمہ: ابن عساکر حارث کے حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تخریج کرتے ہیں، کہ حضرت علی نے فرمایا کہ مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔ (رضی اللہ عنہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا: "اى الناس كان اول اسلاما، قال

ابوبکر الصدیق الم تسمع قول حسان "جس کا آخری مصرعہ:

واول الناس منهم صدق الرسلا

ترجمہ: کہ لوگوں میں سے سب سے پہلے اسلام کون لایا ہے؟ آپ نے فرمایا ابوبکر صدیق، کیا تم نے حسان بن ثابت کا قول نہیں سنا (رضی اللہ عنہما) وہ صدیق سب لوگوں میں وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی، یعنی آپ پر ایمان لائے،،

میمون بن مہران رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "والله لقد امن ابوبكر بالنبی ﷺ زمن بحيرا الراهب حين مربه، واختلف فيمابينه وبين خديجة حتى انكحهااياه، وذالک كله قبل ان يولد علی وقال انه اول من اسلم خلائق من الصحابة والتابعين وغيرهم بل ادعى بعضهم الاجماع عليه" (تاريخ الخلفاء، ٢٦)

ترجمہ: خدا کی قسم جب رسول اللہ ﷺ کا بحیرا راہب کے پاس سے گزر ہوا تھا اس وقت ابوبکر آپ پر ایمان لے آئے، تھے، رسول اللہ ﷺ اور حضرت خدیجہ کے درمیان آپ نے آنا جانا شروع کر دیا تھا حتی کہ حضرت خدیجہ نے رسول اللہ ﷺ سے نکاح کر لیا، یہ سب کچھ حضرت علی کی پیدائش سے پہلے ہو چکا تھا، پھر فرمایا کہ صحابہ کی ایک جماعت، تابعین، اور تبع تابعین کا فرمان ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر ایمان لائے، بلکہ ان میں سے بعض نے اجماع کا دعوی بھی کیا ہے،،

حضرت زید بن ارقم سے مروی ہے کہ: "اول من صلى مع النبی ﷺ ابوبكر الصديق"

"ترجمہ: سب سے پہلے جس نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی وہ ابوبکر الصدیق ہیں،،

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا کہ سب سے پہلا مسلمان میں ہوں، حضرت ابوسعید الخذری روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"الست احق الناس بها ای الخلافة، الست اول من اسلم، الست صاحب كذا، الست صاحب كذا" (تاريخ الخلفاء، ترمذی)

ترجمہ: کیا میں خلافت کا زیادہ حقدار نہیں ہوں کیا میں وہ آدمی نہیں جو سب سے پہلے اسلام لایا، کیا

میں نے یہ کام نہیں کیا، کیا میں نے ایسا ایسا نہیں کیا،،

مندرجہ بالا روایات ثابت کرتی ہیں کہ سب سے پہلے اسلام لانے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، اور حضور ﷺ کی اقتداء میں سب سے پہلے نماز پڑھنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں،،

سید صاحب نے ابی نضرہ سے ایک حدیث نقل کی ہے: ''قال ابوبکر لعلی انا اسلمت قبلک فی حدیث طویل فلم ینکر ذالک علی '' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میں نے آپ سے پہلے اسلام قبول کیا، ایک لمبی حدیث کے متن میں، اور حضرت علی المرتضیٰ نے اس کا انکار نہ فرمایا، یہی ابی نضرہ حضرت ابی سعید سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں وہ آدمی نہیں ہوں جس نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا تھا؟

حضرت عمار بن یاسر روایت کرتے ہیں: ''رأیت رسول اللہ وما معه الا خمسة اعبدوا مراتان ابوبکر خرجه الصوفی عن یحی بن معین '' میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو آپ کے ہمراہ پانچ غلام دو عورتیں اور ابوبکر تھے، اس روایت سے حضرت ابوبکر صدیق کے ایمان واسلام کی اوّلیت ثابت ہوتی ہے،،

حضرت عمرو بن عتبہ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپ عکاظ کے بازار میں تھے، میں نے پوچھا: ''من معک فی هذا الامر' فقال حر وعبد ولیس معه الا ابوبکر وبلال '' اس معاملہ میں آپ کے ساتھ کون کون ہے؟ آپ نے فرمایا ایک آزاد ہے اور غلام، جبکہ آپ کے ساتھ حضرت بلال اور حضرت ابوبکر صدیق تھے۔

جوہری زر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ جنہوں نے سب سے پہلے اسلام ظاہر کیا وہ سات ہیں، ''رسول اللہ ﷺ وابوبکر وعمار بن یاسر وامه سمیة، وصهیب، والمقداد، وبلال

'' یہی زر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں اول من اظہر اسلامه بسیفه النبی وابوبکر'' سب سے پہلے بزور

شمشیر جنہوں نے اپنا اسلام ظاہر کیا وہ نبی کریم ﷺ اور ابو بکر ہیں مندرجہ بالا ان تمام روایات سے ثابت ہوا کہ ابو بکر صدیق سب سے پہلے مومن ہیں، اور رسول اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے والے پہلے نمازی ہیں، الریاض النضرۃ کے حوالے سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے نمازی ہیں،، بظاہر اس میں تضاد نظر آتا ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب ایمان لائے تو اس وقت ان کی عمر اڑتیس سال تھی، اور الریاض النضرۃ کی روایت کے مطابق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عمر آٹھ برس تھی،(زبدۃ،۵۹)

سید صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اول المسلمین ہونے پر آٹھ احادیث نقل کی ہیں، اور ثابت کیا ہے کہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ ہی اول المسلمین ہیں۔ سید صاحب نے محب الدین طبری کی وہ تطبیق بھی تحریر کی ہے، جو اختلاف روایات کے بعد بیان کی گئی ہے"و الاولیٰ التوفیق بین الروایات کلها و تصدیقها فیقال اول من اسلم مطلقا خدیجة بنت خویلد، و اول ذکر اسلم وعلی ابن طالب و هو صبی لم یبلغ کما تقدم فی سنه و کان مستخفیا باسلامه و اول رجل عربی بالغ اسلم و اظهر اسلامه ابوبکر بن قحافه"ترجمہ: بہتر یہ ہے کہ ساری روایات کو تطبیق دی جائے، اور ان کی تصدیق کی جائے اور یوں کہا جائے کہ مطلقاً اولا لمسلمین حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا ہیں، اور مردانیت کا حامل سب سے پہلا مسلمان حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں باوجودیکہ وہ بچے تھے، اور ابھی بالغ نہیں ہوئے تھے، جیسا کہ ان کی عمر کے بارے میں پہلے گزر چکا ہے، اور پھر وہ اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے، اور پہلا عربی النسل، عاقل، بالغ مرد جو اسلام لایا اور اپنے اسلام کو ظاہر کیا وہ ابو بکر ابن قحافہ ہیں۔

سید صاحب نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اول المسلمین ہونے کی مزید تحقیق کے ضمن میں حضرت عمر سے مروی یہ حدیث زبدۃ کے ص،۶۱ پر نقل کی ہے ہم ان کے ترجمہ کو نقل کرتے ہیں: جناب عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں میں تھا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ تھے، اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، اور صحابہ کی ایک جماعت تھی، جبکہ نبی کریم علیہ السلام نے جناب مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

کے کندھے پر ہاتھ مارا اور فرمایا اے علی تو ایمان کے لحاظ سے پہلا مومن ہے اور اسلام کے لحاظ سے پہلا مسلم ہے اور تیری نسبت میرے ساتھ ایسے ہے جیسے حضرت ہارون علیہ السلام کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے۔

اس روایت میں جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اول مسلمان ہونے کا ثبوت جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زبان گوہر فشاں سے ہونا صحت روایت کی خوشگوار دلیل ہے۔ سید صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اول المسلمین ہونے پر دوسری حدیث نقل کرتے ہوئے تحریر کیا: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا "کان اول من اسلم علی بن ابی طالب اخرجہ احمدو ترمذی و صححہ" ترجمہ: پہلا شخص جو اسلام لایا تھا، وہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔ (زبدۃ،۶۲)

اس حدیث کی تخریج، امام احمد بن حنبل، امام ترمذی نے کی ہے۔

"عن ابن عباس قال کان علی اول من اسلم بعد خدیجۃ قال ابن عمر ھذاحدیث صحیح الاستادلا مطعن فی رواتہ لاحدوھو یعارض ما تقدم عن ابن عباس فی ابی بکر والصحیح ان بابکر اول من اظھرالاسلام کما تقدم ذکرہ فی بابہ وبہ مجاھد ومن حکینا قولہ من العلماء ثمہ "(الریاض النضرۃ ،۳،۱۱۰)

ترجمہ: جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پہلا شخص ہے جو جناب خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کے بعد ایمان لایا، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور اس کے راویوں میں سے کسی ایک پر کوئی تنقید یا جرح نہیں اور یہ حدیث جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے تصادم کھاتی ہے جو انہوں نے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلا مسلمان ہونے کے بارے میں روایت کی ہے تو اس بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (پہلے مسلمان نہیں ہیں بلکہ وہ) پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا جیسا کہ اسی باب میں پہلے گزر چکا ہے اور یہی بات مجاہد نے بھی کہی ہے جن کا ہم

نے وہاں ذکر کیا ہے۔(زبدۃ،۶۲)

سید صاحب نے حدیث ۴، حضرت معاذۃ العدویہ سے مروی تحریر کی ہے، وہ کہتی ہیں کہ:

"سمعت علیا علی المنبر (منبر البصرۃ) یقول انا الصدیق الاکبر امنت قبل ان یومن ابوبکر، اسلمت قبل ان یسلم ابوبکر خرجه ابن قتیبة فی المعارف" (ریاض النضرۃ،۳،۱۱۰)

میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان سے خود سنا جبکہ وہ بصرہ میں منبر پر تشریف فرما تھے، وہ کہہ رہے تھے کہ میں ہی صدیق اکبر ہوں، ابوبکر سے پہلے میں ایمان لایا ابوبکر سے پہلے میں اسلام لایا۔

سید صاحب نے تحریر کیا کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے والد کے خوف سے اپنا اسلام چھپاتے تھے حتی کہ (ایک دن) جناب ابی طالب نے انہیں دیکھ لیا تو بولے کیا تم ایمان لے آئے ہو، انہوں نے کہا جی ہاں تو (اباجی نے کہا) اپنے چچازاد بھائی کا ہاتھ بٹا، اور اس کی مدد کر اور جناب علی المرتضیٰ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما سے پہلے ایمان لائے۔(زبدۃ،۶۱)

سید صاحب نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اول المسلمین ہونے پر نو (۹) احادیث اور آٹھ صحابہ کے نام لکھے ہیں، حافظ عماد الدین ابن کثیر الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صحابہ اور تابعین کے نام گنوائے ہیں، جنہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اول المسلمین کہا اور تسلیم کیا ہے۔

اور جن صحابہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اول المومنین کہا ہے، ان کی تعداد آٹھ بیان کی ہے، اختلاف رائے کی صورت میں ہر دو آراء کو صحیح اور درست تسلیم نہیں کیا جا سکتا، لامحالہ ایک رائے راجح اور دوسری مرجوع ہوگی، یا دونوں کے درمیان توافق اور تطابق کی صورت نکالی جائے گی کہ دونوں پر عمل ہو سکے اور ایک کا بھی ترک لازم نہ آئے،، مسئلہ کی نزاکت چونکہ محتاط رویہ اپنانے اور توجہ کی متقاضی تھی اس لئے علماء نے ان کے مابین تطبیق کی صورت پیش فرمائی ہے، اور اس سلسلہ میں محب الدین طبری رحمۃ اللہ علیہ کی بلوغت علمی اور تطبیق فکری قابل تعریف ہے، جس کو سید صاحب نے زبدۃ ۵۹، پر نقل کیا ہے، لیکن ان سے قبل امام الآئمہ، سیدنا ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اختلاف روایات کو تطبیق و ترتیب کی ایسی لڑی میں پرو دیا ہے جس کو ملاحظہ کرنے کے بعد ایمان وایقان کی کلیاں کھل جاتی ہیں

،حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بالغ مردوں میں سے پہلے مسلمان ہیں، اور نابالغوں میں سب سے پہلے مسلمان جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں، اور جو عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لائیں، وہ جناب خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔

(تاریخ الخلفاء السیوطی)

سید صاحب کی اپنی تالیف زبدۃ سے یہ واضح ہو گیا کہ اول المسلمین کون ہے؟ اس میں روایات کا اختلاف ہے حتمی اور قطعی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بلا روک ٹوک اول المومنین ہیں، سید صاحب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا اس روایت میں جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اول مسلمان ہونے کا ثبوت جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زبان گوہر فشاں سے ہونا صحت روایت کی خوشگوار دلیل ہے۔

سید صاحب نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اول المسلمین کہنے والوں کی جو فہرست زبدۃ، ۵۷ پر جاری کی ہے ان میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سرفہرست ہیں، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خاندان ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بزرگوں میں سے ہیں ،حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اول المسلمین کہا تو سید صاحب کیلئے خوشی کی انتہا نہ رہی، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اپنے خاندان کے بزرگ ابو بکر صدیق کو اول المسلمین کہیں تو اس سے بھی سید صاحب کو خوش ہونا چاہیے، بہر حال اول المسلمین ہونے کیلئے جناب صدیق اکبر کو کسی کی خوشی یا برہمی کی ضرورت نہیں، تاہم یہ واضح ہو چکا ہے کہ اول المومنین کون ہے اس میں روایات مختلف ہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اول المومنین کہنے والوں کے پاس ایسی کوئی دلیل یا ایسا کوئی ثبوت نہیں جس کی بنیاد پر وہ لاریب، یہ دعویٰ کر سکیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اول المسلمین ہیں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اول المومنین نہیں ہیں، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حتمی طور پر اول المومنین ہونا ثابت نہ ہو سکا تو یہ بھی ثابت نہ ہو سکا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ علی الاطلاق افضل البشر بعد الانبیاء ہیں، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا افضل الامت ہونا موقوف تھا آپ کے قطعی اول

المومنین ہونے پر جب آپ قطعی طور پر اول المومنین نہیں تو افضل البشر بعد الانبیاء کس طرح ہوئے،،

محمد بن کعب کی روایت ہے کہ: "اول من اسلم من هذه الامة خديجة و اول رجلين اسلما ابو بكر و علي "(البذائيه و النهايه)

ترجمہ: اس امت میں سب سے پہلے اسلام لانے والی حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا ہیں،

الاصابہ میں اسی طرح ہے، اور آپ کے ہمراہ نماز پڑھی، ابن اسحاق کی روایت میں ہے:

"اذخرج رجل من خباء قريب منه فنظر الى السماء فلما راها قد مالت قام يصلى ثم ذكر قيام خديجة وراء ہ "(البدايه و النهايه) ترجمہ: اسماعیل بن ابی ایاس کہتے ہیں، کہ میرے دادا عفیف نے کہا، کہ حج کے دنوں میں میں عباس بن عبدالمطلب کے پاس بغرض خرید و فروخت منیٰ میں تھا کیونکہ وہ بھی تاجر تھے ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ ہمارے قریب کے خیمے سے ایک شخص نکلا اس نے آسمان کی طرف نگاہ کی اور اور دیکھا کہ سورج ڈھل گیا ہے وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا پھر اس کے پیچھے ایک خاتون (خدیجۃ الکبریٰ) نے نماز پڑھی،

عفیف کی روایت ہے کہ زمانہء جاہلیت میں میں مکہ مکرمہ آیا، اور عباس بن عبدالمطلب کے ہاں ٹھہرا، سورج طلوع ہوا اور ایک ٹکی کی صورت میں آسمان میں چمکنے لگا، میں خانہ کعبہ کو دیکھ رہا تھا، ایک نوجوان آیا اور اس نے آسمان پر نگاہ ڈالی، پھر وہ قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ایک لڑکا آیا اور اس کے دائیں طرف آ کر کھڑا ہو گیا، تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک عورت آئی اور ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہو گئی، نوجوان نے رکوع کیا، تو غلام اور خاتون نے بھی رکوع کیا، نوجوان رکوع کر کے سیدھا کھڑا ہوا، غلام اور عورت بھی سیدھے کھڑے ہو گئے، نوجوان سجدے میں چلا گیا وہ دونوں بھی سجدے میں چلے گئے، میں نے کہا اے عباس: "امر عظيم فقال امر عظيم فقال اتدرى من هذا فقلت لا فقال هذا محمد بن عبد الله بن عبد المطلب ابن اخى، اتدرى من الغلام قلت لا قال هذا علي بن ابى طالب رضى الله عنه اتدرى من هذه المرأة التى خلفهما؟ قلت لا قال هذه خديجة بنت خويلد زوجة ابن اخى "(البدايه و النهايه)

ترجمہ: یہ تو بہت بڑی بات ہے انہوں نے کہا ہاں، پھر حضرت عباس نے فرمایا جانتے ہو یہ کون شخص ہے میں نے کہا نہیں، پھر انہوں نے کہا یہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں، اور میرے بھتیجے ہیں، کیا تم جانتے ہو کہ یہ لڑکا کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ پھر بتایا کہ یہ ابو طالب کے بیٹے علی ہیں، (رضی اللہ عنہ) تمہیں پتہ ہے کہ یہ عورت کون ہے؟ جس نے ان دونوں کے پیچھے نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں ہے، تو انہوں نے کہا یہ خدیجہ بنت خویلد ہیں، میرے بھتیجے کی بیوی ہیں، ان روایات سے ثابت ہوا اول المومنین اس امت میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں اور سب سے پہلے جس نے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی وہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں، حافظ عماالدین ابن کثیر الدمشقی نے نقل فرمایا: وقال الاخرون اول من اسلم من ھذہ الامۃ ابوبکر الصدیق "دوسرے مورخین اور محدثین نے فرمایا ہے اس امت میں سب سے پہلے اسلام لانے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، حافظ موصوف خود ارشاد فرماتے ہیں: "والجمع بین الاقوال کلھاان خدیجہ اول من اسلم من النساء وظاھر السباقات، وقیل الرجال ایضاً، واول من اسلم من الموالی زیدبن حارثہ واول من اسلم من الغلمان علی بن ابی طالب، فانہ کان صغیرادون البلوغ علی المشھور، وھوء لاء کانوا اذذاک اھل البیت "ترجمہ: ان تمام کو ایک جا کرنے کی (تطبیق دینے) صورت اس طرح ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والی خاتون حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں، اور واضح طور پر یہ سابقین اور اولین میں سے ہیں، یہ قول بھی ہے کہ ایمان لانے والے مرد بھی السابقین اولین میں سے ہیں، اور غلاموں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے زید بن حارث رضی اللہ عنہ ہیں، اور بچوں مین ایمان لانے والے سب سے اول حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، یہ اس وقت چھوٹے تھے مشہور قول کے مطابق ابھی سن بلوغ کو نہیں پہنچے تھے،، اور یہ تمام لوگ اس وقت اہل بیت تھے، ابن اسحاق کی روایت ہے کہ بعثت سے اگلے دن حضرت علی نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت خدیجہ کو نماز پڑھتے دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کا دین ہے یہی دین لے کر

پیغمبر دنیا میں آئے میں تم کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں کہ اس کی عبادت کرو، اور لات وعزیٰ کا انکار کرو، حضرت علی نے کہا یہ بالکل نئی چیز ہے، جو اس سے قبل کبھی نہیں سنی تھی، جب تک میں اپنے والد ابو طالب سے اس کا ذکر نہ کرلوں، اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتا، آپ پر یہ بات شاق گزری کہ کہیں یہ راز فاش نہ ہو جائے اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے علی اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے تو اس کا کسی سے ذکر نہ کرنا، حضرت علی خاموش ہو گئے ایک رات گزرنے نہ پائی کہ دل میں اسلام ڈال دیا گیا۔

جب صبح ہوئی تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ گواہی دو کہ اللہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور لات وعزیٰ کا انکار کرو، اور بت پرستی سے نفرت اور بیزاری ظاہر کرو، حضرت علی نے اسلام قبول کیا۔ اور عرصہ ایک سال تک اپنے اسلام کو ابو طالب سے مخفی رکھا۔ (البدایہ والنہایہ) اور بعد ازاں آپ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ اسلام لائے اور آپ کے ہمراہ نماز ادا کی۔ (عیون الاثر)

بدء الوحی کی روایات سے اگرچہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی پہلے اسلام لائے مگر ان کا یہ تقدم موجب افضلیت و برتری نہیں اس لئے کہ حضرت خدیجہ تو آپ کی بیوی تھیں آپ کے تابع تھیں اور حضرت علی صغیر السن تھے اور آپ کی آغوش تربیت میں تھے، گھر کی عورتوں اور بچوں میں یہ طاقت اور مجال نہیں ہوتی کہ وہ بڑے کی رائے کو دفع کر سکیں، بخلاف ابو بکر کے وہ مستقل اور آزاد تھے کسی کے تابع اور زیر اثر نہ تھے، ان کا بلاکسی تردد اور بلاکسی دباؤ اور کسی کی تبعیت کے بغیر اسلام قبول کرنا موجب صد فضیلت ہے، نیز حضرت خدیجہ اور حضرت علی کا اسلام ان کی ذات تک محدود تھا جبکہ ان کا اسلام خیر اور متعدی تھا، خیر متعدی، خیر لازم سے افضل ہوتا ہے، اس لئے کہ ابو بکر اسلام میں داخل ہوتے ہی اسلام کی نشر و اشاعت، اور تبلیغ و دعوت میں مصروف ہو گئے اور حضور پر نور کو مدد پہنچائی، اور آپ کیلئے تقویت کا باعث بنے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت بچے تھے، صغیر السن تھے وہ دعوت اسلام میں کیا مدد دے سکتے تھے حضرت علی تو اپنے والد سے بھی اپنے اسلام کو چھپائے

ہوئے تھے ،(دیکھو، زرقانی، ۱، ۲۴۴) ابوطالب کی غربت کی وجہ سے حضور ﷺ کی آغوش تربیت میں تھے، ایسی حالت میں وہ رسول اللہ ﷺ اور اسلام کو کوئی مال مدد بھی نہیں پہنچا سکتے تھے، نیز بچوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب وہ کسی کی صحبت اور تربیت میں ہوتے ہیں تو جو کام ان کو کرتے دیکھتے ہیں اس کی ریس میں وہی کام کرنے لگتے ہیں بچوں میں کسی کام کے نفع ،نقصان ، اچھائی ، برائی کے سمجھنے اور پرکھنے کی صلاحیت اور تمیز نہیں ہوتی ، یہی حال اس وقت حضرت علی کا تھا، بخلاف ابوبکر کے وہ بڑے عاقل ، ہوشمند، اور زیرک تھے ،نفع ،نقصان ،حسن وقبح کی پوری تمیز رکھتے تھے ، نبی کریم ﷺ کے ہم عمر بھی تھے ،مکہ کے صاحب ثروت ، ذی شوکت اور ذی اثر لوگوں میں وصف اول کے آدمی تھے ،ابوبکر صدیق نے ان حالات اور ان اوصاف کے ہوتے ہوئے بلاکسی دباؤ،اور بلاکسی تردد کے اسلام کی دعوت کو قبول کیا، اور لوگوں پر اپنے اسلام کو ظاہر کیا، اور دین اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی ایسا اسلام موجب صد فضیلت ہے ،اور یہ فضیلت اس حدیث سے ثابت ہے جس کو ابن ابی شیبہ ،اور عساکر نے سالم بن الجعد سے روایت کیا ہے ، محمد بن الحنفیہ سے پوچھا گیا:"هل كان ابوبكر اول القوم اسلاما ،قال لا فقلت فيما علا ابوبكر وسبق حتى لايذكر غير ابي بكر قال لانه كان افضلهم اسلاما من حين اسلم حتى لحق بربه "(زبدة ، ۴۹)

ترجمہ: میں نے محمد بن الحنفیہ سے پوچھا حضرت ابوبکر صدیق سب سے پہلے ایمان لائے تھے؟ انہوں نے کہا نہیں تو میں نے کہا تو کس وجہ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ چھا گئے اور سبقت کر گئے ، یہاں تک کہ ابوبکر کے سوا کسی کا ذکر ہی نہیں ہوتا ، انہوں نے کہا کہ اس وجہ سے کہ ان کا اسلام سب سے اچھا تھا جب وہ ایمان لائے حتی کہ وہ اپنے رب تعالی سے جا ملے،،

غرضیکہ ابوبکر ایسے شخص تھے جو آزاد مستقل تھے، انتہائی زیرک صاحب شوکت اور مرتبہ تھے، ابتداء ہی سے دعوت اسلام میں رسول اللہ ﷺ کے دست بازو بنے ، مال ومتاع ،اور زندگی کا کل سرمایہ اسلام کیلئے وقف کر دیا، تیرہ سال تک ہر طرح کی تکلیف اور مصیبت میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیا اور دشمنوں کی مدافعت کی حضرت علی رضی اللہ عنہ میں کم سن ہونے کی وجہ سے دشمنوں کی مدافعت اور ان

کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں عماد الدین حافظ ابن کثیر نے فرمایا: "واول من اسلم من الرجال الاحرار ابوبکر الصدیق و اسلامہ کان انفع من اسلام من تقدم ذکرھم اذ کان صدرا معظما و رئیسا فی قریش مکرما و صاحب مال و داعیہ الی السلام و کان محببا متالفا یبذل المال فی طاعۃ اللہ و رسولہ " (البدائیہ و النھایہ)

ترجمہ: آزاد مردوں میں سے ابوبکر صدیق پہلے مسلمان ہیں، آپ کا اسلام پہلے ذکر کئے جانے والوں میں سے بہتر اور نفع بخش تھا، اس لئے کہ آپ بلند مرتبہ رکھنے والے، اور عظمت کے حامل تھے، قریش میں مالدار تھے، اور صاحب اکرام تھے، دولتمند اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے والے تھے، ہر دلعزیز تھے، لوگوں کی دل جوئی کرنے والے تھے، اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں مال خرچ کرتے تھے، اسلام لاتے ہی آپ نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا شروع کر دی تھی آپ کی دعوت وتبلیغ پر جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں، عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ بن عبید اللہ اور سعد بن ابی وقاص یہ اعیان قریش اور شرفائے خاندان آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے، حضرت ابوبکر ان کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، سب نے اسلام قبول کیا اور آپ کے ہمراہ نماز پڑھی، ان کے بعد جو حضرات مشرف باسلام ہوئے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں، ابوعبیدہ عامر بن الجراح، ارقم بن ابی الارقم، مظعون بن حبیب کے تینوں بیٹے، عثمان بن مظعون، قدامہ بن مظعون، اوعبداللہ بن مظعون، عبیدہ بن الحارث، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل، اور ان کی بیوی فاطمہ بنت خطاب یعنی حضرت عمر کی بہن، اسماء بنت ابی بکر، خباب بن الارت، عمیر بن ابی وقاص یعنی سعد بن ابی وقاص کے بھائی عبداللہ بن مسعود، مسعود بن القاری، سلیط بن عمرو، عیاش بن ابی ربیعہ، ان کی بیوی اسماء بنت سلامہ، خنیس بن حذافہ، عامر بن ربیعہ، عبداللہ بن جحش اور ان کے بھائی ابواحمد بن جحش، جعفر بن ابی طالب ان کی بیوی اسماء بنت عمیس، حاطب ابن الحارث اور ان کی بیوی فاطمہ بنت مجلل اور ان کے بھائی خطاب بن حارث اور ان کی بیوی فکیہ بنت عبداللہ النحام، عامر بن فہیرہ ابوبکر صدیق کے آزاد کردہ غلام، خالد بن مسعود بن العاص اور ان کی بیوی امینہ

بنت خلف، حاطب بن عمرو، ابوحذیفہ بن عتبہ، واقد بن عبداللہ، اور بکیر بن عبیا لیل کے چاروں بیٹے ،خالد، عامر، عاقل، ایا، اور عمار بن یاسر، صہیب بن سنان، عبداللہ بن جدعان کے آزاد کردہ غلام رضی اللہ عنھم اجمعین۔

ابی حمزہ انصاری روایت کرتے ہیں: کہ میں نے زید بن ارقم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "اول من اسلم مع رسول الله ﷺ ،علی بن ابی طالب قال فذکرته للنخعی فانکره ،قال ابوبکر اول من اسلم "(البدائیه و النهایه) ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو شخص پہلے اسلام میں آیا وہ علی بن ابی طالب ہیں، انہوں نے کہا کہ میں نے امام نخعی سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے اس کا انکار کردیا اور فرمایا کہ سب سے پہلے اسلام لانے والے ابوبکر صدیق ہیں، (رضی اللہ عنہ) امام نخعی مشہور تابعی ہیں، اپنے زمانے کے جلیل القدر عالم، فقیہ اور محدث اور تابعی کا عقیدہ وہی ہے جو صحابہ کرام کا ہے امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"واما التابعون فلا نهم خیر القرون بعد الصحابة ،ولانهم اعرف بعقائد الصحابة فی ابی بکر وغیره "(الیوقیت الجواهر ،۷، ۴۳)

تابعین (ان کا فرمان معتبر ہے) اس لئے کہ صحابہ کے زمانے کے بعد ان کا زمانہ خیر القرون (بہترین زمانہ) ہے اور ان کے اقوال اس لئے بھی حجت اور قابل ترجیح ہیں، کہ ابوبکر کے بارے میں صحابہ کے عقائد کو زیادہ جاننے والے تابعین ہیں،، اس لحاظ سے بھی امام نخعی کا قول معتبر، حجت اور قابل ترجیح ہے،

سید صاحب نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اول المسلمین ہونے پر معاذۃ عدویہ سے مروی حدیث نقل کی ہے:"قالت سمعت علیا علی المنبر (منبر البصرة)یقول انا الصدیق الاکبر امنت قبل ان یومن ابوبکر اسلمت قبل ان یسلم ابوبکر ،خرجه ابن قتیبه فی المعارف "(الریاض النضرة ،۳، ۱۱۰ ،زبدة ۶۳)

معاذۃ عدویہ کہتی ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بصرہ کے منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ صدیق اکبر میں ہوں، صدیق اکبر سے پہلے میں ایمان لایا ہوں، اور صدیق اکبر کے اسلام لانے سے پہلے

میں اسلام لایا ہوں اس حدیث کی تخریج ابن قتیبہ نے اپنی کتاب المعارف میں کی ہے، اسی قسم کی ایک حدیث عباد ابن عبداللہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: "سمعت عليا يقول انا عبدالله و اخو رسوله و انا الصديق الاكبر الحديث" ترجمہ: میں نے علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھائی ہوں اور میں ہی صدیق اکبر ہوں، عباد بن عبداللہ پر حافظ عماالدین ابن کثیر نے نقل فرمایا: کہ هو الاسدی الكوفی فقد قال فيه علی بن المدينی هو ضعيف الحديث، وقال البخاری فيه نظر، وذكره ابن حبان فی الثقات وهذا الحديث منكر بكل حال" (البدايه و النهايه، ۲۵) ترجمہ: عباد بن عبداللہ یہ اسد قبیلہ کا فرد اور کوفہ کا رہنے والا ہے، علی بن المدینی نے اس میں کلام کیا ہے، اور کہا ہے کہ روایت حدیث میں یہ ضعیف ہے اور ہر اعتبار سے یہ حدیث منکر ہے، سید صاحب کا یہ تاویل کرنا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی تصدیق کرنے والا صدیق کہلائے گا، جناب حیدر کرار کے "انا الصدیق الاکبر" کہنے کا مقصد یہ ہوگا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی تصدیق کرنے والا سب سے پہلا آدمی میں تھا، اسی لئے میں صدیق اکبر ہوں۔ (زبدة، ۲۴) بے مقصد ہے کیونکہ یہ حدیث منکر ہے قابل حجت ہی نہیں۔

۲۔ایک طرف سید صاحب کی اپنی ذاتی رائے اور تاویل ہے اور دوسری طرف وہ حدیث ہے جو ابن عساکر اور سعید بن مقصود نے اپنی سنن میں بھی ذکر کیا ہے کہ:۔ جب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس رات کو واپس تشریف لائے جس میں آپ کو سیر کرائی گئی، جب ذی طوی کے مقام پر تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبریل میری قوم تو میری بات کی تصدیق نہیں کرے گی، تو جبریل نے بارگاہ رسالتماب میں عرض کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی تصدیق کرینگے، اور وہ تصدیق کرنے والے ہیں،،

مستدرک میں نزال بن سرہ کہتے ہیں ہم نے جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ آپ جناب ابوبکر صدیق کے بارے میں کچھ بتائیں، آپ نے فرمایا وہ (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) ایک ایسا شخص ہے جس کو اللہ نے جبریل امین کی زبان سے صدیق کے نام سے موسوم کیا، سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

کی زبان گوہر فشاں سے بھی (زبدۃ۔۴۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے بھی ثابت اور معلوم ہوا کہ ابوبکر صدیق کا لقب اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ، اور جبریل امین نے دیا، اور پوری ملت اسلامیہ میں علم شخصی کی طرح مشہور، متعارف اور مسلم ہوا کیا مولائے کائنات یہ سب جاننے کے باوجود اپنے آپ کو انا الصدیق الاکبر کا لقب دے سکتے تھے اور یہ کہنا پسند کرتے تھے؟ باب العلم سے یہ روائت مخفی اور دربار الوہیت اور دربار رسالتماب ﷺ سے بزبان خود ذات ابوبکر کو ارزاں ہونے والا یہ اعزاز اکبر ذات ابوبکر کے بجائے اپنے لئے لینا کب گوارا ہوسکتا تھا؟ معقولات کی دنیا کے لوگ خاصہ فرد اور لازم فرد کو فرد تک محدود رکھتے ہیں، دوسروں کے تصور شرکت کو محال کہتے ہیں، الصدیق الاکبر امت محمدیہ میں نصوص کی روشنی میں ایک ہی فرد ہے جو ابن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ ہے،، عباد بن عبداللہ اور معاذہ عدویہ کی روایات ضعیفہ ہیں، قابل حجت نہیں،،

سید صاحب نے تحریر کیا تھا کہ: اب یہ تحقیق کہ پہلا مسلمان ان دونوں بزرگ ترین ہستیوں میں سے کون ہے؟ کسی دینی فائدہ اور ایمانی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔ (زبدۃ۔۵۱)

بفضل اللہ تعالیٰ ہم نے سید صاحب کی تحقیق میں ان کا ہاتھ بٹایا اور ثابت کیا کہ اول مومنین اول المسلمین جناب ابوبکر صدیق ہیں، جن کا ایمان اس وقت بھی تھا جب بغرض تجارت ملک شام جاتے ہوئے، بحیرا راہب کے معبد کے قریب بیری کے درخت کے نیچے بیٹھے اور راہب نے واللہ ھذا نبی اللہ کا اعلان کیا تھا، اور ابوبکر کے دل میں فوقع فی قلب ابی بکر الیقین ،(ریاض النضرۃ، ۱،۸۷) کی دولت ایمان سما گئی تھی، اعتقاد کامل، جزم مکمل کا نام یقین ہے، حضرت ابوبکر صدیق بچپن سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھی اور دوست تھے، آپ کی عادات، اطوار، اور کیفیات سے باخبر تھے، معجزانہ قوتوں کا اظہار، نصرت و تائید خداوندی کے آثار آنکھوں سے دیکھتے آرہے تھے، اب تو ابوبکر صدیق اٹھارہ برس کے ہوگئے ہیں، نابالغی کی حدوں کو عبور کرچکے ہیں، ذہانت و فطانت کی قوت سے مالا مال ہیں، بچپن سے اس عمر تک جاہلانہ رسومات اور کفریہ کلمات کو اپنے قریب تک نہیں آنے دیا، توحید کے تصور میں آنکھ کھولی ہے لات وعزی کی عبادت نہیں کی بلکہ ان کو لات ماری ہے علمائے یہود و نصاری

ہے نبی آخر الزماں کی بعثت کا سن رکھا ہے عرب دنیا کے ساتھ نبی آخر الزماں کی بعثت کا آپ کو بھی انتظار ہے لیکن جب بحیرا راہب نے قسم کھا کر کہا کہ بیری کے درخت کے نیچے بیٹھنے والا نبی ہے تو آپ کو یقین ہو گیا آپ نے حالات کے خفاء میں خواب دیکھا بحیرا راہب کی زبان سے وہ شرمندہ تعبیر ہوا اور آپ نے تسلیم کیا اور تصدیق کر دی یہ ایمان اجمالی غیر تکلیفی ہے یہی وہ تصدیق قلبی تھی جس کے اثرات اور قوت بھرپور انداز میں اس وقت ظاہر ہوئی جب رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر کو دعوت اسلام دی تو بلا تامل ، اور بدوں تردد ایمان لے آئے ، رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا ، ابو بکر کے علاوہ ہر شخص نے میری دعوت اسلام میں تامل کیا ، اور آمادہ بانکار ہوا لیکن ابو بکر وہ واحد آدمی ہیں جو دعوت اسلام سنتے ہی ایمان لے آئے ، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اسلام کے بارے میں کان افضلهم اسلاما من حين اسلم حتى لحق بربه "(زبدة ، ۴۹) کی سند کافی ہے کہ ابو بکر اسلام لانے کے اعتبار سے بھی افضل الصحابہ ہیں ، ہر صحابی نے ایمانیات ، عملیات ، جانبازی ، اور حب رسول ﷺ میں بے مثال لازوال نمونے پیش کئے آسمان رشد و ہدایت کے نیر ہائے تاباں کہلائے مگر ابو بکر صدیق کے ذوق اسلامی اور کیفیت ایمانی کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکا ، قوت ایمانی کی اس انتہا کو پہنچے کہ مع اللہ ہو گئے امام ربانی امام شعرانی نے نقل فرمایا "وقال ابو السعود ابن الشبلي رحمه الله ما مات رسول الله ﷺ حتى صار ابوبكر متعهدا على الله تعالىٰ دون رسول الله ﷺ فكان ياخذ كل شيء ياتيه من الحكام من الله على لسان رسول الله ﷺ ولذالك لما مات رسول الله ﷺ لم يتاثر كل ذالك التاثر كما وقع لغيره "(اليواقيت والجواهر ، ۴۳۹) ترجمہ : ابو السعود ابن الشبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا : رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی رسول اللہ ﷺ کے بجائے اللہ تعالیٰ پر اعتماد کامل رکھتے تھے ، اور اللہ تعالیٰ کے ہر اس حکم کی تعمیل کرتے تھے جو رسول اللہ ﷺ کی زبانی ان تک پہنچتا تھا ، اور اسی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے دوسرے صحابہ کی طرح بالکل متاثر نہیں ہوئے تھے ۔

پھر نقل فرمایا : " وكان رسول الله ﷺ قد علم من ابى بكر انه صار مع الله لا مع رسوله

صلی اللہ علیہ وسلم الا بحکم انه کان یری مایخاطبه به الحق تعالی علی لسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی کل خطاب سمعه منه و کان لابی بکر میزان فی نفسه یعلم مایقبل من خطابه فی حقه وما لایقبل "(الیوقیت و الجواهر، ۴۴۰)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ ابوبکر صدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت سے آگے اللہ تعالیٰ کی معیت سے سرفراز ہو چکے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والے حکم کو جان اور پہچان جاتے کہ اس میں بزبان رسالت کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو مخاطب فرمایا ہے، ابوبکر صدیق کی ذات میں ایک پیمانہ تھا، جس کی وجہ سے ان کو معلوم ہو جاتا تھا کہ ان کا کون سا عمل اور کون سی گفتگو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی ہے اور کون سی نہیں؟

یہ سب کچھ اس ایمان کی وجہ سے تھا جو جناب صدیق اکبر کے دل میں موجزن تھا جس نے زبان رسالت سے جاری ہونے والے احکامات خداوندی کے پنہاں اور خفیہ اسرار و رموز کو آشکارا، اجابت و تردید کی غیر محسوس کیفیات، اور نادیدہ لمحات سے حجابات اٹھا دیئے تھے، یہی وہ برتر قوت ایمانی، اور کمیت ایمانی تھی جس کو بے نقاب کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ پوری امت کے اجتماعی ایمان کا، ابوبکر صدیق کے ایمان کے ساتھ توازن اور تقابل کیا جائے تو ایمان ابوبکر وزنی ہوگا، ونعلم قطعا ان ایمان احادالامة لیس کایمان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا کایمان ابی بکر الصدیق باعتبار هذا التحقیق وهذمعنی ماورد لووزن ایمان ابی بکر الصدیق بایمان جمیع المومنین لرجح ایمان لرجحان ایقانه ووقار جنانه وثبات اتقانه وتحقیق عرفانه "(شرح فقه اکبر، ۱۰۴) ترجمہ: ہم قطعی طور پر جانتے ہیں، کہ امت محمدیہ کے کسی بھی فرد کا ایمان، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کی طرح نہیں، اور نہ ہی پوری امت میں سے کسی کا ایمان ابوبکر صدیق کے ایمان جیسا ہے، اس تحقیق کے مطابق اور حدیث پاک میں جو فرمایا گیا ہے کہ اگر ابوبکر صدیق کے ایمان کو سب مومنین کے ایمان کے مقابل تولا جائے تو ابوبکر صدیق کا ایمان وزنی ہوگا ان کے ایقان کے راجح ہونے اور اطمانیت قلب کی وجہ سے اور یقین کے پختہ ہونے کی وجہ سے اور وجود عرفان کی وجہ

سے یعنی یہ صفات صرف ابوبکر صدیق کے ایمان کو حاصل ہیں، دوسرے کسی شخص کا ایمان اس پائے کا نہیں،

سید صاحب نے تحریر کیا کہ چونکہ اس سلسلہ میں اصول الدین مصنفہ امام عبدالقاہر جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ بات گزر چکی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی ترتیب مراتب کا ایک معیار پہلے ایمان لانا ہے اس لئے ایمان اور اسلام کی اولیت کا فیصلہ بھی ایک جز و مضمون ہے، (زبدۃ، ۵۷) ایمان اور اسلام کی اولیت پر بحث آچکی ہے مختلف روایات کی تطبیق پر تین اقوال بھی نقل ہو چکے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق کے افضل ہونے کی دلائل بھی بیان اور نقل ہو چکے ہیں، اب یہ قارئین کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان سے کس طرح دینی فائدہ حاصل کرتے اور دینی دلچسپی لیتے ہیں، ماعلینا الا البلاغ

''اب رہا مسئلہ امام عبدالقاہر جرجانی کا، اور ان کی تصنیف اصول الدین کا''

سید صاحب نے اپنی تالیف زبدۃ میں چند ایک علوم وفنون کی جھلک دکھائی گئی ہے جس سے معلوم ہوا کہ سید صاحب درسیات کے عالم ہیں، ورنہ فنون کی چند باتیں زیب قرطاس نہ کرتے، ہم شاہ صاحب کی توجہ علم نحو کی ابتدائی کتاب شرح مائۃ عامل کی طرف مبذول کروانا ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ سید صاحب نے شرح جامی کا ایک کلیہ بھی نقل کیا ہے شرح جامی تک پہنچنے سے پہلے شرح مائۃ عامل کا پڑھا جانا ضروری سمجھا جاتا ہے، شرح مائۃ عامل میں ہے ''علی ما الفہ الشیخ الامام افضل علماء الانام عبد القاھر بن عبد الرحمن الجرجانی سقی اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ '' عبدالقاہر جرجانی علم نحو، معانی، اور بیان میں امام تسلیم کئے گئے ہیں، اور ان علوم میں لفظ امام سے عبدالقاہر جرجانی ہی مراد ہوتے ہیں، لیکن ان کا مذہب اعتزال ہے، اور یہ مسلم معتزلہ ہیں، تبیین ابوسعید خانی میں ہے،

''قبر او اللہ تعالیٰ مکان راحت گرداند، زیرا کہ آب دادن بزمین موجب راحت بود و ایں دعا مخالف اعتقاد شیخ است، زیرا معتزلہ عذاب وثواب قبر را منکر ہستند، ودریں دعا اشارت بعدم تکفیر معتزلہ است زیرا کہ مذہب آنست کہ اہل قبلہ کافر نباشد'' عبدالقاہر جرجانی نے مراتب کی ترتیب کا معیار ایمان و اسلام کا اول لانا مقرر فرمایا ہے یعنی جرجانی افضلیت کا تعلق اولیت اسلام اور اولیت ایمان سے

جوڑتے ہیں جو پہلے ایمان لایا وہ سب سے افضل ہے، جو بعد میں لایا وہ مفضول ہے، یہ ان کی اپنی ذاتی رائے ہے، انفرادی اور شخصی سوچ ہے، اہل سنت و جماعت کے نزدیک افضلیت، اور ترتیب مراتب کا اعتبار ترتیب خلافت پر ہے، جو پہلے منصب خلافت پر فائز ہوا وہ سب سے افضل ہے، عقائد کی تمام کتب میں مراتب کی درجہ بندی خلافت کے اعتبار سے مرقوم ہے، ہم اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کر آئے ہیں، اور مصادر ہائے مسئلہ کی نامزدگی بھی کر آئے ہیں، جن میں تکمیل الایمان، فقہ اکبر، شرح فقہ اکبر، صواعق المحرقہ، الیواقیت والجواہر، تمہید وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، عبد القاہر جرجانی نے مذہب اعتزال کی راہ اپنائی ہے اہل سنت و جماعت، اور جمہور علمائے امت کی پیروی نہیں کی، سید صاحب نے حضرت علی المرتضیٰ کے اول اسلام اور اول ایمان لانے پر مواد بھی پیش کیا ہے بالفرض اگر اولیت ایمان اور اولیت اسلام کو ہی ترتیب مراتب سے مشروط کر دیا جائے اور حضرت علی المرتضیٰ کو پہلا مسلمان اور پہلا مومن تسلیم کر لیا جائے تو صحابہ کا اجماع جو ابو بکر صدیق کی افضلیت پر منعقد ہوا کس کھاتے میں جائیگا؟ صحابہ نے تو ابو بکر صدیق کر افضل الامت گردان کر خلیفہ نامزد کیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی باوجودیکہ بقول سید صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے مسلمان اور پہلے مومن اس اجتماع میں موجود تھے، اور عبد القاہر جرجانی کے وضع کردہ کلیہ کے مطابق حضرت علی افضل تھے، اور بوقت انتخاب و بیعت وہاں موجود تھے، اگر اول ایمان لانا اور اول اسلام قبول کرنا شرط افضلیت اور شرف اولوہیت ہوتا تو خلفاء راشدین میں حضرت علی المرتضیٰ خلیفہ اول ہوتے، ابو بکر صدیق، عمر فارق، عثمان غنی رضی اللہ عنھم اپنے اپنے نمبر پر ہوتے، لیکن صحابہ کرام نے حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت کو دلائل قاہرہ سے ثابت کیا اور ازاں بعد بطور خلیفہ رسول ان کی بیعت کی، ایمان و اسلام کی اولیت خلافت کیلئے، اور افضل الامت ہونے کیلئے شرط لازم کے طور پر کسی طرف سے بھی سامنے نہ آئی، ثابت ہوا ترتیب مراتب کا معیار اسلام و ایمان کی اولیت نہیں، یہ جرجانی کی خود ساختہ شرط اور قید ہے، بالفرض اگر اولیت اسلام و ایمان ہی معیار ترتیب مراتب ہے تو صحابہ کرام کو یہ علم نہ تھا، کہ امت محمدیہ میں سب سے پہلا مسلمان اور مومن کون ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے کس چیز کو معیار افضلیت قرار دیا تھا ؟ اور کس کی افضلیت کو حالات وواقعات کے مطابق اشارات وتصریحات کے ذریعے روشن فرمایا تھا، کیا یہ کہنا کرنا ممکن ہے کہ اسلام وایمان کی اولین جلوتوں میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب مراتب کا خیال نہیں رکھا 'نعوذ باللہ' امام عبد القاہر جرجانی کے حوالہ سے سید صاحب نے ترتیب مراتب کا معیار پہلے ایمان لانا مقرر کیا ہے آیئے دیکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں اسکی پذیرائی کس قدر ہے؟ اور کس حد تک ہے؟ سید صاحب نے حضرت حسان بن ثابت کا شعر:

وکان حب رسول اللہ قد علموا

من البریة لم یعدل بہ رجلا

زبدۃ کے ص، ۵۲ پر نقل کیا ہے اور اس کا ترجمہ بھی لکھا لوگوں کو جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے محبت کا علم تھا وہ مخلوق میں سے کسی کو بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر نہیں سمجھتے تھے، اور یہ اشعار سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پڑھے گئے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد خوشی ہوئی، جس کا معنی یہ ہے کہ یہ اشعار کہنے کو شعر ہیں مگر دستور کی نظروں میں یہ حدیث تقریری ہے اس پر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تحسین وآفریں فرمانا اس معنی کی تاکید مزید ہے۔

(بحوالہ ریاض النضرۃ، ج ۱، ص، ۸۶)

یہ اشعار حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہے ہیں بلکہ تفسیر روح المعانی کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت، حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو خود بلایا اور فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے صدیق اکبر کے بارے میں اشعار کہے ہیں انہوں نے کہا جی ہاں، فرمایا وہ اشعار مجھے بھی سناؤ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اشعار سنائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے حد خوشی کا اظہار فرمایا، اور داد تحسین سے نوازا، ان اشعار سے عقیدۂ اہل سنت و جماعت پر روشنی پڑتی اور وضاحت ہوتی ہے، اہل سنت و جماعت کا، بلکہ جمہور علمائے امت کا عقیدہ ہے کہ آزاد، بالغ، اور مستقل مردوں میں مومن اول، اور پہلے مسلمان حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں

،اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:"واول الناس منهم صدق الرسل "سب لوگوں سے پہلے اس نے رسول کی تصدیق کی،

۲: رسول اللہ ﷺ کے نزدیک افضل البشر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، اور آپ کے دربار میں تمام صحابہ میں محبوب ترین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، ابو بکر صدیق سے افضل ہونا تو دور کی بات ہے آپ ﷺ آپ کے مساوی بھی کسی کو نہیں جانتے سمجھتے تھے،

۳: معیار افضلیت آپ ﷺ کے نزدیک مومن اول ہونا نہ تھا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ لم یعدل بہ رجلا کے مقام پر ہوتے، کہ اہل بیت میں سے وہ پہلے مسلمان اور مومن اول تھے، محب الدین طبری نے ان اشعار کو حدیث تقریری کہا ہے اس پر عمل کرنا واجب ہے یا روایات ضعیفہ اور عبد القاہر جرجانی معتزلی کے قول فاسدہ پر، رسول اللہ ﷺ کی رضا اور خوشنودی اسی بات میں ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل الامت رسول اللہ ﷺ کے محبوب یکتا، اور مومن اول تسلیم کیا جائے،

"عن سلمان انه قال اول هذه الامة ورودا على نبيها ﷺ اولها اسلاما علی بن ابی طالب وقدروی مرفوعا الى النبی ﷺ ولفظه اول هذه الامة ورودا على الحوض ......الحديث (الرياض النضرة، ۳، ص، ۱۱۰، زبده ص ۶۴)

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس امت کا سب سے پہلا آدمی جو سرکار دو جہاں ﷺ کے پاس حوض کوثر پر وارد ہوگا وہ علی ابن طالب ہیں یعنی جناب مولا مرتضی جو سب سے پہلے ایمان لائے تھے، وہی حوض کوثر پر سب سے پہلے جناب سرکار دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے "فی رواية اولكم ورودا على الحوض اولكم اسلاما على ابن طالب"

(الرياض النضرة، ۳، ۱۱۰)

اسی روایت میں ہے تم میں سے پہلا شخص جو حوض کوثر پر وار ہوگا وہ وہی شخص ہے جو سب سے پہلے اسلام لایا تھا، اور وہ علی بن ابی طالب ہے، سید صاحب نے اس روایت سے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے پہلا مسلمان ہونے پر استدلال کیا ہے، حضرت ابو درداء سے روایت ہے کہ:

قال رسول الله ﷺ اول من یرد علی یوم القیامة ابوبکر الصدیق اخرجه الملاء فی سیرته'(الریاض النضرة ، ۱ ، ۱۶۴)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن جو شخص سب سے پہلے حوض کوثر پر مجھ سے ملے گا وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، جماعت کثیرہ نے اس حدیث کی آپ کی سیرت میں تخریج کی ہے،

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:"ان رسول الله ﷺ قال لابی بکر انت صاحبی علی الحوض وصاحبی فی الغار،خرجه الترمذی وقال حسن صحیح"(الریاض النضرة ۱، ۱۶۴)

ترجمہ: بے شک رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا حوض کوثر پر تم میرے ساتھی ہو، غار میں بھی تم میرے ساتھی تھے،ان دو احادیث سے ثابت ہوا کہ قیامت کے دن حوض کوثر پر سب سے پہلے ورود حضرت ابوبکر صدیق کا ہوگا ،اگر حوض کوثر پر سب سے پہلے ورود ہونے سے اول المومنین ہونے پر استدلال کیا جائے تو بظاہر ان احادیث میں تعارض پیدا ہوگا اور تعارض کا دور کرنا بہر صورت ضروری اور لازمی ہوگا۔

محدث ابن حجر مکی رحمہ اللہ علیہ نے نقل فرمایا:"اخرج الترمذی والحاکم عن عمرو الطبرانی فی الاوسط عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ خرج ذات یوم فدخل المسجد وابوبکر وعمر احدهما عن یمینه والآخر عن شماله وهو اخذ بایدیهما وقال هکذا نبعث یوم القیامة "(الصواعق المحرقه، ۹۷)

ترجمہ: کہ امام ترمذی، اور امام حاکم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے،اور امام طبرانی نے ''الاوسط'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ حجرۂ مبارکہ سے باہر تشریف لائے اور مسجد نبوی میں داخل ہوئے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی ساتھ تھے،ایک دائیں طرف اور دوسرے بائیں طرف تھے،آپ نے دونوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے،اور پھر فرمایا:تم اسی طرح قیامت کے دن بھی اٹھیں گے۔محدث رحمۃ اللہ علیہ نے مزید فرمایا:"اخرج الترمذی والحاکم عن ابن عمر قال ،قال رسول الله ﷺ انا اول من تنشق عنه الارض ثم

ابوبکر ،ثم عمر "(الصواعق المحرقہ ، ۹۷)

ترجمہ: امام ترمذی ، امام حاکم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں وہ پہلا شخص ہوں جس کی (پہلے) قبر شق ہوگی ، پھر (دوسرے نمبر پر) ابوبکر کی ، اور پھر (تیسرے نمبر پر) عمر کی قبریں شق ہوں گی ، دونوں حدیثوں کو ترتیب دینے سے نتیجہ یہ نکلتا ہے قبور کے شق ہونے سے لے کر حوض کوثر پر ورود تک حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے صاحب (ساتھی ، ہمراہی) ہوں گے ، جس کا اظہار رسول اللہ ﷺ نے "هكذا نبعث يوم القيامة" کی ہیت ، صورت اور کیفیت میں فرمایا ہے ، حضرت علی رضی اللہ عنہ چونکہ اس مصاحبت میں نہیں ہوں گے اس لئے فرمایا وہ حوض کوثر پر وارد ہوں گے ، اگر رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہلا مسلمان فرمایا تو یہ بھی درست ہے کیونکہ اہل بیت میں سے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پہلے مسلمان ہیں یوں بھی درست ہے کہ بچوں میں ایمان لانے والے وہ پہلے مومن اور پہلے مسلمان ہیں ، ابوبکر چونکہ عرصہ محشر میں آپ ﷺ کی معیت میں ہوں گے اس لئے ان کا ورود نہیں ہوگا ، بلکہ مصاحبت ہوگی ، جیسے آپ ﷺ نے خود ارشاد فرمایا: انت صاحبی علی الحوض " بہر حال سید صاحب کی نقل فرمودہ دو احادیث سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے علی الاطلاق مسلمان اول ہونے پر استدلال کرنا محل نظر ہے ۔ ،،

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مومن اول ، اور پہلے مسلمان ہونے پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہ ذکر کیا ہے کہ :"السباق ثلثة ،يوشع بن نون الى موسىٰ وصاحب ياسين الى عيسىٰ وعلى الى النبى ﷺ ،خرجه ابن الضحاك فى الاحاد والمثانى "

ترجمہ: جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سبقت لے جانے والے تین شخص ہیں ، پہلے یوشع بن نون ہیں ، جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف سبقت کی (یعنی سب سے پہلے ان کا کلمہ پڑھا' دوسرے صاحب یاسین ہیں جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سبقت کی یعنی سب سے پہلے دین عیسیٰ علیہ السلام قبول کیا ، اور تیسرے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں ، جنہوں نے نبی کریم ﷺ

کی طرف سبقت کی سب سے پہلے آپ ﷺ کا دین قبول کیا۔ (زبدة، ۶۵)

ہم پہلے نقل کر آئے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ کا دین سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا نے قبول کیا، حافظ عماد الدین ابن کثیر نے نقل فرمایا: کہ محمد بن کعب روایت کرتے ہیں کہ "اول من اسلم من هذه الامة خديجة "(البدایہ و النہایہ)

ابن اسحاق روایت کرتے ہیں، کہ ہم منی میں تھے، (عفیف، عباس) ایک نوجوان آیا، اس نے آسمان کی طرف دیکھا، سورج ڈھل چکا تھا وہ کھڑا ہوا اور نماز پڑھنے لگا، اور پھر خدیجہ آئیں اور اس کے پیچھے کھڑی ہو گئیں، (ایضاً) دین اسلام قبول کرنے والوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبری نے دین قبول کیا ہے،، علی الاطلاق یہ کہنا کہ سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا ہے تحقیق اور معتبر روایات کی روشنی میں درست نہیں، بچوں میں سب سے پہلے اسلام لائے بلا شک وشبہ درست اور معتد بہ ہے، لیکن سب سے پہلے ایمان لانے والی حضرت خدیجۃ الکبری ہیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کے بعد ایمان لائے، سید صاحب نے خود تحریر کیا ہے جس نے خدیجۃ الکبری کے بعد سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ (زبدة، ۳۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا السباق ثلاثة الخ......

سید صاحب نے تحریر کیا کہ: یہی روایت (جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ہے) ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں سورۂ واقعہ آیت نمبر ۱۰، السابقون کی تفسیر میں نقل کی ہے، اور اسی روایت کو امام ابن حجر مکی نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے الصواعق المحرقہ ص، ۱۲۵، پر نقل فرمایا ہے۔

یعنی السابقون السابقون سے مراد یوشع بن نون صاحب یاسین، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں،

سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"واختلف فی تعیینهم فقیل: هم الذين سبقوا الى الايمان و الطاعة عند ظهور الحق من غير تلعثم وتوان،، وروى هذا عن عكرمه و مقاتل "

ترجمہ: السابقون السابقون کے تعین میں مفسرین کا اختلاف ہے ایک قول کے مطابق یہ وہ لوگ ہیں، جنہوں نے حق کے ظہور کے بعد بغیر کسی کمزوری اور سستی کے ایمان لانے اور اطاعت حق میں سبقت کی ہے، عکرمہ اور مقاتل یہی کہتے ہیں اس قول میں نہ نام کی قید ہے نہ زمان کی،،

''واخرج ابن مردویه عن ابن عباس قال نزلت فی حزقیل مومن آل فرعون ،وحبیب النجار الذی ذکر فی یاسین ،وعلی بن ابی طالب کرم الله وجهه''

ابن مردویہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت نمبر ۱۰ حزقیل جو آل فرعون کا مومن تھا، اور حبیب النجار جس کا ذکر سورۂ یاسین میں ہے اور حضرت علی بن ابی طالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے،،

''وقیل هم الانبیاء علیهم السلام لانهم مقدموا اهل الادیان'' ایک قول یہ ہے کہ اس آیت سے مراد انبیاء کرام علیہم السلام ہیں، کیوں تمام دینداروں کی نسبت وہ اقدم اور اسبق ہیں۔

''وقال ابن سیرین هم الذین صلوا الی القبلتین کما قال الله تعالی: والسابقون الاولون من لامهاجرین والانصار'' ترجمہ: ابن سیرین نے کہا کہ السابقون السابقون وہ لوگ ہیں جنہوں نے قبلتین کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ،السابقون، وہ مہاجرین اور انصار کے اولین ہیں،،

وعن ابن عباس هم السابقون الی الهجرة ،السابقون وہ لوگ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے ہجرت کی وعن علی کرم الله تعالیٰ وجهه هم السابقون الی الصلوت الخمس ''حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ السابقون سے مراد وہ لوگ جو نماز پنجگانہ میں پہل کرتے ہیں ان کے علاوہ مفسر مذکور نے اور بھی کافی روایات ذکر ہیں جن کو ہم نقل نہیں کر رہے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی دو روائتیں ہیں۔ دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، مزید اس آیت نمبر ۱۰ کی مراد، تعیین اور مصداق میں مفسرین کا اختلاف ہے حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ السابقون سے فلاں افراد مراد ہیں اور فلاں نہیں، چونکہ آیت کے محمل اور مصداق میں کئی احتمال ہیں، اذا جاء

الاحتمال بطل الاستدلال، لہذا اسید صاحب کا اس آیت سے یہ استدلال کرنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے مسلمان اور پہلے مومن ہیں، لہذا وہی ساری امت میں افضل ہیں، اور وہی الصدیق الاکبر ہیں غلط ہے،

پھر عبدالقاہر جرجانی کا فارمولا اسی صورت موثر، اور بار آور ہوسکتا ہے جب حضرت علی علی الاطلاق پہلے مسلمان، اور پہلے مومن ہوں۔

حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:"ای لایمکن الاخبار عنهم الا بنفسهم ،فان حالهم وماهم علیه فوق ان یحیط به علم البشر "یعنی السابقون کے بارے میں خبر دینا ناممکن ہے کہ وہ کون ہیں؟ ہاں جب تک وہ خود نہ بتائیں، ان کے حالات اور مقامات کا احاطہ کرنا علم انسانی سے بالاتر ہے پھر فرمایا: مختصرا یوں کہا جاسکتا ہے،،"وهوان المراد منه ان السابقین الی الخیرات فی الدنیاهم السابقون الی الجنة فی العقبیٰ" کہ آیت کریمہ سے مراد یہ ہے کہ جولوگ دنیا میں کارہائے خیر میں پہل کرتے رہے، وہی لوگ آخرت میں سب سے پہلے جنت میں جائیں گے،، ہر دو مفسرین کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ السابقون السابقون سے مومنین کا کونسا مخصوص طبقہ مراد ہے اس کے بارے میں کوئی حتمی رائے اور قول فیصل موجود نہیں۔

خود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے دو روائتیں موجود ہیں اور نقل کر دی گئی ہیں۔

جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حوض کوثر پر وارد ہونے کا تعلق ہے وہ ضرور آئیں گے اور مخالفین دین، اور دشمنان اسلام کو لاٹھی لیکر بھگائیں گے اور اعلان فرمائیں گے کہ یہ حوض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت ہے اللہ تعالیٰ نے مومنین، موحدین کی گرمی محشر اور پیاس بجھانے کی غرض سے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطیہ کے طور پر دیا ہوا ہے، محب الدین طبری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا:

"عن ابن عباس ،قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ینادی منا دیوم القیامة من تحت العرش این اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فیؤتی بابی بکر وعمر وعثمان وعلی ،فیقال لابی بکر قف علی باب الجنة فادخل من شئت برحمة الله ودع من شئت بعلم الله ،ویقال

لعمر بن الخطاب قف عند الميزان فثقل من شئت برحمة الله وخفف من شئت بعلم الله ،ويكسى عثمان حلتين ويقال له البسهما فانى خلقتهما او ادخرتهما من حين انشأت خلق السموت و الارض ،ويعطى على بن ابى طالب عصا عوسج من الشجرة التى غرسها الله تعاليى بيده فى الجنة فيقال ذدالناس عن الحوض ''

(الرياض النضرة ، ا ، ص ، ۵۴)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن عرش کے نیچے سے ندا کرنے والا ندا کرے گا کہ محمد ﷺ کے اصحاب (چار یار) کہاں ہیں؟ پس حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی کو لایا جائیگا (رضی اللہ عنہم) ابوبکر سے کہا جائیگا کہ جنت کے دروازے پر کھڑے ہو جاؤ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جس کو چاہو جنت میں داخل کرو، اور اللہ کے علم سے جس کو چاہو دور کر دو، حضرت عمر سے کہا جائیگا کہ میزان کے پاس کھڑے ہو جاؤ جس کے اعمال کو چاہو ثقیل یعنی وزنی کرو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ، اور اللہ کے علم کے ساتھ جس کو چاہو ہلکا کرو، حضرت عثمان غنی کو دو پوشاکیں پہنائی جائیں گی اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت سے ہی تمہارے لئے تیار کر کے رکھی گئی تھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک لاٹھی دی جائے گی جسکو جنت کے اس درخت سے ڈھالا گیا ہوا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست مبارک سے لگایا ہوا ہے ان کو کہا جائے گا کہ کافروں، منافقوں، مشرکوں، اور بدکرداروں کو حوض کوثر سے دور بھگاؤ، وہ اس لاٹھی سے دور بھگائیں گے، اور اگر یوں کہا جائے کہ اہل بیت میں سے سب سے پہلے میرے پاس حوض کوثر پر علی رضی اللہ عنہ آئیں گے کیونکہ وہ بچوں میں مومن اول ہیں، اور صحابہ میں سے سب سے پہلے ابوبکر صدیق آئیں گے کیونکہ وہ آزاد عاقل بالغ اور سرکردہ لوگوں میں سے پہلے مومن ہیں، اس توجیہہ پر روایات کا اختلاف توافق اور تطابق میں بدل جاتا ہے، کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف وتوصیف میں جن آیات کو نازل فرمایا وہ

درج ذیل ہیں،

﴿1﴾ **الا ینصروہ فقدنصرہ اللہ اذاخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذھما فی الغار اذیقول لصاحبہ لاتحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ سکینتہ علیہ** "(التوبۃ، ۴۰)

ترجمہ: اگر تم اس کی مدد نہیں کرو گے تو کیا ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد کی ہے، جب کافروں نے شہر مکہ سے اس کو نکالا۔

آیہء کریمہ کے اس حصہ تک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی تمام صحابہ کو تہدید کی گئی ہے کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کی مدد کیوں نہیں کی؟ اگر تم ان کی مدد کرتے تو کافروں کی کیا مجال تھی کہ وہ ان کو مکہ سے نکال دیتے جو مکہ ان کی جائے ولادت اور جائے پروان ہے اس تہدید میں ابوبکر صدیق شامل نہیں ہیں۔

پھر فرمایا **ثانی اثنین اذھما فی الغار** " جب اللہ کے رسول ﷺ اور صدیق غار میں تھے تو صدیق دو کے دوسرے تھے، یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم ﷺ کے ساتھ ابوبکر صدیق کا ذکر فرمایا ہے۔

پھر فرمایا **اذیقول لصاحبہ لاتحزن ان اللہ معنا**، جب رسول اپنے صاحب (ابوبکر صحابی) سے یہ فرما رہے تھے کہ غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے، یہ غم کیا تھا؟ اور کس کا غم تھا؟ ذات صدیق کو رسول اللہ ﷺ کی جان کے جانے کا غم تھا، کیونکہ کافر کھوجی نشان قدم سے راہ نمائی لیتے ہوئے غار کے دہانے تک پہنچ گئے تھے اور جناب صدیق اکبر نے ان کو دیکھ لیا تھا، صدیق اکبر کو اپنی جان کی ضیاع کا کوئی غم نہ تھا، بلکہ جان اسلام، اور جان ایمان کے چلے جانے کا غم تھا، اس لئے فرمایا **لاتحزن ان اللہ معنا**، اللہ کے رسول تو ہیں ہی اس کی حفاظت میں وہی ان کا تحفظ فرمائے گا مگر چونکہ رسول اللہ ﷺ اور صدیق اکبر کا عام حالات میں رشتہ، شخص اور سائے کا ہوتا تھا، مگر غار میں بالخصوص یہ رشتہ، قالب اور جان کا منظر پیش کر رہا تھا، اس لئے فرمایا غم نہ کرو، اللہ تعالیٰ کی معیت ہمارے ساتھ ہے اب کافر ہمارا ایک بال بھی بیکا نہیں کر سکتے، واقعہء ہجرت، سفر ہجرت، غار، رسول اللہ ﷺ اور یار غار

جناب صدیق اکبر کی جانثاری، دل سوزی، کی تمام کڑیوں کو ملانے کے بعد نتیجہ یہ اخذ ہوتا ہے کہ غار کے پیٹ میں جہاں رسول خدا ﷺ کی ذات پر انوار الٰہیہ، اور تجلیات یزدانیہ کی بارش ہورہی تھی وہاں ابوبکر صدیق بھی مسلسل اس سے سیراب اور فیضیاب ہورہے تھے، اگر فیضیاب نہ ہوتے تو یار غار کا ذکر ہوتا نہ غار کا، اور نہ یہ منظر حصہ قرآن بنتا، ہجرت کی سنگت، عشق و جانبازی کی لازوال اور بے مثال داستان تھی جس کے رقم کرنے والے صدیق کو خود لصاحبہ فرما کر ان کی دائمی اور ابدی سنگت کا اعلان فرمایا،، اور اس میں ذرہ برابر شک کرنے والے کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔

﴿2﴾ والذی جاء بالصدق به، (الزمر، ۳۳) وہ جو سچ لے کر آیا، اور جس نے اس سچ کی تصدیق کی، والذی جاء بالصدق سے مراد رسول کریم ﷺ ہیں، اور صدق به سے مراد جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں، یعنی دین اسلام ایک سچائی ہے اور اس سچائی کی تصدیق کرنے والے اور سب سے پہلے، بدوں تردد اور بغیر انکار قبول کرنے والے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں، اور سب سے پہلے اظہار کرنے والے، اور اس سچائی کی طرف بلانے والے صدیق اکبر ہیں (رضی اللہ عنہ)۔

﴿3﴾ شاورهم في الامر، (آل عمران، ۱۵۹) ان سے کام (دینی امور کی اشاعت و تبلیغ وغیرہ) میں مشورہ کیا کرو، یعنی حضرت ابوبکر صدیق، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے دینی معاملات میں مشورہ کیا کرو، اللہ تعالیٰ نے شیخین کریمین سے مشورہ کرنے کا حکم فرمایا ہے، فطری امر ہے مشورہ اسی سے لیا جاتا ہے جو فہم و فراست کا مالک ہو، تجربہ کار ہو اور معاملہ فہم ہو، اور جوان اوصاف کا مالک ہو وہی بہتر مشیر ہوسکتا ہے نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے انبیاء اور رسولوں کے بعد ابوبکر اور عمر سے بہتر نہ کوئی آسمانوں والی مخلوق میں ہے اور نہ زمین والوں میں، یہ آیہء کریمہ شیخین کریمین کی افضلیت کی زبردست دلیل ہے امام حاکم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی زبانی نقل فرمایا ہے، کہ یہ آیہء کریمہ شیخین کی شان میں نازل ہوئی ہے، اور رزبدۃ نے بھی اس کو نقل کیا ہے۔

﴿4﴾ "ومن خاف مقام ربه جنتان" (الرحمن، ۴۶) ترجمہ: جو شخص اپنے رب کی بارگاہ

ہیں (حساب و کتاب ہونے) کھڑا ہونے سے ڈرے اس کیلئے دو باغ ہیں۔

حضرت امام جلال الدین السیوطی نے ابن حاتم اور ابن شوذب کی روایت سے نقل فرمایا ہے کہ یہ آیہء کریمہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے، (تاریخ الخلفاء) رسول اللہ ﷺ نے جنتی ہونے کی بشارت دی اور اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبر کیلئے دو باغوں کی خبر دی جو وقت تخلیق سے ہی آمد صدیق کے انتظار میں ہیں سید صاحب نے تحریر کیا کہ اس آیت مبارکہ کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں اترنا آپ کے حسن عدل و عظمت و تقویٰ اور اس پر بہترین جزا کی خوبصورت شہادت ہے کیونکہ اصول تفسیر کی رو سے سبب نزول مفہوم آیت کا سب سے پہلا مدلول ہوتا ہے، جس کا مقصد یہ ہوا کہ من موصولہ بدرجہ تعریف شخص معین کی طرف اپنے صلہ کا رخ موڑ کر شخصی اور معنوی خصوصیت پیدا کر رہا ہے، کسی دوسرے فرد کا اس میں اشتراک اور استفادہ جائز نہیں، وہی مصداق اول اور وہی مدلول آیت ہے، وہ صرف ذات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہے، سید صاحب نے آگے لکھا کہ اگرچہ سبب خاص اور حکم عام کے قاعدے کے تحت اس صفت کے موصوف سارے کے سارے اس آیت کے مدلول اور اس حکم کے عموم کا مایہ ہوں گے، مگر سبب نزول پہلا مدلول ہوگا، گو کہ سبب نزول پر حکم کا حصر نہیں ہوگا، سید صاحب کا مقصد یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مدلول اول ہیں، ان کے علاوہ جو مومنین اس صفت سے متصف ہوں گے ان کیلئے بھی جنتان کا حکم ہوگا کیونکہ سبب نزول اگرچہ خاص ہے مگر حکم عام ہے۔

جواباً کہا جائے گا کہ تفسیر کا اصول یہی ہے کہ سبب نزول اگرچہ خاص اور معین ہو مگر اس آیت کا حکم ان تمام افراد کیلئے ہوگا جو بیان کی گئی صفت سے متصف ہوں، گویا نص میں بیان کی گئی صفت دیگر افراد کیلئے جو صفت سے موصوف ہوں واسطہ فی العروض کا کام دے گی خوف، خشیت حالات قلبی کیفیات قلبی کا نام ہے جو ایمان راسخ کی پیداوار ہے جتنا کسی کا ایمان گہرا اور مضبوط ہوگا اسی قدر خشیت ایزدی اور خوف باری تعالیٰ اس کے دل میں پیدا ہوگا، ایمان حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی کیفیت او معیار کا عالم یہ ہے کہ اگر ساری امت کے ایمان اجتماعی مجموعی کے مقابل ایمان حضرت

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تولا جائے تو اس کے برابر نہیں ہوسکتا، جب ایمان برابر نہ ہوا تو خوف جو ایمان کا ثمر اور نتیجہ ہے وہ اس کیفیت اور کمیت پر کیسے پورا اترے گا جب وہ معیار پورا نہ ہوگا تو جنتان کی جزائے مخصوص کا حکم دیگر خائفین کی طرف کیسے متعدی ہوگا؟

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان بوڑھے مردوں اور عورتوں کو قید غلامی سے آزاد کر دیا کرتے تھے جو اسلام لائے اور دائرۂ ایمان میں داخل ہوتے تھے، آپ کے والد ابو قحافہ آپ کو کہا کرتے تھے کہ تم بوڑھوں کو غلامی سے نجات دلواتے ہو جو تمہارے کسی کام کے لئے نہیں ہوتے نوجوان غلاموں کو آزاد کراؤ تاکہ وہ تمہاری مدد کریں تمہارے دست بازو بنیں تمہاری معاونت کریں آپ نے جواب دیا کہ اے ابو جان میں ان کو صرف اور صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی کیلئے خرید کر آزاد کرتا ہوں ذاتی لالچ اور دنیاوی فوائد ملحوظ خاطر نہیں رکھتا تاکہ جوان اور بوڑھے کی تفریق کروں، اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ واللیل کی آیات ایک تا چار نازل (۱ تا ۴) فرمائیں، اور آخر میں فرمایا:

"ان سعیکم لشتی" یعنی ابی بکر، اور ابی امیہ کی مساعی مختلف ہیں ابو بکر کی مساعی رضائے الٰہی اور تبلیغ دین کیلئے ہے سورۂ واللیل کی آیت نمبر پانچ میں فرمایا "فاما من اعطی و اتقی" پس جس نے عطا کیا اور تقویٰ اختیار کیا یعنی یہ پانچوں آیات جناب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئیں، اور سورۂ واللیل کی آیت نمبر ۱۹ تا سورۃ کے آخیر تک بھی آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ (تاریخ الخلفاء)

اسی طرح آیۂ کریمہ "ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی "جب نازل ہوئی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے جو بھی بھلائی آپ پر نازل فرمائی ہے اس میں شریک فرمایا ہے لیکن آپ پر صلوٰۃ کی نوازش فرمائی ہے مگر ہمیں اس میں شریک نہیں فرمایا:

اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی "ھو الذی یصلی علیکم و ملائکتہ لیخرجکم من الظلمت الی النور و کان بالمؤمنین رحیما "(الاحزاب ۴۳)

اور آیۂ کریمہ "ونزعنا مافی صدورھم من غل اخوانا علی سرر متقابلین "الحجر ۴۷"

حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی۔

اور آیت کریمہ "ووصینا الانسان بوالدیه احسانا" (الاحقاف، ۱۵) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

اور آیت "حتی اذابلغ اشده وبلغ اربعین سنة قال رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی والدی وان اعمل صالحا ترضاه" (الاحقاف، ۱۵)

اور آیت "صالح المومنین" (التحریم، ۴) حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں حضرت ابو بکر صدی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

آیت "ان الذینن قالوا ربنا الله ثم الستقاموا تتنزل علیهم الملائکة الا تخافوا ولا تحزنوا والبشروا بالجنة التی کنتم توعدون" (حم السجدة، ۳۰)

یہ بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

اور آیت "ولایاتل ولوالفضل منکم والسعة ان یؤتوا اولی القربی، والمساکین، والمهاجرین فی سبیل الله ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر الله لکم والله غفور رحیم" (النور، ۲۲)

یہ آیہء کریمہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی، مفسرین نے شان نزول میں فرمایا کہ جب منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو رسول اکرم ﷺ بہت مغموم اور پریشان ہوئے، جنابہ عائشہ پر یہ تہمت کوہ گراں بن کر گری، جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی بے حد پریشان اور رنجیدہ ہوئے کیونکہ یہ براہ راست ان کی صاحبزادی کی عفت، پاکدامنی، طہارت اور عزت نفس پر گھناؤنا حملہ تھا، مسطح بن اثاثہ جو رشتہ میں آپ (صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) کے بھانجے، اور آپ کی آغوش پرورش میں تھے، اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی نگہداشت اور پرداخت کی تھی اس مہم میں شریک عمل ہو گئے، جناب صدیق اکبر کے حق پرورش کی پرواہ نہ کی، اور آپ کے جذبات اور احساسات پر کاری ضرب لگائی، مگر جناب صدیق اکبر نے صبر کا دامن ہاتھ

سے نہ چھوڑا اس شرِ عظیم اور بہتان رذیل کا بانی اور موجد عبد اللہ بن ابی رئیس المنافقین تھا، مسطح بن اثاثہ اس کے ہم نوا اور شریک کارواں تھے، اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عفت، طہارت اور برأت پر مبنی دس آیات نازل فرمائیں جن کے نزول کے بعد مسطح بن اثاثہ کے بارے میں ہمدردانہ جذبات اور مشفقانہ خیالات کا بدل جانا ایک لازمی، فطری تقاضا تھا، آپ نے عہد کرلیا کہ میں آئندہ اس کی مالی معاونت کروں گا نہ مصالح زندگی میں اس کا معاون اور مددگار بنوں گا، اس طرز عہد پر آیہء کریمہ نازل ہوئی اور آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی گئی مسطح بن اثاثہ نے تہمت کے اس عمل قبیح میں منافقین کا ساتھ دے کر احسان فراموشی، اور ضعف ایمانی کا مظاہرہ کیا ہے مگر عدم تعاون اور عدم دستگیری کا جو فیصلہ اے صدیق آپ نے کیا ہے آپ کے شایان شان نہیں، آپ تو اخلاق حسنہ، گفتار بلیغ، اور کردار رفیع کے اعلیٰ ترین منصب پر فائز ہیں، یہ فیصلہ آپ کو بدلنا ہوگا جب یہ آیت شان صدیق کے بحر بیکراں کو لئے ہوئے گوش صدیق میں اتری تو فرط مسرت میں جھوم کر اپنا عہد توڑ دیا، اور کفارہ ادا فرما کر حسب سابق مسطح بن اثاثہ کیلئے مالی معاونت کا دروازہ کھول دیا، اللہ تعالیٰ نے جناب صدیق اکبر کو اولوالفضل فرمایا، یعنی طیب، طاہر، اور صاحب فضیلت مال کا مالک، جو مال صدیق اکبر کے پاس تھا وہ اللہ کی راہ میں خرچ ہوتا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو مال و متاع نہیں فرمایا بلکہ الفضل فرمایا، اور پھر جناب صدیق اکبر کی دولت کا ذکر فرمایا، اور حضرت صدیق اکبر کو دولت مند فرمایا گویا جس طرح جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات اللہ کی بارگاہ میں افضل تھی، اسی طرح آپ کی سخاوت، ایثار و خلوص بھی محبوب تھا مختصر یہ کہ آیہء کریمہ کا ہر ہر لفظ، شان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وہ سمندر ناپیدا کنار ہے جسکی وسعت اور گہرائی اہل نظر سے مخفی نہیں،

اور آیت أمن هو قانت آناء الليل ساجدا وقائما يحذر الآخرة ويرجوا رحمة ربه قل هو يستوى الذين يعلمون والذين لايعلمون انما يتذكر اولى الالباب" (الزمر، ۹)

ترجمہ: کیا وہ شخص جو رات کی ساعتوں میں عبادت کرتا ہے اس حال میں کہ کبھی وہ سجدہ

ریز ہوتا ہے اور کبھی حالت قیام میں ہوتا ہے، (اور پھر) ایسی حالت میں کہ یوم آخرت سے ڈرتا ہے، اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہے آپ (اے نبی ﷺ) کہیں کہ کیا علم والے، اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟ ایسی مثالوں سے عقل مند لوگ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

یہ آیت بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے اس آیت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شب بیداری اور کیفیت عبادت کا ذکر ہے، جناب صدیق اکبر کے قیام اور سجود کا تذکرہ اور تعریف ہے، رات کی تنہائیوں میں یاد خدا میں محویت کا ذکر ہے، بارگاہ الوہیت میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عبودیت اور عبادت کا ذکر ہے، دن تو رسول اللہ ﷺ کی معیت، اطاعت، اور تبلیغ ودعوت مین گزر جاتا ہے، رات بچتی ہے تو اللہ وحدہ لاشریک کی بارگاہ اقدس میں کبھی سر بسجود ہو کر، اور کبھی حالت قیام میں، اور ذوق مشاہدہ ختم نہیں ہوتے کہ رات گزر جاتی ہے، صدیق اکبر کے کام ودہن میں لذت توحید کا ایسا چٹخارہ ہے کہ جمال قرب، اور ذوق مشاہدہ ختم نہیں ہوتے کہ رات گزر جاتی ہے، ذات ومعرفت کے علوم انگڑائی نہیں لیتے کہ سپیدۂ سحر طلوع ہو جاتا ہے، وہ قلب صدیق ہی ہے جو جمال احدیت، اور کمال صمدیت سے شب بھر مسرور ہو کر بھی خوف آخرت سے حیران وپشیمان ہے۔

اور آیت "ان الذین یلحدون فی آیاتنا لا یخفون علینا افمن یلقی فی النار خیر امن یاتی امنا یوم القیامۃ اعلموا ما شئتم انہ بما تعملون بصیرا" (حم السجدۃ، ۴۰)

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو ہماری آیت میں انحراف (اعتراض) کا راستہ اختیار کرتے ہیں، وہ ہم سے مخفی نہیں، کیا وہ شخص جسکو آگ میں پھینکا جائے وہ بہتر ہے یا وہ آدمی جو امن وسکون کی حالت میں اللہ کے حضور قیامت کے دن پیش ہو جو عمل تم چاہو کرتے رہو، یقیناً اللہ وحدہ لاشریک دیکھ رہا ہے، حضرت ابو بکر صدیق کے بارے میں نازل ہوئی ہے محب الدین طبری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیہ کریمہ میں دو قسم کے اشخاص کی دو مثالیں ذکر کی گئی ہیں، پہلی مثال ابو جہل کی ہے جو کفر اور الحاد کی صورت میں پیش فرمائی گئی ہے، اور اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر کفر اور الحاد کی بدترین، اور بد

صورت دیکھنی ہو تو وہ ابو جہل ہے، اور دوسری مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پیش فرمائی گئی ہے یعنی اگر کسی نے اسلام کے حسین چہرے، اور خوبصورت شکل کو دیکھنا ہے تو وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں، اور قیامت کے دن نمونہ کے طور پر کفر کو ابو جہل کی صورت میں، اور اسلام کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صورت میں پیش کیا جائے گا، اضطراب وقلق کا منظر پیش کرے گا، گرمیء حشر سے مخلوق تشنہ بلب ہوگی، بخشش ونجات کے ذرائع اور وسائط کی تلاش کا سماں ہوگا، خوف وہراس سے ہر جان پسینہ میں شرابور ہوگی، بے کسی اور بے بسی کا عالم ہوگا ہر شخص اس فکر میں ڈوبا ہوگا، کہ جان کا بچاؤ کیسے اور کس طرح ہوگا؟ آج کون وسیلہء نجات بنے گا مایوسی چھائی ہوگی، مگر جناب صدیق اکبر بے خوف وخطر، سکون وطمانیت کا جامہ پہنے، امن وامان کا تاج سجائے اللہ کے حضور پیش ہوں گے، اور کفر کی بدترین صورت، اور کریہہ منظر، ابو جہل تحقیر اور تذلیل کا لبادہ اوڑھے پیش ہوگا اور گرمیء محشر سے موم کی طرح پگھلتا ہوگا، اس روز حب رسول اور بغض رسول کا فلسفہ سمجھ آئے گا کہ عظمتوں اور شرافتوں کے تاج حب رسول اور اطاعت رسول سے ملتے ہیں، یہ ریاست وقیادت کی ان بڑی بڑی دوکانوں اور مارکیٹوں سے نہیں ملتے جن کی پیشانیوں پر کفر وشرک کے بورڈ آویزاں ہوں۔

در آیت "لا تجدقو مایؤمنون باللہ والیوم الآخریحادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا آباء ھم او اخوانھم او عشیرتھم اؤلئک حزب اللہ الاان حزب اللہ ھم المفلحون "(المجادلہ، ۲۲)

ترجمہ: آپ ایسی قوم کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے نہیں پائیں گے کہ وہ ان لوگوں کو دوست رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمن سمجھتے ہوں، اگرچہ وہ ان کے باپ لگتے ہوں خواہ بیٹے لگتے ہوں، خواہ ان کے بھائی لگتے ہوں، یا قریبی رشتہ دار لگتے ہوں، ایسے لوگوں کے دلوں میں ایمان کو راسخ کر دیا گیا ہے اور ان کی تائید بذریعہ روح الامین کر دی گئی ہے اللہ تعالیٰ انہیں ایسے باغات میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ

ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے، وہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہے اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی کامیاب ہونے والی ہے۔

مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی واقعہ یہ ہوا کہ ابو قحافہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کیا، ابوبکر صدیق نے انہیں اتنا زور سے دھکا دیا کہ وہ بری طرح زمین پر آرہے، ابوبکر صدیق نے پورا ماجرا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر صدیق سے دریافت کیا کہ تو نے ایسا ایسا کیا ہے؟ آپ نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا دوبارہ ایسا کام نہیں کرنا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا کہ اگر اس وقت تلوار میرے پاس ہوتی تو میں انہیں قتل کر دیتا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ابو قحافہ مسلمان ہو گئے اور جلیل القدر صحابی بنے، یہ ابوبکر صدیق کے خصائص میں سے ہے کہ ایک ہی وقت میں چار پشتیں شرف صحابیت سے مشرف ہوئیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، یہ آیت حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی، جب انہوں نے جنگ بدر میں اپنے باپ کو قتل کر ڈالا، اور اسی طرح یہ حضرت ابوبکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی، جبکہ آپ نے اپنے بیٹے جناب عبد الرحمٰن بن ابی بکر کو مقابلے کیلئے پکارا، مگر رسول اللہ ﷺ کے حکم پر وہ رک گئے، اور یہی آیت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جبکہ انہوں نے اپنے حقیقی بھائی عبید بن عمر کو جنگ احد میں واصل جہنم کر دیا، اور یہی آیت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جبکہ آپ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بدر کی جنگ میں مار ڈالا، حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کے حق میں نازل ہوئی جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولید بن عتبہ رستم عرب کو قتل کیا، اور جناب امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے ربیعہ کو قتل کیا، اور شیبہ کو دونوں نے مل کر قتل کیا، اور جنگ بدر تھی، تو یہ آیت اتری جس نے بتایا کہ یہ آیت مبارکہ جن جن اشخاص کے بارے میں نازل ہوئی اللہ نے ان کے مومن ہونے

کی تصدیق کردی، اور ان مقدس نفوس کو اپنا گروہ قرار دے کر فوز و فلاح سے ہمکنار کئے جانے کی بشارت بھی دی۔

سید صاحب نے ''احادیث در فضائل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک عنوان قائم کیا''

اور پانچ احادیث نقل کیں ہم بالترتیب نقل کرتے ہیں، اور ان میں دو حدیثوں پر سید صاحب نے اپنی طرف سے کچھ کلام بھی کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق افضل الامت نہیں، کیونکہ خود جناب صدیق اکبر نے افضل الامت ہونے کی تردید فرمادی ہے، انشاء اللہ ہم بھی اس پر فنی تبصرہ کریں گے اور یہ ثابت کریں گے کہ حضرت ابوبکر صدیق افضل الامت ہیں۔

حدیث نمبر ۱: ''روی البخاری عن ابن عمر قال کنا نخیر بین الناس فی زمان رسول اللہ ﷺ فنخیر ابابکر ثم عمر ابن الخطاب ثم عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم و زادا الطبرانی فی الکبیر فیعلم بذالک النبی ﷺ ولا نیکرہ،،

ترجمہ: امام بخاری رحمتہ علیہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے انہوں نے کہا ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں درجے کے فیصلے کیا کرتے تھے، لوگوں کے درمیان افضلیت دیا کرتے تھے، تو ہم لوگ ابوبکر صدیق کو افضل بتایا کرتے تھے، پھر جناب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو پھر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اور محدث طبرانی نے الکبیر میں ان الفاظ کا اضافہ بیان کیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ اس بات کو جانتے تھے اور اس کا برا نہیں سمجھتے تھے،،

حدیث نمبر ۲: اخرج ابن عساکو عن ابن عمر: قال کنا وفینا رسول اللہ ﷺ نفضل ابا بکر وعمر وعثمان وعلیا''

ترجمہ: ابن عساکر نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کا اخراج کیا ہے، انہوں نے کہا ہم لوگ فضیلت دیا کرتے تھے جناب ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو جبکہ ہمارے درمیان رسول اللہ ﷺ موجود تھے۔

حدیث نمبر ۳: اخرج ابن عساکر عن ابی ہریرۃ قال کنا معاشر اصحاب رسول

اللہ ﷺ ونحن متوافرون نقول افضل هذه الامة بعد نبيها ابو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم نسكت"

ترجمہ: "ابن عساکر نے جناب ابو ہریرہ سے اس حدیث کا اخراج کیا ہے انہوں نے فرمایا ہم لوگ اصحاب رسول اللہ ﷺ کی جماعتیں تھے، اور لوگ بڑی تعداد میں تھے، ہم کہا کرتے تھے کہ اس امت میں سے افضل بعد از نبی کریم ﷺ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ پھر عثمان رضی اللہ عنہ ہیں پھر چپ کر جایا کرتے تھے"۔

ان تین احادیث کو نقل کرنے کے بعد سید صاحب لکھتے ہیں :انشاء اللہ تعالیٰ ان تینوں احادیث پر افضلیت ابو بکر کی پوری تفصیل آجائے گی، بفضلہٖ تعالیٰ پڑھنے والے کی پوری تشفی ہو جائیگی۔ معتبرات اہل سنت سے حوالہ جات پیش کئے جائیں گے، شروح حدیث پیش کی جائیں گی، کوئی پہلو تشنہ تکمیل نہیں چھوڑا جائے گا، اور اسی مضمون کی چند احادیث ہیں جو محمد بن حنفیہ وعلی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہوئیں ان کو بھی وہیں زیر بحث لایا جائے گا، انشاء اللہ تعالیٰ"

انشاء اللہ ہم بھی سید صاحب کے شانہ بشانہ رہیں گے اور جب بھی جہاں بھی کوئی موضوع چھیڑا، یا کسی مسئلہ کو زیر بحث لائے ہم انشاء اللہ بھرپور شرکت کریں گے، فنی اور تحقیقی دلائل سے پیدا ہونے والی الجھن کی مدافعت کریں گے۔﴿واللہ ولی التوفیق﴾

حدیث ۲: امام ترمذی نے جابر بن عبد اللہ انصاری سے اس حدیث کا اخراج کیا ہے کہ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا "یاخیر الناس بعد رسول اللہ ﷺ فقال ابو بکر اما ان قلت ذاک فلقد سمعته يقول ماطلعت الشمس على رجل خير من عمر "

ترجمہ: اے وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ سورج کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں ہوا جو جناب عمر رضی اللہ عنہ سے بہتر ہو۔

اس بیان میں ایک حدیث موقوف ہے جو کہ حضرت عمر فاروق کا قول ہے اور دوسری حدیث مرفوع ہے جو کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی ہے بحوائے حدیث موقوف (قول عمر رضی

اللہ عنہ) معلوم ہوتا ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ساری اُمت مسلمہ سے افضل ہیں، مگر حدیث مرفوع کے مقابلہ میں یہ حدیث درخور اعتناء نہیں ہوگی، حدیث بروایت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حدیث مرفوع ہے، جو بتاتی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پوری امت سے افضل ہیں، ظاہر حدیث سے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نفی ہوئی ہے، بادی النظر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر کی افضلیت پر حدیث مرفوع پیش کر کے اپنی افضلیت سے دست برداری کا اعلان کر دیا۔

جواباً کہا جائے گا کہ شیخین نے ایک دوسرے پر ایک، ایک حدیث پیش فرمائی ہے جو ترتیبی لحاظ سے دو حدیثیں ہیں۔ حضرت عمر والی حدیث یا خیر الناس بعد رسول اللہ ﷺ اور اس کا ترجمہ ہے: وہ شخص جو رسول اللہ کے بعد سب سے افضل ہے، یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل الامت کہا ہے،،

حضرت ابو بکر والی حدیث: ''اما اذقلت ذاک فلقد سمعتہ یقول ما طلعت الشمس علی رجل خیر من عمر'' ہے اور اس کا ترجمہ یہ ہے:۔ اے عمر اگر تم نے یہ کہا ہے تو تحقیق میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ سورج کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں ہوا جو جناب عمر سے بہتر ہو،،

اس حدیث میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو افضل الامت فرمایا، اور بزبان رسالتماب ﷺ فرمایا افضل الامت ایک ہی ہو سکتا ہے دو نہیں ہو سکتے اگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل الامت ہوں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل الامت نہیں ہو سکتے۔

اگر حضرت عمر افضل الامت ہوں تو حضرت ابو بکر افضل الامت نہیں ہونگے، سید صاحب نے دو متعارض مفہوم پر مبنی احادیث سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل الامت نہیں، کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے افضل الامت حضرت عمر کو کہا ہے، تو واضح بات یہ ہے کہ افضل الامت وہی ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اور وہ حضرت عمر ہیں۔

سید صاحب نے حدیث ابوبکر صدیق کو مرفوع کہا اور حدیث عمر رضی اللہ عنہ کو موقوف کہا اور جہاں حدیث مرفوع اور حدیث موقوف کے درمیان تصادم پیدا ہو تو وہاں حدیث موقوف کو چھوڑ کر حدیث مرفوع پر عمل کیا جائیگا۔

اس خود ساختہ کلیہ کی بناء پر سید صاحب نے حدیث عمر کو حدیث موقوف کہہ کر ترک کردیا اور حضرت ابوبکر صدیق کی حدیث مرفوع کو لیتے ہوئے اس پر عمل کیا اور دلیل بنا کر افضلیت ابوبکر کی نفی پر استدلال کیا۔ یہ واضح ہے کہ سید صاحب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل نہیں مانتے بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو افضل مانتے ہیں اور اس کو ثابت کرنے کیلئے اپنی تصنیف زبدۃ التحقیق میں مختلف پینترے بھی بدلے ہیں۔ لیکن انشاءاللہ العزیز ہم اہل سنت و جماعت کے عقیدے کا دفاع اور تحفظ کریں گے کہ افضل الامت حضرت ابوبکر صدیق ہی ہیں اور ان کے علاوہ کوئی شخص افضل بعد الانبیاء والمرسلین نہیں ہے حدیث شیخین حضرت جابر کی روایت سے امام ترمذی نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا:

"ای اذقلت ذالک الکلام وعظمتنی من بین الانام فاجاذیک بمثل هذا المرام من التبشیر فی هذا المقام: فلقد سمعت رسول الله ﷺ یقول ما طلعت الشمس علی رجل خیر من عمر وهو اما محمول علی ایام خلافته او مقید ببعد ابی بکر، او المراد فی باب العدالة او فی طریق السیاسة و نحو ذالک جمعا بین الالفاظ الواردة فی السنة" ترجمہ: یعنی اے عمر تم نے میرے بارے میں یہ کلام کیا، اور لوگوں میں تم نے مجھے عظمت دی ہے میں بھی اسی مقام پر اسی جیسی عظمت پر مبنی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دی گئی بشارت جزا کے طور پر پیش کرتا ہوں، اور وہ بشارت یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کسی ایسے شخص پر سورج طلوع نہیں ہوا جو عمر سے بہتر ہو، بظاہر ہر دو احادیث میں تعارض ہے اس تعارض کو دور کرنا ضروری ہے ان میں سے ایک حدیث بھی ضعیف، شاذ، منکر وغیرہ نہیں، تا کہ ایک کو ترک کر دیا جائے اور دوسری پر عمل کیا جائے، سید صاحب تعارض تو دور نہ کر سکے البتہ اپنے عقیدے کے

مطابق یہ استدلال ضرور کر دیا کہ ابو بکر صدیق افضل نہیں، وہ اپنی افضلیت سے دست بردار ہو گئے،،
ملا علی قاری رحمہ اللہ نے دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے فرمایا! حدیث ابو بکر صدیق کو محمول کیا جائے گا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں ایسے کسی شخص پر سورج طلوع نہیں ہوا جو آپ کے ہوتے ہوئے سب سے افضل ہو۔

۲: حدیث مبارک کا مفہوم اور مصداق یہ ہے کہ ابو بکر صدیق کے بعد سورج کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں ہوا جو حضرت عمر سے افضل ہو۔

۳: عدل وانصاف کے قیام اور امر یقینی بنانے کے عمل میں سورج کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں ہوا جو حضرت عمر سے افضل ہو۔

۴: اصول سیاست کی تدوین، قیام، اور نقطہ عروج تک پہنچانے میں سورج کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں ہوا جو حضرت عمر سے افضل ہو۔

یہ حدیث مرفوع ہے کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی خود سماعت کی ہے یہ توجیہات مذکورہ بالا ان الفاظ کا مجموعہ اور خلاصہ ہیں جو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد ہوئے ہیں، امام ترمذی نے عقبہ بن عامر سے روایت ہونے والی حدیث کو نقل فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!"لو کان بعدی بنی لکان عمر "اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتے،"ونقل محدث ابن الجوزی ایضا عنه ورواه ایضا احمد فی مسنده والحاکم فی صحیحه عنه والطبرانی عن عصمة بن مالک وفی بعض طرق هذا الحدیثلو لم ابعث لبعث یاعمر"
(مرقات ج، ۱۱، ص، ۳۰۲)

محدث ابن جوزی اور امام احمد بن حنبل اور امام حاکم نے اپنی صحیح میں حضرت جابر کی روایت سے اور طبرانی نے عصمہ بن مالک سے اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔

ملا علی قاری کا مقصد یہ ہے حضرت عمر کے افضل الامت ہونے کی جو توجیہات اور تطابق ہم نے بیان کئے ہیں یہ اخبار و آثار سے ثابت ہیں کیونکہ احادیث میں اسی نوعیت اور اسی مفہوم اور اسی معتبرات

کے فضائل بیان ہوئے ہیں۔

مزید فرمایا: "واقول یقویه مافی الجامع من ان قوله ماطلعت الشمس علی رجل خیر من عمر رواه الترمذی والحاکم فی مستدرکه عن ابی بکر مرفوعا وقد اخرج البغوی فی الفضائل عن ثابت ابن الحجاج ،فقال خطب عمر ابنه ابی سفیان فابوا ان یزوجوه فقال رسول الله ﷺ مابین لابتی المدینة خیرمن عمر ولا شک ان المرادبعده ﷺ للاجماع وبعدابی بکر لما تقدم "﴿والله اعلم﴾

(مرقات ،ج ۱۱،ص ۳۰۲)

میں کہتا ہوں اس حدیث کی تقویت "الجامع" میں مذکورہ اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو ابو بکر سے مرفوعا مروی ہے اور امام بغوی نے ثابت ابن الحجاج سے الفضائل میں نقل کی ہے کہ حضرت عمر نے ابو سفیان کی بیٹی کیلئے پیغام نکاح بھیجا،انہوں نے انکار کردیا کہ رشتہ نہیں دیں گے اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ منورہ کے ان دو پہاڑوں کے درمیان عمر سے بہتر کوئی شخص نہیں جبکہ خود رسول اللہ ﷺ اور حضرت عمر سے بہتر انسان ابو بکر رضی اللہ عنہ موجود تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ میرے اور ابو بکر صدیق کے بعد عمر سب سے افضل ہیں۔

اسی طرح حدیث ابی بکر صدیق میں: "علی رجل خیر من عمر" سے مراد وہ خیریت ہے جو مندرجہ بالا چار امور میں ہے اور اس سے مراد حضرت ابو بکر کے بعد کی خیریت ہے۔

سید صاحب نے حدیث عمر: "یا خیر الناس بعد رسول الله ﷺ "کو حدیث موقوف کہا ہے۔

حدیث موقوف کیا ہے؟ تقریب النواوی میں ہے: الموقوف :وهو المروی عن الصحابة قولا لهم ،اوفعلا او نحوه متصلا کان او منقطعا" وہ حدیث ہے جس میں صحابہ کے قول، فعل وغیرہ کو روایت کیا گیا ہو، سند متصل ہو یا منقطع سید صاحب نے صرف عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو دیکھا کہ انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یا خیر الناس بعد رسول الله ﷺ " کے الفاظ سے پکارا، قول عمر رضی اللہ عنہ دیکھ کر حدیث موقوف لکھ دیا، واضح رہے کہ سید صاحب نے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں جو پہلی حدیث (زبدۃ،ص،۱۰۵) نقل کی ہے اس کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں، اور وہ بخاری کی حدیث ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں ،"كنا نخيربين الناس في زمان رسول الله ﷺ ،فنخير ابابكر ،ثم عمر الحديث "طبرانی کے الفاظ یہ ہیں،"فيعلم بذالک النبی ولا ينكره "دوسری حدیث ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عمر کی سند سے نقل کی، الفاظ یہ ہیں:"كنا وفينا رسول الله ﷺ نفضل ابابكر وعمر" ﴿الحديث﴾

تیسری حدیث: ابن عساکر ابوہریرہ کی روایت ذکر کرتے ہیں:"كنا معاشر اصحاب رسول الله ﷺ ونحن متوافرون نقول افضل هذه الامت بعد نبيها ابوبكرثم عمر" ﴿الحديث﴾

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے:"ورد عن علی ان ابابكروعمر افضل الامة قال الذهبی وقد تواتر ذالک عنه فی خلافته الخ "(الصواعق المحرقه، ٦٠)

"ويعضدذالک مافی البخاری عنه انه قال خير الناس بعد النبی ﷺ ابوبكر ثم عمر "﴿الحديث﴾

امام ذہبی نے فرمایا!"ويقال رواه عن علی نيف وثمانون نفسا "یہ حدیث حضرت علی سے اسّی (80) سے زائد افراد نے روایت کی ہے۔

امام ذہبی نے مزید فرمایا!"هذامتواترعن علی واخراج ابن عساكر نحوه عن عمر من قوله " کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر کے افضل الامت ہونے کے بارے میں حضرت علی کی حدیث متواتر ہے۔

ابوبکر آجری نے ابی جحیفہ سے روایت کی، الفاظ یہ ہیں:"سمعت عليا علی منبر الكوفة يقول ان خير هذه الامة بعد نبيها ابوبكر ثم خيرهم عمر"دوسری روایت میں ہے:"حضرت علی نے فرمایا! مهلا يا باجحيفة الا اخبرک بخير الناس بعد رسول الله ﷺ ،

ابوبکر وعمر"

واخبار ہ بکونهما خیر الامة ثبتت عنه من روایة ابنه محمد بن الحنفیه "کلها فی الصواعق المحرقه، ٦١)

حدیث (۱) میں کنا نخیر بین الناس فی زمان رسول الله ﷺ فنخیر ابابکر" کے الفاظ اورطبرانی کے الفاظ "فیعلم بذالک النبی ﷺ ولاینکره "

اورحدیث (۲) کے الفاظ: "کناوفینا رسول الله ﷺ نفضل ابابکر وعمر"

اورحدیث (۳) کے الفاظ: "کنا معاشر اصحاب رسول الله ﷺ ونحن متوافرون نقول افضل هذه الامة بعد نبیها ابو بکر ثم عمر" دلالت کرتے ہیں کہ تینوں احادیث مرفوعہ ہیں، اور تقریرات سے ہیں کیونکہ ان کا ورود وصدور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ پاک میں ہوا اور آپ ﷺ نے ابوبکر پھر عمر کی افضلیت کو سماعت کیا اور رد نہیں فرمایا بلکہ اس کی تقریر فرمائی: حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا: "فان کان فی القصة تصریح باطلاعه ﷺ فمرفوع اجماعا کقول ابن عمر کنا نقول ورسول الله ﷺ حی افضل هذه الامة بعد نبیها ابوبکر وعمر وعثمان ویسمع ذالک رسول الله ﷺ فلا ینکره "اگر کسی واقعہ میں یہ تصریح ہو کہ رسول اللہ ﷺ اس واقعہ پر مطلع ہیں تو وہ حدیث بالا جماع مرفوع ہوگی جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث "کنا نقول الخ "اسی طرح حضرت ابو ہریرہ والی حدیث بھی اجماعاً مرفوع ہے۔ امام نووی نے فرمایا: "وکذاقوله کنا لا نری بأسا بکذا فی حیات رسول الله ﷺ فکله مرفوع "صحابہ کرام کی اکثریت رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو یکے بعد دیگرے افضل الامت کہتے رسول اللہ ﷺ سنتے اور انکار نہیں فرماتے تھے اس لئے یہ احادیث مرفوعہ اور تقریرات ہیں، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی افضلیت کے بارے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو احادیث مروی ہیں وہ متواترات ہیں، جیسا کہ امام ذہبی نے فرمایا اب رہی یہ بات کہ حضرت عمر کی حدیث یا خیر الناس

بعد رسول اللہ ﷺ " کیا واقعی حدیث موقوف ہے جیسا کہ سید صاحب نے نقل فرمایا ہے۔

محدثین نے حدیث موقوف کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا :

"والموقوف مایروی عن الصحابة رضی الله عنهم من اقوالهم او افعالهم او تقریرهم وسمی موقوفا لانه وقف علیهم ولم یتجاوز به الی النبی ﷺ" (فتح الملهم، شرح مسلم)

موقوف وہ حدیث ہے جس میں صحابہ کے اقوال افعال اور تقریر کا ذکر ہو، موقوف اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے اقوال افعال کی سند ان تک محدود رہی ہے رسول اللہ ﷺ تک نہیں پہنچتی۔ سید صاحب نے حضرت عمر کے قول 'یاخیر الناس بعد رسول الله ﷺ' کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک ہی محدود رکھا ہے۔

اسی لئے اس کو موقوف کہا سید صاحب نے جو حدیث نمبر ا، فضائل ابوبکر میں نقل کی ہے اس کے راوی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں حضرت ابوبکر صدیق کو افضل الامت کہا کرتے تھے، اس کا مقصد یہ ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یا خیر الناس بعد رسول اللہ ﷺ بھی آپ کی حیات مبارکہ میں کہا ہے، جب حیات مبارکہ میں کہا گیا تو یہ حدیث مرفوع ہے موقوف نہیں بلکہ اس پر اجماع صحابہ کی مہر تصدیق لگ چکی ہے جو نص محکم اور خبر متواتر کے درجے اور حکم میں ہے اس پر اجماع کے عنوان میں پہلے بحث آچکی ہے پھر موقوف تو تب ہو جب اس مضمون کی کوئی اور حدیث مرفوع یا متواتر موجود نہ ہو، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی پہلی اور دوسری حدیث اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی تیسری حدیث اس کی لفظی اور معنوی طور پر تائید اور توثیق کرتی ہے، اور وہ دونوں حدیثیں مرفوع ہیں لہذا یہ حدیث بھی حکماً مرفوع ہے، افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں جتنی احادیث وارد ہوئی ہیں ان سب کا اتفاق افضلیت ابوبکر پر ہے۔

خواہ وہ احادیث موقوف ہوں، مرفوع یا متواتر احادیث کی یہ اقسام تعدد واقعات کی علمبردار اور پیداوار ہوتی ہیں، راویوں کا اختلاف سند کے اختلاف کو مستلزم ہوتا ہے اگر مضمون احادیث ایک ہو گو کہ سند اور راویوں کا اختلاف بھی موجود ہو، تو یہ تواتر کی چوتھی قسم ہے، جس کو محدثین تواتر القدر المشترک

کہتے ہیں اور یہی تواتر معنوی ہے اور تواتر بحسب المعنیٰ بھی اسی کا نام ہے، اس کی تعریف یہ کی گئی ''وھو ماتختلف فیه الفاظ الروایة ''راوی واقعہ بیان کرتے وقت مختلف الفاظ استعمال کریں ،اس کی مثال یوں بیان کی گئی ہے کہ ''یروی واحد ان حاتما وھب مائة دینار و آخرانه وھب مائة ابل و آخرانه وھب عشرین فرسا حتی یبلغ الروایة فھذه الاخبار تشترک فی شیء واحد ھو ھبة حاتم شیئا من ماله وھو دلیل علی سخائه وھو ثابت بطریق التواتر المعنوی'' (فتح الملھم شرح مسلم،ص ٦)

ترجمہ: ایک شخص روایت کرتا ہے کہ حاتم طائی نے سو دینار ہبہ کیے ہیں، دوسرا شخص روایت کرتا ہے اس نے سو اونٹوں کا ہبہ دیا ہے، اور تیسرا روایت کرتا ہے بیس گھوڑے ہبہ میں دیئے ہیں، یہ تمام خبریں ایک شی میں مشترک ہیں وہ کیا شی ہے؟ کہ حاتم طائی کا اپنے مال میں سے کسی چیز کا ہبہ دینا اور یہ ہبہ دینا اسکی سخاوت اور اس کے سخی ہونے کی دلیل ہے اس سے اس کی سخاوت اور اس کا سخی ہونا تواتر معنوی کے طور پر ثابت ہوا۔

افضلیت ابوبکر صدیق کے موضوع پر واردشدہ تمام احادیث اور حدیث عمر کا ایک چیز پہ اتفاق اور اشتراک ہے، اور وہ افضلیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے، یہ افضلیت تواتر معنوی کے طور پر ثابت ہوئی ہے، لہذا حدیث عمر حکماً اور معناً متواتر کے درجے میں ہے حدیث موقوف نہیں، کیونکہ دیگر احادیث نے بھی حدیث عمر کے الفاظ اور معنی میں شرکت کی ہے اور بالاتفاق خیریت اور افضلیت ابوبکر صدیق کو ثابت کیا ہے، حدیث عمر رضی اللہ عنہ تواتر عمل کے لحاظ سے بھی متواتر ہے موقوف نہیں، تواتر عمل کا دوسرا نام تواتر توارث ہے، جس کی تعریف یہ ہے: ''وھو ان یعمل به فی کل قرن من عھد صاحب الشریعة الی یومنا ھذاجم غفیر من العاملین بحیث یستحیل عادة تواطعوھم علی کذب او غلط کالسواک فی الوضوء مثلاً فھو سنة ''(فتح الملھم، ٦)

ترجمہ: وہ امر جس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس سے لے کر آج تک مسلمانوں کا جم غفیر (سواداعظم، جمہورامت) عمل پیرا رہا ہو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں بھی مسلمہ تھی ،اور جمہور صحابہ برملا اظہار اور اقرار کیا کرتے تھے ،رسول اکرم ﷺ سماعت فرماتے مگر انکار یا تردید نہیں فرماتے تھے جیسا کہ سید صاحب کی نقل کردہ تین احادیث اور حسان بن ثابت کے اشعار سے ثابت اور واضح ہے رسول اللہ ﷺ کے وصال پر تمام صحابہ نے افضلیت ابوبکر پر اجماع کیا۔صحابہ کا یہ اجماع اصول حدیث کی روشنی میں تواتر الطبقہ کہلاتا ہے اس اجماع کا کوئی منکر اور کوئی مخالف نہیں وقت اجماع سے لیکر آج تک شرق وغرب میں اس اجماع کو تسلیم کیا گیا ہے جب حدیث عمر رضی اللہ عنہ کے مدلول پر صحابہ کا اجماع ہوا تو یہ تواتر طبقہ ہوا،اور جب تواتر طبقہ ہوا تو قول عمر حدیث موقوف نہ رہا حدیث متواتر کے حکم میں چلا گیا ، خلاصہ یہ ہے کہ قول عمر رضی اللہ عنہ حدیث موقوف نہیں خبر متواتر کے درجہ میں ہے ،پھر تواتر عمل ،دور رسالتمآب ﷺ سے لے کر آج تک جمہور امت مسلمہ ،حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خیر الناس بعد رسول اللہ ﷺ ہی مانتی آرہی ہے اور ماننے والوں کی رائے تعداد ہر دور میں اتنی کثیر رہی ہے جن کو جھوٹا یا جھوٹ پر اتفاق کرنے والے نہیں کہا جاتا ،اور یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ غلطی پر تھے۔

تواتر عمل کی مثال محدثین نے وضوء میں مسواک کرنا بیان کیا ہے کہ ہر دور میں اس کے سنت ہونے پر جمہور امت مسلمہ کا اتفاق رہا ہے، کسی بھی فرد مسلمان نے اس کی مخالفت نہیں کی ،اسی طرح جمہور امت مسلمہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا عقیدہ رکھتی آرہی ہے،،لہذا افضلیت ابوبکر صدیق جیسا کہ جناب عمر نے فرمایا تواتر عمل سے بھی ثابت ہے۔

سید صاحب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان جو انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا:''ابوبکر سیدنا خیرنا ،احبنا الی رسول اللہ ﷺ ''،لکھا کہ یہ حدیث موقوف ہے اس کو مرفوع حکمی کا درجہ نہیں دیا جا سکتا ،چونکہ شیخین میں دوستانہ ہے لہذا اس طرح کے الفاظ دوستی پر مبنی ہو سکتے ہیں،اس کے بالمقابل حدیث مرفوع ہے جو یہ کہتی ہے :''اول من اشفع له یوم القیامة من امتی اهل بیتی ثم الاقرب فالاقرب من قریش ،ثم الانصار،ثم من

امن بی و اتبعنی من الیمن ثم سائر العرب ثم الاعاجم و من اشفع له اولا افضل "(زبدة ، ۱۱۰)

ترجمہ: جس کی قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت کروں گا میری امت میں سے وہ میری اہل بیت ہے پھر اس کے بعد جو میرے زیادہ قریبی ہوں گے پھر ان کے جو زیادہ قریبی ہوں گے، اس کے بعد انصار کی شفاعت کروں گا، پھر اس کے بعد جو میرے اوپر ایمان لایا اور میری پیروی کی اہل یمن سے اس کی شفاعت کروں گا پھر سارے عرب کی کروں گا، پھر عجمیوں کی کروں گا، اور جس کی سب سے پہلے شفاعت کروں گا وہ سب سے افضل ہوگا، اس کے بعد تحریر کیا کہ اب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ذاتی رائے کی حیثیت رکھتا ہے اگر حدیث سے متعارض نہ ہوتا تو اس میں بھی حجت شرعیہ تھی۔

جواباً کہا جائے گا کہ: حدیث مذکور سے اگر یہ دلیل دی جائے اور شکل اول کی صورت میں یوں استدلال کیا جائے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے اہل بیت کی شفاعت کروں گا، اور جس کی پہلے شفاعت کریں گا وہی افضل ہوگا، نتیجہ برآمدہ ہوا کہ اہل بیت سب سے افضل ہیں۔

لہذا اہل بیت کے سب سے افضل ہونے کی دلیل یہ حدیث مرفوع ہے، صحیح ہے قابل تسلیم ہے مگر اس کے مقابل حضرت ابی درداء سے مری یہ حدیث ہے: "ان رسول اللہ ﷺ قال ماطلعت الشمس و لا غربت علی احد بعد النبیین و المرسلین افضل من ابی بکر "(الریاض النضرة ، ۱، ص، ۱۳۶) مزید ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: "ان رسول اللہ ﷺ قال ماطلعت الشمس و لا غربت علی احد افضل من ابی بکر الا ان یکون نبیا "(الصواعق المحرقه: ٦٨) یہ حدیث بھی مرفوع ہے اس کا مصداق اور محمل کیا ہوگا؟

حضرت علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ "سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ماطلعت و لا غربت الحدیث بتمامه "(الرض النضرة، ۱، ص، ۱۳٦)

حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے فقال یطلع

علیکم رجل لم یخلق اللہ بعدی احدا خیرا منہ ولا افضل ولہ شفاعتہ مثل شفاعۃ النبیین فما برحنا طلع ابوبکر ،فقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقبلہ ،والتزمہ خرج الحافظ الخطیب ابوبکر احمد بن ثابت البغدادی "(الریاض النضرۃ، ج، ۱ ،ص ،۱۳۷)

حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ :قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر اصحابی ابوبکر "

حضرت جابر روایت کرتے ہیں:فلا تقدموا علی ابی بکر احدا فانی افضلکم فی الدنیا والاخرۃ "(الریاض النضرۃ،ج، ۱ ،ص ،۱۳۷)

مندرجہ بالا ان تمام احادیث میں احدا نکرہ تحت النفی آیا ہے جو عموم مطلق کیلئے مفید ،اور عموم علی الاطلاق پر دال ہے ،حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ تمام افراد اس کے مدلول ،مصداق اور محمل ہوں گے ،اور احادیث کا معنی یہ ہوگا ، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء و مرسلین کے بعد کوئی بھی شخص خواہ وہ صحابی ہو۔اہل بیت میں سے ہو ،عربی ہو یا عجمی ،یمنی ہو یا مکی حیات صدیق میں موجود ہو یا اولاد آدم علیہ السلام میں پہلے گزر چکا ہو ابوبکر صدیق سے افضل نہیں ۔اور آخرت میں بھی وہی افضل ہے اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ سید صاحب کی نقل کردہ حدیث میں افضل سے مراد اہل بیت ہیں (ضرور ہیں مگر اس معنی میں نہیں جو سید صاحب نے لیا ہے)اور وہ علی الاطلاق افضل ہیں تو اس حدیث کا (جو سید صاحب نے نقل کی ہے)دیگر مذکورہ بالا احادیث کیساتھ تعارض اور تصادم آئے گا تطبیق یا ترجیح دیئے بغیر ان احادیث پر عمل کرنا مشکل ہو جائے گا ،تطبیق یہی ہے کہ حدیث پاک میں شفاعت کئے جانے والے لوگوں میں اہلبیت کرام کو اوّلیت دی جائے گی سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل بیت کی شفاعت فرمائیں گے ،مسئلہ شفاعت میں افضلیت کی دلیل ان میں شفاعت میں اولیت ہے ،اہل بیت کی شفاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے فرمائیں گے باقی لوگوں کی بانسبت ،تقدیم شفاعت ان کے حق میں دلیل افضلیت ہے ،اور یہ افضلیت مطلقہ نہیں جس کے عموم میں حضرت ابوبکر صدیق کی افضلیت بھی شامل ہو کر دب جائے ، بلکہ یہ افضلیت قریش ،انصار ،یمنی مومنین ،بقیہ عربی ،اور عجمی لوگوں پر مبنی ہے یعنی حدیث میں جن جن قبائل ،خاندانوں ،اور علاقوں کا

ذکر ہے اہل بیت ان سے افضل ہیں، اور اسی افضلیت کی بناء پر آپ ﷺ پہلے ان کی شفاعت فرمائیں گے، حدیث کا ہر لفظ اس کی شہادت دے رہا ہے کہ حدیث میں محصور و مذکور قبائل، خاندان اور ممالک پر ان اہل بیت کو فضیلت حاصل ہے جن کی سب سے پہلے آپ شفاعت فرمائیں گے، "ومن اشفع له اولا" کے الفاظ مبارکہ بطور قرینہ مقالیہ اس کی شہادت دے رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس میں کہاں آگئے؟ اگر اہل بیتی کے مفہوم، مدلول، اور مصداق میں آیت تطہیر کے ان مقدس افراد، جو حیدر کرار، حضرت خاتون جنت اور شہزادگاں کی صورت میں موضوع آیت بنے تھے، کو بھی داخل اور شامل کر دیا جائے تو نعوذ باللہ ان کو بھی قابل سفارش اور لائق شفاعت ماننا پڑے گا اور ان تمام احادیث کا انکار لازم آئے گا جن میں رسول اللہ ﷺ نے ان کو سیادت، قیادت کا تاج پہنا کر اور منصب شفاعت عطا فرما کر جنتی ہونے کی قطعی سند عطا فرمائی ہے، حدیث شفاعت میں ان نفوس قدسیہ کا داخلہ ممنوع ہے اگر یہ افراد داخل ہوں تو بھی حضرت ابوبکر صدیق کی افضلیت متاثر نہیں ہوتی کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل الامت قرار دے کر ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ابوبکر سیدنا، واحبنا الی رسول الله ﷺ "پر بحث اور جواب ہم پہلے دے کر اور وضاحت کر چکے ہیں۔

سید صاحب نے زبدۃ کے صفحہ ۱۱۱، پر نقل کیا ہے کہ امام محمد عبدالرؤف بن علی ابن زین العابدین مناوی مصری متوفی ۱۰۳۱ھ اپنی کتاب سیدۃ نساء اہل الجنۃ کے صفحہ ۱۶ میں نقل فرماتے ہیں:

"منزلتها وزوجها عند رسول الله ﷺ عن النعمان بن بشير، استاذن ابوبكر على المصطفى ﷺ فسمع عائشة رضى الله عنها وعليها (رضى اله عنه) احب اليك منى ومن ابى مرتين او ثلثا، فاستاذن ابوبكر فاهوى عليها فقال يا بنت فلا ن الا سمعتك ترفعين صوتك على رسول ﷺ رواه الامام احمد ورجاله رجال الصحيحين"

یہ حدیث امام احمد بن حنبل نے فضائل صحابہ جلد اول ص، ۹۰ پر نقل فرمائی ہے، ترجمہ نعمان بن بشیر سے

روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے سرکار دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت مانگی تو انہوں نے جناب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اونچی اونچی آواز سے باتیں کرتے ہوئے پایا جبکہ آپ کہہ رہی تھیں خدا کی قسم مجھے پتہ ہے کہ فاطمہ اور علی رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کو مجھ سے اور میرے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دو گنا، یا تین گنا پیارے لگتے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم ﷺ کی اجازت سے ان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے اے فلاں کی بیٹی (یعنی اپنا نام لیا) میں نے تجھے سرکار دو عالم ﷺ کی آواز پر اونچی آواز سے باتیں کرتے ہوئے پایا''

اس موقعہ پر جناب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ جملہ کہنا کہ آپ ﷺ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مجھ سے اور میرے والد گرامی سے دو گنا یا تین گنا زیادہ پیار کرتے ہیں، سرکار دو عالم ﷺ کا ان کے اس دعوے کا رد نہ کرنا حدیث تقریری کہلائے گا، جو کہ شرع میں حجت شرعیہ اور حدیث مرفوع ہوگا، وہاں جناب عمر رضی اللہ عنہ کا ذاتی قول تھا جس میں ان کے خیال کو دخل نہ ہوتا تو بظاہر حدیث موقوف کہلاتا مگر حکماً حدیث مرفوع کہلاتا جو قابل احتجاج ہوتا اس حدیث مرفوع کی موجودگی میں یہ قول قابل احتجاج نہیں ٹھہرتا۔

اس کا جواب نقل کرنے سے پہلے حدیث عمر پر تھوڑا سا تبصرہ اور تجزیہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں موضوع خلافت اور اہلیت خلافت زیر بحث انصار و مہاجرین کا اجتماع تھا، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم موجود تھے، حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوبکر کو کہا ''انت خیرنا و افضلنا'' شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا: ''ایں کلمہ ایشاں را جمیع حاضران از مہاجرین و انصار، انکار نکردہ بلکہ مسلم داشتہ پس خیریت و افضلیت ابوبکر نزد جمیع صحابہ مسلم الثبوت و قطعی بود، (تحفہ اثناء عشریہ، ۲۷۱)

کیا یہ حضرت عمر کا ذاتی اور انفرادی قول ہے یا جمیع صحابہ کا متفقہ قول اور عقیدہ ہے؟

حضرت عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں ''قلت لعائشة ای اصحاب النبی ﷺ کان احب الی رسول الله ﷺ، قالت ابوبکر الحدیث'' ترجمہ: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ

عنہا سے پوچھا رسول اللہ ﷺ کو اپنے صحابہ میں سب سے محبوب کون تھا؟ آپ نے فرمایا ابو بکر"

حضرت انس سے مروی ہے: "قالوا یارسول اللہ ﷺ ای الناس احب الیک قال عائشة قالوا انما نعني من الرجال قال ابوها، خرجه الترمذی و ابن ماجه القزوینی فی سننه" (الریاض النضرة، ۱، ص، ۱۳۵)

ترجمہ: کہ صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ آپ کو کون محبوب ہے؟ فرمایا عائشہ، صحابہ نے پھر عرض کیا ہمارے مردوں میں سے کون ہے؟ فرمایا اس کا باپ (ابو بکر صدیق) اس حدیث کی تخریج ترمذی اور ابن ماجہ قزوینی نے اپنی سنن میں کی ہے۔ حضرت عمرو بن العاص سے مروی ہے "قلت یارسول الله ای الناس احب الیک قال عائشة، قلت من الرجال فقال ابوها، الحدیث (الریاض النضرة، ۱، ص، ۱۳۳)

ترجمہ: کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ کے نزدیک سب سے زیادہ پیارا (محبوب) کون ہے؟ فرمایا عائشہ میں نے عرض کیا مردوں سے کون محبوب ہے؟ فرمایا اس کا باپ (ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ)۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار کو رسول اللہ ﷺ نے خود سماعت فرمایا اور حضرت حسان بن ثابت کو سنانے کا حکم دیا۔ ایک شعر یہ ہے۔

"وکان حب رسول الله قد علموا. من البریة لم یعدل به رجلا" ترجمہ: لوگوں کو جناب رسول کریم ﷺ کی حضرت ابو بکر صدیق سے محبت کا علم تھا کہ وہ مخلوق میں سے کسی کو بھی حضرت ابو بکر صدیق کے برابر نہیں سمجھتے تھے، سید صاحب نے فرمایا یہ اشعار حدیث تقریری ہیں (زبدۃ ص ۵۲)

توجہ طلب امر یہ ہے کہ حضرت انس، حضرت عائشہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہم سے مروی تمام احادیث میں نوعیت سوال من احب الیک ایک ہے اور جواب بھی ایک ہے اور یہی بات حدیث عمر رضی اللہ عنہ میں ہے، اگر حسان بن

ثابت کا شعر حدیث تقریری ہے تو بقیہ احادیث مرفوعہ ہیں، صحابہ نے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت عائشہ صدیقہ نے جواب دیا بلاشبہ یہ احادیث مرفوعہ ہیں مزید برآنکہ سوال و جواب کی وحدت نے یہ ثابت کر دیا کہ محبوبیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں تمام روایات کا اشتراک اور اتفاق ہے اصطلاح حدیث میں یہ تواتر قدر مشترک ہے، جس کو محدثین تواتر معنوی کہتے ہیں یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ تمام راوی محبوبیت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے خود سن کر بیان کرتے ہیں اس لحاظ سے یہ تمام روایات مرفوعہ ہیں مگر یہی محبوبیت حضرت عمر بیان کرتے ہیں تو یہ ان کا ذاتی قول ٹھہرا؟ اور درجہ حجیت کو نہ پہنچ سکا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو تواتر معنوی کی تائید حاصل ہے یہ خبر متواتر کے حکم میں ہے، حضرت عمر کا یہ فرمان ذاتی قول حدیث شاذ یا موقوف نہیں، بلکہ معنوی طور پر متواتر ہونے کی وجہ سے حکماً بھی متواتر ہے اور حجت شرعیہ ہے حضرت عمر نے کوئی نئی بات نہیں کہی بلکہ وہی کہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمائی ہے، اب آیئے اس حدیث کی طرف جو نعمان بن بشیر نے روایت کی ہے، اور جس سے بزبان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سید صاحب نے یہ ثابت کیا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق سے دوگنا یا تین گنا زیادہ پیارے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر اس کی تردید نہیں فرمائی جس کی وجہ سے حضرت عائشہ صدیقہ کا قول حدیث تقریری ہوا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دو یا تین گنا زیادہ محبوب ٹھہرے لہذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ ابوبکر احبنا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحیح نہ ہوا، جواباً کہا جائے گا کہ الفاظ حدیث غور طلب ہیں دیکھنا یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ الفاظ کس ماحول اور کون سی کیفیت میں کہے ہیں؟ برضاء ورغبت یعنی معمول کے مطابق یا بغیر معمول کے، یہ الفاظ معمول سے ہٹ کر کہے ہیں اس کی دلیل یہ الفاظ ہیں ”استاذن ابوبکر علی المصطفٰے فسمع عائشہ عالیا تقول“ ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حجرہ مبارکہ میں اندر آنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی، اجازت مل گئی

،اندر داخل ہوئے تو حضرت عائشہ کو باآواز بلند یہ کہتے ہوئے سنا،، پھر ’’استاذن ابوبکر فاھوی علیھا‘‘ حضرت ابوبکر صدیق نے رسول اللہ سے اجازت چاہی، پھر اجازت مل گئی اور حضرت عائشہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

’’یا بنت فلاں الاسمعتک تر فعین صوتک علی رسول اللہ ﷺ‘‘

اے صدیق کی بیٹی سن، میں نے تجھے پایا ہے کہ تو رسول اللہ ﷺ کی آواز پر اپنی آواز کو اونچا کرتی ہے الفاظ کے تیور بتاتے ہیں کہ یہ ساری گفتگو ناراضگی اور شکایت کے طور پر تھی، یہ کہنا اعتراف یا اقرار کے طور پر نہ تھا اسی بناء پر یہ ساری گفتگو بلند آواز میں کی گئی، رسول اللہ ﷺ ام المومنین کے غصہ کو ٹھنڈا کرتے اور ساتھ ہی شکایت کا ازالہ فرماتے جاتے تھے، ورنہ جناب صدیق اکبر یہ کیوں فرماتے

؟’’الاسمعتک تر فعین صوتک علی رسول اللہ‘‘

یہ حدیث مسند امام احمد بن حنبل، ابو داود، اور نسائی میں بھی ہے، امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث بظاہر اس حدیث کے معارض ہے جو امام بخاری نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے وہ حدیث اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو غزوہ ذات السلاسل کے موقعہ پر امیر لشکر مقرر فرمایا اس لشکر میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر بھی تھے جب یہ دونوں حضرات حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کی امارت میں آ گئے تو انہوں نے سمجھا کہ شاید میرا مرتبہ اور مقام شیخین سے زیادہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان پر مجھے امیر مقرر فرمایا ہے اسی خیال سے عمرو بن العاص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا:

’’ای الناس احب الیک قال عائشہ فقلت من الرجال فقال ابوھا، فقلت ثم من قال ثم عمر بن الخطاب فعدر جالا‘‘ ترجمہ: یارسول اللہ ﷺ آپ کو زیادہ کون محبوب ہے فرمایا عائشہ (رضی اللہ عنہا) میں نے پھر پوچھا مردوں میں کون محبوب ہے؟ فرمایا اس کا باپ ،(صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) میں نے پھر پوچھا ان کے بعد کون محبوب ہے؟ فرمایا عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) اسی طرح آپ نے اور لوگوں کا نام بھی لیا۔ پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت

فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کو زیادہ محبوب ہیں اور عمرو بن العاص کی حدیث سے معلوم ہوا کہ امت میں سب سے زیادہ محبوب حضرت ابوبکر صدیق ہیں اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

یہ احادیث کا تعارض ہے احادیث کے تعارض کو دور کرنا محدثین کا ہی کام ہے چنانچہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا ان میں کوئی تعارض نہیں، فرمایا: "و کان فی الظاهر یعارض حدیث عمر ولکن یرجح حدیث عمرو، وانه من قول النبی ﷺ وهذامن تقریره "(فتح الباری، ج، ۷، ص ۱۹) ترجمہ: حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے محبوب ہونے کی حدیث ظاہری طور پر حضرت عمرو بن العاص کی حدیث سے ٹکراتی ہے لیکن حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ترجیح حاصل ہے یعنی راجح ہے کیونکہ یہ پوری حدیث رسول اللہ ﷺ کا اپنی زبانی فرمان ہے جو حدیث مرفوع ہے، اور حضرت نعمان بن بشیر والی حدیث، حدیث تقریری ہے، حدیث عمرو بن العاص قولی اور راجح ہے اور وہی لائق عمل ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کے نزدیک ابوبکر صدیق ہی محبوب ہیں۔

امام موصوف فرماتے ہیں: ان دونوں حدیثوں کو جمع کرنا بھی ممکن ہے: ویمکن الجمع باختلاف جهة المحبة فیکون فی حق ابی بکر علی عمومه بخلاف علی "(فتح الباری: ۷: ۱۹) ترجمہ: یعنی وجوہات کے اختلاف کی وجہ سے ان کے درمیان تطبیق وتوفیق بھی ممکن ہے وہ اسطرح کہ ابوبکر صدیق کی محبت رسول اللہ ﷺ کے نزدیک بالعموم ہے، یعنی آپ اپنی شخصیت، گفتار، کردار، مالی تعاون، اور جانثاری بلکہ ہر لحاظ سے رسول اللہ ﷺ کو محبوب ہیں، اور جناب علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ ایک خاص جہت کی وجہ سے محبوب ہیں، وہ یہی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے داماد، چچا زاد بھائی، اور آیت تطہیر کے ایک مدلول اور مصداق ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی محبوبیت حدیث قولی، حدیث مرفوع سے ثابت ہے جو ارفع، اعلیٰ اور ارجح ہے، حضرت فاطمۃ الزہرا اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی محبوبیت حدیث تقریری سے ثابت ہے جو

حدیث مرفوع کے مقابل مرجوح ہے، واللہ اعلم۔

نوٹ: حضرت علی رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ کے محبوب ہیں، احادیث میں آپ کے فضائل محاسن، اور کمالات کا ایک ذخیرہ موجود ہے جو بعد از ترتیب کئی جلدوں میں آ سکتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ذکر، محبت علامت ایمان ہے، بغض، عداوت دلیل نفاق اور کفر ہے۔

سید صاحب نے زبدۃ، ۱۳۱ پر حدیث طیر پر ایک ضمنی تبصرہ فرمایا ہے، اور حضرت علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ علامہ فرماتے ہیں: "انہ احب الخلق الی اللہ بعد رسول اللہ ﷺ رواہ انس فی حدیث الطیر" ترجمہ: جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ کے بعد اور سارے انبیاء کے بعد اللہ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ پیارے ہیں، اس بات کو جناب انس نے حدیث طیر میں روایت کیا ہے پھر لکھتے ہیں ایک طائرانہ نگاہ سے وہ حدیث بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔

"عن انس قال کان عند النبی ﷺ طیر فقال اللھم ائتنی باحب خلقک الیک یأکل معی ھذا الطیر فجاء علی فاکل معہ" (ترمذی شریف: ۲: ۲۳۶)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ کی بارگاہ میں ایک پرندہ بھنا ہوا تھا، آپ ﷺ نے کہا اے میرے اللہ میرے پاس وہ بندہ لے آ جو تیرے نزدیک تیری مخلوق میں سب سے پیارا ہو، جو میرے ساتھ یہ پرندہ کھائے، سو حضرت علی رضی اللہ عنہ آ گئے، تو انہوں نے سرکار دوعالم ﷺ کے ساتھ مل کر اسے کھایا۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب فرمایا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص، اور، مشہور صحابی ہیں، ان سے آگے روایت لینے والے اور لوگ بھی ہیں مگر ان راویوں میں ایک راوی سدی ہے جو اکیلا روایت کرتا ہے اور دیگر راویوں سے متن اور روایت میں منفرد ہو جاتا ہے اس کا انفراد متن حدیث اور سند میں منافات پیدا کرتا ہے، علماء حدیث نے فرمایا: "الغریب ما انفرد بہ احد رواتہ و بینھما

تناف "رواۃ حدیث سے ایک راوی الگ ہو جائے اس کے متن اور سند کی وجہ سے دوسرے راویوں کے متن اور سند میں منافات پیدا ہو جائے، یعنی راویوں (بشمول راوی منفرد) کی بیان کردہ سند، اور متن میں تنافی آجائے، حدیث غریب کی دو قسمیں ہیں، متن کے لحاظ سے غریب، (۲) سند کے لحاظ سے غریب ہو، ا، امام ترمذی نے لا نعرفه من حديث السدى الا من هذاالوجه " کہہ غریب من جہت الاسناد کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

امام ترمذی نے باب الحدیث میں نقل فرمایا: "حدثنا سفيان بن وكيع حدثنا عبيدالله بن موسىٰ عن عيسىٰ بن عمر عن السدى عن انس بن مالك "امام ترمذی نے رواۃ حدیث میں، سدی کو منفرد فرمایا اور اس کے انفراد کی وجہ سے حدیث کو غریب کہا، یہ وہ مشہور ترین حدیث ہے جس میں محدثین نے بھرپور انداز اور ناقدانہ طریقہ سے اختلاف کیا ہے، محدث ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے جبکہ امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

الشیخ عبدالوہاب المصری الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ومما تثبت به الروافض فى تقديمهم عليا رضى الله عنه على ابى بكر رضى الله عنه حديث انه ﷺ اتى بطير مشوى فقال اللهم ائتنى باحب خلقك اليك يأكل معى من هذاالطير' فاتاه على رضى الله عنه وهذالحديث ذكره ابن الجوزى فى الموضوعات وافرد له الحافظ الذهبى وقال ان طرقه كلها باطلة واعترض الناس على الحاكم حيث ادخله فى المستدرك "(اليوقيت والجواهر :۴۳۷)

ترجمہ: رافضی جس دلیل کی بناء پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے ہیں وہ حدیث ہے

کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک بھنا ہوا پرندہ لایا گیا آپ نے دعا مانگی اے اللہ میرے پاس ایسے شخص کو بھیج جو تیری مخلوق میں سب سے زیادہ تجھے پیارا ہو وہ میرے ساتھ یہ پرندہ کھائے، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے (اور آپ کے ساتھ اس پرندے کو کھایا) محدث ابن جوزی نے اس

حدیث کو "الموضوعات" میں ذکر کیا ہے، اور حافظ ذہبی نے اس حدیث پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے اور فرمایا ہے اس کے تمام طرق (اسناد) باطل ہیں، اور دیگر حفاظ اور آئمہ محدثین نے امام حاکم پر اعتراض کیا ہے کہ اس موضوع حدیث کو المستدرک میں کیوں نقل کیا ہے؟ علامہ السید علی بن السید سلیمان شاذلی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث الطیر کی اسناد پر پوری تفصیل المغتذی میں بیان کی ہے، صحیح اور موضوع کہنے والے علمائے احادیث کے دلائل، اور اسناد حوالا جات بھی نقل فرمائے ہیں لیکن پھر بھی موضوع ہونے کا پہلو حذف نہ ہوسکا الشیخ عبدالوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے واضح ہوا کہ حدیث الطیر سے روافض حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر استدلال کرتے ہیں اور یہی حدیث ان کے عقیدے کی خشت اول ہے جس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی عمارت تعمیر کرتے ہیں۔ لیکن امام عبدالوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے صاف کہہ دیا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اور فن حدیث کے تنقید، جرح اور تعدیل کے امام ابن جوزی نے اپنی مشہور کتاب "الموضوعات" میں اس کو نقل کیا ہے متن احادیث اور اسناد کے ماہر امام و حافظ الذہبی نے اسکی موضوعیت پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس میں اس کی تمام اسناد اور طرق روایات کو جرح و تعدیل اور اصول حدیث کی کسوٹی پر پرکھا ہے، پوری تحقیق اور تدقیق کی مشق کی گئی ہے، لیکن سب کچھ کرنے کے باوجود یہ حدیث موضوعیت کے خول سے باہر نہ آسکی، اور آخر امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کو کہنا پڑا کہ روایت کے تمام طریقے باطل ہیں۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے "المستدرک" میں یہ حدیث بے شک نقل کی ہے مگر علمائے حدیث نے ان پر اعتراض کیا اور تنقید کا نشانہ بنایا ہے، حافظ محمد بن سعید بن عقدۃ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے تمام طرق کو کتابی شکل دی اور موضوع قرار دیا۔

امام تورپشتی نے اس حدیث کی تاویل[1] میں فرمایا:

قوله باحب خلقک الیک :ای بمن هو من احب خلقک الیک فیشار که غیره وهم المفضلون باجماع الامة فهو کقوله عمر افضل الناس واعقلهم ای من افضلهم و ممایبین لک ان جمله

علی العموم ممنوع لانه ﷺ من جملة خلق الله ولا يجوز ان يكون احب اليه منه فيرادبه احب خلقه من قرابته "(قوت المغتذی)

ترجمہ: یعنی جو لوگ تجھے سب سے پیارے ہیں ان لوگوں میں سے کوئی اپنا پیارا بندہ بھیج، اس میں دوسرے لوگ بھی شامل ہیں یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی داخل اور شامل ہیں۔ایک سوال پیدا ہوتا تھا کہ اگر یہ معنی مراد لیا جائے اور شیخین کو بھی اس میں شریک مانا جائے تو تساوی فی الفضیلت لازم آئے گی حالانکہ شیخین کی افضلیت اجماع امت سے ثابت ہے تو" وهم المضلون باجماع الامة " سے جواب دیا کہ شیخین باحب خلقک الیک میں شریک ہیں لیکن ان کی ترجیح تخصیص اور افضلیت خاصہ پھر بھی باقی رہے گی کیونکہ شیخین کی افضلیت اور احبیت پر اجماع امت ہے اگر حدیث کو ظاہری معنی اور ظاہری مفہوم پر ہی حمل کیا جائے تو شیخین کی افضلیت پھر بھی متاثر نہیں ہوتی، اسکی مثال موجود ہے مثلاً جب کہا جائے کہ عمر سب سے افضل ہیں اور سب سے زیادہ زیرک ہیں تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ عمر افضل اور اعقل لوگوں میں سے ہیں اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ وہ سب لوگوں سے زیادہ اعقل اور زیادہ زیرک ہیں اسی طرح نبی کریم ﷺ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ جو تیری بارگاہ میں زیادہ پیارے لوگ ہیں ان میں سے کوئی پیارا آدمی بھیج۔

اور یہ امر بالکل واضح ہے کہ احب الیک کو عموم معنی پر نہیں رکھا جائے گا کیونکہ ایسی صورت میں لازم آئے گا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بھی افضل اور احب ہوں، جبکہ پوری کائنات اور پوری انسانیت میں رسول اللہ ﷺ ہی افضل اور احب الی اللہ ہیں۔لہذا حدیث کا معنی یہ ہوگا جو میرے قرابتداروں میں تجھے زیادہ پیارا ہے اس کو بھیج "وقد كان ﷺ يطلق القول ويريدتقييده ويعم به ويريدتخصيصه فيعرفه ذوالفهم بالنظرلحال اووقت اوامرهو فيه "(قوت المغتذی)

ترجمہ: اور کبھی رسول اللہ ﷺ ایک مطلق قول فرماتے لیکن آپ قول مقید مراد لیتے، کبھی ایک

عام قول کرتے اور ارادہ خاص قول کا ہوتا، صاحب نظر، اور صاحب فہم حالات، وقت اور امر کے تناظر میں پہچان جاتے کہ رسول اللہ ﷺ کا مقصود اس کلام سے یہ ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کی صحت پر علمائے حدیث متفق نہیں، علامہ تورپشتی نے اس کی تاویل میں سعی بلیغ سے کام لیکر اسکی صحت کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تاویل پیش کرکے موضوعیت سے اس کو نکالنے کی کوشش کی ہے، ان کا فرمان ہے کہ جہت احبیت میں تبدیلی لانے سے کوئی اشکال باقی نہیں رہتا، مثلاً اگر ثواب وجزائے اعمال کی کثرت موجب احبیت ہو تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ احب الخلق الی اللہ ہوں گے، اور خاندانی شرف، ابن عم، اور رشتہ دامادی کا لحاظ کیا جائے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ افضل اور احب الخلق الی اللہ، یہ توجیہہ موجب اشکال ہے نہ باعث تضاد۔

اگرچہ علمائے حدیث نے اس کی غرابت اور موضوعیت کو دور کرنے کی مساعی کی ہیں، لیکن پھر بھی علمائے حدیث اس کو اختلاف کے دائرے سے باہر نہیں نکال سکے، جب اختلاف برقرار رہے تو کھلے بندوں اس مختلف فیہ حدیث سے تقدیم حضرت علی رضی اللہ عنہ پر استدلال کرنا درست نہیں۔

پھر یہ بھی مدنظر رکھنا پڑے گا کہ اگر یہ حدیث علی الاطلاق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تقدیم (افضلیت) کو ثابت کرتی ہے تو افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر صحابہ کا اجماع کیسے ہوا؟ کیا حدیث الطیر صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے علم میں نہ تھی؟ اگر تھی تو صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل الصحابہ کا درجہ اور مقام وشرف کیوں دیا؟ اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خیر الناس بعد رسول اللہ ﷺ کیوں تسلیم کیا؟ بصورت تسلیم یہ حدیث الطیر حضرت ابودرداء اور حضرت جابر کی احادیث سے ٹکرائے گی نہیں؟ ان رسول اللہ ﷺ قال ما طلعت الشمس ولا غربت علی احد افضل من ابی بکر الا ان یکون نبیا'' اور حدیث جابر ما طلعت الشمس علی احد منکم افضل منہ بہر حال کسی بھی لحاظ سے حدیث الطیر بلا تاویل صادق نہیں آتی اندریں حالات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت

مطلقہ، اور تقدیم مطلق پر اس حدیث سے استدلال کرنا غلط ہے۔

سیّد صاحب نے زبدۃ ص ۱۱۷: پر تحریر کیا کہ اس حدیث کے بارے میں محدثین کو خدشہ ہوا ہے کہ اس حدیث سے روافض کو حضرت مولا مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بلافصل ہونے کا موقعہ ہاتھ آجائے گا جو سراسر بے بنیاد ہے۔

جواباً کہا جائے گا کہ جس وقت یہ حدیث رسول اللہ ﷺ نے اشاد فرمائی اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود تھے اور جب سقیفہ بنی ساعدہ میں خلیفہ کا انتخاب اور اتفاق ہو رہا تھا اس وقت بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود تھے اگر یہ حدیث خلافت بلافصل کی علت ہوتی تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کو علم ہوتا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بجائے قرعہ فال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام نکلتا صحابہ کرام سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے فرامین کو سمجھنے والا کون ہوسکتا ہے؟ اگر اس حدیث سے اقتضاءً دلالتاً یا اشارۃً بھی خلافت بلافصل کا مفہوم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں ہوتا تو وہی صحابہ آپ کے حق میں اجماع کر لیتے ہر دور میں حدیث الطیر اپنے اسی مفہوم اسی مصداق اور مدلول کو لے کر جمہور علمائے اہل سنت کی تقاریر، اور تصانیف میں جلوہ گر ہوتی رہی ہے اگر خلافت بلافصل کا ادنیٰ پہلو بھی اس سے مترشح ہوتا تو امت محمدیہ کا سواد اعظم آج تک متفق اور متحد نہ ہوتا، محدثین نے خلافت بلافصل لعلی رضی اللہ عنہ کے خدشہ کے پیش نظر اس کو موضوع نہیں کہا بلکہ رواۃ اور ان کے بیان کردہ متن کے حالات کی تفتیش اور تحقیق کے بعد موضوع اور حدیث غریب کہا ہے۔ محدثین کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیا عداوت اور کونسا بغض ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے محاسن اور فضائل میں احادیث کا ایک گرانقدر ذخیرہ کتب موجود ہے وہ بھی ان محدثین کی زبان وقلم کا نتیجہ ہے مسلمانوں کے افادۂ واستفادہ کی خاطر، دل سوزی اور جانگدازی سے کام لیا ہے اس حدیث طیر کے علاوہ دیگر کسی ایک حدیث میں بھی محدثین کا اختلاف نہیں ہوا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں وارد ہوئی ہیں۔ محدثین پر سیّد صاحب نے جو خلافت بلافصل کے خدشہ کا الزام لگایا ہے یہ ان کی ذاتی سوچ ہے رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال کو گلے لگانے والی بلند شخصیات سے ایسی توقع رکھنا عبث

،اوران کی امانت ودیانت کے خلاف ہے۔
اوراگراسی نظریہ کی اتباع کی جائے تو کوئی بھی حدیث شکوک وشبہات سے پاک نہ ہوگی ،حدیث کا موضوع نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ،حالات طیبات اور فرامین مقدسہ کی کیفیات محدثین جیسے بلند پایہ اہل ایمان اور حب نبی ﷺ سے سرشار عالی قدر عشاق خیانت اور بددیانتی کا ارتکاب نہیں کر سکتے ،حدیث کی جانچ پڑتال ،اور پرکھ کی ذمہ داری محدثین ہی ادا کر سکتے ہیں ، یہ ماو رشما کا کام نہیں ۔
سیّد صاحب نے لکھا کہ اگر امامت کیلئے افضلیت شرط ہوتی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سرکار دوعالم کی موجودگی میں امام نہ بنائے جا سکتے ،اور سرکار دوعالم ﷺ کا ان کی اقتداء کرنا درست نہ ہوتا۔
جواباً کہا جائے گا کہ اگر امامت کیلئے افضلیت شرط نہ ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی امامت پر رسول اللہ ﷺ یأبی اللہ و المؤمنون الا ابابکر کیوں ارشاد فرماتے اور ابوبکر صدیق کی امامت کیلئے کیوں اصرار فرماتے ؟ اور یہ پابندی کیوں عائد کی جاتی کہ ”لا ینبغی لقوم فیھم ابوبکر ان یصلی بھم غیرہ “ رسول اللہ ﷺ دوران علالت مسجد میں تشریف لائے جبکہ حضرت ابوبکر صدیق امام تھے نماز میں امامت فرمارہے تھے ،آپ ابوبکر صدیق کے پہلو میں بیٹھ گئے ،آپ کا یہ طرز عمل ثابت کرتا ہے کہ امامت کیلئے افضلیت شرط ہے جہاں تک جوازیت کا تعلق ہے مفضول کے پیچھے افضل کی نماز جائز ہے اس کی دو ہی صورتیں ہیں ،افضل اجازت دے دے یا لاحق اور مسبوق ہوکر اقتداء کرے ،اگر افضلیت شرط نہ ہوتی تو فقہاء اعلمھم وغیرہ اوصاف کو مدنظر رکھنے ،اور ان پر استحقاق امامت کا حکم کیوں صادر فرماتے ؟ رسول اللہ ﷺ بے شک موجود ہیں ،مگر کہاں ؟ حجرہ مبارکہ میں شدت تکلیف سے مسجد میں تشریف نہیں لائے اور ابوبکر صدیق امام ہیں ،رسول اللہ ﷺ کے حکم سے امام ہیں اور کیوں امام ہیں ؟ اس لئے سب صحابہ میں افضل ہیں ۔
مسجد میں موجود ہیں تو امام ہیں صدیق اکبر کے پہلو میں ہیں تو امام ہیں ،صدیق اکبر مکبر کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں اور امامت آپ ﷺ خود فرمارہے ہیں ،اور صدیق اکبر کی اقتداء میں ہیں

،لاحق اور مسبوق کی حیثیت میں ہیں ،اگر ابتدائے نماز میں تشریف لاتے تو امامت فرماتے ۔جوازیت اور شرط میں فرق ہونا چاہیے شرط کا تعلق امن ،اور معمولات سے ہے،اور جوازیت مجبوری اور ہنگامی صورت کی کوکھ سے جنم لیتی ہے۔

یہاں یہ بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ امامت صغریٰ میں افضلیت کا قول ظنی اجتہادی ہے اور امامت کبریٰ میں شرط افضلیت لازم ماہیت اور قطعی ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"وفی الخلاصۃ رجلا ن فی الفقہ و الصلاح سواء الا ان احدھما اقراء فقدم اھل المسجد الاخر فقد اساء و ا"ترجمہ: خلاصہ میں مذکور ہے دو آدمی فقہہ اور تقوی میں مساوی ہیں ،مگر ان میں سے ایک قرآن اچھا پڑھتا ہے،اگر دوسرے کو جو اتنا اچھا نہیں پڑھ سکتا،نمازیوں نے یا مسجد کے منتظمین نے امامت کیلئے آگے کر دیا تو سب نے برائی کا ارتکاب کیا،اگر امامت میں مدار افضلیت نہ ہوتا تو یہ لوگ برائی کے مرتکب ہوتے ؟

دوسری مثال نقل فرماتے ہوئے ،بیان کیا کہ :"کذالو قلد القضاء رجلا و ھو من اھلہ و غیرہ افضل منہ "ترجمہ: اور اسی طرح اگر ایک شخص کو قاضی بنایا گیا اور وہ قاضی ہونے کی اہلیت بھی رکھتا تھا لیکن اس کے مقابل ایک اور شخص اس سے بہتر موجود تھا مفضول کو قاضی بنانے پر متعلقہ لوگوں نے برائی کا ارتکاب کیا ہے ،یعنی امامت صغریٰ ہو، یا منصب افتاء وقضاء مفضول کو افضل کی موجودگی میں تفویض کرنا برائی اور جرم ہے ،،اور امامت کبریٰ یعنی خلافت کا مسئلہ تو انتہائی ارفع و اعلیٰ ہے یہ محلہ ،گاؤں یا شہر کی امامت وخطابت کا مسئلہ نہیں ایک ملک ،قوم ، مذاہب ،تہذیبوں اور قومی سطح پر سیاسی ،اور اقتصادی امور کا معاملہ ہے، جہاد جیسے اہم ترین رکن اسلام کا مسئلہ ہے اس کیلئے تو ہمہ صفات سے متصف شخص کی ضرورت ہے جو ہر قسم کے چیلنج کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو،اور دشمنان دین کو منہ توڑ جواب دینے کی قوت بازو رکھتا ہو،اسی معیار اور شرط کو لازم قرار دیتے ہوئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:"و اما الخلیفۃ فلیس لھم ان یولوا الخلافۃ الا افضلھم : جہاں تک خلیفہ کے انتخاب اور منصب کا تعلق ہے تو مسلمان سب سے افضل شخص (جو ان تمام شرائط کو

پورا کرتا ہو) کے علاوہ کسی اور کو خلیفہ منتخب نہیں کر سکتے۔

مزید فرمایا: "وھذافی الخلفاء خاصة وعليه اجماع الامة (شرح فقہ اکبر، ۷۵، مطبوعہ مولوی مسافر خانہ کراچی)

ترجمہ: خاص کر خلفاء میں سب سے افضل ہونا لازمی اور ضروری ہے اور اسی پر اجماع امت ہے ثابت ہوا امامت صغری میں افضلیت کی شرط بصیغہء جواز اور مفید ظن ہے اور امامت کبری میں افضلیت کی شرط بصیغہء وجوب بحکم قطعیت ہے لہذا یہ کہنا کہ امامت کبری ہو یا صغری کے لئے افضلیت شرط بھی نہیں ہے، غلط ہے۔

سید صاحب نے تحریر فرمایا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور جناب مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے درمیان افضلیت کا اختلاف اہل سنت میں پایا جاتا ہے اگر ترتیب خلافت میں اولیت یا تقدیم برابر افضلیت ہوتا تو اہل سنت میں یہ اختلاف نہ پایا جاتا معلوم ہوا کسی وجہ سے افضلیت متقاضی خلافت نہیں لہذا روافض کا یہ استدلال باطل ہے۔

جواباً کہا جائے گا کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک معیار افضلیت ترتیب خلافت ہے، اہل بصرہ اور کوفہ حضرت علی کو حضرت عثمان غنی سے افضل مانتے ہیں یہاں شیعہ کی کثرت ہے جس کی وجہ سے یہ اختلاف رونما ہوا۔

ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے فرمایا: "وھذا لترتيب بين عثمان وعلي وھو ما عليه اكثر اهل السنة خلافالما روی عن بعض اهل الكوفة والنصرة من عكس القضية "(شرح فقهه اكبر، ۷۵، مطبوعه مولوی مسافر كانه كراچی) ترجمہ: حضرت عثمان غنی اور خلیفہ چہارم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں کے درمیان ترتیب افضلیت ترتیب خلافت ہی ہے اور اکثر اہل سنت و جماعت یعنی جمہور کا یہی مذہب ہے، صرف اہل بصرہ اور کوفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے افضل مانتے ہیں، پھر فرمایا: والصحيح ماعليه جمهور اهل السنة وهو الظاهر من قول ابی حنيفة علی مارتبه هنا وفق مراتب الخلافة "(شرح فقهه اكبر، ايضاً) ترجمہ: جمہور اہل سنت و جماعت کا وہی مذہب ہے جو ... ہیں سیدنا امام

ابوحنیفہ نے ترتیب خلافت کے اعتبار سے ذکر کیا ہے۔

سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے نقل فرمایا: ''وافضل الناس بعد النبیین علیھم الصلوۃ والسلام ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ ثم عمر بن الخطاب الفاروق رضی اللہ عنہ ثم عثمان بن عفان ذو النورین رضی اللہ عنہ ثم علی بن ابی طالب المرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین''(فقھہ اکبر)

ترجمہ: انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں ان کے بعد حضرت عمر اور ان کے بعد عثمان غنی اور ان کے بعد حضرت علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔

شیخ المشائخ السید ابوالحسن حضرت علی بن عثمان ہجویری ثم لاہوری المعروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ترتیب خلفاء جو ترتیب فضیلت ہے کو اسی نہج پر ذکر کرتے ہوئے فرمایا: شیخ الاسلام و بعد از انبیاء خیر الانام خلیفہ پیغمبر و امام و سید اہل تجرید، وشہنشاہ ارباب تفرید، واز آفات انسانی بعید، امیر المومنین ابوبکر عبد اللہ بن عثمان الصدیق رضی اللہ عنہ، سرور اہل ایمان وصعلوک اہل احسان امام اہل تحقیق، و اندر بحر محبت غریق، ابوحفص عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متعلق حضرت و درگاہ کبریاء، و متحلی بطریق مصطفےٰ علیہ السلام ابوعمرو بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، برادر زادۂ مصطفیٰ وغریق بحر بلا، وحریق نار وار، مقتدائے جملہ اولیاء والاصفیاء ابوالحسن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ (کشف المحجوب)

امام ربانی مجدد الف ثانی نے فرمایا! حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد امام برحق اور خلیفہ مطلق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ، ان کے بعد حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ، ان کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب پر ہے۔(مکتوبات دفتر دوم، مطبوعہ اللہ والے کی قومی دوکان لاہور)

امام ابوشکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا! امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت فاروق اعظم

کے بعد خلیفہ برحق باجماع امت حضرت عثمان ذوالنورین ہیں، (تمہید، ۳۵۱، مطبوعہ فرید بکسٹال اردو بازار لاہور) علم کلام کی کتب میں بھی ترتیب افضلیت ترتیب خلافت پر ہی مذکور ہوئی ہے جس سے واضح ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ باجماع امت خلیفہ ثالث ہیں، جب آپ باجماع امت خلیفہ ثالث ہیں تو اس سے ثابت ہوا کہ آپ باجماع امت حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے افضل ہیں، اگر کوئی کوفی یا بصری حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت عثمان پر فضیلت دیتا ہے تو اس کا یہ اقدام اجماع امت کے خلاف ہے جو قابل حجت اور لائق تسلیم نہیں۔

سیّد صاحب نے محمد قطب الدین دہلوی کی مظاہر حق شرح مشکوۃ: ۷:۳۴۶) سے ایک اقتباس نقل کیا ہے کہ ایک بات اہل سنت سے بھی کہہ دینا ضروری ہے کہ افضلیت کا مسئلہ ظنی ہے۔ (زبدۃ، ۱۱۹) جواباً کہا جائے گا کہ بفضل اللہ العظیم اس پر تفصیلی بحث اور دلائل کا انبار پہلے گزر چکا ہے مسئلہ افضلیت ظنی نہیں قطعی ہے اس پر مزید گفتگو کرنا مناسب حال نہیں۔ پھر نقل فرمایا اس کو ایمان و کفر کا معاملہ نہیں بنانا چاہیے۔ یہ کفر و ایمان کا مسئلہ نہیں تھا، مگر شیعہ مسلک نے جمہور اہل سنت، اجماع امت کے خلاف جعلی اور فرضی روایات، اور خود ساختہ اعتقادات اور خیالات کی مہم چلائی، کہ صحابہ کرام کی ذوات، اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کی تعریفات اور توصیفات کے پل باندھے، ان کی زہر فشانی سے محفوظ نہ رہ سکے، جس کے نتیجہ میں یہ مسئلہ افضلیت حق و باطل، سنت اور بدعت کی شکل اختیار کر گیا، اور کل بدعۃ ضلالۃ، وکل ضلالۃ فی النار کا مفہوم سمجھنا ضروری تصور کیا گیا ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں: خلافت و امامت کی بحث اہل سنت و جماعت کے نزدیک اگر چہ دین کے اصول میں سے نہیں ہے اور نہ ہی اعتقاد کے ساتھ کچھ تعلق رکھتی ہے لیکن چونکہ شیعہ نے اس بارے میں بڑی زیادتی، اور افراط و تفریط کی ہے، اس لئے علمائے حق نے اس بحث کو علم کلام سے متعلق کیا ہے اور حقیقت حال کو بیان کیا ہے۔

علامہ خیالی نقل فرماتے ہیں کہ :اعلم ان مباحث الامامۃ وان کانت من الفقه لکن لما شاع بین الناس فی باب الامامۃ اعتقادات فاسدۃ ومالت فرق اهل البدع والاهو

اء الی تعصبات باردۃ تکادتفضی الی رفض کثیرمن قواعدالاسلام ونقض عقائدالمسلمین والقدح فی الخلفاء الراشدین الحقت تلک المباحث بالکلام"

(خیالی بحث الامامۃ)

ترجمہ: امامت وخلافت کی ابحاث اگر چہ مسائل فقہیہ ہیں لیکن جب لوگوں (شیعہ) میں امامت کے عنوان میں غلط قسم کے عقائد نے جنم لیا، اہل بدعت اور اہل ہواء کے تمام فرقے گندے تعصّبات کی جانب مائل ہو گئے، اور قریب تھا کہ اسلام کے بہت سے قواعد (دین کے بنیادی اصول) کو ہی چھوڑ دیں (انکار کر دیں) اور مسلمانوں کے عقائد کو توڑ پھوڑ دیں خلفائے راشدین کی ذوات، صفات، اور خلافت میں نقص اور عیب جوئی کرنے لگیں تو مسئلہ امامت کا علم الکلام سے الحاق کر دیا گیا علامہ خیالی کی اس عبارت سے پتہ لگا کہ مسئلہ امامت ایک نازک صورت حال اختیار کر چکا ہے، اور اس مسئلہ نے اسلام کے بنیادی اصول مجروح اور مسخ کیے، لوگوں کو اصلی اسلامی روپ اور عقائد حقہ کی دہلیز سے اٹھا کر بدعت وہواء کے جنگل میں پھینک دیا، اور ایسی متعصّبانہ فکر دی کہ خلفائے راشدین رحمہم اللہ تعالیٰ کی ذوات مقدسہ کو تنقید کا نشانہ بنایا جانے لگا، بلکہ سب وشتم، اور تبرّا بازی جیسی اخلاقی اور مذہبی بے ہودگی کو نشان مذہب وعقیدہ قرار دیا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا: ''درمیان ایشاں شائع وذائع ودر کتب ایشاں مسطور ومحرر ست کہ سب خلفائے راشدین وازواج مطہرات سید المرسلین کہ عائشہ صدیقہ وحفصہ، معظّمہ اند افضل العبادات واکمل القربات ست، وسب عمر افضل است من ذکر اللہ اکبر (رضی اللہ عنہم اجمعین)۔ (تحفہ اثنا عشریہ کید چہل وپنجم)

ترجمہ: شیعوں کے درمیان یہ مشہور ومعروف، اور ان کی کتابوں میں مذکور اور منقول ہے کہ خلفائے راشدین ابوبکر صدیق، عمر فاروق رضی اللہ عنہما اور سید المرسلین ﷺ کی دو ازواج مطہرات حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما جو از روئے قرآن وحدیث انتہائی عظمت والی ہیں کو گالی دینا سب عبادات سے افضل ہے اور اکمل درجے کی بندگی ہے، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو

گالی دینا اللہ اکبر کے ذکر سے افضل ہے۔

یہ خرافات ہیں جن سے قواعد اسلام کو مسمار کیا گیا بلکہ کیا جا رہا ہے اس ساری بے حیائی، بے ہودگی کی روح رواں وہ افضلیت ہی ہے جس کو شیخین سے چھیننے کا گندا راستہ اختیار کیا گیا ہے۔

علامہ خیالی نے صرف خدشہ ظاہر کیا تھا مگر یہ خدشہ آج ایک حقیقت بن کر نمودار ہوا اور ہو رہا ہے، علمائے اہل سنت کی یہ مذہبی اور مسلکی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام اہل سنت کو اس موذی مرض کے مہلک اثرات سے روشناس کرائیں۔

مزید اور اسی طرح اس روایت کو موضوع قرار دینے پر زور صرف کرنا، چاہے فنی اور تحقیقی طور پر کتنا ہی درست ہو مگر ظاہری طور پر سکوت شدت وتنگی، بلکہ تعصب پر محمول کیا جانا مستبعد نہیں ہے۔(زبدۃ ۱۱۹)

حدیث کی تعریف: اور حدیث کا موضوع، سند اور متن کا باہمی لزوم ہے، حدیث وحی خفی، اور وحیء غیر متلو ہے، ان تمام موضوعات کا مرکزی نقطہ صحت حدیث ہے، حدیث کی صحت معلوم کرنے کیلئے اسماء الرجال، اور ان پر جرح وتعدیل کے قوانین وضع ہوئے، حفاظ نے صحت حدیث کی طلب میں شب وروز ایک کر کے طویل سفر کئے، سخت کشیدہ، اور نا مساعد حالات کا سامنا کیا مگر عظمت حدیث اور ذوق طلب کو لوح دل سے محو نہ ہونے دیا، جب اور جہاں پتہ چلا کہ فلاں صاحب کے پاس رسول اللہ ﷺ کا فرمان موجود ہے ماہی بے آب کی طرح تڑپے، حصول حدیث سے قبل سکون نہ ملا، یہ جان جوکھوں کا کام صرف حفاظ اور محدثین نے سلسلہ سند کو تحقیق اور ثبوت کی گہری نظر سے دیکھا، غریب ہونے کی وجہ بھی بیان کردی: "لا نعرفه من حديث السدى الامن هذا الوجه" اس کا ایک راوی سدی ہے جو دیگر راویوں سے ہٹ کر انفرادی روایت کرتا ہے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق اور حکم کو دیکھ کر بعد کے ناقدین اور محققین حفاظ اور علمائے حدیث نے حدیث کے متن اور سند کی چھان پھٹک کی تو ثابت ہوا کہ موضوع ہے، محدثین نے تو امت مسلمہ کے ایمان کا تحفظ کیا، جادۂ مستقیم دکھایا، اور نشانات منزل متعین کئے ان سے بڑھ کر دین وایمان کا محافظ اور راہبر کون ہو سکتا ہے؟ یہی امام ترمذی ہیں جنہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے حدیث مرفوع

اپنی صحیح میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں نقل فرمائی ہے اور وہ حدیث یہ ہے:

"لا یحب علیا منافق و لا یبغضه مومن" (ترمذی:۲:۲۳۵)

منافق حضرت حیدر کرار رضی اللہ عنہ کا محبّ نہیں ہو سکتا، اور مسلمان کسی طور پر آپ سے دشمنی کا اہل نہیں ہو سکتا، کیا حدیث امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کسی حافظ یا محدث نے نہیں دیکھی؟ کیا کسی عالم حدیث، حافظ حدیث کا اس پر ایمان نہیں ہو سکتا، ہاں خوارج لعنۃ اللہ علیہم کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا؟ شان مولا مرتضیٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں جمع شدہ ذخیرۂ احادیث جن سے کئی جلدیں مرتب ہو سکتیں ہیں روایت کرنے والے، اور نقل فرمانے والے محدثین تو ہیں، ان کو شدت پسند، متعصب، اور تنگ نظر کہنا تقاضائے انصاف کے خلاف ہے بلکہ اعلیٰ درجے کی احسان فراموشی، اور کوتاہ فکری ہے، جو گلشن ہائے احادیث سے ایک خوشہ چیں کیلئے جائز نہیں۔

سیّد صاحب نے تحریر کیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شان میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے

"ماطلعت الشمس علی خیر من عمر" اس پر کوئی لے دے نہیں ہوئی۔ (زبدۃ، ۱۱۹)

سیّد صاحب قبلہ کو جناب عمر رضی اللہ عنہ سے خصوصی ناراضگی ہے، وہ کھلے بندوں ان کے فرامین کو شاذ، ذاتی قول، خلاف حجت، وغیرہ وغیرہ کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس اور غصہ نکالتے ہیں، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار و مہاجرین صحابہ کے اجتماع میں افضلیت ابو بکر صدیق کو انہوں نے ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی معیت میں بیان کیا تھا، اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو استحقاق اور اولیت کے لحاظ سے بطور امیدوار پیش کیا اور پہلے بیعت کی تھی، اور پھر صحابہ کا اجماع ہو گیا تھا، سیّد صاحب نے تو مذکورہ حدیث پر لے، دے نہ ہونے کا طعنہ دیا ہے مگر اس پر لے، دے نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ حدیث مرفوع ہے، غریب، شاذ، موقوف نہیں، خود سیّد صاحب نے اس کو مرفوع لکھا ہے، دیکھیے زبدۃ، ۱۰۸) مرفوع حدیث پر بھی سیّد صاحب لے، دے کا مطالبہ کر رہے ہیں ؟یاللعجب،، ہم یہی کہتے ہیں جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے، سید صاحب نے نقل فرمایا کہ ارفع درجة فی الجنة عمر" پر بھی محدثین نے لے، دے نہیں کی صرف حدیث طیر پر ہی

پورا زور لگایا گیا اور اس کو غریب کہا گیا ہے، جواباً کہا جائے گا کہ اسی عنوان اور اسی مضمون کی یہ حدیث ہے جس کے راوی ابی سعید رضی اللہ عنہ ہیں فرماتے ہیں :"قال رسول اللہ ﷺ ان اعلی الدرجات العلی لیراھم من تحتھم کما ترون النجم الطالع فی افق السماء وان ابابکر وعمر منھم وانعما" (ترمذی شریف: ۲: ۲۸۴)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں جو لوگ بلند ترین درجات پر فائز ہوں گے، نچلے طبقات کے لوگ ان کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح آسمان کے افق پر طلوع ہونے والے ستارے کو لوگ زمین سے دیکھتے ہیں بے شک ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما ان لوگوں میں سے ہیں بلکہ اس سے بھی اعلیٰ علیین میں ہوں گے، یہ حدیث بھی مرفوع ہے، اور سید صاحب کی نقل کردہ حدیث بھی مرفوع ہے، مرفوع حدیث دوسری مرفوع حدیث کی تائید کر رہی ہے اور یہ تائید لفظی بھی ہے اور معنوی بھی، لہذا یہ حدیث تواتر معنوی کی قوت سے مسلح ہے اس پر لے، دے کیسی؟ اور حدیث مرفوع محل اختلاف کیوں؟

رہا سید صاحب کا یہ سوال کہ ان دونوں حدیثوں میں نہ ہی جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور نہ ہی انبیاء و مرسلین کو مستثنیٰ کیا گیا ہے نہ ہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر برتری ثابت ہونے پر آزردہ ہو کر ان احادیث کو موضوع یا ضعیف کہا ہے۔ (زبدۃ:۱۲۰)

جن جن احادیث میں بدوں استثناء، انفراداً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان ہوئے ہیں اہل سنت و جماعت نے دیگر مناقض احادیث کے ساتھ توافق و تطابق پیدا کیا ہے بالفرض اگر اس توافق اور تطابق کو سیّد صاحب معیاری اور قابل تسلیم نہیں سمجھتے تو حدیث الطیر میں عموم معنی اور اطلاق عام کے تناظر میں جو جواب ان کا ہوگا وہی ہمارا ہوگا۔

سیّد صاحب نے لکھا کہ صرف نام علی سے بیزار ہونے کی وجہ سے اس طرح کی دور از کار باتیں کی گئی ہیں، ورنہ معانی نوع مطالب کے سمجھنے میں تو کوئی دقت نہیں، جواباً کہا جائے گا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام نامی اسم گرامی سے ایک مسلمان کے کد کا تصور کرنا بھی گناہ کبیرہ بلکہ بندۂ ناچیز کے نزدیک

کفر صریح ہے، بفضل اللہ العظیم حب علی رضی اللہ عنہ ہمارے ایمان کا حصہ اور دل کی گہرائیوں میں موجود ہے۔

سیّد صاحب نے نعرہ حیدری لگانے پر بڑا زور دیا ہے اور اسکی اصل قران وحدیث سے ثابت کرنیکی کوشش کی ہے اور زبدۃ: ص ۱۲۷، پر نعرہ حیدری کا عنوان بھی قائم کیا ہے، جس کے تحت نعرہ کا لغوی معنی آواز کا بلند کرنا شور مچانا ہے بھی تحریر کیا ہے لسان العرب: ۵:۲۲۰، سے لغوی معنی کی تائید میں حوالہ بھی پیش کیا کہ نعر الرجل، ینعر وینعر نعیرا، ونعارا، صاح وصوت بخیشومہ وھوالصوت نعرہ کا معنی شور مچانا اور آواز کا بلند کرنا ہے۔

جواباً کہا جائے گا کہ: ابن منظور افریقی مصری لسان العرب نے نعر الرجل کا معنی، صاح، وصوے بخیشومہ بتایا ہے جس کا معنی آدمی چیخا اور ناک کے نتھنے سے آواز نکالی، پیدا کی، پھر اسکی تشریح وھوالصوت سے کی، یعنی نعرہ یا نعارا وہ آواز ہے جو چیخنے پر ناک کے نتھنے سے پیدا ہو، اور یہ ایک قسم کی آواز ہے۔ المنجد میں ہے: نعر، نعرا، فی البلاد، جانا، نعر القوم، جوش میں آنا اور جمع ہونا۔

المنجد نے نعرہ کا معنی جوش میں آنا بیان کیا ہے، دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ قوم کا جوش میں آنا نعرہ کہلاتا ہے، قوم کے جوش میں آنے پر جو مخصوص آواز پیدا ہوتی ہے یا جو مخصوص آواز نکلتی ہے لغت عرب میں اسکو نعرہ کہا جاتا ہے جیسا کہ لسان العرب نے وھوالصوت سے اس کی وضاحت کر دی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بڑے اور غیر معمولی نوعیت کے کام کے ہو جانے پر بحالت خوشی، اور بکیفیت جوش اللہ اکبر کہا جاتا تھا، نعرہ نہیں لگایا جاتا تھا، سیّد صاحب نے تفسیر صاوی علی الجلالین سے نعرہ کی شرعی حیثیت پر جو دلیل پیش کی ہے وہ یوں ہے:

''ای قال اللہ اکبر او لاالہ الااللہ و اللہ اکبر، او لاالہ الااللہ و اللہ اکبر و للہ الحمد، وحکمۃ تکبیرہ تذکرۃ عظمۃ نعمت اللہ تعالیٰ علیہ فشکر ربہ علی ذالک ولم تشغلہ النعم عن المنعم'' یعنی آپ ﷺ نے اللہ اکبر کہا، یا لاالہ الااللہ و اللہ اکبر کہا یا لا

اله الاالله و الله اكبر ولله الحمد کہا، اور اللہ اکبر کہنے میں حکمت اللہ تعالیٰ کی نعمت کی عظمت کا اظہار تھا، اور یہ اعتراف تھا کہ انعامات باری تعالیٰ کی برسات ہونے کے باوجود وہ منعم حقیقی سے غافل نہیں، دلیل میں لفظ قال ہے نعر نہیں قال قول کرنا، کلام کرنے کو کہا جاتا ہے، کلام عرب میں عربی محاورات میں قرآن وحدیث میں کسی جگہ بھی قال نعر کے معنی میں استعمال ہوا ہے نہ مراد لیا گیا ہے اگر قال کا معنی نعر کیا جائے تو قال، قال رسول اللہ ﷺ کا معنی ہوگا، راوی نے نعرہ مارا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ نعرہ مارا ہے۔

لاکھوں احادیث میں قال قال رسول اللہ ﷺ وارد ہوا ہے تو کیا ان تمام احادیث میں یہی معنی مراد لیا جائے گا پھر قرآن سے صرف ایک مثال پیش کر کے آگے چلتے ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: "واذقال ربک للملئكة انی جاعل فی الارض خلیفة" کیا اس موقعہ پر بھی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے روبرو نعرہ مارا تھا؟ ایسی ہزاروں، لاکھوں جگہیں ہیں جہاں قال اپنے اصلی معنی موضوع لہ کیلئے مستعمل ہے نعر کا معنی نہیں دے رہا نعر کا معنی دے بھی کیسے سکتا ہے نعر کا مستقل وجود، مستقل معنی موجود، ذائع شائع ہے اور قال ہر جگہ اپنے معنی اصلی میں مستعمل ہے: "ای قال الخ کا معنی یہ ہے آپ نے تکبیر اور تحمید کہی اور پڑھی، نعرہ بازی شان انبیاء سے بعید ہے بلکہ انبیائے کرام نعمت ہائے خداوندی کے حصول پر عاجزی انکساری کی تصویر بن کر، اللہ تعالیٰ کی عظمت، تحمید اور بڑائی بیان کرتے ہیں، اور بارگاہ ایزدی میں اظہار عبودیت کرتے ہوئے سجود نیاز لٹاتے ہیں، جیسا کہ مفسر صاوی کی روایت سے عیاں ہے مفسر صاوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں کوئی لفظ مثلاً نعر یا قال بصوت عال موجود نہیں جس سے نعرہ کی جوازیت پر استدلال کیا جا سکے۔

سیّد صاحب نے تحریر کیا کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عطیہ پر جب بے حد خوشی و جوش کے ملے جلے احساسات ابھرتے ہیں تو اس جوش میں جو آواز بلند کی جاتی ہے اس کا نام نعرہ ہے:۔

جواباً کہا جائیگا کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات اور عطیات کے حصول پر اللہ کا شکر بجالانا چاہیے ارشاد باری تعالیٰ ہے "یبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم" اے بنی اسرائیل میری نعمتوں

اور عطیات کو یاد کرو، یعنی میرا شکر کرو، اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں، احادیث بھی ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے 'و اشکروا نعمت اللہ ان کنتم ایاہ تعبدون 'اللہ کی نعمت کا شکر کرو، اگر تم اسکی عبادت کرتے ہو، (النحل:۱۱۴)

ارشاد باری تعالیٰ ہے و اعبدوہ و اشکروا لہ الیہ ترجعون "(العنکبوت :۱۷)اسی کی عبادت کرو، اور اسی کا شکر ادا کرو، اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:"و اذتاذن ربکم لئن شکرتم لازیدنکم "اگر تم شکر کرو گے اللہ تعالیٰ تمہاری نعمتوں میں اضافہ فرمائے گا۔(ابراہیم:۷)

عطیات اور انعامات کے موقعہ پر نعرہ بازی شکران نعمت ہے نہ اس کا بدل، اور نہ ہی منشائے خداوندی، مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے داخلہ کے وقت اور قیام پذیر ہونے تک اہل مدینہ نے جو نعرہ بازی کی تھی وہ صرف ندائے یا رسول اللہ اور صدئے یا حبیب اللہ تک محدود تھی، نعرہ بازی نہیں بلکہ مقام رسالت، حب نبی ﷺ کا اظہار، اور عقیدت کا اعتراف تھا کہ انہیں کونین کی سعادت میسر آ گئی ہے، نعرۂ حیدری کے جواز پر اس واقعہ اور مفسر صاوی کے قول سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

سید صاحب نے تحریر کیا کہ اس صورت کا دباؤ صرف خاکی نژادوں پر ہی نہیں تھا بلکہ آسمانی قدسیوں پر بھی پڑ رہا تھا حتیٰ کہ داروغہ جنت، جنت کی فضاؤں کو چھوڑ کر صف کارساز میں اتر آیا اور بانگ دہل یہ نعرہ لگایا"لا سیف الا ذو الفقار، لافتی الا علی "علی کے بغیر مرد کوئی نہیں، ذوالفقار کے بغیر تلوار نہیں۔

شعر پر تبصرہ کرنے سے قبل ایک بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ: کیا ایسا ممکن ہے کہ جو فرشتہ جنت کے دروازے پر مامور ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سونپے گئے امر کو چھوڑ کر نعرۂ حیدری لگانے کیلئے میدان بدر میں اتر آئے اور صف مجاہدین میں گھس کر جہاد و قتال کی بجائے نعرۂ حیدری لگاتا پھرے۔

پھر سوال یہ ہے کہ یہ فرشتہ خود آیا یا بھیجا گیا؟ پھر سوال یہ ہے کہ وہ ملائکہ جو یوم تخلیق سے ہی ایک فرض کی ادائیگی پر مامور ہیں ان کا مخلوق انسانی کے معاملات میں شریک ہونا ممکن ہے؟

پھر سوال یہ ہے کہ فرشتے میں اتنی قوت نہیں کہ وہ اپنی جائے تعیناتی سے اپنی آواز زمین تک پہنچا سکے

، پھر سوال یہ ہے کہ کسی حدیث سے رضوان فرشتے کا زمین، پر بالخصوص میدان بدر میں اترنا ثابت ہے ؟ کیا یہ بھی بتایا جاسکتا ہے کہ دیگر فرشتے جبریل ومیکائیل علیہما السلام کی قیادت میں جہادو قتال کیلئے آئے اور یہ فرشتہ نعرۂ حیدری لگانے آیا۔

سید صاحب نے لکھا کہ اس جگہ نعرہ کے معنی صادق آ گئے، بے حد خوشی اور جوش کے احساس میں داروغہ جنت رضوان نے یہ نعرہ بلند کیا ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ رضوان فرشتے نے لاسیف الا ذوالفقار، لافتی الاعلی'' کا نعرہ لگایا۔لیکن یہ بات ناقبل تسلیم ہے کہ وہ رضوان فرشتہ میدان بدر میں آیا اور اس نے نعرہ لگایا۔''الریاض النضرۃ:۴:۱۵۵'' سے جو حوالہ اس موضوع پر نقل کیا گیا ہے وہ توجہ چاہتا ہے، حوالہ کے یہ الفاظ نمایاں ہیں،"نادی ملک من السماء یوم بدر یقال لہ رضوان :لا سیف الا ذو الفقار، لافتی الاعلی "ترجمہ: رضوان فرشتے نے آسمان سے ندادی یا رضوان فرشتے نے آسمان سے پکار کر کہا: ذوالفقار کے بغیر تلوار کوئی نہیں اور علی کے بغیر مرد کوئی نہیں۔

اگر یہ نعرہ ہے تو نادی کا کیا معنی ہے؟ اگر وہ بدر میں صف کارساز میں اتر آیا تو من السماء کا مدلول کیا ہو گا؟ آیہء کریمہ :وانزل من السماء ماءً کا مدلول وہی نہیں جو اوپر بیان ہوا اگر وہی ہے تو السماء کو ارض یا البدر کہنا کیسے درست ہے؟

محبّ الدین طبری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا:

"عن ابن عباس قال :قال رسول اللہ ﷺ ینادی منا دیوم القیامۃ من تحت العرش این اصحاب محمد ﷺ الحدیث "(الریاض النضرۃ : ۱ : ۵۴)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ایک پکارنے والا عرش کے نیچے سے پکارے گا کہ محمد ﷺ کے اصحاب کبار، (خلفاء اربعہ) کہاں ہیں؟

اس حدیث میں ینادی مناد کے الفاظ اپنے حقیقی معنی پکار میں استعمال ہوئے ہیں ،نعرہ کا معنی نہیں دے رہے اسی طرح من تحت العرش سے مراد میدان قیامت نہیں بلکہ عرش عظیم ہے۔جس طرح حدیث میں

ینادی مناد کا معنی پکارنا، ہے اور من تحت العرش سے مراد العرش العظیم ہے اسی طرح نادی کا معنی پکارا اور من السماء سے مراد السماء ہے، الارض یا البدر نہیں۔

میدان بدر میں بڑے بڑے مقام کی اہلیت رکھنے والے صحابہ کرام نے جام شہادت نوش فرمایا، فرزندان توحید نے جاں بازی کے ایسے معرکے دکھائے کہ کائنات ارضی کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور چشم فلک پھٹی کی پھٹی رہ گئی، مگر زمین کے کسی کونے سے دادِ شجاعت کی کوئی آواز ابھری نہ آسمانوں سے ہمت اور جرأت کی کوئی داستان اتری، مگر ایک ذوالفقار ہے، اور ایک علی شیر یزداں ہے کہ رضوان بھی مجبور ہے کہ ان کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کرے، بقول سید صاحب صف کارساز میں اتر کر نعرہ حیدری کی صورت میں اپنے جذبات کا اظہار کرے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ذوالفقار رسول اللہ ﷺ کی اپنی ذاتی تلوار ہے جس کی دھار میں دندانے پڑے ہوئے تھے اس تلوار کی عظمت کا یہ عالم ہے رسول اللہ ﷺ کے دستہائے مبارک چھو کر اس کو معجزہ بنا چکے ہیں، اور کمال مہربانی سے یہ تلوار حیدر کرار رضی اللہ عنہ کو جہاد و قتال کیلئے دی گئی ہے، تلوار کی نسبت حیدر کرار رضی اللہ عنہ کو عطا فرما کر کامل اور مکمل معجزہ بنا دیا ہے، جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی اسد اللہ الغالب ہے، بدر میں دست شیر خدا سے جب اس نے اپنا کام دکھایا تو کہنے والے کو کہنا پڑا:

"لا سیف الا ذو الفقار، لافتی الا علی" گویا یہ تلوار اور علی کا وار ایک معجزہ تھا جو دست حیدر کرار سے ظاہر ہو رہا تھا۔ (رضی اللہ عنہ)

سید صاحب نے لاسیف الا ذو الفقار : لافتی الا علی : ۔ پر اعتراضات اور جوابات قائم کر کے حصر اور قصر کی اصطلاحات اور ان کی ذیلی اقسام نقل فرما کر علمی دھاک بٹھائی ہے اور یہ حکم جاری کیا ہے کہ مذکورۃ الصدر شعر میں قصر ادعائی ہے حقیقی واقعی نہیں ہے، بالکل درست ہے، علم معانی اور علم بیان کا ادنیٰ طالب علم ہونے کی حیثیت سے تھوڑا سا اضافہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ قصر کی ابتدائی طور پر دو قسمیں ہیں:

(۱) قصر حقیقی (۲) قصر اضافی، قصر اضافی کی ایک قسم قصر قلب ہے، قصر قلب دو قسم ہے، قصر صفت علی

الموصوف اور قصر موصوف علی الصفۃ۔

علمائے نحو اس قصر اول کو حصر کہتے ہیں، حصر دو قسم ہے، حصر حقیقی، حصر اضافی، حصر ادعائی، حصر استقرائی کو بھی قبول کرتا ہے۔

سید صاحب نے انبیاء مرسلین اور دیگر جوانمردوں کو شعر ذوالفقار کے حصار سے بداہت عقل کے ذریعے باہر نکالا ہے درست اور جائز ہے مگر قرائن حالیہ اور قرائن مقالیہ سے خارج کرنا بھی جائز اور ممکن ہے کیونکہ میدان بدر میں فقط ذوالفقار ہی نہیں تھی اور بھی بہت سے تلواریں تھیں، حصر حقیقی اور قصر حقیقی مراد ہو ہی نہیں سکتا، لہذا حصر اضافی کا مراد لینا ایک امر مجبوری ہے اور قصر قلب، قصر الصفۃ علی الموصوف مراد لینا بھی تقاضائے کلام ہے، جس کا مفاد یہ ہے کہ یہاں ذوالفقار کے بے تحاشا کاٹنے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جوہر یکتا دکھانے کی تعریف کی گئی ہے جبکہ دوسری تلواروں کی موجودگی اور دیگر مجاہدین کے جنگی کارناموں کی نفی نہیں کی گئی اور یہ تعریف مقصور اور محصور ہے جنگ بدر کار ذوالفقار اور علی کی شجاعت کے ساتھ (رضی اللہ عنہ) یہ قرائن حالیہ اور مقالیہ ہیں، ورنہ حضرت خالد بن ولید بھی تو سیف من سیوف اللہ ہیں، (رضی اللہ عنہ) تاریخ انسانیت ان کی دلیری اور بہادری کے کارناموں کو کیسے فراموش کرسکتی ہے؟ بہر حال قصر ادعائی ہو یا، ماحول بدر کے مطابق قصر صفت علی الموصوف، ذوالفقار اور حضرت علی کی عظمت شان اور رفعت مقام کو بیان کیا گیا ہے۔

سید صاحب نے تحریر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں نعرہ حیدری لگایا گیا منع نہ کیا گیا اور لگانے والا آسمانی فرشتہ ہے، بنیادی طور پر یہ نعرہ آسمانی قدسیوں نے سکھایا ہے جس کو زمین والوں نے اپنالیا تھا" (زبدۃ:۱۳۴) پہلے ذکر کردیا کہ: "نادی ملک من السماء" کا معنی، نعرہ لگانا نہیں بلکہ ندا دینا اور پکارنا ہے اور من السماء کا معنی صف کارساز، یعنی میدان بدر میں اترنا نہیں بلکہ آسمان، سے جہاں اس کا مسکن ہے وہاں سے آواز دینا مراد ہے،، نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وینزل علیکم من السماء ماء لیطھر کم به" (انفال: ۱۱) ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم پر پانی برسارہا تھا تا کہ تم کو پاک کرے۔

اس سے کسی طور پر بھی نعرہ حیدری لگانا مراد نہیں لیا جا سکتا، اگر نادی کا معنی نعرہ لگانا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا معنی اور مطلب بھی نعرہ ہوگا؟ "وناديناه ان يا ابراهيم قد صدقت الرؤياء، ونادی نوح ابنه"

پھر یہ نعرہ بقول سید صاحب صرف حسن بن عرفہ العبدی نے نقل کیا ہے، دیگر کسی معتبر کتاب میں اسکا ثبوت ہے نہ وجود، غزوۂ بدر کبری پر لکھی گئیں کتب میں یہ روایت موجود نہیں، اگر کسی ایک کتاب میں پائی جاتی تو اس کی صحت پر یقین کر لیا جاتا، اگرچہ سید صاحب نے نعرۂ حیدری کے پمفلٹ میں، یہی روایت نقل کی ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ازالۃ الخلفاء کا حوالہ بھی نقل کیا ہے: کہ "نادمنادیوم احد لاسیف الا ذوالفقار، لافتی الا علی الکرار" (پمفلٹ: ۲۴)

اس روایت میں نادی مناد کے الفاظ ہیں، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے، نہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ یہ نعرہ رضوان قدسی نے لگایا تھا، مناد بے شک اسم فاعل ہے مگر اس سے مراد کون ہے؟ کوئی پتہ نہیں کیونکہ یہ نکرہ محضہ ہے، جب لفظ عام مدلول خاص اور مراد خاص لینے کی اجازت نہیں دیتا تو رضوان قدسی کو نامزد کرنا ہرگز روا نہیں۔

سید صاحب نے لکھا (زبرۃ: ۱۳۳) کہ بنیادی طور پر یہ نعرہ آسمانی قدسیوں نے سکھایا ہے جس کو زمین والوں نے اپنا لیا ہے۔

کسی بھی مسلمان (جو اہل سنت میں سے ہو) کو نہ ذات حیدر کرار رضی اللہ عنہ سے عداوت و بغض ہے اور نہ ان کے اوصاف جمیلہ کا انکار ہے، نہ اس علیت کا اقرار ہے جس کے بل بوتے نعرۂ حیدری کو ثابت کیا گیا ہے کیونکہ نادی ملک من السماء اور نادی مناد من السماء کا معنی حقیقی پکارا، پکارنا نعرہ لگانا نہیں، اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ فرشتے نے نعرہ مارا اور نعرۂ حیدری مارا تو یہ نعرہ تواتر کے ساتھ نقل ہونا چاہیے تھا، مگر غزوۂ بدر اور حنین (وہ بھی بقول سید صاحب) سے آگے نہ بڑھ سکا کسی محدث کسی مورخ نے اس کا حوالہ نہیں دیا، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو حوالہ دیا ہے وہ ان الفاظ میں ہے نادی من السماء اس میں ایسا کون سا لفظ ہے جو نعرۂ حیدری پر دلالت کر رہا ہے۔

اہل سنت و جماعت جناب علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں ان کے نام اور ان کے نعرے کا احترام کرتے ہیں، سنی نعرہ حیدری، نعرہ تحقیق اور نعرہ غوثیہ بھی لگاتے ہیں، لیکن نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت کے بعد ان کی اتباع میں لگاتے ہیں، مجلس کے مقرر، مہمان خصوصی کا نعرہ بھی لگاتے ہیں، اس ترتیب اور اس کیفیت میں نعرہ حیدری اور دیگر نعرے لگانے میں کوئی قباحت نہیں لیکن اہل تشیع کے طریق صلوۃ، اور نعرہ حیدری کے مطابق، یہ اہل تشیع کی علامت ہے جس سے پرہیز کرنا لازمی ہے۔

اہل تشیع کے الفاظ درود مخصوص ہیں، مثلاً صلوۃ بر محمد و آل محمد، اور نعرہ حیدری علی علی اس میں صحابہ کرام کا کوئی ذکر نہیں یہ درود اور یہ نعرہ اہل تشیع کی علامت ہے اس درود اور اس نعرہ کی حمایت نہیں کی جاسکتی۔

"یاایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما"

کے تحت جتنی روایات اور جتنے صیغہ ہائے درود وارد ہوئے ہیں اہل تشیع کا درود نہ آیت صلوۃ وسلام کی منشاء پوری کرتا ہے اور نہ سنیوں کے نعرہ حیدری کا ترجمان ہے بلکہ یہ نعرہ اہل تشیع کی علامت اور شناخت بن کر رہ گیا ہے، اس لئے اگر کوئی شخص منع کرتا ہے تو حق بجانب ہے اہل سنت و جماعت کی مجالس میں دیگر نعروں کو چھوڑ کر فقط نعرہ حیدری اور جواب میں یا علی یا علی نہیں کہا جاسکتا۔ سید صاحب سے گزارش کی جائے گی کہ آپ نے تحریر کیا ہے کہ یہ نعرہ آسمانی قدسیوں نے سکھایا ہے جس کو زمین والوں نے اپنا لیا تھا، اگر زمین والوں نے اپنا لیا تھا تو پھر لازماً دور صحابہ، دور تابعین اور تبع تابعین میں اس کا رواج اور وجود ہونا چاہیے تھا، اور پھر ہر دور کے مسلمانوں کا اجماعی اور اجتماعی معمول ہونا چاہیے تھا، مگر یہ عمل کبھی ہوا نہ دہرایا گیا رسول اللہ ﷺ کے دور میں کتنے غزوات ہوئے اور کہاں کہاں یہ نعرہ لگایا گیا احادیث اور تواریخ خاموش ہیں، اسی طرح بعد کے ادوار میں بھی اس کا وجود ناپید ہے سید صاحب نے کیسے کہہ دیا ہے کہ زمین والوں نے اپنا لیا تھا اگر اپنایا ہے یا اپنایا ہوگا تو صرف اہل تشیع نے اور وہ اپنی روایت کے مطابق۔

سید صاحب نے تحریر کیا نعرہ حیدری رسول اللہ ﷺ کے اپنے صحابہ کے دور میں لگا،

بے شک لافتی الا علی، لاسیف الا ذوالفقار کی نداء آسمان سے آئی، اور رسول اللہ ﷺ اور دور صحابہ کے

زمانے میں آئی لیکن اس آواز کا تعلق مخصوص واقعہ، مخصوص عمل، اور مخصوص کیفیت کا مرہون منت ہے، اس کا تواتر اور تسلسل کسی دور میں نہیں پایا گیا لہٰذا نعرۂ حیدری کی جوازیت، اور زمانہ رسالت میں ایک بار کے وجود سے اس کی سنت رسول یا سنت صحابہ ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا، پھر اس میں صرف حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور جوان مردی کا ذکر نہیں بلکہ ذوالفقار کی مدح وثناء بھی موجود ہے اگر یہ کہا جائے کہ لافتی الا علی نعرہ حیدری ہے اور اس کا لگانا ضروری ہے تو لا سیف الا ذوالفقار کا نعرہ لگانا بھی ضروری ہوگا کیونکہ لا سیف الا ذوالفقار بھی اسی شعر اور اسی نعرے کا حصہ ہے اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہادری، دلیری، اور بے جگری سے جنگ کرنا مقابلہ کرنا لافتی الا علی نعرۂ حیدری کی صورت میں بیان ہوا ہے تو لا سیف الا ذوالفقار کا نعرہ لگانا بھی ضروری ہے کیونکہ وہ جنگی کارہائے نمایاں جہاں جوہر علی، ہمت علی، قوت علی، اور بے خوفیٔ علی رضی اللہ عنہ پر موقوف ہیں وہاں ذوالفقار کو بھی ان کے روبۂ بکار لانے میں بنیادی اور مرکزی حیثیت حاصل ہے اگر جناب حیدر کرار بے جگری اور ثبات واستقلال سے مشرکوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹتے، شیر ببر کی طرح دشمنوں کا تیا پانچا نہ کرتے، اور صفوں کو نہ پلٹتے تو لافتی الا علی کا تمغۂ امتیاز حاصل نہ کر سکتے، اور اگر دست مبارک میں ذوالفقار (رسول اللہ ﷺ کی تلوار) معجزانہ قوتوں اور طلسماتی کیفیت کی حامل اور آئینہ دار نہ ہوتی تو لافتی الا کا اعزاز نصیب نہ ہوتا اس گہرے تعلق کو جو لازم وملزوم کی حیثیت میں ہے ایک دوسرے سے جدا اور الگ نہیں کیا جا سکتا لہٰذا نعرۂ حیدری کے ساتھ نعرۂ ذوالفقار بھی لگنا چاہیے۔

سید صاحب نے ترمذی شریف کی حدیث کا ایک حصہ نقل کیا جو اس طرح سے ہے: "وتفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملة کلهم فی النار الا ملة واحدة قالوا من هی یارسول الله قال ما انا علیه واصحابی' (ترمذی: ۲: ۱۰۴)

ترجمہ: میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی جو سارے کے سارے دوزخ میں جائیں گے، سوائے ایک فرقے کے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ وہ کون ہیں؟ سرکار دو عالم

ﷺ نے فرمایا: وہ وہ لوگ ہیں جو اس عقیدے اور عمل پر ہوں گے جو میرا اور میرے صحابہ کا ہے ۔(زبدۃ: ۱۳۷)

حدیث پاک میں امتی سے مراد امت اجابت ہے، حدیث پاک سے واضح ہوا کہ امت اجابت تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی جن میں سے بہتر فرقے دوزخی ہوں گے اور ایک فرقہ جو اہل سنت و جماعت ہے وہ جنتی ہوگا، سوال یہ ہے کہ امت اجابت کے بہتر فرقے دوزخ میں کیوں جائیں گے؟ اور کچھ فرقے صرف بداعمالیوں کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ ان گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے جن کے عقائد صحیح ہوں گے اگرچہ وہ بڑے بڑے مجرم کیوں نہ ہوں؟ جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''شفاعتی لاھل الکبائر من امتی، من امتی میں من تبعیضیہ ہو یا بیانیہ ہر دو صورتوں میں یہی معنیٰ صحیح اور قرین قیاس بھی ہے، عقائد صحیحہ کس امت کے ہوں گے صحیح اعمال امت کے کس فرقہ کے ہوں گے؟ ظاہر ہے عقائد صحیحہ اور اعمال صحیحہ اسی فرقہ امت کے ہوں گے جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا متبع پیروکار اور مقلد ہوگا، اور اس کیلئے ''علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین الحدیث پر اعتقاد رکھنا اور عمل کرنا بھی لازمی اور ضروری ہوگا، جس فرقے کا عقیدہ اور عمل مذکورہ بالا احادیث میں مقرر کیے گئے مطالبہ اور اصول پر پورا نہیں اترے گا وہ دوزخ میں جائے گا اگر اس کا عقیدہ اور عمل کفریات کی حدوں تک پہنچے گا وہ بلاشبہ حکم کفر کا مستحق ہوگا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: ''ان سب الشیخین کفر، و کذا انکار امامتھما کفر'' (شرح فقہ اکبر)

بے شک شیخین (حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کو گالی دینا اور ان کی امامت کا انکار کرنا کفر ہے، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا: آنکہ درمیان ایشاں شائع و ذائع، و در کتب ایشاں مسطور و محرر است کہ سب خلفائے راشدین و ازواج مطہرات سید الکونین کہ عائشہ صدیقہ و حفصہ معظمہ اند افضل العبادات و اکمل القربات است، و سب عمر افضل است من ذکر اللہ اکبر'' (تحفہ اثنا عشریہ: کید چہل و پنجم)

ترجمہ: اہل تشیع کے درمیان یہ بات مشہور و معروف اور ان کی کتب میں مذکور اور مندرج ہے کہ خلفائے راشدین (ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم) اور سید کونین کی ازواج مطہرات حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کو گالی دینا افضل العبادت اور اکمل الریاضات ہے، بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گالی دینا اللہ اکبر کے ذکر سے افضل ہے، (نعوذ باللہ) کیا خلفائے ثلثہ، اور ازواج مطہرات کو گالی دینا سب سے افضل عبادت اور اکمل نیکی ہے؟ اور کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گالی دینا اللہ اکبر کے ذکر سے افضل ہے؟ کیا ان لغویات پر اعتقاد و عمل رکھنا ما انا علیہ واصحابی کا مدلول، مصداق اور تعبیر و تشریح ہے؟ کیا جو شخص ان بے ہودگیوں کا مرتکب ہو وہ مومن کامل ہے؟ کیا رسول اللہ ﷺ کے فرمان شفاعتی لاھل الکبائر من امتی میں داخل اور مستحق شفاعت ہے؟ ممکن ہے یہ کہا جائے کہ وہ مسلمان ہے کافر نہیں، جواب میں کہا جائے گا کہ یہ مسئلہ فقہاء کا ہے وہی بتا سکتے ہیں کہ کافر ہے یا نہیں؟ یہ متکلمین کا مسئلہ نہیں فقہاء نے کہہ دیا ہے کہ یہ عقیدہ رکھنا کفر ہے۔

سید صاحب نے تحریر کیا کہ: جبریہ، قدریہ ہیں، روافض و خوارج ہیں معطلہ و مشبہ ہیں علمائے عقائد کا کہنا ہے کہ یہ جملہ فرقے مبتدعہ کہلائیں گے، فاسق و فاجر کہائیں گے، مستوجب جہنم ہوں گے مگر اس وقت تک کافر نہیں ہوں گے جب تک ان کی بدعت کفر کو نہیں پہنچتی، یعنی جب تک ضروریات دین کا انکار نہیں کریں گے یا نصوص قطعیہ کا انکار نہیں کریں گے ان کا شمار مسلمانوں کے بدعتی جہنمی فرقوں میں ہوگا مگر کافر نہیں کہلائیں گے۔ (زبدۃ، ۱۴۱)

سیدنا امام الائمہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "وحوض النبی علیہ السلام حق" نبی کریم ﷺ کا حوض حق ہے اس کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاری نے فرمایا: لقولہ تعالیٰ انا اعطیناک الکوثر، و فسرہ الجمھور بحوضہ او نھرہ "اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے بے شک ہم نے آپ کو حوض عطا فرمایا ہے، جمہور مفسرین نے اس کی تفسیر حوض یا نہر سے فرمائی ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرما کر اس کا مالک بنا دیا ہے۔

امام قرطبی نے فرمایا: وھما حوضان احدھما قبل الصراط وقیل المیزان علی الاصح

،فان الناس یخرجون عطاشامن قبورهم فیردونه قبل المیزان والصراط والثانی فی الجنة وکلاهماحوضان" یہ دو حوض ہیں، ایک پل صراط کی طرف ہے اور میزان کی طرف یہ صحیح ترین روایت ہے بے شک لوگ اپنی اپنی قبروں سے پیاسے نکلیں گے، وہ دوڑتے ہوئے میزان اور پل صراط کی طرف آئیں گے، اور دوسرا حوض جنت میں ہے یہ دو ہی حوض ہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا: "وروی الترمذی وحسنه انه ﷺ قال لکل نبی حوضافانهم بیباهون الیهم اکثر واردة وانی ارجو ان یکون اکثر هم واردة "

ترجمہ: امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کیا اور اس کو حسن قرار دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کا ایک حوض ہے اور وہ قیامت کے دن فخر کریں گے، کہ ان کے حوضوں پر زیادہ لوگ پانی پینے آئیں اور بے شک مجھے امید ہے کہ (دیگر انبیاء کے حوضوں پر آنے والوں کی بہ نسبت) میرے حوضوں پر آنے والے ان سب سے زیادہ اور کثیر تعداد میں ہوں گے۔

ونقل القرطبی ان من خالف جماعة المسلمین کالخوارج، والروافض والمعتزلة

"ترجمہ: امام قرطبی نے نقل فرمایا کہ اس میں مسلمانوں کی جماعت کی مخالفت خوارج، روافض اور معتزلہ نے کی ہے یعنی تمام مسلمانوں کا اجماعی ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دو حوض عطا فرما رکھے ہیں، ایک میزان اور اور پل صراط کے قریب ہے، اور دوسرا جنت میں ہے قرآن و حدیث نے بھی ان دو حوضوں کے موجود ہونے کی خبر دی ہے، مگر خوارج، معتزلہ اور روافض اس عقیدہ کے مخالف ہیں گویا ان تین فرقوں نے ادلہ کی مخالفت کی ہے قرآن، حدیث، اجماع مسلمین ادلہ قطعیہ ہیں، ادلہ قطعیہ کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے، ملا علی قاری مزید نقل فرماتے ہیں: "وحدیث الحوض رواه من الصحابة بضع وثلاثون وکاد ان یکون متواترا" (شرح فقه اکبر بحث حوض) حدیث حوض کو تیس سے زائد صحابہ نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث خبر متواتر کے لگ بھگ ہے، لہذا ان تینوں فرقوں کو مومن یا مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ نہیں دیا جا سکتا۔

سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے نقل فرمایا: "والجنة والنار مخلوقتان الیوم " (الفقہ الاکبر)

جنت اور دوزخ مخلوق ہیں اور اس وقت موجود ہیں۔ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے فرمایا:

"ای موجودتان الان قبل یوم القیامة لقوله تعالیٰ فی نعت الجنة اعدت للمتقین ،و فی وصف النار اعدت للکافرین ،وللحدیث القدسی اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر ،ولحدیث الاسراء ادخلت الجنة و اُرِئت النار وهذه الصیغة موضوعة للمضی حقیقة "(شرح فقه اکبر)

ترجمہ: اس وقت جنت اور دوزخ موجود ہیں اور قیامت سے پہلے موجود ہیں ،اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ،وہ متقین کیلئے تیار کی گئی ہے دوزخ کی تعریف میں فرمایا: وہ کافروں کیلئے بنائی گئی ہے ،اور حدیث قدسی میں فرمایا گیا ہے میں نے اپنے نیک بندوں کیلئے وہ چیز تیار کر رکھی ہے جو کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سنی ہے اور نہ کسی دل پر اس کا خیال گزرا ہے۔ اور حدیث السراء میں ہے مجھے جنت میں داخل کیا گیا ،اور مجھے دوزخ دکھائی گئی ان آیات اور احادیث سے معلوم ہوا کہ جنت اور دوزخ موجود ہیں ،اور قیامت سے پہلے موجود ہیں ،اور رہیں گے اعدت ،ادخلت ارئت ،اعددت ،سب صیغے ماضی کے ہیں جو وجود حقیقی پر دلالت کرتے ہیں۔آگے نقل فرماتے ہیں: "وفی المسلة خلاف للمعتزلة "(شرح فقه اکبر) لیکن معتزلہ اس مسئلہ (یعنی وقت موجود ہونے میں) میں مخالفت کرتے ہیں ،یعنی جنت و دوزخ کے قیامت سے پہلے موجود ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے نقل فرمایا: "والصراط حق ،، پل صراط حق ہے یعنی موجود ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نقل نے فرمایا :'وورد فی صحیح مسلم ان الصراط جسر ممدود علی ظهر جهنم ،ادق من الشعر واحد من السیف"(شرح فقه اکبر) ترجمہ: صحیح مسلم میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے کہ الصراط ایک پل ہے جو جہنم کی پشت پر بچھا ہوا ہے بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے اور پھر نقل فرمایا "واکون اول من یجوز من الرسل بامته ولا یتکلم یومئذ الا الرسل یومئذ اللهم سلم سلم "(سرح فقه اکبر) ترجمہ: سب رسولوں سے

پہلے میں اپنی امت کو لے کر پل صراط سے گزروں گا، اور اس دن صرف رسول ہی کلام کریں گے، اور رسولوں کی کلام سلم، سلم ہوگی یعنی ہر نبی اور ہر رسول اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کیلئے سلامتی سے پل صراط سے پار گزر جانے کی دعا مانگے گا۔

ملا علی قاری نے فرمایا: "**وفی هذه المسئلة خلاف اکثر المعتزلة**" (**شرح فقه اکبر**) اس کے باوجود اکثر معتزلہ اس کے خلاف ہیں، مندرجہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ پل صراط موجود ہے مگر فرقہ معتزلہ اس کا انکار کرتے ہیں، جب فرقہ معتزلہ جنت، دوزخ، پل صراط، حوض کوثر کا انکار کرتے ہیں اور قیامت سے پہلے ان کی حقیقت اور موجودگی کو تسلیم نہیں کرتے باوجودیکہ ان کی موجودگی دلائل قطعیہ سے ثابت ہے، جنت دوزخ حوض کوثر، پل صراط کا انکار اور نفی، ادلہ قطعیہ کے انکار کو مستلزم ہے جو موجب کفر ہے مگر سید صاحب نے پھر بھی معتزلہ، خوارج، اور روافض کو بذمرۂ مسلمان شمار کیا ہے۔

ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے فرمایا:

"**وقد انکر المعتزلة المیزان، والحساب والکتاب بقولهم الناقصة مع وجود الادلة القاطعة فی کل من هذه الابواب**" (**شرح فقه اکبر: ۱۱۴**)

ترجمہ: معتزلہ نے میزان (ترازوعمل) حساب وکتاب کا اپنے ناقص اقوال کی بنیاد پر انکار کر دیا ہے جبکہ دلائل قاطعہ سے ہر ایک کا ثبوت اور وجود موجود ہے، دلائل قطعیہ کا انکار موجب کفر ہے، خود سید صاحب نے تحریر کیا ہے کہ یعنی جب تک ضروریات دین کا انکار نہیں کریں گے یا نصوص قطعیہ کا انکار نہیں کریں گے انکا شمار مسلمانوں کے بدعتی، جہنمی فرقوں میں ہوگا مگر کافر نہیں کہلائیں گے ۔(زبدۃ:۱۲۱)

معلوم ہوا اگر ادلہ قطعیہ کا انکار کریں گے تو بدعتی نہیں ہوں گے بلکہ کافر ہوں گے۔

اسی طرح روافض جو غالیہ ہیں، اور کہتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے وحی پہنچانے میں غلطی کی ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "**فان الغلاة من الروافض الذین یدعون ان جبریل علیه السلام غلط فی الوحی فان اللہ تعالیٰ ارسله الی علی رضی اللہ عنه وبعضهم قالوا**

انه و ان صلوا الی القبلة لیسو المومنین "(شرح فقه اکبر : ۱۹۵)
بے شک وہ روافض جو غالی ہیں وہ کہتے ہیں کہ بے شک جبریل علیہ السلام نے وحی پہنچانے میں غلطی کی ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے وحی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجی تھی، جبریل علیہ السلام نے غلطی کی اور رسول اللہ ﷺ پر نازل کر دی، بعض فقہاء نے کہا اگر چہ وہ قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں لیکن وہ مومن نہیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ اہل قبلہ ہونا دلیل ایمان نہیں، بلکہ مدار ایمان عقیدہ اور اس کی بنیاد پر ہونے والے اعمال ہیں۔
روافض: اہل ہواء ہیں۔ اور اہل قبلہ ہیں لیکن ان کے عقائد اہل سنت و جماعت کے عقائد کے خلاف ہیں خود سید صاحب نے نمبر ۵ میں زبدۃ ص: ۱۴۳، پر تحریر کیا ہے جب ان کے عقائد اہل سنت و جماعت کے عقائد کے خلاف ہیں تو اہل سنت و جماعت کا ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسے درست اور جائز ہے؟
علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ہے: وروی محمد عن ابی حنیفة وابی یوسف ان الصوة خلف اهل الهواء لا تجوز "ترجمہ: امام محمد نے ابوحنیفہ وابو یوسف (رحمہم اللہ) سے روایت کیا کہ اہل ہواء (غیر اہل سنت) کے پیچھے نماز درست نہیں۔ (زبدہ: ۱۴۵)
یہ فقہاء مجتہدین فی الشرع ہیں، ان کا قول اور ان کا حکم واجب الاعتقاد اور واجب العمل ہے، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا متفقہ موقف ہے کہ اہل ہواء کے پیچھے نماز جائز نہیں۔
امام اہل سنت مولانا احمد رضا خان قادری رحمہ اللہ نے فرمایا: اے عزیز جیسے تمام ایمانیات پر یقین لانے سے آدمی مسلمان ہوتا ہے اور ایک کا انکار کافر و مرتد کرتا ہے اسی طرح سنی وہ جو تمام عقائد اہل سنت میں ان کے موافق ہو اگر ایک میں بھی خلاف کرتا ہے ہرگز سنی نہیں بدعتی ہے اسی لئے علمائے دین تفضیلیہ کو سنیوں میں شمار نہیں کرتے، اور انہیں اہل بدعت کی شاخ جانتے ہیں۔ علامہ عبدالشکور سلمی رحمہ اللہ نے فرمایا: "وبعض کلامهم بدعة ولایکون کفرا وهو قولهم بان علیا رضی الله تعالیٰ عنه کان افضل من ابی بکر و عمر و عثمان رضی الله عنهم " ترجمہ: تفضیلیہ کی بعض باتیں بدعت ہیں کفر نہیں، اور وہ بدعت ان کا یہ قول ہے کہ حضرت علی، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت

عمر، حضرت عثمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے افضل ہیں۔ (التمہید)

حضرت قطب ربانی عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے روافض کا عقیدہ بیان فرمایا: "ومن ذالک تفضیلهم علیاعلی جمیع الصحابة" ترجمہ: رافضیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ پر تفضیل دیتے ہیں۔

فتاویٰ خلاصہ میں ہے: "فی الروافض من فضل علیاعلی غیره فهو مبتدع" ترجمہ: جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو باقی صحابہ سے افضل قرار دے وہ بدعتی ہے۔ فتح القدیر شرح ہدایہ میں ہے: "من فضل علیاعلی الثلاثة فمبتدع" ترجمہ: اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوسرے تین خلفائے راشدین سے افضل مانتا ہے تو وہ بدعتی ہے۔

علامہ سید ابن عابدین الشامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اذا کان یفضل علیااو یسب الصحابة فانه مبتدع لا کافر" ترجمہ: اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو باقی صحابہ پر تفضیل دیتا ہو یا صحابہ کو گالی دیتا ہو تو وہ بدعتی ہے، کافر نہیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا: "دوم شیعہ تفضیلیہ کہ جناب مرتضوی را بر جمیع صحابہ تفضیل میدادند" (تحفہ اثنا عشریہ) ترجمہ: دوسرا فرقہ شیعہ تفضیلیہ کا ہے جو حضرت مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ پر تفضیل دیتے ہیں۔ مندرجہ بالا تمام عبارات سے ثابت اور معلوم ہوا کہ شیعہ کے دوسرے فرقے کا نام تفضیلیہ ہے، کیونکہ یہ فرقہ حضرت مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خلفائے ثلاثہ بلکہ تمام صحابہ سے افضل مانتے ہیں، اور یہ بدعتی ہے۔

امام احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ بحر العلوم ملک العلماء عبدالعلی الکھنوی قدس سرہ العزیز کا فتوی نقل فرمایا: اما الشیعة الذین یفضلون علیاعلی الشیخین و لا یطعنون فیهما اصلا کالزیدیة فیجوز خلفهم الصلوة لکن یکره کراهة شدیدة" (مطلع القمرین : ٦٧)

ترجمہ: لیکن وہ شیعہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین پر فضیلت دیتے ہیں، اور شیخین کی شان میں اصلا طعن نہیں کرتے جیسے زیدیہ ان کے پیچھے نماز جائز تو ہے لیکن سخت کراہت کے ساتھ مکروہ۔

جب فرقہ زیدیہ کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ شدیدہ ہے تو مطلق روافض کے پیچھے نماز پڑھنا کیسے جائز ہے۔وما نقل عن بعض السلف من المنع خلف المبتدع فمحمول علی الکراھیة اذلا کلام فی کراھیة الصلوۃ خلف الفاسق والمبتدع"جو بعض سلف صالحین کے متعلق بیان کی گیا ہے کہ انہوں نے فاسق اور مبتدع کے پیچھے نماز پڑھنے سے منع کیا ہے اس سے مراد نماز کا مکروہ ہونا ہے۔(زبدۃ:۱۴۲)

ہر دو عبارات سے یہ مسئلہ واضح ہو جاتا ہے کہ فاسق اور بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے اور مکروہ شدیدہ ہے یعنی مکروہ تحریمی ہے جو اقرب الی الحرام ہے۔

شیعہ کا فرقہ تفضیلیہ بدعتی ہے اہل سنت وجماعت سے نہیں اس کے پیچھے نماز پڑھنا ممنوع ہے شیعہ کا فرقہ زیدیہ جو شیخین کی فضیلت اور خلافت کا معترف ہے ان کی شان میں کوئی بے ادبی اور غلط بات نہیں کہتا ان کی امامت کا قائل ہے،اسکے پیچھے نماز پڑھنا ایک سنی مسلمان کیلئے کیسے جائز ہے،یہ شیعہ تو اجماع کا منکر ہے کیونکہ شیخین کی فضیلت اور خلافت تو اجماع (دلیل قطعی) سے ثابت ہے جیسا کہ امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر ذخیرۂ احادیث سے ثبوت پیش فرمایا ہے۔ملا علی قاری رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے کہ: قال شارح عقیدۃ الطحاویة ان ترتیب الخلفاء الراشدین فی الفضیلة کترتیبھم فی الخلافة الا ان لابی بکر وعمر مزیة وھی ان النبی ﷺ امرنا باتباع سنة الخلفاء الراشدین ولم یامرنا فی الاقتداء بالا فعال الا لابی بکر وعمر فقال اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر وفرق بین اتباع سنتھم والاقتداء بھم فحال ابی بکر وعمر فوق حال عثمان وعلی(رضی اللہ عنھم)"(شرح فقه اکبر : ۸۲ : مطبوعه مولوی مسافر خانه کراچی)

ترجمہ: عقیدہ طحاویہ کے شارح نے فرمایا ہے خلفائے راشدین فضیلت میں اسی طرح ہیں،جسطرح انکی ترتیب خلافت ہے مگر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے علاوہ ایک اور خوبی بھی حاصل ہے وہ یہ ہے کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے ہمیں خلفائے راشدین کی سنت کے اتباع کا

حکم دیا ہے لیکن جہاں تک افعال میں اقتداء کرنے کا تعلق ہے وہ صرف حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے افعال میں اقتداء کرنے کا حکم فرمایا ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا میرے بعد ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کرنا پھر آپ ﷺ نے خلفائے راشدین کی سنت کی اقتداء کرنے اور آپ کے افعال کے اپنانے کا حکم الگ الگ بیان فرمایا ہے پس حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا حال، حضرت عثمان اور حضرت علی (رضی اللہ عنہم) کے حال سے فوقیت رکھتا ہے۔

اور جہاں تک فاسق کا تعلق ہے اسکی اقتداء کرنا اور اسکے پیچھے نماز پڑھنا ممنوع ہے سید صاحب نے خود علامہ بدرالدین عینی کے حوالے سے نقل کیا ہے: **اما الفاسق بالتاویل کمن یسب السلف الصالح فعنہ روایتان وعن احمد فیہ روایتان فی جوازا لاقتداء بہ مطلقًا اصحہما المنع** :ترجمہ: رہی بات اس فاسق کی جو تاویل کرتا ہے جیسا کہ وہ شخص جو سلف صالحین کو سب کرتا ہے (امام مالک) سے اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں اور امام احمد سے بھی دو روایتیں ہیں ایک روایت میں تو مطلقا جائز ہے مگر صحیح روایت کے مطابق منع ہے (زبدۃ،۱۴۴)

یعنی امام مالک، امام احمد کے نزدیک منع ہے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا:۔ **وروی محمد عن ابی حنیفۃ وابی یوسف ان الصلوٰۃ خلف اھل الاھواء لا تجوز**" ثابت ہوا، امام امالک، امام احمد بن حنبل، امام ابوحنیفہ امام ابویوسف، امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کے نزدیک، فاسق، اہل اہواء، اور بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا ممنوع اور نا جائز ہے۔

سید صاحب نے علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا کہ:

"**وکان ابن مسعود یصلی خلف الولید بن عقبۃ صلوۃ الجمعۃ وسائر الصلوت وکان الولیدوالیابالکوفۃ وکان فاسقا حتی صلی بالناس یوما وھو سکران**" ترجمہ: ابن مسعود رضی اللہ عنہ ولید بن عقبہ کے پیچھے جمعہ کی نماز اور دوسری نمازیں پڑھا کرتے تھے جبکہ ولید بن عقبہ کوفے کا گورنر تھا اور فاسق تھا حتی کہ اس نے لوگوں کو ایک دن نماز پڑھا دی جبکہ وہ نشہ میں مخمور تھا (زبدۃ:۱۴۴)

مزید نقل کیا: ’’وقلنا نحن والشافعی بجواز امامته لقوله علیه الصلوۃ والسلام صلوا خلف کل بر وفاجر، ولان ابن عمروانسا وغیرهما من الصحابة رضی الله عنهم والتابعین صلوا خلف الحجاج الجمعة وغیرها مع انه کان افسق اهل زمانه‘‘ترجمہ: ہم نے (احناف نے) اور امام شافعی نے اسکی (فاسق) امامت کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے، کہ ہر اچھے اور برے کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو، کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور انس رضی اللہ عنہ، دوسرے صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم نے حجاج بن یوسف کے پیچھے جمعہ اور دوسری نمازیں پڑھیں باوجودیکہ وہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا فاسق تھا (زبدۃ:۱۴۴)

جہاں تک ولید بن عقبہ اور حجاج بن یوسف کے پیچھے حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت انس، اور دیگر صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کی اقتداء کرنے نماز پنجگانہ، عیدین، اور نماز جمعہ پڑھنے کا تعلق ہے، اس سے فاسق، اہل اہواء اور بدعتی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے جواز پر استدلال نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ یہ دونوں گورنر، صاحب اقتدار، صاحب اختیار تھے مگر ظلم وستم کی تصویر اور تفسیر تھے، صحابہ، تابعین سمیت، کتنے بے گناہ افراد کو ان ظالموں کے حکم پر شہید کیا گیا ان کے سفاکانہ عمل اور ان کی بربریت سے ہر شخص خائف اور لرزہ براندام تھا، تاریخ اسلام میں یہ انتہاء درجے کے ظالم اور فاسق ہو گزرے ہیں جس طرح یزید۔ زیاد وغیرہ، مشہور زمانہ اہل جور اور اہل فسق تھے، ان کے دور میں صحابہ، تابعین رضی اللہ عنہم نے فتنہ وفساد اور ہلاکت جان کے خوف سے ان کی اقتداء میں نمازیں پڑھیں،، امن وامان کی بحالی میں اہم کردار ادا کیا، ظلم وستم کی فضاؤں میں صبر برداشت کا دامن نہ چھوڑا، برائی، بے حیائی کو دیکھ کر کراہت اور نفرت کا اظہار تو کیا مگر رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی خلاف ورزی نہیں کی، چنانچہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

’’فانه لا شک انهم کانوا خائفین من نحو یزید والحجاج وزیاد، ولم یکن یتمشی الخروج حینئذ علی ارباب العناد بل کان یترتب علیه امور من الفساد، ولذا کان ابن عمر یمنع ابن الزبیر وینهاه عن دعوی الخلافة مع انه کان احق واولی بها من امراء

الجور بلاخلاف" (شرح فقه اكبر)

ترجمہ: اس میں کوئی شک نہیں کہ بے شک صحابہ اور تابعین یزید، حجاج، اور زیاد کے ظلم وستم سے خائف تھے، لیکن ان اہل عناد کے خلاف خروج کے متحمل نہیں تھے، اگر عداوت رکھ کر ان کے خلاف خروج کرتے تو فتنہ وفساد کے کئی معاملات کھڑے ہو جاتے، اسی لئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن بن زبیر رضی اللہ عنہ کو خروج کرنے اور دعوی خلافت کرنے سے منع کرتے تھے، جبکہ عبداللہ بن زبیر بلا اختلاف ان جابر اور ظالم امراء کی بہ نسبت خلافت کے زیادہ اہل اور زیادہ حقدار تھے، ان جلیل القدر صحابہ اور دیگر تابعین کا ان ظالموں اور فاسقوں کے پیچھے نماز پڑھنا خوشی اور رضا سے نہ تھا بلکہ بامر مجبوری، تحفظ جان ومال، فتنہ وفساد سے بچنے اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر عمل داری کی وجہ سے تھا، جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے:

"من خرج من الطاعة وفارق الجماعة مات ميتة جاهلية"

ترجمہ: جو امیر وقت کی طاعت سے خارج ہوا، اور امت مسلمہ سے الگ ہو گیا وہ جاہلیت کی موت مرا، وقت کے حکمران خواہ وہ کتنا ہی ظالم اور فاسق وفاجر کیوں نہ ہو، کو تسلیم نہ کرنا، اسکی اطاعت وفرمانبرداری نہ کرنا دیگر امت مسلمہ کی رائے کے خلاف انفرادی طور پر اس حکمران کے خلاف اٹھنا ممنوع ہے رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص کی زندگی کو جاہلیت کی موت قرار دیا ہے۔

بخاری اور مسلم کی روایت ہے: "من كره من اميره شيئا فليصبر فان خرج من السلطان شبيرا مات ميتة جاهلية" ترجمہ: جو شخص اپنے حکمران وقت سے کوئی بری چیز دیکھے (یعنی اس کے برے کردار، یا بری گفتار) تو اس پر لازم ہے کہ وہ صبر سے کام لے، کیونکہ جو شخص ایک بالشت برابر بھی وقتی بادشاہ کی اطاعت سے خارج ہوا وہ جاہلانہ موت مرا۔

مسلم شریف کی حدیث میں ہے: "من ولي عليه والا فراه ياتي شيئا من معصية الله فليكره اتيانه من معصية الله ولا ينزعن يدامن طاعته" ترجمہ: جس شخص پر ایسا حکمران مسلط کیا گیا جو اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی کرتا ہے اس کی نافرمانی کو برا جانے لیکن اس کی اطاعت سے اپنے

ہاتھ کو نہ کھینچے۔

بخاری اور سنن اربعہ میں یہ حدیث منقول ہے :"السمع و الطاعة علی المرء المسلم فیما احب و کره مالم یأمر بمعصیة ،واما اذاامر بهافلا سمع و لا طاعة "ترجمہ: مسلمان مرد پر بادشاہ وقت کی بات سننا ،اوراس کی اطاعت کرنالازم ہے،خواہ وہ بات اچھی ہو یاناپسندیدہ، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ ایسی بات نہ کہے جس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو،اوراگراس بری بات کے کرنے کا حکم دے تواس کی بات نہ سنو،او نہ اس کی اطاعت کرو۔

اس حدیث سے رفع اور دفع کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ جولوگ اس حکمران کے غلط اور معصیت پر مبنی حکم کو روکنے کی ہمت اور طاقت رکھتے ہوں وہ اس کا کوئی ایسا حکم مانیں نہ تسلیم کریں ،اور نہ ہی ایسے حکمران کی اطاعت کریں۔

حجاج بن یوسف ،ولید بن عقبہ،یزید،اور زیاد ایسے باغی ،فاسق ،فاجر ،ظالم ،اور جابر حکمرانوں کے دور میں کتنے جلیل القدر صحابہ اور تابعین کا بے گناہ خون بہایا گیا،ہر مسلمان اور ہرانسان پر خوف ،وحشت اور دہشت کے سائے منڈلاتے رہے امت مسلمہ کے تحفظ ،اوراپنی عزت نفس کے بچاؤ،اور جان و مال کے ضیاع کے خوف سے ان ظالموں ،فاسقوں کے پیش نظران ظالموں ،اور فاسقوں کی اطاعت سے دستبرداری نہیں فرمائی ،لیکن دور حاضر کواس دور معصیت پر" جس کے شب و روز خون ناحق سے رنگین ہیں ، پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ،اور نہ ہی" صلوا خلف کل بر و فا جر" کی آڑ میں اہل اہواء اور مبتدع کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز قرار دیا جاسکتا ہے" علامہ ابن عابدین الشامی نے فرمایا :

"اذلا یخفی ان اولئک کانوا ملو کاتغلبوا والمتغلب تصح منه هذه الامور للضرورة"،

یزید،ولید اور حجاج بن یوسف کے پیچھے صحابہ اور تابعین نے نمازیں پڑھیں کہ وہ مملوک اور مغلوب تھے، اور متغلب کیلئے بر بنائے ضرورت اور مجبوری ایسا کرنا صحیح ہے،لہذا یزید،ولید،حجاج بن یوسف کی اقتداء میں صحابہ کا نماز پنجگانہ،عیدین اور جمعہ کا پڑھنا اہل اہواء،اہل بدعت کے پیچھے صحت نماز کیلئے دلیل و حجت نہیں۔

سیدصاحب نے شرح عقائد ص ۱۱۵، سے یہ عبارت نقل کی ہے: **تجوز الصلوۃ خلف کل بر و فاجر لقوله عليه السلام صلوا خلف کل بر وفاجر لان علماء الامة کانوا یصلون خلف کل الفسقۃواهل الاهواء والبدع هذااذالم یرد الفسق او البدعة الی حدالکفر** " (زبدۃ:۱۴۱)

یعنی ہر فاسق، اہل اہواء، اور مبتدع کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ ان کا فسق، اور بدعت حد کفر کو نہ پہنچا ہو، جبکہ امام املک، امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے کہ فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا منع ہے اور یہی روایت صحیح ہے۔ (زبدۃ:۱۴۴) اہل اہواء کے پیچھے بھی نماز پڑھنا جائز نہیں جیسا کہ امام محمد نے حضرت امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہم اللہ سے روایت کیا ہے۔ (زبدۃ:۱۴۵) اور خود سید صاحب نے تحریر کیا ہے کہ یہ جمہور اہل سنت کی آراء ہیں، بحیثیت سنی حنفی کے میں نے مبتدع کے پیچھے نماز کے عدم جواز پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ کا فتوی لکھ دیا ہے،، (زبدۃ:۱۴۲) بحمد اللہ یہاں تک یہ مسئلہ ثابت اور محقق ہو گیا کہ جمہور اہل سنت و جماعت کا متفقہ فتوی ہے کہ اہل اہواء، فاسق، اور مبتدع کے پیچھے سنی مسلمان کی نماز درست نہیں، خود سید صاحب نے، بھی اس کو صرف تسلیم ہی نہیں کیا بلکہ نقل کر کے، اہل اہواء، فاسق اور مبتدع کے پیچھے نماز جائز کہنے والوں کی تردید کر دی ہے ،، شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ نے اگر بقول سید صاحب، جبریہ، قدریہ، روافض خوارج معطلہ اور مشبہ کے پیچھے نماز پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے تو کیوں اور کیسے؟ علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے سید صاحب نے نقل کیا کہ: "**فاصل الجواب ان من کان اهل قبلتنا ولم یعمل فی قوله حتی لم یحکم یکفره تجوز الصلوۃ خلفه**" ترجمہ: ان سبھی سوالات کا اصل جواب یہ ہے کہ جو ہمارے اہل قبلہ میں سے ہو اور کوئی ایسی بات نہ کرے کہ اس کے کفر کا حکم کیا جائے اس کے پیچھے نماز درست ہوگی۔ (زبدۃ:۱۴۵) یہ عبارت اس بات پر روشن دلیل ہے کہ نماز کے جائز ہونے کیلیے اتنا کافی نہیں کہ وہ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہو بلکہ شرط یہ ہے کہ اس کے قول و فعل سے بھی ایسی کوئی چیز مترشح نہ ہوتی ہو کہ اس پر حکم کفر جاری ہوتا ہو۔

اس کیفیت میں اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی اشکال نہیں چنانچہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے نقل فرمایا

"ثم اعلم ان المراد باھل القبلة الذین اتفقوا علی ماھو من ضروریات الدین کحدوث العالم وحشر الاجساد وعلم الله بالکلیات والجزئیات وما اشبه ذالک من المسائل "(شرح فقه اکبر)

ترجمہ: پھر جان لو کہ بے شک اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان تمام چیزوں پر اتفاق کرتے ہیں جو ضروریات دین میں سے ہیں، جیسے عالم (کائنات قدیم نہیں) حادث ہے، اجسام کے زندہ کئے جانے اور ان کے حشر ونشر کے قائل ہوں، اور یہ ایمان رکھتے ہوں کہ اللہ تمام کلیات اور تمام جزئیات کا عالم ہے، (وھو بکل شیء علیم) پر ایمان رکھتے ہوں، اور بقیہ مسائل دینیہ کا اقرار اور اظہار کرتے ہوں مثلاً میزان حساب وکتاب، میزان کا ثبوت ادلہ قطعیہ سے ہے۔ (شرح فقہ اکبر، ۱۸۵)

ادلہ قطعیہ کا انکار کفر صریح ہے، اسی طرح حوض کوثر کا ثبوت دلیل قطعی سے ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے "انا اعطیناک الکوثر" مگر روافض، خوارج اور معتزلہ اس کے مخالف ہیں (شرح فقہ اکبر: ۱۱۵)

معتزلہ پل صراط کے منکر ہیں، حالانکہ اس کا وجود اور ثبوت قرآن وحدیث سے ثابت ہے، (شرح فقہ اکبر: ۱۱۶) اسی طرح معتزلہ جنت اور دوزخ کے منکر ہیں، جبکہ قرآن وحدیث سے ان کا وجود ثابت ہے۔ (ایضاً)

اسی طرح معتزلہ اعضاء وجوارح کی شہادت کو تسلیم نہیں کرتے، جبکہ قرآن نے اسکی تصریح کی ہے۔ (شرح فقہ اکبر: ۱۱۷)

اہل قبلہ کو کافر نہ کہنے کی بحث میں ملا علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ان المراد بعدم تکفیر احد من اھل القبلة عند اھل السنة انه لا یکفر مالم یوجد شی من امارات الکفر وعلاماته ولم یصدر عنه شیء من موجباته "(شرح فقه اکبر: ۱۸۵)

اہل سنت وجماعت کے نزدیک اس وقت تک اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کی جائے گی جب تک کہ ان سے کوئی ایسی شیء نہ پائی جائے جو کفر کی علامت یا کفر کے موجبات سے ہو،، کفر کے موجبات کو بیان

کرتے ہوئے قاضی عضد الدین رحمہ اللہ نے فرمایا:

"ولا یکفر احد من اھل القبلۃ الا فیما فیه نفی الصانع ،القادر العلیم اوشرک او انکار اللنبوۃ اوماعلم مجیبه بالضرورۃ او المجمع علیه ،کا ستحلال المحرمات واما ما عداہ فالقائل به مبتدع لا کافر" (شرح فقه اکبر: ۱۹۵)

ترجمہ: اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کی جائے گی، ہاں اگر وہ صانع (ذات باری تعالیٰ) اس کی قدرت، علم کا انکار کرے یا شرک کرے یا نبی کریم ﷺ کی یا دیگر انبیاء کی نبوت کا انکار کرے، یا ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے، یا اس امر کا انکار کرے جس پر پوری امت کا اجماع ہے، مثلاً محرمات کو حلال قرار دے تو اس کی تکفیر کی جائے گی، اور اگر ان اشیاء کے علاوہ کسی بات کا انکار کرے تو بدعتی ہے کافر نہیں، اس سے ثابت ہوا کہ جو فرقہ اہل قبلہ ہو کر مجمع علیہ امر کا انکار کرے وہ مسلمان نہیں ہوگا۔

حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت اور افضلیت پر تمام صحابہ کا اجماع ہوا جو بنقل متواتر آج تک جمہور امت مسلمہ کے نزدیک مسلم چلا آرہا ہے اگر اس کی نفی کر دی جائے کہ کوئی اجماع نہیں ہوا، اور ابوبکر کی افضلیت ثابت نہیں ہوئی، تو کیا ایسا کہنے والے کو مسلمان کہنا جائز ہوگا؟ اور جو مولا مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم کو خلفائے ثلثہ پر تفضیل دیگا وہ بدعتی / مبتدع نہیں ہوگا؟ اہل قبلہ کی تکفیر کا مسئلہ انتہائی مشکل اور پیچیدہ ہے، آئمہ حدیث اور علمائے فقہ نے محتاط رویہ اپنایا، اور کھلے بندوں تکفیر کرنے سے احتیاط کرنے کا مشورہ دیا ہے، تاہم اس بات پر فقہاء اور متکلمین نے عدم تکفیر کا رویہ اپنایا ہے ان کی دلیل یہ ہے توحید باری تعالیٰ اور حرمت کعبہ کی بدولت ان کو کافر نہیں کہا جائے گا، لیکن یہ سب کچھ احتیاط کی بنا پر ہے۔ محقق ابن الہمام نے فرمایا:

"اعلم ان الحکم بکفرمن ذکرنامن اھل الاھواء مع ما ثبت عن ابی حنیفة والشافعی من عدم تکفیر اھل القبلة من المبتدعة کلھم محمله ان ذالک المعتقدفی نفسه کفرفالقائل به قائل بماھو کفروان لم یکفر" (شرح فقه اکبر: ۱۸۵)

جان لو کہ ہم پہلے اہل اہواء اور اہل بدعت کے کفر کا حکم کر چکے ہیں، باوجودیکہ امام ابوحنیفہ اور امام

شافعی رحمہما اللہ سے ان کی تکفیر نہ کرنا ثابت ہے ہمارے حکم کفر کا محمل (وجہ ءدلیل) یہ ہے کہ اہل اہواء اور اہل بدعت کا اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کے خلاف بنایا ہوا عقیدہ کفر ہے، کفر کا قول کرنا بھی تو کفر ہے یعنی جو شخص کفریہ عقیدہ رکھتا ہے اور اس کے تحت کفریہ بات کہتا ہے وہ بات بھی تو کفر ہے لیکن اس قول کے باوجود اگر اس شخص کو کافر نہ کہا جائے تو نہ کہا جائے، البتہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے کو باطل قرار دیا گیا ہے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا:

"ان جزمهم ببطلان الصلوة خلفهم احتياطا لا يستلزم جزمهم بكفرهم" (شرح فقہ اکبر: ۱۸۵)

فقہاء نے جو اس امر پر جزم کیا ہے کہ اہل اہواء اہل بدعت کے پیچھے نماز باطل ہے یہ جزم احتیاط کے طور پر ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فقہاء کو ان کے کافر ہونے کا جزم اور یقین ہے، سید صاحب نے اہل بدعت کے کافر نہ ہونے پر تدریب الراوی سے امام جلال الدین السیوطی علیہ الرحمہ کا قبول حدیث میں ایک اصول نقل کیا ہے کہ جس شخص کی حدیث لی جائے اس کیلئے شرط یہ ہے کہ: "ان يكون عدلا، ضابطاً بان يكون مسلما بالغا عاقلا، سلما من اسباب الفسق وقوارم المروئة" قبول حدیث کیلئے ضروری ہے کہ وہ راوی مسلمان ہو، بالغ ہو، عاقل ہو، کسی کافر، اور کسی مسلسل پاگل رہنے والے کی حدیث قبول نہیں کی جائے گی۔ آگے تحریر کیا کہ پتہ چلا

علم المصطلح میں کافر سے حدیث لینا ممنوع ہے۔ تدریب الراوی کے حوالے سے وہ تمام اہل بدعت (مرجبہء، ناصبہ، قدریہ اور خوارج) تحریر کئے جن سے امام بخاری اور مسلم نے حدیث لی ہے اور آخر میں یہ ثابت کیا کہ خارجی، ناصبی، اور شیعہ بطور جماعت کے مبتدع ہوں گے، کافر نہیں ہوں گے،، ورنہ ان جماعتوں سے احادیث لینا درست نہ ہوتا۔

اس کا جواب امام نووی رحمہ اللہ نے اس طرح دیا ہے کہ "السابقة من كفر ببدعته لم يحتج به بالاتفاق، ومن لم يكفر، قيل لا يحتج به مظلقا، وقيل يحتج به ان لم يكن ممن يستجل الكذب في نصرة مذهبه اولا هل مذهبه وحكى عن الشافعي" ترجمہ: جس اہل بدعت کو اسکی بدعت کی وجہ سے کافر قرار دیا گیا ہے، بالاتفاق اس سے حدیث نہیں لی جائے گی، اور جس کو

کا فر نہیں گردانا گیا اس کے بارے میں دو قول ہیں، اس سے مطلقاً حدیث نہیں لی جائے گی۔

۲: اگر بدعتی راوی اپنے مذہب یا اہل مذہب کی تائید اور نصرت میں جھوٹ بولنا حلال نہیں سمجھتا تو اس سے حدیث لی جائے گی، یہ قول حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے، امام جلال الدین السیوطی نے فرمایا: حکاہ عنہ خطیب فی الکفایۃ، لا انہ قال اقبل شہادتہ اہل الاھواء الا الخطابیۃ لانھم یرون الشھادۃ بالزور لموافقیھم "(تدریب الراوی: ۲۸۵) ترجمہ: امام شافعی رحمہ اللہ سے یہ روایت الخطیب نے الکفایہ میں نقل کی ہے اس کی وجہ (کہ عدم تکفیر والے بدعتی کی روایت میں یہ اقوال کیوں ہیں؟) یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ خطابیہ کے علاوہ تمام اہل بدعت اہل شہادت ہیں، (اور جو بھی اہل شہادت ہو اسکی روایت قابل حجت ہے) اس پر امام جلال الدین السیوطی نے فرمایا: "قیل دعوی الاتفاق ممنوعۃ فقدقیل انہ یقبل مطلقاوقیل یقیل ان اعتقدحرمۃ الکذب وصححہ صاحب المحصول" ترجمہ: بالاتفاق کا دعویٰ ممنوع ہے (یعنی یہ کہنا کہ ہر وہ بدعتی جس کی تکفیر کی گئی ہو اس سے حدیث لینا بالاتفاق ممنوع ہے) یہ دعوی غلط ہے کیونکہ ایک قول یہ ہے کہ اس کی حدیث قابل حجت ہو گی، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اگر اس بدعتی کا عقیدہ یہ ہو کہ جھوٹ بولنا حرام ہے تو اس کی حدیث لی جائے گی، اور وہ قابل حجت ہو گی،، صاحب محصول نے اس قول کو درست قرار دیا ہے،، امام جلال الدین السیوطی نے نقل فرمایا:

"وقال شیخ الاسلام التحقیق انہ لایرد کل مکفرببدعتہ لان کل طائفۃ تدعی ان مخالفیھامبتدعۃ وقدتبالغ فتکفر مخالفیھا، فلو اخذ ذالک علی الاطلاق لا ستلزم تکفیر جمیع الطوائف، والمعتمد ان الذی تردروایتہ، من انکر امرامتواترامن الشرع معلوما من الدین بالضرورۃ او اعتقدعکسہ" (تدریب الراوی: ۲۸۴)

ترجمہ: شیخ الاسلام نے فرمایا تحقیق یہ ہے کہ ہر وہ بدعتی جس کی تکفیر کی گئی ہو اس کی حدیث کو رد نہیں

کیا جائے گا، کیونکہ ہر گروہ (فرقہ) اپنے مخالف فرقے کو بدعتی کہتا اور انتہا کو پہنچتا ہے اور اپنے مخالف گروہ کو کافر کہتا ہے اور اگر یہی طریقہ برقرار رہے تو تمام فرقوں کی تکفیر کرنی لازمی ہو گی۔ (یعنی تمام فرقے اہل تکفیر ہو جائیں گے) جو شریعت کے امر متواتر کا منکر ہو اور معلوم ہو کہ وہ امر متواتر ضروریات دین میں سے ہے اس کے برعکس عقیدہ رکھتا ہو اسکی روایت رد کی جائے گی۔

مندرجہ بالا توضیحات سے ثابت ہوا کہ جن فرقوں کو بدعت کی وجہ سے کافر کہا گیا ہو ان سے حدیث قبول کی جائے گی اور وہ حدیث قابل حجت ہو گی،، سید صاحب کا یہ استدلال کہ محدثین نے ان فرقوں کو کافر نہیں سمجھا گر کافر سمجھا ہوتا تو کبھی نہ لیتے، قابل تسلیم نہیں، محدثین کے نزدیک اہل بدعت کی تکفیر کا مسئلہ موجود اور معمول بہ ہے لیکن اس کے باوجود قبول حدیث میں نرم رویہ رکھتے ہیں شیخ الاسلام نے صاف فرمادیا کہ بدعت کی بناء پر کافر گردانے گئے راوی کی حدیث لی جائے گی، کیونکہ ہر فرقہ (بدعتی) دوسرے فرقے کیلئے مبالغہ میں جا کر کافر قرار دیتا ہے، رہی یہ بات کہ راوی کیلئے عادل، ضابطہ، مسلمان، بالغ، عاقل، اسباب فسق اور اخلاق مذمومہ سے پاک ہونا ضروری ہے جیسا کہ امام جلال الدین السیوطی علیہ الرحمہ نے تدریب الراوی میں نقل فرمایا ہے، یہ درست اور قابل تسلیم ہے یہ اہل سنت وجماعت کے موقف کے خلاف نہیں کیونکہ اہل سنت وجماعت بدعتی کی تکفیر کے قائل ہیں، اور محدثین کے نزدیک بھی اہل بدعت کی تکفیر متعارف ہے جیسا کہ امام نواوی نے فرمایا: "السابعة من كفر ببدعته لم يحتج به بالاتفاق" (تدریب الراوی: ۲۸۴) امام سیوطی رحمہ اللہ نے عدل کی تفسیر میں فرمایا: بان يكون مسلما، بالغا، عاقلا، فلا يقبل كافر" کہ کافر کی حدیث نہیں لی جائے گی، اس سے مراد شرعی اصطلاحی ہے جو توحید ورسالت اور دیگر ضروریات دین کا منکر ہے، مسلماً، کی قید قرینہ لفظی اس پر گواہ ہے پھر اصول ہے کہ تعرف الاشیاء باضدادہا، مسلم شرعی اصطلاحی کی ضد کافر شرعی اصطلاحی اجماعی ہے، اور جو کافر بالبدعت ہے یہ کافر شرعی تو ہے مگر اصطلاحی اور اجماعی نہیں، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے امام ذہبی کے حوالے سے نقل فرمایا: "وقد صرح بذالک الذهبی فی الميزان فقال البدعة على ضربين

،صغری کا لتشیع بلا غلوا اوبغلو کمن تکلم فی حق من حارب علیافھذا کثیر فی التابعین وتابعیھم مع الدین والورع والصدق فلورد حدیث ھوء لاء لذھب جملۃ من الاثار النبویۃ وھذہ مفسدۃ بینۃ ثم بدعۃ کبریٰ ، کالرفض الکامہ ،والغلوفیہ ،والحط علی ابی بکر وعمر ،والدعاء الی ذالک فھذا النوع لایحتج بھم ،ولاکرامۃ ،وایضا فمااستحضرالان فی ھذاالضرب رجلاصادقا ولا ماموناںل الکذب شعارھم والتقیہ والنفاق دثارھم انتھیٰ(تدریب الراوی : ۲۸۶)

ترجمہ امام ذہبی نے ''المیز ان میں اسکی تصریح کی ہے اور فرمایا ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں ۔ بدعت صغریٰ ، غالی اور غیر غالی شیعہ ،حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ وقتال کرنے والے لوگوں کے خلاف لعن طعن کرنا ،تابعین ، تبع تابعین کی کثیر تعداد ایسی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف لڑنے ولاوں پر لعن ،طعن کرتی ہے باوجود یکہ یہ تابعین ، تبع تابعین دین ،تقوی ،اور سچائی میں بلند مرتبہ پر فائز ہیں ،اگر ان کی مروی احادیث کو رد کردیا جائے تو آثار نبویہ سارے کے سارے ختم ہوجائیں گے،ان کا مٹ جانا دین میں ظاہر ،باہر فساد کاری ہوگی ،اور دوسری بدعت کبری ہے ،جیسے تمام صحابہ کو برا بھلا کہنا ،اوران کی مخالفت وعداوت میں غلو کرنا ،حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو سب کرنا ،اور لوگوں کو سب وشتم کی دعوت دینا ،اہل بدعت کی یہ وہ قسم ہے جن کی حدیث قابل حجت نہیں ،اور نہ ہی یہ لوگ قابل تکریم ہیں ،نیز اس دور میں اہل بدعت (بدعت کبری) کی اس قسم میں کوئی مرد صادق نہیں اور نہ ہی کوئی جھوٹ سے محفوظ و مامون ہے بلکہ جھوٹ ،ان کا مذہبی شعار ہے تقیہ اور نفاق ان کی علامات ہیں ،امام بخاری اور مسلم نے اگر اہل اہواء اور اہل بدعت یا دوسرے فرقوں کے راویوں سے احادیث لی ہیں ،تو صرف دین کی بقاء اور احیاء کی خاطر ،آثار نبویہ کے تحفظ کی غرض سے ،اور پھر اس لئے کہ یہ لوگ کافر شرعی اصطلاحی اجماعی کی تعریف میں نہیں آتے لہٰذا ان سے احادیث لینا ،تعریف عدل کے منافی نہیں ،جیسا کہ سید صاحب نے سمجھا اور پھر اعتراض کیا ہے ۔ بلکہ اس سے ثابت اور واضح ہوا کہ دین کی حقانیت کے اظہار ،اور صداقت کے پرچار کیلئے

کافر سے حدیث لینا جائز ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"بلغوا عني ولو آيه، وحدثوا عن بني اسرائيل ولا حرج الحديث" (بخاری)

ترجمہ: جہاں تک ممکن ہو سکے جو کچھ تم مجھ سے سنتے ہو، وہ لوگوں تک پہنچاؤ، اور بنی اسرائیل سے عجیب وغریب واقعات اور قصص بھی سنو، اور اسمیں کوئی حرج نہیں، یعنی بنی اسرائیل کے جو واقعات قرآن نے بیان کیے ہیں، بنی اسرائیل سے ان کی زبانی سنو، کیونکہ ان میں اہل عقل ودانش کیلئے عبرت اور نصیحت ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے نقل فرمایا کہ:

"روى الفقيه ابو الليث السمرقندی باسناده فی تنبيه الغافلين عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال حدثوا عن بنی اسرائيل ولا حرج، فانه قد كانت فيهم اعاجيب ثم انشاء يحدث ای رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقال خرجت طائفة من بنی اسرائيل حتى انتهوا الى مقبرة فقالوا لو صلينا ثم دعونا ربنا حتى يخرج الله لنا بعض الموتى فخبرنا عن الموت ففعلوا ذالک ثم دعوا ربهم فبيناهم كذالک اذا رجل قد اطلع راسه من القبر وهو اسود خلاشيباای بياض راسه لخالط سواده وقال يا هوء لاء ماردتم فوالله لقدمت منذ تسعين سنة فما ذهبت مرارة الموت منی كانه الان فادعوا الله ان يعيدنی كما كنت وكان بين عينيه اثر السجود" (مرقات: ۱: ۲۶۵)

ترجمہ: فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے اپنی سند کے ساتھ تنبیہ الغافلین میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی یہ حدیث حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج نقل کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ایک عجیب واقعہ بھی رقم کیا ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت نکلی اور ایک قبرستان میں رک گئی، انہوں نے کہا کہ اگر ہم اللہ کیلئے نماز پڑھ کر یہ دعا کریں کہ وہ ہمارے لئے کوئی ایک مردہ قبر سے نکالے جو موت کے بارے میں ہمیں کچھ بتائے، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، (یعنی نماز پڑھی) پھر اپنے رب سے دعا کی، وہ دعا مانگ رہے تھے کہ ایک شخص نے قبر سے اپنا سر نکالا، موت کے وقت اس کا سر سیاہ

تھا مگر اب وہ سفید ہو گیا تھا، اور سفیدی سیاہی پر چھا گئی تھی، پھر وہ مردہ بولا اور کہنے لگا کہ اے لوگوں تمہارا کیا ارادہ ہے انہوں نے بتایا، وہ کہنے لگا مجھے فوت ہوئے نوّے برس ہو چکے ہیں، لیکن موت کی سختی (کڑواہٹ) ابھی تک میرے منہ سے نہیں گئی، اللہ تعالیٰ سے دعا کرو، مجھے اسی حال میں لوٹا دے جس میں میں تھا جبکہ اس کی آنکھوں کے درمیان یعنی پیشانی پر سجدہ کا نشان (محراب) موجود تھا، واضح ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل جو غیر مسلم ہیں ان سے حدیث لینے کی اجازت عطا فرمائی بلکہ خود تحدیث واقعہ فرما کر اسکی جوازیت اور اہمیت پر مہر تصدیق ثبت فرمائی، اگر کسی واقعہ کے راوی کیلئے مسلمان ہونا لازمی شرط ہوتا تو رسول اللہ ﷺ حدثوا عن بنی اسرائیل ولاحرج ارشاد فرماتے، نہ بنی اسرائیل سے مروی یہ واقعہ خود بیان فرماتے، ثابت ہوا دین اسلام کے فروغ احیاء اور اثار نبویہ کی بقاء کیلئے کافر سے حدیث لینا بھی جائز ہے، کما مر انفا، امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے عدل کی تعریف میں جو مسلماً کی قید لگائی ہے وہ قید ترجیحی ہے لازمی نہیں،، شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے مکفر بالبدعۃ کی حدیث کو قابل حجت قرار دیا ہے،،

''اہل بدعت کی تکفیر کا مسئلہ''

قدذکرفی المحیط ان بعض الفقهاء لایکفراحدامن اهل البدع وبعضهم یکفرمن خالف منهم بیدعته دلیلا قطعیاونسبه الی اکثر اهل السنة ،والنقل الاول اثبت نعم یقع فی کلام اهل مذهب تکفیر کثیر لکن لیس من کلام الفقهاء الذین هم المجتهدون بل من غیرهم ''(ردالمحتار: ۴:۲۶۳ تا۲۶۳)

ترجمہ: محیط میں ذکر کیا گیا ہے کہ بعض فقہاء کسی بھی اہل بدعت کو کافر نہیں کہتے بعض فقہاء ان اہل بدعت کا کافر کہتے ہیں جو اپنی بدعت کے ذریعے سے کسی دلیل قطعی کی مخالفت کرتے ہیں، اور یہ قول اکثر اہل سنت وجماعت کی طرف منسوب ہے لیکن عدم تکفیر کا قول زیادہ ثابت ہے، لیکن اس کے بعد فرمایا ہاں اہل مذہب کی کلام میں اہل بدعت کی تکفیر کثرت سے پائی جاتی ہے لیکن یہ تکفیر ان فقہاء کے کلام میں نہیں جو مجتہد ہیں۔

علامہ شامی کی اس کلام سے ثابت ہوا کہ بعض فقہاء نے ان اہل بدعت کی تکفیر کی ہے جو کسی دلیل قطعی کے مخالف ہوں، اور بدعت کا سہارا لیتے ہوں، لیکن اہل مذہب کی کلام میں اہل بدعت کو اکثر کافر کہا اور لکھا گیا ہے، لہذا البعض فقہاء کی عدم تکفیر سے قاعدہ کلیہ کے طور پر یہ نہیں کہا سکتا کہ اہل بدعت کو کافر کہنا جائز نہیں۔

علامہ ابن عابدین الشامی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا: ''في البحر عن الجوهرة معزيا للشهيد من سب الشيخين او طعن فيهما كفر و لا تقبل توبته ''(شامی : ۴: ۲۳۶)ترجمہ: بحر میں جوہرہ سے منقول اور امام صدر الشہید سے منسوب یہ قول مذکور ہے کہ جس نے شیخین کو گالی دی یا ان کے بارے میں طعن کیا وہ کافر ہو جائے گا، اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔

علامہ شامی مزید نقل فرماتے ہیں کہ :اقول نعم نقل في البزازية عن الخلاصة ان الرافضي اذا كان يسب الشيخين ويلعنهما فهو كافر وان كان يفضل عليا عليهما فهو مبتدع '' (شامی : ۴: ۲۳۷)

ترجمہ: میں کہتا ہوں ہاں بزازیہ میں خلاصہ سے مذکور ہے کہ رافضی جب شیخین کو گالی دے اور ان کو لعن کرے تو وہ کافر ہو جائے گا اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین سے افضل کہے گا تو وہ بدعتی ہوگا۔

علامہ شامی نے نقل فرمایا: فعلم ان ما ذكره في الخلاصة من انه كافر قول ضعيف مخالف للمتون والشروح بل هو مخالف لاجماع الفقهاء''(ایضاً)ترجمہ: معلوم ہوا خلاصہ میں جو شیخین کے گالی دینے والے یا طعن کرنے والے کو کافر کہا گیا ہے یہ قول ضعیف ہے متون اور شروح کے مخالف ہے۔

جواباً کہا جائے گا کہ خود علامہ شامی نے محیط کے حوالے سے فقہاء کے دو طبقے بیان کئے ہیں ایک طبقہ وہ ہے جو کسی بھی اہل بدعت خواہ کوئی فرقہ ہو، کی تکفیر نہیں کرتا، علامہ شامی نے خود رافضی کو بحوالہ بزازیہ اور خلاصہ شیخین کو گالی دینے اور لعن کرنے والے کو بدعتی اور کافر کہا ہے۔

علامہ شامی نے خلاصہ میں قول کفر کو ضعیف اور اجماع فقہاء کے خلاف قرار دیا ہے جبکہ خود بزازیہ اور

خلاصہ کے حوالے سے رافضی کو اہل بدعت اور کافر تحریر کیا ہے۔

بحر اور جوہرہ نے صدر الشہید کے حوالے سے شیخین کے سابّ اور طاعن کو کافر تحریر کیا۔

اتنے اختلاف اور تضاد کے باوجود صرف خلاصہ میں منقول کو اجماع فقہاء کے خلاف کہنا درست نہیں، مزید ملا علی قاری رحمہ اللہ نے نقل فرمایا: **وقد ذکر فی کتب الفتاوی ان سب الشیخین کفر، و کذاانکار اما متهما کفر ولا شک ان امثال هذه المسئلة مقبولة بین جمهور المسلمین** ‘‘(شرح فقہ اکبر : ۱۸۴)

ترجمہ: کتب فتاوی میں مذکور ہے کہ بے شک شیخین کو گالی دینا کفر ہے اور اسی طرح ان کی امامت کا انکار کرنا بھی کفر ہے کوئی شک نہیں کہ یہ مسئلہ اور اس جیسے دوسرے مسائل جمہور مسلمانوں کے درمیان مقبول ہیں۔

بحالات بالا ثابت ہوا شیخین رضی اللہ عنہما کو گالی دینے والا اور ان کی خلافت کے انکار کرنے والے کو باجماع فقہاء مسلمان نہیں کہا جا سکتا بلکہ اہل مذہب کی اکثریت اس کو کافر قرار دیتی ہے۔

بحر، جوہرہ، بزازیہ، خلاصہ بحوالہ شرح فقہ اکبر وغیرہ کتب میں ایسے شخص کا کافر ہونا مذکور اور مسطور ہے جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ساب الشیخین کی تکفیر کا مسئلہ فقہائے کرام کا ہے متکلمین کا نہیں، شارح مسلم علامہ غلام رسول سعیدی نے صرف متکلمین کے بارے میں کہا ہے کہ وہ کافر قرار نہیں دیتے، فقہاء کی نسبت نہیں کہا۔ اگر فقہاء کے بارے میں کہا ہے تو اس سے مراد بعض فقہاء ہیں لیکن تمام فقہاء کے ہاں یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ جو بدعتی بزور بدعت دلیل قطعی کا انکار کرے یا اس کی مخالفت کرے وہ کافر ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اگر اہل بدعت کو کافر کہنا جائز نہیں تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیوں ممنوع اور ناجائز ہے؟

علامہ ابن عابدین شامی نے ’’**مطلب جملة من لایقتل اذاارتد**‘‘ کا عنوان قائم کیا اور گیارہ افراد نامزد کیے جو مرتد ہیں مگر ان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ فرمایا: **کل مسلم ارتدفتوبته مقبولة الا احدعشر: من کررت ردته، وساب النبی ﷺ، وساب احد الشیخین**

،والساحر،والزندیق ،ولاخناق،والکھن ، والملحد ،والاباحی، والمنافق، ومنکر بعض الضروریات باطنا"(ردالمختار :۴: ۲۴۵)

ترجمہ: ہر مسلمان جو مرتد ہوجائے اور پھر مسلمان ہوکر توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی مگر گیارہ افراد ایسے ہیں اگر وہ ارتداد سے توبہ بھی کرلیں تو ان کی توبہ قابل قبول نہ ہوگی: ان گیارہ میں نبی کریم ﷺ اور شیخین (ابوبکر صدیق ،حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کو گالی دینے والا بھی شامل ہے ثابت ہوا نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکر صدیق ،اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو گالی دینا ارتداد ہے،اگر ارتداد سے توبہ بھی کرلے تو اس کی توبہ قابل قبول نہ ہوگی،،اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ارتداد کفر نہیں؟اور پھر اسلام سے بغاوت اور ارتداد کرنے والے کی توبہ عندالشرع قابل قبول ہے نبی کریم ﷺ اور شیخین کو گالی دینے والا مرتد ہے مگر اس کی توبہ کیوں قابل قبول نہیں؟

علامہ شامی علیہ الرحمہ نے نقل فرمایا:"والمبتدع لولا دلالة ودعوة للناس الی بدعته ویتوهم منه ان ینشر البدعة وان لم یحکم بکفره جاز للسلطان قتله سیاسة و زجرا لان فساده اعلی واعم حیث یؤثر فی الدین "(شامی :۴: ۲۴۳)

ترجمہ: بدعتی اگر اس کی بدعت ظاہر نہ ہو اور لوگوں کو بدعت کی دعوت بھی نہ دیتا ہو،اور اس پر حکم کفر بھی نہ لگا ہو،صرف خدشہ ہو کہ بدعت پھیلے گی تو ایسی صورت میں بادشاہ وقت لوگوں کو خوف دلوانے کی غرض سے سیاسی طور پر اس کو قتل کرسکتا ہے کیونکہ وہ بدعت دین میں اثر انداز ہوگی اور دین میں یہ اثر انگیزی عام اور بلند درجہ کی فساد آفرینی ہوگی ہے،،معلوم ہوا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین یا تمام صحابہ بشمول،حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر تفضیل دینا بدعت ہے اور شیخین کو گالی دینا کفر ہے اور یہ دین میں اعلیٰ درجہ کی فساد کاری ہے،جس کو روکنے کیلئے حاکم وقت سربراہ ملک کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ دیگر مسلمانوں کو اس کے مضر اثرات سے بچانے کیلئے سیاسی طور پر قتل کردے،یہ الگ بات ہے کہ اس وقت دنیا میں جمہوری پارلیمانی نظام حکومت قائم ہے،اسمبلیاں اور سینٹ میں بیٹھے لوگ روک تھام کی بجائے اہل ہواء اہل بدعت کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں،مسلمانوں میں مذہبی منافرت اور

تعصب کو ہوا دے کر قومی یک جہتی کو پارا پارا، اور شوکت اسلامی کو کمزور کرتے ہوئے اپنے سیاسی مقاصد کی تکمیل کرتے ہیں۔

سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فقہ اکبر میں فرمایا: **نتولھم جمیعا**: اس پر ملا علی قاری رحمہ اللہ نے نقل فرمایا: **ای نحبھم جمیعا**، یعنی رسول اللہ ﷺ کے تمام صحابہ سے ہم محبت کرتے ہیں، مزید فرمایا:

"ای و لا نسب منھم احدا القوله علیه الصلوٰۃ و السلام لا تسبو ا اصحابی ولو رود قوله تعالیٰ والسابقون الا ولون من المھاجرین و الانصار . الی ان قال تعالیٰ رضی اللہ عنه عنھم و رضوا عنه "(شرح فقه اکبر)

ترجمہ: ہم کسی بھی ایک صحابی کو گالی نہیں دیتے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے میرے صحابہ کو مت گالی دینا اور اللہ تعالیٰ ے اس فرمان کے ورود کی وجہ سے: انصار و مہاجرین میں سے جو سابق اور اول آنے والے یہاں تک اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں ،قرآن وحدیث اور قول امام سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر صحابی قابل احترام اور محبت کے لائق ہے، رسول اللہ ﷺ کی نسبت، محبت، جاں نثاری اور عشق کی بدولت اللہ تعالیٰ نے انہیں دائمی، ابدی رضامندی کا سرٹیفکیٹ عطا فرمایا۔ اور ان کی پوری زندگی کا منظر نامہ بھی پیش فرمایا کہ ان کی زندگی کا ہر لمحہ، اور ہر عمل اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی رضا جوئی کیلئے وقف ہے،،

جس طرح مسلمان ہونے کیلئے توحید و رسالت اور ضروریات دین کا اقرار ضروری ہے اسی طرح سنی مسلمان ہونے کیلئے رسول اللہ ﷺ کے ہر ہر صحابی سے محبت کرنا بھی لازمی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے محبت فرما کر اپنی رضامندی کی سند عطا فرمائی ہے صحابہ سے نفرت کرنا، ان کے بارے میں بغض و کینہ رکھنا ایمان سے حرماں نصیبی کی دلیل ہے۔

سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے نقل فرمایا: **"و لا نذکر الصحابة الا بخیر "** ہم صحابہ کو اچھائی کے ساتھ ذکر کرتے ہیں ہم ان کا تذکرہ کرتے وقت ان کو بھلائی اور اچھائی سے یاد کرتے ہیں، ہم ہمیشہ ان کے ذکر کے وقت ادب، احترام اور ان کی عظمت شان اور رفعت مقام کا خیال رکھتے ہیں،

عوام الناس کی طرح نہ یاد کرتے ہیں نہ ان کو درجہ دیتے ہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ''اذا ذکروا اصحابی فامسکوا'' (شرح فقه اکبر) جب تم میرے صحابہ کا ذکر کرو، تو بدکلامی سے اپنے آپ کو روکو، اسی لئے جمہور علماء کا مذہب ہے کہ ''ان الصحابة کلهم عدول قبل فتنة عثمان و علی و کذا بعدها'' (شرح فقه اکبر) ترجمہ: بے شک تمام صحابہ عثمان و علی رضی اللہ عنہما کے فتنہ و انتشار سے پہلے اور بعد بھی عادل ہیں،، یعنی مومن کامل، مقتدائے اکمل اور ہادی برحق، اور ہر نوع معصیت، اور ہر قسم کی بغاوت کی آلودگی اور آمیزش سے ان کے دامن پاک و شفاف ہیں۔

سنی، حنفی ہونے کیلئے ضروری ہے کہ ہر صحابی کا ذکر خیر کے ساتھ کیا جائے اور دل میں ان کے ادب، احترام، اور محبت کا بے پناہ جذبہ اور لازوال عقیدت رکھی جائے، کیونکہ ان کی محبت ہی رسول اللہ ﷺ کی محبت کی دلیل ہے اور ان کا احترام ہی، نبی اکرم ﷺ کے احترام و عظمت کی علامت ہے۔

ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے نقل فرمایا کہ: ففی شرح العقائد سب الصحابة والطعن فیهم ان کان ممایخلاف الادلة القطعية فکفر کقذف عائشة والافبدعة وفسق وهذا الصريح من العلامة ان سب الشيخين ليس بكفر عندالعامة ''(شرح فقه اکبر)

ترجمہ: شرح عقائد نسفی میں ہے کہ صحابہ کرام کو گالی دینا اور ان میں طعن کرنا اگر اس نوعیت کا ہو کہ اس سے ادلہ قطعیہ کی مخالفت لازم آتی ہو تو سب و طعن کرنے والا کافر ہو جائے گا جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر افک و قذف کا قول کرنے والا، اور اگر اس کے سب و طعن سے ادلہ قطعیہ کا انکار لازم نہ آتا ہو تو پھر وہ شخص بدعتی اور فاسق ہوگا،، علامہ تفتازانی کی اس تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ شیخین (ابو بکر صدیق، عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کو گالی دینا علماء کے نزدیک کفر نہیں۔

شرح عقائد کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شیخین کو سب و طعن کرنے والا کافر نہیں، مگر یہ جمہور علماء کا مذہب نہیں بلکہ یہ عام علماء کا قول ہے یہ عام علماء کون ہیں، متکلمین یا فقہاء اس کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی، جبکہ اس کے مقابل ملا علی قاری رحمہ اللہ خود تحریر فرما چکے ہیں کہ: وقد ذکر فی کتب

الفتاوی ان سب الشیخین کفر و کذا انکار امامتھا کفر ،ولا شک ان امثال ھذہ المسئلة مقبولة بین جمھور المسلمین "(شرح فقه اکبر)

ترجمہ: کتب فتاویٰ میں مذکور ہے کہ شیخین کو سب کرنا اور ان کی امامت کا انکار کرنا کفر ہے اور یہ مسئلہ جمہور مسلمانوں (علماء) کے درمیان مقبول ہے پھر آگے نقل فرمایا: کہ ان فتاویٰ کے قائلین کا کوئی پتہ نہیں اور دلائل تکفیر بھی قابل قدر نہیں۔

لیکن جواباً تحریر کیا جاتا ہے کہ ملا علی قاری نے خود تحریر فرمایا ہے کہ شیخین کے سابّ اور طاعن کی تکفیر کا مسئلہ جمہور مسلمانوں کے درمیان مقبول ہے جمہور امت مسلمہ (ماسوائے اہل بدعت ،اور اہل اہواء) نے شیخین کے ساب اور طاعن کی تکفیر کو رد کیا نہ برا منایا، ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے ان فتاویٰ کے قائلین کو مجہول اور مبہم فرمایا اور ان فتاویٰ کو غیر موثر اور بے وزن قرار دیا، جبکہ دنیائے احناف کے بے تاج بادشاہ اور خاتم المحققین علامہ ابن عابدین الشامی نے ان تمام فتاویٰ اور آئمہ کی فہرست پیش کی ہے اور باب الارتداد (باب المرتد) میں اپنی رائے ناقدانہ اور اپنا عندیہ بھی پیش فرمایا ہے جو پہلے ہم نقل کر آئے ہیں۔

سیّد صاحب نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی دو حدیثیں نقل کی ہیں، ان میں سے ایک حدیث (۱۲۴) ہم یہاں نقل کرتے ہیں وہ حدیث یوں ہے: "عن ابن عمر یقول قال رسول اللہ ﷺ ایما امرءٍ قال لاخیه یا کافر فقد بآء بھا احدھما ان کان کما قال و الا رجعت الیه "(مسلم شریف :حدیث:۱۲۴)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے دینی بھائی سے کہا اے کافر تو کفر دونوں میں سے کسی ایک کی طرف لوٹے گا اگر وہ شخص واقعی ہی کافر ہے تو ٹھیک ہے ورنہ کفر کہنے والے کی طرف لوٹے گا،(زبدۃ:۱۵۳)

حدیث پاک جزو ایمان ہے ہم امنا و صدقنا کی صدا بلند کرتے ہیں، اس سے راہ مفر، اور مجال انکار نہیں، لیکن حدیث پاک کے یہ الفاظ قال لاخیه جس کا ترجمہ سید صاحب نے دینی بھائی کیا ہے، توضیح

طلب ہے۔

سوال یہ ہے کہ دینی بھائی (لاخیہ) سے کیا مراد ہے؟ اہل قبلہ یا ہم عقیدہ؟ اہل قبلہ میں، جبریہ، قدریہ، روافض، خوارج، معتزلہ وغیرہ سب داخل اور اس میں شامل ہیں جبکہ ان تمام فرقوں کے عقائد، اہل سنت و جماعت کے عقائد کے خلاف اور مغائر ہیں، اور اہل سنت و جماعت کا متفقہ فیصلہ اور فتویٰ ہے کہ اہل سنت و جماعت کا نماز میں ان کی اقتداء کرنا ممنوع ہے سید صاحب نے خود زبدۃ کے ص:۱۴۲، پر اس کو تحریر کیا ہے، جب ایک سنی مبتدع کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا اور اگر اقتداء کرے گا تو نماز باطل ہوگی تو پھر سنی اور بدعتی ایک دوسرے کیلئے دینی بھای کیسے ہوئے؟ اگر دینی بھائی نہ ہوئے تو کفر کا دوسرے کی طرف لوٹنا چہ معنی دارد؟ نبی کریم ﷺ کا فرمان اس دینی بھائی کیلئے ہے جو ہم عقیدہ اور ہم مسلک ہو اگر اس سے مراد صرف اہل قبلہ ہوتی تو سنی اور غیر سنی کا ایک دوسرے کی اقتداء کرنا جائز ہوتا اور پڑھی جانے والی نماز باطل نہ ہوتی، اور اہل بدعت سے اجتناب کرنے کا حکم بھی نہ دیا جاتا۔

قطب ربانی، امام الاولیاء شیخ الاصفیاء محبوب سبحانی الشیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں:

"قال ﷺ فی روایۃ انسا ان اللہ عزوجل اختارنی وختارلی اصحابی فجعلھم انصاری وجعلھم اص ھاری وانہ یجیء فی آخر الزمان قوم ینقصونھم الافلا تشاربوھم الافلا تواکلھم الا فلا تناکحوھم الا فلا تصلوا معھم الا فلاتصلو اعلیھم، علیھم العنۃ" اور اس کا اردو ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں آپ ہی کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے پسند رمایا اور میرے لئے صحابہ کو پسند فرمایا پس ان کو میرا معاون اور رشتہ دار بنایا اور آخری زمانے میں کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو ان کی توہین کریں گے، خبردار ان کے ساتھ مت کھاؤ خبردار ان کے ساتھ مت پیئو، خبردار ان کے ساتھ نکاح نہ کرو، خبردار ان کے ساتھ نماز نہ پڑھنا، اور خبردار ان کی نماز جنازہ بھی نہ پڑھنا، ان پر لعنت ہے،، (غنیۃ الطالبین: ص:۲۶۹: فرید بکسٹال اردو بازار لاہور)

درمختار میں ہے: "ویکفرون اصحاب نبینا ﷺ وحکمھم حکم البغاۃ باجماع

الفقهاء كما حققه في الفتح وانما لم نكفرهم لكونه عن تاويل وان كان باطلا"

(درمختار :۴: ۲۶۲)

ترجمہ: اور یہ (جو اہل بغاوت ہیں) ہمارے نبی کریم ﷺ کے صحابہ کی تکفیر کرتے ہیں، ان کا حکم باغیوں کا ہے، اور اس پر تمام فقہاء کا اجماع ہے، اور محقق ابن الہمام نے فتح القدیر میں اس کی تصریح کی ہے لیکن اس کے باوجود ہم ان کی تکفیر نہیں کرتے کیونکہ وہ ایک تاویل کا سہارا لیتے ہیں، اگر چہ وہ تاویل باطل ہے، یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو جو کافر کہتے ہیں، جیسا کہ شیعہ کے ایک فرقہ کا عقیدہ باطلہ ہے، مگر پھر بھی ان کو کافر نہیں گردانا گیا، کیونکہ وہ باطل تاویل کرتے ہیں۔

لیکن ملا علی قاری رحمہ اللہ نے نقل فرمایا: "وفي شرح مسلم قال القاضي عياض هذا مما تعلقت الروافض وسائر فرق الشيعة في ان الخلافة كانت حقا لعلي رضي الله عنه انه وصى له بها فكفرت الروافض سائر الصحابة بتقديمهم غيره وزاد بعضهم فكفر عليا لانه لم يقم في طلب حقه ،وهؤ لاء استخف عقلا وافسدمذهبا من ان يذكرقولهم ولا شك في تكفي رهؤلاء لان من كفر الامة كلها والصدر الاول خصوصا فقد ابطل الشريعة وهدم الاسلام "(مرقات : ۱۱ : ۳۳۶) ترجمہ: مسلم شریف کی شرح میں قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ نے فرمایا یہی وہ حدیث ہے (انت مني بمنزلة هارون) جس کے بل بوتے روافض اور شیعہ کے سارے فرقے یہ دلیل دیتے ہیں کہ بے شک خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا اور نبی کریم ﷺ نے آپ کیلئے ہی وصیت فرمائی تھی۔ روافض تمام صحابہ کو کافر کہتے ہیں (نعوذ باللہ) کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بجائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا، اور بعض روافض حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی کافر کہتے ہیں، کیونکہ وہ بھی اپنا حق لینے کیلئے کھڑے نہ ہوئے یہ کہنا روافض کی خفت عقل اور فساد مذہب کی دلیل ہے کوئی شک نہیں یہ روافض جو صحابہ کرام کو معاذ اللہ کافر کہتے ہیں بلا شبہ کافر ہیں، کیونکہ انہوں نے پوری امت محمدیہ کو اور بالخصوص صدر اول (صحابہ) کو کافر کہا شریعت کو باطل قرار دیا اور صدر اول جو اسلام کا بنیادی دور اور عمارت اسلام کیلئے بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے اس کو

کافر کہا اور عمارت اسلام کی بنیادوں کو مسمار کر دیا۔

لہذا صحابہ کرام کو برا بھلا یا نعوذ باللہ کافر کہنے والے بدعتی اور باغی بلکہ محدثین اور فقہاء کے نزدیک ردائے کفر اوڑھنے والے ہیں وہ سنی مسلمانوں کے دینی بھائی کیسے ہو سکتے ہیں؟ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے تو ان کے ساتھ دینی اور دنیاوی تعلقات قائم کرنے اور قائم رکھنے سے منع فرما دیا ہے اگر سنی مسلمان اور اہل بدعت میں رشتہء اخوت موجود ہوتا تو دینی، شرعی معاملات میں شراکت سے کیوں منع فرماتے؟

لہذا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث سے مراد اور مفہوم وہ نہیں جو سید صاحب نے تحریر کیا ہے، سید صاحب نے تحریر کیا: سب سے پہلے جن پر شیعہ کا اطلاق ہوا ہے وہ تو صحابہ و تابعین کرام رضی اللہ عنہم ہیں، جن میں سرعنوان حضرت سلمان فارسی، ابوذر غفاری، جابر بن عبداللہ انصاری، ابوسعید خدری اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہم وغیرہم کا نام بولتا ہے،، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنی کتاب تحفہ اثناء عشریہ کے ص:۳: پر ارقام فرماتے ہیں:

"الفرقة الاولیٰ: الشيعة الاولى ويسمون الشيعة المخلصين ،، ايضا وهم عبارة عن الذين كانوا في وقت خلافة الامير كرم الله وجهه من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان كلهم عرفوا له حقه واحلوه من الفضل محله ولم ينتقصوا احدا من اخوانه اصحاب رسول الله ﷺ" (زبدة : ١٥٦) ترجمہ : پہلا فرقہ شیعہ اولیٰ ہے اور انہیں شیعہ مخلصین بھی کہا جاتا تھا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو جناب امیر کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے وقت موجود تھے مہاجرین وانصار اور وہ جنہوں نے اچھے طریقے سے ان کی پیروی کی سبھی نے (شیعان علی) نے آپ کا حق پہچانا اور ان کو ان کی شان کے مطابق فضیلت دی اور آپ کے بھائیوں میں سے کسی کی شان میں کوتاہی نہیں کی۔

سید صاحب نے اس سے درج ذیل نتیجہ اخذ کیا: اب بقول شاہ عبدالعزیز صاحب کے شیعہ اولیٰ متبعین مرتضی رضی اللہ عنہ کا نام ہے جو صحابہ و تابعین تھے (رضی اللہ عنہم)

جواباً کہا جائے گا کہ: شاہ صاحب کی عبارت میں شیعہ لغوی معنی یعنی متبعین کے معنی میں استعمال ہوا ہے اس سے مراد عرفی اور اصطلاحی معنی نہیں، کیونکہ شاہ صاحب کی عبارت ایک مخصوص ماحول اور مخصوص حالات کی طرف اشارہ کر رہی ہے یہ وہ صحابہ اور تابعین ہیں جو آپ کے دور خلافت میں آپ کے متبع اور دل و جان سے آپ کی حمایت کرتے تھے، جنہوں نے مسئلہ خلافت میں آپ کا ساتھ دیا، اور ہر قسم کی بھلائی اور تعاون کیلئے سرگرم عمل رہے اور علی الاعلان یہ کہتے تھے کہ خلافت آپ رضی اللہ عنہ کا حق ہے اور یہ کہ فضل و شرف اور استحقاق خلافت میں آپ کے علاوہ دوسرا کوئی شخص نہیں، شرائط خلافت اور معیار خلافت آپ رضی اللہ عنہ میں ہی پائے جاتے ہیں، اور آپ کے دور خلافت میں کسی دوسرے شخص کا خلیفہ بننا اور استحقاق خلافت کا دعوی کرنا ہرگز جائز نہیں، لیکن انصار و مہاجرین کا گروہ جہاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا امور خلافت میں متبع پیروکار اور تابع فرمان تھا، وہاں خلفائے ثلثہ (شیخین، عثمان غنی) رضی اللہ عنہم کے خلاف ایک حرف بھی زبان پر نہیں لاتے تھے، ان کی تنقیص شان نہیں کرتے تھے بلکہ رسول اللہ ﷺ کے تمام صحابہ جو دینی بھائی تھے کی حد درجہ تعظیم اور ادب کی نگاہ سے دیکھتے تھے جیسا کہ شاہ صاحب مرحوم کی عبارت: ولم ینتقصوا احدا من اخوانه سے روز روشن کی طرح واضح ہے۔

یہ شیعہ اولی شیخین کے ساب و لاعن و طاعن نہیں تھے نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کا وصی اور خلیفہ بلافصل کے قائل تھے اور نہ ہی چند صحابہ کو چھوڑ کر باقی تمام صحابہ کرام کو نعوذ باللہ کافر کہنے والے تھے، یہ لوگ نبی کریم ﷺ کے صحابہ، اور صحابہ کے تربیت یافتہ تابعین تھے یہ لوگ خیر القرون قرنی ، ثم الذین یلونھم کی پیداوار، اتباع رسول اللہ ﷺ اور اقتداء صحابہ رضی اللہ عنھم کے علمبردار اور آئینہ دار تھے۔ ان کی گفتار اور ان کے کردار میں عبداللہ بن سبا کی ایجاد کردہ شیعیت کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ ان کی شیعیت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے اسوۂ حسنہ کی کامل تعبیر و تشریح تھی ان کے قلوب و اذہان صحابہ، شیخین پر سب و طعن کی کدورت سے پاک تھے، ابن سبا کی تراشیدہ شیعیت کا لبادہ ان نفوس قدسیہ کو پہنانا ہرگز جائز نہیں۔

ان کی شیعیت رسول اللہ ﷺ کے صحابہ پر سب وشتم ،غصب خلافت ،اور تکفیر صحابہ سے ان شیعہ اولیٰ کے قلوب واذہان پاک اور صاف تھے، کیا سید صاحب صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کی مخلصانہ اور غیر جانبدارانہ اتباع کو ابن سباء کی تراشیدہ اور خراشیدہ شیعیت کا لبادہ اوڑھانا چاہتے ہیں ،واللہ ایسا ہوسکتا ہے نہ ممکن ہے۔

جن صحابہ،اور تابعین کو شاہ صاحب نے شیعہ مخلصین کہا ہے کیا عبداللہ بن سباء کی شیعیت اور اس کے پیروکاروں میں کوئی قدر مشترک ہے اگر قدرے مشترک ہوتی یا ان کے درمیان مساوات اور تواطو ہوتی تو جمہور علمائے امت اہل تشیع کو مبتدع کیوں قرار دیتے ؟اوران کے پیچھے نماز پڑھنا کیوں ممنوع ہوتا تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان صحابہ اور تابعین کو محض حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مخلصانہ ساتھ دینے کی وجہ سے شیعہ (متبع) کہا گیا ہے ورنہ حقیقت میں وہ لوگ اہل سنت و جماعت تھے۔شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا:''پس لشکریان حضرت امیر بسبب ردوقبول وسوسہ ایں شیطان لعین چہار فرقہ شد،اول فرقہ شیعہ اولی،وشیعہ مخلصین کہ پیشوایان اہل سنت و جماعت اند برروش جناب مرتضوی درمعرفت حقوق اصحاب کبار وازواج مطہرات و پاسداری ظاہر و باطن باوصف وقوع مشاجرات مقاتلات وصفائی سینہ وبرأت ازغل ونفاق گذرانیدند وایشاں راشیعہ اولیٰ وشیعہ مخلصین نامند،وایں گروہ من جمیع الوجوہ بحکم ان عبادی لیس لک علیھم سلطان ازشرآں ابلیس پرتلبیس محفوظ ومصئون ماندند''
(تحفہ اثناءعشریہ:۵)

ترجمہ:حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکری اس شیطان لعین (عبداللہ بن یہودی) نے ان میں جووسوسہ ڈالا تھا اس کی تردید اور قبولیت کے لحاظ سے چار فرقوں میں تقسیم ہوگئے ،پہلے فرقے کا نام شیعہ اولیٰ اور شیعہ مخلصین تھا،یہ لوگ اہل سنت و جماعت کے پیشواء اور مقتداء تھے،اصحاب کبار ازواج مطہرات کے حقوق کی معرفت میں ان کا وہی طرز عمل تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تھا،صحابہ کے درمیان (حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ)اختلافات اور لڑائیاں ہوئی تھیں اس کے باوجود ان کے حق میں سینے صاف اور ظاہر وباطن میں ان کی عزت واحترام کی پاسداری کرتے ،اوران کے دل بغض

ونفاق سے پاک تھے، ان لوگوں کو شیعہ اولیٰ، اور شیعہ مخلصین کا نام دیا گیا تھا اور یہ گروہ ہر لحاظ سے ان عبادی لیس لک علیھم سلطان کا مصداق تھا، اس ابلیس پر تلبیس (عبداللہ بن سباء) کی شر سے یہ لوگ محفوظ اور مامون تھے،،

شاہ صاحب کی عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ وہ شیعہ اولیٰ، اور شیعہ مخلصین اہل سنت والجماعت کے پیشوا تھے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ شیعہ نہ تھے، اگر شیعہ ہوتے تو اہل سنت و جماعت کے مقتداء اور پیشواء کس طرح ہوتے؟ یا اہل سنت و جماعت ان کو اپنا دینی، مذہبی راہنما کیوں بناتے،،

ان حضرات کے عقائد شیعہ کے عقائد سے قطعی مغائر اور متضاد تھے، یہ حضرات رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات اور اصحاب کبار (ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما) کے مقام اور مرتبہ کے حقوق کے نگہبان اور پاسدار تھے، صحابہ کے درمیان منافشات اور مشاجرات ہونے کے باوجود کسی بھی فریق کو برا بھلا نہ کہتے ہر صحابی کے بارے میں صاف دل تھے، عبداللہ بن سباء یہودی کی ابلیسانہ تعلیمات اور وساوس کا ان پر کوئی اثر نہ تھا، جبکہ بقیہ تین فرقے اس کی ابلیسانہ تعلیم، اور کفریہ وساوس کے زیر اثر تھے، یعنی شیعیت کا تصور تک ان کے دل ودماغ میں نہ تھا، ان کا عقیدہ اور عمل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عقیدہ اور عمل جیسا تھا۔

ان نفوس قدسیہ کو سید صاحب نے کس طرح عرفی اور اصطلاحی شیعہ سمجھ لیا ہے معلوم ہوتا ہے سید صاحب نے شاہ صاحب رحمہ اللہ کی پوری تحریر نہیں پڑھی اگر پڑھی ہے تو پوری نقل نہیں کی، اور جو نقل ہے یہ تحفہ اثناعشریہ فارسی ص:۵: مطبوعہ کتب خانہ اشاعت اسلام مٹیا محل دہلی پر موجود ہے، سید صاحب نے شاہ صاحب رحمہ اللہ کی عبارت میں واقع الشیعۃ الاولی ویسمون الشیعۃ المخلصین کے الفاظ کو مبنی استدلال بنا کر دور حاضر کے عرفی اور اصطلاحی شیعہ کو تحفظ دینے اور ان نفوس قدسیہ جو صحابہ اور تابعین تھے،، میں شامل کر کے کلی متواطی کے زیر حکم لانے کی کوشش کی ہے بالفرض اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ الشیعۃ کلی متواطی ہے؟ تو کیا یہ ممکن ہے کہ شیعہ اولیٰ، شیعہ مخلصین اور دور حاضر یا وہ شیعہ جو عرفی اور اصطلاحی طور پر شیعہ ہیں یا ہوئے ہیں ان سب پر بطریق تساوی اور تواطی شیعہ کا اطلاق ہو سکے؟ حضرت علی

رضی اللہ عنہ کے دور کے پیروکار تو شیعہ اولیٰ ہیں اور یہ اولیٰ نہیں، وہ مخلصین تھے یہ مخلصین نہیں بلکہ اہل بدعت ہیں وہ صحابہ اور تابعین کا گروہ تھا یہ صحابہ و تابعین کو نعوذ باللہ اسلام سے خارج کرنے والے ہیں، وہ شیخین ازواج مطہرات اور دیگر صحابہ کی دل و جان سے تعظیم و تکریم کرنے والے تھے اور یہ شیعہ چند صحابہ کو چھوڑ کر باقی سب کی تکفیر کرنے والے ہیں، وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے متبع اور صحابہ کے پیروکار تھے، اور یہ عبداللہ بن سباء کے پیروکار ہیں کوئی مسلمان شیعہ اولیٰ، شیعہ مخلصین، اور شیعہ عرفی اور شیعہ اصطلاحی کے درمیان کسی بھی لحاظ سے نسبت تساوی یا اطلاق تواطی کا عقیدہ نہیں رکھتا، وہ حضرات ان عبادی لیس لک علیھم سلطان کی ضمانت میں ہیں جبکہ ان کیلئے تحفظ کا وعدہ ہے نہ ضمانت کا، غرضیکہ زمانہ میں اختلاف ہے، عقائد و عمل کا اختلاف لہذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور کے شیعہ اولیٰ، شیعہ مخلصین اور ادوار سابقہ یا دور حاضر کے اہل تشیع پر کلی متواطی کے طور پر شیعہ کا اطلاق علوم وفنون کی دنیا میں ممنوع اور ناجائز ہے، لغت میں شیعہ، پیروکار اور مددگار کو کہتے ہیں ،،"الشیعۃ فرقہ، واحد، تثنیہ، اور جمع اس میں برابر ہین، اور جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرفدار ہوئے" (المنجد)

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے "وان من شیعتہ" کے تحت فرمایا: "ای من اھل بیتہ وعلی دینہ وعلی منھاجہ" معنی الشیعہ یعنی وان ممن شایعہ علی دینہ وتقواہ" (کبیر)

ترجمہ: شیعہ وہ ہے جو اپنے مقتداء کے اہل بیت سے ہو اس کے دین پر ہو اور اس کے طریق عمل پر ہو۔

علامہ سید محمود آلوسی نے فرمایا: "ای ممن شایع نوحا وتابعہ فی اصول الدین" (روح المعانی)

ترجمہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام، نوح علیہ السلام کے پیروکاروں میں سے تھے اور دین کی بنیادی ضروریات میں آپ کی اتباع کرنے والے تھے لغوی اور تفسیری معنی کے مطابق شیعہ وہ ہے جو اپنے مقتداء کا اہل دین ہو،، اعتقاد و عمل میں اس کا متبع اور پیروکار ہو،، اس توضیح کے بعد صحابہ و تابعین جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیروکار اور امور خلافت میں حامی اور مددگار رہتے حضرت علی رضی اللہ عنہ

کے ہم عقیدہ اور ہم عمل تھے ان کے اور عرفی و اصطلاحی شیعہ کے درمیان لفظ شیعہ کا سہارا لے کر تساوی اور تواطی کی نسبت قائم کرنا، اور کوئی حکم جاری کرنا غلط ہے، شیعہ کو مختلف نظریات اور متعدد گروپوں میں پنپنے کا موقعہ اس وقت میسر آیا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لائے اور یہ بدعقیدہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سپاہ میں داخل ہوئے اسی لئے جناب حیدر کرار نے یہ حکم نامہ جاری فرمایا تھا کہ جس نے مجھے شیخین سے افضل سمجھا اور افضل قرار دیا وہ مفتری ہے ثابت ہو جانے پر میں اس کو اسی کوڑوں کی سزا دونگا۔

شیعہ اولیٰ اور شیعہ مخلصین کی جو تعریف شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کے حوالے سے سید صاحب نے نقل فرمائی ہے عرفی اور اصطلاحی شیعہ کا کوئی فرد اس تعریف سے متصف ہے؟ اگر نہیں تو سید صاحب کو علی الاطلاق شیعہ کا دفاع نہیں کرنا چاہیے،، سید صاحب نے امام جلال الدین سیوطی کی تفسیر درمنثور: ۸: ۵۸۹،، سے ابن عساکر کی تخریج کردہ حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی یہ حدیث نقل کی ہے: ’’کنا عند النبی فاقبل علی فقال النبی والذی نفسی بیدہ ان ھذا و شیعتہ لھم الفائزون یوم القیامۃ‘‘ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، یہ شخص اور اس کے شیعہ ہی یوم قیامت میں کامیاب ہونے والے ہیں: زبدۃ: ص: ۱۵۶‘‘ مزید یہ بھی نقل کیا کہ: جب یہ آیت نازل ہوئی ’’ان الذین امنوا و عملو االصالحات اولئک ھم خیر البریۃ قال رسول اللہ ﷺ لعلی انت وشیعتک یوم القیامۃ راضین مرضین ‘‘ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہی لوگ سب سے اچھی مخلوق ہیں، تو سرکار دو عالم ﷺ نے جناب مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے فرمایا وہ سب سے اچھی مخلوق تو ہے اور وہ تیرے شیعہ ہیں، جو قیامت کے دن خوش ہوں گے اور خوش کیے جائیں گے،، زبدۃ ص: ۱۵۷‘‘ جواباً کہا جائے گا کہ شیعیان علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس میں موجود نہیں تھے، اس وقت صرف مومنین مخلصین (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) تھے اور منافقین تھے، اگر رسول اللہ ﷺ نے جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ کو مخاطب فرما کر یہ خوشخبری دی ہے تو اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے آپ کے دور خلافت میں آپ کا

ساتھ دیا، اور آپ کیلئے استحقاق خلافت تسلیم کیا اعتقاد و عمل میں آپ کے پیروکار بنے، یہ وہی صحابہ وتابعین ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے عبداللہ بن سباء کے وساوس شیطانی سے محفوظ رکھا جن کو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے شیعہ اولیٰ یا شیعہ مخلصین کا نام دیا ہے،، ان کے علاوہ شیعہ کے جتنے فرقے ہیں وہ اس اعزاز اور اس فضیلت کے مستحق نہیں، کیونکہ فقہاء اسلام نے فرمایا ہے کہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین پر فضیلت دے وہ بدعتی ہے،، جیسا کہ علامہ ابن عابدین الشامی کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے، علامہ ابن عابدین الشامی نے نقل فرمایا:

"وفی الفتح عن الخلاصۃ ومن انکر خلافۃ الصدیق او عمر فھو کافر، ولعل المراد ان کار استحقاقھما الخلافۃ فھو مخالف لا جماع الصحابۃ لا انکار وجودھا لھما "

بحر، ردالمختار: جلد ۱: ۵۶۱)

ترجمہ: محقق ابن الہمام رحمہ اللہ نے فتح القدیر میں خلاصہ کے حوالے سے نقل فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کا منکر کافر ہے،، علامہ شامی اس کی توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شاید صاحب خلاصہ کی مراد نفس خلافت کا انکار نہ ہو، بلکہ مراد یہ ہو کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما خلافت کے مستحق نہ تھے اس لئے ایسا عقیدہ رکھنے والا کافر ہو، کیوں کہ استحقاق خلافت کا انکار، اجماع صحابہ کا انکار ہے اور اجماع صحابہ کا انکار کفر ہے۔ اہل اھوا اور اہل بدعت کے متعدد فرقے ہیں مگر اہل سنت و جماعت کا ایک ہی گروہ ہے جو جمہور امت، یا سواد اعظم کے نام سے مشہور ہے، اہل اھواء ہوں یا اہل بدعت یا اہل سنت ضروریات دین کا جو بھی منکر ہو گا وہ بالاتفاق اور بالاجماع کافر ہے۔

سوال یہ ہے کہ اہل سنت و جماعت ہی کیا جو ضروریات دین کا منکر ہو وہ کفر ہے، اہل سنت و جماعت وہی ہوں گے جو جمہور امت کے پیروکار، اعتقاد و عمل میں ان کے نقش قدم پر چلنے والے ہوں گے اور یہ حکم اس شخص کیلئے ہے جو اہل سنت ہو کر ضروریات دین کا منکر ہو مگر اہل اھواء اور اہل بدعت پر ضلالت کا حکم نافذ ہے اور یہ حکم بحیثیت فرد نہیں بلکہ بحیثیت فرقہ اور گروہ ہے،، پھر اہل بدعت (اہل

تشیع) کے کئی فرقے ہیں ان میں ایک فرقہ غالی ہے، جس کا عقیدہ یہ ہے کہ وحی نازل کرنے میں جبریل علیہ السلام نے غلطی کا ارتکاب کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے وحی دے کر جبریل علیہ السلام کو حضرت علی کی طرف بھیجا تھا مگر غلطی سے انہوں نے وحی رسول اللہ ﷺ پر کر دی، ایسا عقیدہ رکھنے والے اہل تشیع کے گروہ کو بالاتفاق فقہاء اور متکلمین نے کافر کہا ہے شیعہ کے دوسرے فرقے کا نام شیعہ تفضیلیہ ہے: جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ پر تفضیل دیتے ہیں، اور تیسرا فرقہ شیعہ سبیہ ہے، اور اسی فرقہ کا نام تبرائیہ ہے، یہ فرقہ تمام صحابہ کو ظالم، غاصب اور کافر کہتا ہے (نعوذ باللہ من ذالک) اور پہلا فرقہ شیعہ اولیٰ ہے جو شیعہ مخلصین کے نام سے مشہور ہے یہ اقسام شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے تحفہ اثنا عشریہ میں ص: ۵،، پر بیان فرمائی ہیں۔

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے ابن عساکر کے حوالے سے جو حدیث نقل فرمائی ہے اس میں لفظ شیعہ سے مراد پیروکار ہیں آپ کے معاونین اور آپ کے مخلصین ہیں جو اعتقاد و عمل میں آپ کی اقتداء کرتے ہیں، اس سے مراد ہر نوع کا شیعہ نہیں بلکہ صرف آپ کے دور خلافت میں جب کہ فتنہ وفساد پھیلا اور انہوں نے خلافت آپ کا استحقاق سمجھ کر آپ کو اپنے زمانہ کا سب سے افضل اور سب سے اعلیٰ تسلیم کر کے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی،، اور آپ کے دست و بازو بنے،، آیہء مقدسہ میں اولئک ھم خیر البریۃ جملہ ہے اولئک اور ھم، ضمائر جمع ہیں، جو ایک جمعیت پر دلالت کرتے ہیں اور اس سے مراد اور اس کا مدلول مومنین ہیں،، امام رازی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''بیان لمحاسن المومنین اثر بیان سوء حال الکفرۃ'' ترجمہ: آیت ان الذین امنوا و عملوا الصالحات اولئک ھم خیر البریۃ میں مومنین کے محاسن کو کفار کی بدحالی اور زبوں حالی کے بعد بیان فرمایا گیا ہے،،

سید محمود آلوسی رحمہ اللہ نے فرمایا: ای المنعوتون بما ھو الغایۃ القاصیۃ من الشرف و الفضیلۃ من الایمان و الطاعۃ ''ترجمہ: یعنی اس آیہء کریمہ میں ان لوگوں کی انتہائی فضیلت، عظمت کو بیان فرمایا گیا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان کامل اور اطاعت اکمل کی بدولت عطا فرمائی ہے اس فضیلت اور

اس انعام سرمدی میں اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جاں نثار، اور پیروکار داخل ہوں تو عین ایمان ہے، اور یہ خصوصی اعزاز اور اکرام انہی کیلئے ہو تو امنا و صدقنا ہے۔

لیکن اگر حدیث مبارک کا مدلول قیامت تک آنے والے ہر قسم کے شیعہ کیلئے پھیلا دیا جائے اور اس سعادت کا تاج اس کے سر پر بھی رکھ دیا جائے تو الفاظ حدیث قبول نہیں کریں گے،،

حضرت علی بے شک خیر البریہ ہیں، مگر خلفائے ثلثہ کے بعد آپ کے دور خلافت کے شیعہ جو آپ کے اعتقاد و عمل میں پیروکار رہوئے وہ بھی خیر البریہ ہیں مگر آپ کے دور خلافت میں شیعہ کے وہ فرقے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیروکار، متبع اور آپ کے نقش قدم پر چلنے والے نہ تھے وہ خیر البریہ میں کیسے داخل ہوں گے؟۔ سید صاحب نے تحریر فرمایا کہ علماء عقائد کی تحقیق کے مطابق مبتدعہ میں سب سے بڑا فرقہ خوارج کا ہے، فتح القدیر سے تین حوالہ جات نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ جب حیدر کرار کو کافر کہنے والوں کو محققین نے کافر نہیں کہا تو اور کسی کو مبتدع کہہ کر کافر کہنا کہاں کا انصاف ہوگا؟

جواباً کہا جائے گا کہ جو اہل بدعت ادلہ قطعیہ کے منکر ہیں وہ بلاشبہ کافر ہیں، تمام اہل بدعت علی الاطلاق کافر نہیں،،

لیکن ایک سوال اپنی جگہ قائم ہے کہ:۔ سید صاحب نے زبدۃ کے ص: ۱۵۲، ۱۵۳ پر مسلم شریف کی تین احادیث نقل فرمائی ہیں: جن میں سے پہلی حدیث کا ترجمہ نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے یہ ترجمہ بھی سید صاحب نے کیا ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے دینی بھائی کو کافر کہتا ہے تو دونوں میں سے کسی ایک شخص کی طرف کفر ضرور لوٹتا ہے، ،خوارج کو علماء نے کافر نہیں کہا تو خوارج مسلمان ہوئے، جب انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو نعوذ باللہ کافر کہا تو یہ کفر خوارج کی طرف لوٹا یا نہیں؟ اگر لوٹا تو یہ خوارج مسلمان کہاں ہوئے؟ جبکہ ان کا قول کفر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو اتر کو پہنچا ہوا ہے پھر ان کے قول کفر کی بنیاد تحکیم ہے، اس کی کوئی تاویل نہیں یہ تو بالکل واضح ہے،، اگر ان کا قول کفر ان کی طرف لوٹتا ہے اور یقیناً لوٹتا ہے تو اہل علم کا ان کو کافر نہ کہنا کس وجہ سے ہے؟ جو ذات والائے صفات سابقین

الاولین میں سے ہو، عشرہ مبشرہ میں سے ہو جسکی عظمت شان میں وارد احادیث سے کئی جلدیں مرتب ہو سکتی ہوں، جس کے مقام رفیع کو قرآن نے بیان کیا ہو، جو اپنے دور کا خیر البریہ ہو نعوذ باللہ اس کو کافر کہنا آسان بات ہے؟ کیا اس کو کافر کہنے والا مسلمان رہتا ہے؟

جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ ہم تمہیں اللہ کی مساجد میں ذکر کرنے سے نہیں روکتے، اور تمہیں مال غنیمت سے بھی نہیں روکتے جب تک تمہارے ہاتھ ہمارے ہاتھوں سے ملے ہوئے ہیں،، یہ الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ جب تک تم ہمارے ساتھ امور خلافت میں شریک کار رہو گے ہم تمہارے ساتھ اچھا سلوک کریں گے اور جہاد و قتال میں شرکت کے باعث مال غنیمت سے حصہ بھی عطا فرمائیں گے، یعنی جب تک تم حق کے ساتھ شریک رہو گے حق کا ساتھ دو گے، حق کے فروغ اور سربلندی کیلئے ہمارے ساتھی بنے رہو گے ہم تمہارے حقوق اور جان و مال کے تحفظ کے ذمہ دار ہوں گے، یہ جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ کا بلند پایہ سیاسی اور اخلاقی فیصلہ تھا، اس وسیع القلبی سوچ کو اس بات کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا کہ وہ کامل مسلمان تھے۔

علامہ ابن عابدین شامی نقل فرماتے ہیں: "کما وقع للخوارج الذین خرجوا من عسکر علی علیہ السلام بزعمھم انہ کفر ھو و من معہ من الصحابۃ حیث حکم جماعۃ فی امر الحرب الواقع بینہ و بین معاویۃ و قالوا ان الحکم الا للّٰہ "(شامی: ۴ : ۲۶۲)

جس طرح خوارج کیلئے واقع ہوا جو حضرت رضی اللہ عنہ کے لشکر سے نکل گئے اور آپ کے خلاف انہوں نے بغاوت کی، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرا میر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان صفین کے مقام پر جو جنگ ہوئی تھی اس کے معاملہ میں چند صحابہ کو بغرض فیصلہ ثالث مقرر فرمایا تھا، اس باغی گروہ کے وہم میں ایسا کرنا کفر تھا، اور اسی کی بناء پر اس باغی گروہ نے آپ رضی اللہ عنہ اور آپ کے حامی صحابہ اور تابعین کو کافر قرار دیا تھا، (نعوذ باللہ)

جب یہ بات ثابت اور بطریق تواتر منقول ہے کہ خوارج نے جناب حیدر کرار اور آپ کے حامی اور ساتھی صحابہ اور تابعین کو للکار للکار کر کافر کہا ہے تو خوارج کو کافر نہ کہنے کی وجہ؟ صاحب در مختار نے فرمایا

:۔وانما لم نکفرھم لکونه عن تاویل وان کان باطلا"(۲۶۲) بے شک ہم نے ان کو کافر نہیں گردانا کیونکہ ان کے پاس قول تکفیر کی ایک تاویل ہے اگرچہ وہ تاویل باطل ہے، وہ تاویل یہی ہے کہ "ان الحکم الا للّٰه" تحکیم صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے خود ارشاد فرمایا :"ان الحکم الا لِلّٰه ،کلمة حق ارید بھا باطل "ان الحکم الا لِلّٰه کلمہء حق ہے مگر اس سے جو معنی اور مراد لیا گیا ہے وہ باطل ہے جب جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ خوارج جس تاویل کی بناء پر قول تکفیر کرتے ہیں وہ تاویل باطل ہے جب تاویل کے بطلان پر باب العلم کی مہر تصدیق ثبت ہوگئی تو پھر اس کا سہارا لے کر خوارج پر حکم تکفیر جاری نہ کرنا واقعی علماء وفقہاء کے دل گردے کی بات ہے، اتنی بڑی بات تو وہی نظر انداز اور وہی ہضم کر سکتے ہیں" رحمہم اللہ تعالیٰ) درمختار میں ہے:"ویستحلون دمائنا واموالنا ویسبون نسائنا ویکفرون اصحاب نبیا صلی اللہ علیہ وسلم وحکمھم حکم البغاة باجماع الفقھاء کما حققه فی الفتح" (۲۶۲)

ترجمہ: وہ خوارج ہمارا خون بہانا ہماری جائیدادوں مال واسباب کو لوٹنا، اور ہماری عورتوں کو قیدی بنانا جائز سمجھتے ہیں، اور وہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کو کافر کہتے ہیں، ان کا حکم باجماع فقہاء باغیوں کا ہے،، جیسا کہ فتح القدیر میں اس کی تحقیق کی گئی ہے۔

غنیۃ الطالبین میں ہے خوارج حضور علیہ السلام کے صحابہ اور انصار کو گالیاں دیتے ان سے بیزاری کا اظہار کرتے (معاذ اللہ) کافر، گناہ کبیرہ کا مرتکب خیال کرتے اور ان کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں، عذاب قبر حوض کوثر اور شفاعت کے منکر ہیں، گنہگار مسلمان کو دائمی ابدی دوزخی قرار دیتے ہیں۔

میزان، حوض کوثر، شفاعت، پل صراط، حساب وکتاب، جنت، دوزخ کا وجود ادلہ قطعیہ سے ثابت ہے ان امور واقعیہ کا انکار ادلہ قطعیہ کے انکار کو مستلزم ہے، ان کے عقائد اور معتزلہ کے عقائد میں کافی حد تک مشابہت ہے۔ بایں ہمہ خوارج پر کفر کا حکم جاری نہ کرنے کی شرعی وجوہات کیا ہیں؟ زبدۃ ص: ۱۶۲ پر سید صاحب نے عنوان قائم کیا امام طبری اور دیگر آئمہ اہل سنت پر شیعیت کے الزام کی حقیقت سید صاحب نے یہ عنوان اس لیئے قائم کیا کہ مولانا محمد علی لاہوری نے "کتاب میزان الکتب باب

اول کتاب بست و دوم میں جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ کو شیعہ تحریر کیا سید صاحب نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے' اور مولانا محمد علی لاہوری کے موقف اور ان کی تحریر اور ثبوت کو غلط ثابت کیا ہے، مولانا محمد علی لاہوری نے دنیائے اسلام کے نامور محدث، مورخ، مفسر حافظ عماد الدین ابن کثیر کی معرکۃ الآراء تاریخ البدایہ والنہایہ سے اپنے موقف کی تائید میں حوالہ بھی تحریر کیا ہے، ہم لمبی، چوڑی تمہید سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف مفید مطلب امور کا ذکر کریں گے،، بنیادی طور پر یہ جاننا ضروری ہے کہ طبری کہلانے والے تین علماء کا نام کتابوں میں مذکور اور مشہور ہے،، ''اول محمد بن جریر بن رستم طبری آملی،، اس شخص کے شیعہ ہونے میں کسی کو انکار نہیں،، (الذریعہ) الکنی والقاب اعیان شیعہ وغیرہ کتب میں اس کے (شیعہ ہونے) اہل تشیع ہونے کی تصریح موجود ہے،، دوم محمد بن جریر بن یزید طبری تاریخ طبری کے مصنف اور تفسیر طبری کے مؤلف یہی ہیں،، ان کا بظاہر شمار اہل سنت کے علماء میں ہوتا ہے لیکن ان پر تشیع کا الزام دلائل کے ساتھ کیونکہ ایسے اختلافی مسائل جن میں اہل سنت اور اہل تشیع کا اختلاف ہے ان مین ان کا اہل تشیع کی طرف جھکاؤ ہے، اسی بناء پر ان کی تحریرات ہم اہل سنت پر حجت نہیں ہوسکتیں،، تیسرا شخص محمد بن عبد اللہ محبّ الدین طبری ہے جس کی مشہور تصنیف الریاض النضرۃ ہے،، (میزان الکتب: ۳۱۶)

ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید طبری کے متعلق شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں آنکہ مخادعہ میکنند با مورخین اہل سنت یعنی دیگر مثلاً کتابے در تاریخ نویسند و دروں کتاب از تواریخ معتبرہ اہل سنت نقل نمایند و اصلاً خیانت در نقل نکنند لیکن چوں نوبت بذکر صحابہ و مشاجرات آنہا رسد بعضے قد حیات ایساں از کتاب محمد بن جریر طبری شیعی کہ در مثالب صحابہ تصنیف کردہ یا از کتاب او در امامت نوشتہ ایضاح المسترشد نام او نہادہ نقل نمایند و نام آں کتاب صریح نگویند پس در ینجا ناظرین را غلط افتد کہ شاید مراد کتاب محمد بن جریر طبری شافعی است کہ بتاریخ کبیر مشہور است و اصح التواریخ است پس مورخان نقل در نقل نمایند اور موجب تحیرے شود و متبعین آں نقل در ورطہ ضلالت گرفتار شوند و ایں کتاب یعنی تاریخ کبیر بسیار عزیز الوجود است کم کسے را نسخہ او میسر آمدہ آنچہ نزد مردم مشہور است

مختصر اوست کہ از محرفات سمساطی الشیعی است ،، (تحفہ اثنا عشریہ: ۵۷) ترجمہ: اہل تشیع ایک اور طریقے سے اہل سنت کے مورخین کو دھوکہ دیتے ہیں ، اس مواد کے نقل کرنے میں بالکل خیانت نہیں کرتے ، لیکن جب صحابہ کرام کا تذکرہ اور ان کے درمیان اختلافات کا مقام آتا ہے تو محمد بن جریر طبری شیعی کی کتاب سے نقل کرتے ہیں جو اس نے صحابہ کی تنقیص شان میں تحریر کی ہوئی ہے یا اس کی اس کتاب سے نقل کرتے ہیں جس کا نام ایضاح المسترشد ہے اور امامت کے مسئلہ میں تصنیف کی ہے اس کتاب کا حوالہ نہیں دیتے اور نہ ہی اس کا نام تحریر کرتے ہیں ،، یہاں آ کر ناظرین غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ شاید یہ کتاب محمد بن جریر طبری شافعی کی ہے جو کہ تاریخ کبیر کے نام سے مشہور ہے اور تاریخ کی کتب میں سب سے زیادہ صحیح تاریخ ہے ، مورخ نقل سے نقل کرتے ہیں ، اور حیرت میں ڈوب جاتے ہیں ، اور اس نقل کی اتباع کرنے والے گمراہی میں گرفتار ہو جاتے ہیں ، یہ تاریخ کبیر جو محمد بن جریر طبری شافعی کی تصنیف ہے انتہائی ناپید ہے بہت کم لوگوں کو اس کا نسخہ مل جائے تو مل جائے ، اور تاریخ طبری جو لوگوں میں مشہور ہے یہ سمساطی شیعی کی تحریفات کا مجموعہ ہے ،،

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تفصیل سے ثابت ہوا کہ محمد بن جریر طبری شیعہ ہے اور اس نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی کسر شان میں ایضاح المسترشد نامی کتاب لکھی ہے جس میں مسئلہ خلافت کو تحریر کیا اور صحابہ کرام کو ہدف تنقید بنایا ، اس کے برعکس تاریخ کبیر ، امام محمد بن جریر طبری شافعی رحمہ اللہ نے لکھی ہے جو نایاب ہے یہ بلند پایہ تاریخ کی کتاب ہے ، عوام مین جو تاریخ طبری کے نام سے مشہور ہے یہ سمساطی شیعی کی تحریفات اور محمد بن جریر طبری کی تاریخ کا چربہ ہے ،، یہ محمد بن جریر طبری شافعی رحمہ اللہ کی تصنیف نہیں ،، یہ شیعہ مسلک کی ترجمان ہے ،، خلاصہ یہ ہے کہ تاریخ طبری جو اس وقت دستیاب اور عوام میں مشہور ہے یہ محمد بن جریر طبری شافعی کی نہیں محمد بن جریر طبری شیعی کی ہے اہل سنت و جماعت کیلئے حجت نہیں ۔۔

مولانا محمد علی لاہوری نے البدائیہ والنہایہ سے ابو جعفر محمد بن جریر الطبری کی شیعیت پر جو اقتباس پیش کیا ہے اس میں یہ الفاظ قابل غور ہیں :

"ودفن في داره لان بعض عوام الحنابل ورعاعهم منعوا من دفنه نهارا ونسبوه الى الرفض ولما توفى اجتمع الناس من سائر اقطار بغداد وصلوا عليه بداره ودفن بها" (زبدة: ١٦٣)

ترجمہ: بعض حنبلی عوام اور لوگوں نے دن کے وقت انہیں دفن کرنے سے روک دیا اور انہیں رافضی ہونے کی طرف منسوب کیا، جب انہوں نے وفات پائی لوگ بغداد کے باقی اطراف سے بھی اکٹھے ہوئے اور انہوں نے ان کی نماز پڑھی ان کی حویلی میں انہیں وہیں دفن کیا گیا۔

علامہ ابن کثیر آگے فرماتے ہیں: "ومن الجهلة من رماه بالحاد، وحاشاه من ذالک كله بل كان احد آئمة الاسلام علما بكتاب الله وسنة رسوله وانما تقلد و اذالک عن ابی بکر محمد بن دائود الفقيه الظاهری حيث يتكلم فيه ويرميه بالعظائم وبالرفض ولما توفی اجتمع الناس من سائر اقطار بغداد وصلوا عليه"

(البدائیه والنهایه: ١١: ٧: ١٤٦، زبدة: ١٦٤)

ترجمہ: اور بعض جاہلوں نے آپ کو ملحد ہونے کا الزام دیا تھا حالانکہ ہرگز ایسا نہ تھا، حالانکہ ان تمام چیزوں سے آپ بری تھے، بلکہ آپ کتاب وسنت کے عالم باعمل اور آئمہ اسلام میں سے تھے جن لوگوں نے آپ کو رافضی کہا تھا انہوں نے ابی بکر محمد بن داؤد الفقیہ الظاہری کی تقلید کی تھی کیونکہ وہ آپ پر بڑی بڑی تہمتیں اور رافضی ہونے کا الزام لگاتا تھا اور آپ کے خلاف باتیں کرتا رہتا تھا، اور جب آپ کا انتقال ہوا لوگ اکٹھے ہوئے بغداد اور اس کے اطراف سے اور انہوں نے ان کی حویلی میں نماز جنازہ پڑھی، لوگ ان کی قبر پر آتے رہے اور نماز جنازہ پڑھتے رہے۔

آپ کی طرف یہ بات منسوب کی جاتی ہے کہ آپ وضوء میں پاؤں پر مسح کرنے کا حکم دیا کرتے تھے اور ان کا دھونا ضروری قرار نہیں دیا کرتے تھے، اور یہ بات ان کے متعلق مشہور تھی، اور بعض علماء کا گمان ہے کہ ابن جریر دو ہیں، ان میں سے ایک شیعہ ہے اور اسی کی طرف یہ بات منسوب کی جاتی ہے وہ اس (محمد بن جریر طبری) کو ان اوصاف سے پاک قرار دیتے ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری وضوء میں پاؤں پر مسح کرنے کا حکم دیا کرتے تھے اور ان کا دھونا ضروری قرار نہیں دیتے تھے، اور یہ بات ان کے متعلق بہت مشہور تھی، اسی وجہ سے مذہب حنبلی کے پیروکار انہیں رافضی کہا کرتے تھے، ان کے دباؤ اور احتجاج کے باعث وہ دن کو دفن نہ ہو سکے، نہ کھلی جگہ پر ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی، جبکہ وقت کے بعض علماء نے اس کی تردید کی اور یہ ابہام دور کیا کہ محمد بن جریر طبری شافعی ایسا نہیں کہتے تھے بلکہ محمد بن جریر طبری شیعی ایسا کہا کرتے تھے۔ حافظ ابن کثیر نے فرمایا: ''محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الامام ابو جعفر الطبری و صنف التاریخ الحافل، و له التفسیر الکامل الذی لایوجد له نظیر و غیرهما من المصنفات النافعة فی الاصول و الفروع و من احسن ذالک تهذیب الاثار و لو کمل لما احتیج معه شیء و لکان فیه الکفایة لکنه لم یتمه'' ترجمہ: محمد بن جریر بن یزید بن کثیر غالب امام ابوجعفر طبری رحمہ اللہ ۲۲۴ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۳۱۰ ہجری میں ماہ شوال کے آخری ہفتہ میں پچاسی، چھیاسی سال کی عمر میں انتقال فرمایا (البدایہ والنہایہ)

آپ نے ایک عظیم تاریخ تصنیف فرمائی آپ نے ایک بے نظیر کامل اور مکمل تفسیر لکھی، اصول و فروع میں بھی بے حد مفید تصانیف فرمائیں، آپ کی سب سے حسین ترین تصنیف ''تہذیب الاثار'' ہے یہ پایہء تکمیل کو نہ پہنچ سکی، اگر مکمل ہو جاتی تو اس کی موجودگی میں اس نوعیت کی کسی دوسری کتاب کی ضرورت باقی نہ رہتی۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''کان من اکابر آئمة العلماء و یحکم بقوله و یرجع الی معرفة و فضله و کان قد جمع من العلوم مالم یشارکه فیه احد من اهل عصره و کان حافظا لکتاب الله عارفا بالقرات کلها بصیرا بالمعانی فقیها فی الاحکام علما بالسنن و طرقها و صحیحها و سقیمها و ناسخها و منسوخها عارفا باقوال الصحابة و التابعین و من بعدهم، عارفا بایام الناس و اخبارهم و له الکتاب

المشہور فی تاریخ الامم والملوک وکتاب فی التفسیر لم یصنف احد مثلہ وکتاب سماہ تھذیب الاثار لم ارسواہ فی معناہ الا انہ لم یتمہ ،ولہ فی اصول الفقہ وفروعہ کتب کثیرۃ واختیارات "البدائیہ والنھایہ : ۱۵٦) ترجمہ: محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب ابوجعفری طبری رحمہ اللہ جلیل القدر آئمہ علماء میں سے ہیں آپ کے فرمان پر فیصلہ کیا جاتا ،آپ کی افضلیت اور آپ کے عرفان پر اعتماد کیا جاتا تھا،آپ اپنے اہل عصر میں سے سب سے زیادہ علوم وفنون کے جامع تھے،معاصرین میں سے کوئی آپ کا ہم پلہ نہ تھا،کتاب اللہ کے حافظ تمام قرأتوں کے ماہر،معانی کی بصیرت رکھنے والے،احکام میں فقیہ،سنن،اسانید،صحیح اور غیر صحیح ناسخ منسوخ کے عالم،صحابہ،تابعین،تبع تابعین کے اقوال کی معرفت رکھنے والے،لوگوں کی زندگی کے حالات وواقعات کے عارف آپ نے بادشاہوں اور دیگر امتوں (اقوام) کے حالات وواقعات پر کتاب تصنیف فرمائی ہے (تاریخ کبیر کے نام سے مشہور ہے) آپ نے ایک تفسیر تحریر فرمائی ہے،جس کی مثل اس سے قبل کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی

،آپ نے تہذیب الآثار نام سے موسوم ایک کتاب تصنیف فرمائی جو اپنے مفہوم اور اپنی معنویت میں بے نظیر ہے مگر پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکی،آپ نے فقہ کے اصول وفروع اور مختارات پر بہت سی کتابوں کو تصنیف فرمایا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے خطیب بغدادی اور امام الائمہ ابوبکر بن خزیمہ رحمہم اللہ کے حوالے سے نقل فرمایا کہ :"ولقد ظلمۃ الحنابلۃ "ایسے عظیم مفسر،فقیہ عصر،یکتائے روزگار مورخ ،اور محدث بے نظیر،اور بے مثال مصنف پر حنابلہ نے ظلم کیا اور ان کو رافضی ،ملحد قرار دیا،دن کو دفن ہونے دیا نہ نماز جنازہ پڑھنے دی،آپ کے ایک معاصر ابوبکر محمد بن داؤد الفقیہ الظاہری کی تقلید کی جو آپ پر الزام تراشی کرتا اور طرح طرح کی باتیں کرتا رہتا تھا،،حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے دفاع کرتے ہوئے فرمایا:وحاشاہ من ذالک کلہ" اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر قسم کے الزامات جو حنابلہ ،اور ابوبکر محمد بن داؤد الفقیہ الظاہری لگاتا رہتا تھا سے پاک اور محفوظ رکھا ہوا تھا،،حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ مزید نقل فرماتے ہیں:"فمن العلماء من یزعم ان ابن جریر اثنان احدھماشیعی والیہ

ینسب ذالک وینزھون اباجعفر ھذا عن ھذہ الصفات "(البدائیہ والنہایہ ۱۱:۱۵۸)

ترجمہ: بعض علماء کا خیال ہے کہ بے شک ابن جریر دو ہیں، ان میں سے ایک شیعہ ہے اور یہ تمام الزامات جو حنابلہ اور ابوبکر محمد بن داؤد الفقیہ الظاہری نے لگائے ہیں یہ اس پر ہیں جو شیعہ ہے وہ علماء ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب طبری کو ان تمام الزامات سے پاک قرار دیتے ہیں ،،حافظ ابن کثیر، خطیب بغدادی، امام الائمہ ابی بکر بن خزیمہ مروزی وغیرہ اعاظم علمائے امت کی تصریحات کی روشنی میں امام طبری زیر بحث کو شیعہ کہنا دور از دانش ہے،،

شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تفصیل سے ثابت ہوا کہ محمد بن جریر طبری دو ہیں، ایک شافعی المذہب ہیں ،اور دوسرے شیعہ ہیں، محمد بن جریر طبری شافعی نے جو تاریخ لکھی ہے اس کا نام تاریخ کبیر ہے اور یہ نایاب ہے اسی تاریخ کی طرف حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے "التاریخ الحافل" کے نام سے اشارہ کیا ہے اور خطیب بغدادی نے ولہ الکتاب المشھور فی تاریخ الامم والملوک کے الفاظ سے نشاندہی فرمائی ہے،، مزید خطیب بغدادی نے فقہ کے اصول اور فروغ کا مقنن اور مدون بھی قرار دیا ہے، سنن نبویہ ،ان کی اسناد، سنن کے صحیح، سقیم، ناسخ، منسوخ ہونے کا عالم بھی تحریر فرمایا ہے اور فن حدیث میں لکھی جانے والی مگر مکمل نہ ہونے والی کتاب تہذیب الآثار کا بڑی خوبصورتی سے ذکر بھی کیا ہے، ان شواہد کی موجودگی اور دیگر اوصاف بلیغہ کے زیب قرطاس ہو جانے پر اسلام کے اس جلیل القدر مورخ، مفسر ،محدث، فقیہ، قاری، عابد و زاہد کے سر پر شیعیت کا تاج رکھ دینا ہرگز مناسب نہیں۔

ہاں دوسرا اسی نام کا شخص شیعہ ہے جس نے ایضاح المسترشد نامی کتاب میں مسئلہ امامت کی آڑ میں صحابہ کرام پر غلیظ زبان استعمال کی ہے تاریخ طبری اسکی تصنیف ہے جس کی تلخیص علی بن محمد عدوی ابی الحسن سمساطی نے کی ہے۔

اللہ تعالیٰ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی مرقد انور پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور اربوں کھربوں ان پر عنایات برسائے جنہوں نے فیصلہ فرما دیا کہ محمد بن جریر طبری شافعی کی تاریخ کا نام

تاریخ کبیر ہے جو نایاب ہے اور محمد بن جریر طبری شیعی کی تاریخ کا نام ''تاریخ طبری ہے'' جس کی تلخیص میں سمساطی نے بہت سی غلط روایات کا اضافہ کیا اور کہا کہ یہ جو اصل تاریخ طبری ہے اس میں موجود ہیں،، جبکہ اس میں ان روایات کا نام ونشان نہیں'' (تحفہ اثنا عشریہ: ٦٧) نہ معلوم مولوی محمد علی لاہوری نے حافظ ابن کثیر، خطیب بغدادی، اور امام ذہبی کی عبارات غور سے ملاحظہ نہیں کیں، یا کسی دیگر نسبت کے حوالے سے بلا تامل شیعہ لکھ دیا ہے،، سید صاحب نے الزام تراشی کے عنوان میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی نسبت تحریر کیا ہے کہ ''غنیۃ مصنفہ حضرت سید عبد القادر جیلانی میں ایک الحاقی عبارت ہے اور سیدنا امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو قدری قرار دیا گیا ہے جو کہ ایک جہنمی فرقہ ہے،، (مذبذۃ: ١٧٣)

محشی نے جواب دیتے ہوئے نقل کیا ہے کہ یہاں حنفیہ سے مراد فرقہ غسانیہ ہے جو غسان بن ابان کوفی کے متبع ہیں یہ شخص اپنے مذہب کو رواج دینے کیلئے لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی رائے بھی یہی ہے حالانکہ یہ امام اعظم پر ایک افتراء تھا، حضرت شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ نے ان کے اصول عقائد کے پیش نظر مرجیہ میں شمار کیا اور حنفیہ کے نام سے مشہور ہونے کی وجہ سے ان کو حنفیہ لکھا،، حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کو علم ہے کہ اہل سنت و جماعت اور مرجیہ کے عقائد باہم متضاد ہیں، یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اہل سنت اور مرجیہ میں عقیدے کا تضاد ہو، اور پھر آپ رضی اللہ عنہ جانتے بھی ہوں اور پھر سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے متبعین کو قدریہ جہنمی فرقہ قرار دیں،، یا مرجیہ میں شمار کریں۔

امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے فتاوی حدیثیہ میں جو فرمایا کہ غنیۃ الطالبین میں بے شمار الحاقات کئے گئے ہیں یہ درست اور توجہ کے لائق ہے اور یہ ممکن ہے کہ بعض متعصب حنابلہ کی کارستانی ہو، جیسا کہ ابی بکر محمد بن داؤد الفقیہ الظاہری نے دنیائے اسلام کے ایک عظیم امام محمد بن جریر طبری شافعی کو رافضی قرار دے رکھا تھا، اور وقت آخریں بھی اپنے دست تعدی کو دراز کئے رکھا اور اپنے حواریوں کی اعانت سے دن کے اوقات میں ان کی نماز جنازہ پڑھنے دی اور نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن

ہونے دیا، بہر حال دور دور تک وہم وگمان اس بات پر آمادہ تسلیم نظر نہیں آتے کہ عارف یزدانی ،قطب ربانی ،شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ امت محمد یہ کے امام الائمہ سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے متبعین کو مرجیہ ءیا قدریہ ایسے جہنمی اور باطل فرقوں میں شمار کریں،، یہ عبارت کسی حاسد کے حسد کا نتیجہ ہوسکتی ہے، جس کا مآل الحاق ہے،،

سید صاحب نے تحریر فرمایا کہ اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ کو شیعہ ہونے کا الزام دیا گیا، یہ خوارج کی پرانی عادت ہے کہ محبت اہل بیت کے خلاف شیعہ ہونے کی دہشت پھیلاتے رہتے ہیں تا کہ لوگ ڈر کے مارے محبت اہل بیت کا تصور بھی نہ کرسکیں ،اور اس ہمت کے خوف کے پردے میں خارجیت پرورش پاتی ہے'' زبدۃ:۱۷۴) جواباً کہا جائے گا کہ علمائے امت کی تصریحات کی روشنی میں خوارج کا وجود صرف خلیفہ چہارم حضرت مولائے مرتضٰی کے دور خلافت میں پایا گیا، جنہوں نے آپ کے خلاف خروج کو ضروری قرار دیا، اور نعوذ باللہ آپ کو کافر کہا اور ان الحکم الا لِلّٰہ کا نعرہ لگایا،، اہل سنت حب علی رضی اللہ عنہ کو جزو ایمان سمجھتے ہیں، اور حب اہل بیت کو اپنی نجات اور خوشنودی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعہ گردانتے ہیں، اور خارجیت پر لعنت بھیجتے ہیں اور اسی طرح اہل بیت کی وہ محبت جس کے پردوں میں شیخین، صحابہ کرام، اور جمہور امت مسلمہ کی تکفیر پنپ رہی ہو اس سے ایک بار نہیں ہزار بار لاتعلقی اور نفرت کا اظہار کرتے ہیں،، رہی یہ بات کہ حضرت امام شافعی شیعہ ہیں یا امام اہل سنت تو انہوں نے اپنے عقیدہ کی خود توضیح فرمادی ہے۔ ''اذا نحن فضلنا علیا فاننا روافض بالتفضیل عند ذوی الجھل'' ترجمہ: جب ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان کریں تو ہم جاہلوں کے نزدیک رافضی ہیں۔ امام رحمہ اللہ نے کس قدر وضاحت فرمادی کہ علمائے اہل سنت جو آپ کے زمانہ اقدس میں تھے آپ پر انگلی اٹھاتے نہ رافضی کہتے تھے، جاہل لوگ جو ہر دور میں ہوئے ہیں، وہ اپنے جاہلانہ کردار کی وجہ سے امام کو رافضی کہتے تھے، اہل سنت و جماعت ایسا نہیں کہتے نہ ان کا یہ عقیدہ ہے،،

وفضل ابی بکر اذا ماذکرتہ ...... رمیت بنصب عند ذکری للفضل

ترجمہ: جب میں حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت بیان کروں تو بیان فضیلت کے وقت مجھے ناصبی ہونے کی تہمت دی جاتی ہے۔

یہ تہمت دینے والے کون ہیں؟ جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور آپ کی فضیلت کے منکر ہیں ،،قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ شیعہ کے عنوان مین فرماتے ہیں: روافض اکثر صحابہ حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی خلافت کا انکار کرتے ہیں۔

اہل سنت و جماعت حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کو رافضی کہتے ہیں نہ ناصبی ،،انہیں دنیائے سنیت کا آفتاب جہانتاب مانتے ہیں کیونکہ اگر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان کریں ،تو یہ اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کی ترجمانی ہے اور اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان کرتے ہیں ،تو عقیدہ اہل سنت و جماعت بیان کر کے بعد میں آنے والی امت مسلمہ کیلئے نشان منزل مہیا فرماتے ہیں،،شیعہ تو تب ہوں جب صرف جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان کریں ،حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان نہ کریں ،امام علیہ الرحمہ تو دونوں کے فضائل بیان کرتے ہیں ،وہ کس طرح الزام شیعہ کی زد میں ہیں؟ امام موصوف اپنی حیات مبارکہ کا لائحہ عمل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فلا زلت ذارفض و نصب کلاهما............بحبهما حتی او سدفی الرمل

ترجمہ: میں ہمیشہ رافضی اور ناصبی کے الزامات سنتا اور برداشت کرتا رہوں گا ،،اور یہ دونوں الزام دونوں کی محبت کی وجہ سے قبر میں رکھے جانے تک میرے ساتھ رہیں گے،،

خلاصہ یہ ہے کہ امام علیہ الرحمہ نے فرمایا،،لحد میں جانے تک میں جناب ابوبکر صدیق اور جناب حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہما کی محبت کا دم بھرتا رہوں گا ان کے فضائل بیان کرتا رہوں گا اگر حب صدیق رضی اللہ عنہ میں کوئی (شیعہ) مجھے ناصبی کہتا ہے تو کہتا رہے اور اگر حب حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی وجہ سے کوئی سنی مجھے رافضی کہتا ہے تو کہتا رہے ،کلام امام علیہ الرحمہ بڑی واضح ہے کہ آپ حضرت ابوبکر صدیق کی محبت اور فضیلت کے دلدادہ ہیں ،اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت اور فضیلت کے بھی

دلدادہ اور شیدائی ہیں، آپ نے رفض کا انکار اور تردید کرتے ہوئے فرمایا:

قالوا ترفضت قلت کلا .... ما الرفض دینی و لا اعتقادی

ترجمہ: نواصب نے کہا تو رافضی ہو گیا ہے میں نے کہا ہر گز نہیں، رافضی ہونا نہ ہی میرا دین ہے اور نہ ہی میرا اعتقاد ہے آپ نے کس وضاحت سے جواب ارشاد فرمایا کہ میں رافضی نہیں ہوں، رفض میرا دین اور عقیدہ نہیں ہے،، اس سے ثابت ہوا کہ آپ کے دور اقدس میں جو رافضیوں کا عقیدہ اور دین تھا اس کی تردید فرمادی کہ میں اس دور کے رفض کا قائل نہیں اور نہ ہی اس پر میرا عقیدہ ہے امام موصوف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو محبت کی جو فضائل بیان کئے وہ عقیدہ رفض اور دین رفض کی بناء پر نہیں بلکہ صرف ذات علی اور آل نبی ﷺ کی وجہ سے ہے جیسا کہ آپ خود ارشاد فرماتے ہیں:

لکن تولیت غیر شک .... خیر امام و خیر ھادی

ترجمہ: نواصب نے کہا تو رافضی ہو گیا ہے میں نے کہا ہر گز نہیں .... رافضی ہونا نہ ہی میرا دین ہے اور نہ ہی میرا اعتقاد ہے۔

آپ نے کس وضاحت سے جواب ارشاد فرمایا کہ میں جو رافضیوں کا عقیدہ اور دین تھا اس کی تردید فرمادی کہ میں اس دور کے رفض کا قائل نہیں اور نہ ہی اس پر میرا عقیدہ ہے، اگر عقیدہ رفض درست اور صحیح ہوتا تو امام شافعی رحمہ اللہ صاف انکار نہ فرماتے بلکہ اس کی تائید اور توثیق فرماتے،، امام موصوف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو محبت کی جو فضائل بیان کئے وہ عقیدہ رفض اور دین رفض کی بناء پر نہیں بلکہ صرف ذات علی اور آل نبی ﷺ کی وجہ سے ہے جیسا کہ آپ خود ارشاد فرماتے ہیں:

لکن تولیت غیر شک .... خیر امام و خیر ھادی

میں نے سب سے اچھے امام، اور سب سے اچھے راہنما سے محبت کی ہے۔

پھر فرمایا: **ان کان حب الولی رفضا .... فاننی ارفض العباد**

اگر ولی (حضرت سید الاولیاء مولائے مرتضیٰ) کی محبت رفض ہے تو میں سب سے بڑا رافضی ہوں۔

امام موصوف علیہ الرحمہ نے مندرجہ بالا اشعار میں جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خیر امام، خیر ھادی

،الولی، کے الفاظ سے خراج عقیدت پیش فرمایا ہے جس سے ظاہر ہے کہ آپ کی محبت عقیدۂ رفض کے روپ، دین رفض کی تعبیر اور تشریح کا حصہ نہ تھی بلکہ آپ کی محبت کا مرکز اور محور صرف اور صرف ذات حیدر کرار رضی اللہ عنہ تھی، پھر وضاحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ان کان رفضا حب آل محمد .... فلیشهد الثقلان انی رافض

ترجمہ: آل محمد ﷺ سے محبت کرنا اگر رفض ہے، تو جن اور انسان گواہ رہیں میں رافضی ہوں۔

یہ ہے امام شافعی رحمہ اللہ پر الزام شیعہ کی حقیقت اور کہانی'' امام صاحب نے برملا اور واضح الفاظ میں تردید فرمائی کہ میرا عقیدہ وہ نہیں جو شیعہ کا ہے، میرا دین (مذہب، مسلک) وہ نہیں جو شیعہ کا ہے، میں صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بحیثیت ذات علی رضی اللہ عنہ اور آل نبی سمجھ کر محبت کرتا ہوں،، پھر آپ پر شیعیت کا الزام علماء وفقہاء نے نہیں بلکہ جہلاء نے دیا ہے جن کی کوئی دینی، مذہبی حیثیت ہی نہیں۔

سید صاحب نے افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عنوان قائم کیا، اور اس کے تحت فضیلت پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر کیا کہ فضائل کی بنیادی طور پر دو قسمیں مانی جاتی ہیں، ایک فضیلت فضل اختصاصی سے ملتی ہے، اور دوسری فضل جزائی سے ملتی ہے جس کا ذریعہ عمل ہوتا ہے فضل اختصاصی سے ملنے والی فضیلت میں رب کی شان کا مظاہرہ ہوتا ہے اس کا معنی ہوتا ہے کہ رب نے کس کو کتنی فضیلت دی ہے اس کا انحصار اللہ تعالیٰ کے فضل پر ہوتا ہے،، و الله یختص برحمته من یشاء و الله ذو الفضل العظیم "(البقرة: ۱۰۵"زبدۃ: ۱۷۸)

جواباً کہا جائے گا کہ بے شک اللہ تعالیٰ فضل عظیم کا مالک ہے وہ جس پر چاہے اپنا فضل فرمائے اور جس قدر چاہے اتنا ہی فرمائے اس پر فضل کرنا لازم اور واجب نہیں، بلکہ اسی کی مہربانی اور اسی کی کرم نوازی ہے کہ وہ اپنی ساری مخلوق پر مہربان اور کرم فرما ہے فضل اختصاصی ہو یا جزائی اسی کے رحم و کرم پر منحصر ہے، جو بھی وہ فضل فرمائے اس کا احاطہ کرنا اس کے حدود اربعہ کا جان لینا طاقت بشری سے بالاتر ہے ہاں اللہ تعالیٰ نے منعم علیہ کے حال کے پیش نظر انبیاء کرام کو مطلع فرما دیا ہے کہ فلاں شخص انعام یافتہ

ہے اس کو میں نے اپنے فضل سے یہ مقام اور مرتبہ عطا فرمایا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو دوست بناتا یعنی فضیلت ولایت عطا فرماتا ہے تو جبریل امین علیہ السلام کو مامور فرمایا جاتا ہے کہ لوگوں میں یہ اعلان کرے کہ فلاں شخص کو اللہ تعالیٰ نے فضیلت ولایت عطا فرمائی ہے یا اللہ کا نبی اللہ کے اس فضل کا اعلان فرماتا ہے کہ رب ذوالجلال کا فلاں شخص پر یہ فضل ہو گیا ہے، سید صاحب نے فضل وہبی کو فضل اختصاصی، اور وہ فضل جو ثواب وجزا کی صورت میں قبولیت عمل پر مرتب ہوتا ہے اس کو فضل جزائی کہا ہے بہر حال فضل وہبی ہو یا جزائی اللہ کی مرضی اور اس کی منشاء کا مرہون منت ہے کیونکہ عمل کو قبول کرنا، اور اس پر جزا اور ثواب کو عطا فرمانا اسی کی شان ہے اگر چاہے تو عمل صالح ہونے کے باوجود قبول فرمائے نہ ثواب عطا فرمائے،، فضل کی جو بھی صورت ہو وہ اسی کا فضل ہے،،

سید صاحب نے تحریر فرمایا کہ: اور دوسری قسم فضل جزائی سے تعلق رکھتی ہے، جس میں اجر و ثواب بقدر کسب و اخلاص دیا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''فضل الله المجاهدين على القاعدين اجرا عظيما''(النساء: ۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر اجر عظیم سے فضیلت دی ہے۔

''هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون''(الزمر: ۹)

ترجمہ: کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ لوگ جو نہیں جانتے برابر ہو سکتے ہیں۔

''لا يستوى منكم من انفق من قبل الفتح وقاتل''(الحديد: ۱۰)

ترجمہ: تم سے کوئی ان کے برابر نہیں ہو سکتا جنہوں نے فتح مکہ سے قبل مال خرچ کیا اور لڑائی کی۔

یہ فضل جزائی کی مثالیں ہیں۔ (زبدۃ: ۱۸۰)

جواباً کہا جائے گا کہ: پہلی آیت میں بے شک فضل جزائی کا ذکر ہے، کیونکہ اس میں مجاہدین، اور قاعدین کی جنس ایک ہے اور وہ مومنین ہے،، ان مومنین کے افراد، دو بیان ہوئے مجاہدین، اور قاعدین، مجاہدین کو ان کے عمل جہاد کی بنیاد پر اجر عظیم سے نوازا گیا، یہ فضل جزائی کی مثال ہو سکتی ہے، مگر الــذيــن

یعلمون ،والذین لا یعلمون دومتضاداجناس ہیں،اہل علم،اور جاہل،،آیہء کریمہ میں اختلاف اجناس کی بنیاد پر عدم مساوات ہوگی ،اختلاف عمل مستلزم ہے اختلاف اجر وجزا کو،جب دونوں کے اجر وجزا میں بتائن وتضاد ہوا تو ایک کے ثواب کا فضل جزائی کا مسئلہ کہاں رہا؟ عالم تو وصف علم سے اتصاف کی وجہ سے،شخص جاہل سے مبائن اور متضاد ہے،کہاں جاہل اور کہاں عالم؟ اور کہاں جاہل کا ثواب عالم میں شریک ہونا اور عالم کا اجر وجزا میں جاہل سے فضل جزائی سے متصف ہونا؟ علم ذریعہء جزا ہے خود جزا نہیں۔

الذین،اسم موصول ہے اس کا مشارالیہ،مدلول،ذوات اور نفوس ہیں،''ھل یستوی'' کی نفی ذوات پر واقع ہے استفہام انکاری کے طور پر ذات عالم کو ذات جاہل سے الگ اور مبائن کیا گیا ہے،یہ کسی لحاظ سے بھی فضل جزائی کی مثال نہیں بن سکتی،،اسی طرح" لایستوی منکم من انفق قبل الفتح وقاتل،، بھی فضل جزائی کی مثال نہیں ہوسکتی: لایستوی کے حکم عدم مساوات کی علت انفاق قبل الفتح اور قاتل ہے،اور عدم مساوات کا یہ حکم متکلم میں موجود تمام مخاطبین کیلئے ہے جو کم ضمیر کا مدلول ہیں، من انفق من قبل الفتح وقاتل کے مدلول اور منکم میں واقع ضمیر کم کے مخاطبین اور مدلول کے درمیان سلب کلی کے مفہوم میں تفریق کی گئی ہے،کہ وہ منفقین جن کا انفاق اور قتال فتح مکہ کے بعد ہوا،یہ اس منفق اور قاتل کے مساوی ہرگز نہیں ہوسکتے جس نے فتح مکہ سے پہلے انفاق اور قتال فی سبیل اللہ کیا، اس طرح یہ آیہء کریمہ من انفق قبل الفتح وقاتل کی انفرادیت کی دلیل ہے،فضل جزائی کی نہیں،اس کی دلیل وہ پہلی آیت ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ مجاہدین کو قاعدین پر اجر عظیم سے فضل جزائی دیا گیا ہے یعنی قاعدین بوقت جہاد موجود تھے،جہاد کی اہلیت اور صلاحیت بھی رکھتے تھے،مگر شریک جہاد نہ ہوئے، قرائن کی موجودگی میں اس آیت کا فضل جزائی کی مثل قرار دینا قدرے درست ہے،مگر دوسری دو آیتیں فضل جزائی کی مثالیں نہیں ہوسکتیں کیونکہ بوقت حکم عدم مساوات عالم،عالم اور جاہل،جاہل ہے، جاہل میں بالقوۃ علم حاصل کرنے کی صلاحیت بے شک موجود ہے مگر بالفعل وصف علم سے محروم ہے ،رہا عالم تو اس میں علم بالفعل موجود ہے ان کے درمیان کوئی مساوات نہیں جو فضل جزائی کو جنم دے

،،اسی طرح من انفق من قبل الفتح وقاتل کا عمل انفاق اور فعل قتال، بالفعل موجود ہے اور معرض وجود میں آ چکا ہے جبکہ ''کُم''، ضمیر کے مخاطبین فتح مکہ سے قبل انفاق اور قتال فی سبیل اللہ کے وصف عنوانی سے محروم ہیں، اگر کوئی اسلام لایا ہے تو انفاق کی طاقت رکھتا ہے نہ قتال کی، مگر جس ذات مقدسہ کی شان میں یہ آیہء کریمہ نازل ہوئی ہے وہ اپنے دور کا امیر کبیر انسان ہے، جب اسلام لایا تو چالیس ہزار درہم کا مالک تھا، اسلام لانے کے بعد اسلام کے فروغ، اور تبلیغ میں سارے کے سارے خرچ کر دیئے،، اور توحید ورسالت کی اشاعت اور دفاع میں موت کی دہلیز تک پہنچا، وہ ذات مقدسہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ہے جو مومن اوّل، منفق اول، مجاہد اول اور امام اول ہے۔

بالفرض اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ہر سہ آیات فضل جزائی کی ہیں تو بھی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انفرادیت کے حامل ہیں، اور اس پر یہ تیسری آیت بانگ دہل شہادت دے رہی ہے،، رسول اللہ ﷺ کا نماز کیلئے امام مقرر کرنا اسی فضل جزائی کا اعلان تھا کہ اعمال جو موجب اجر وجزا ہیں ان میں اور ان پر مرتب ہونے والے اجر وثواب کے لحاظ سے بھی ابوبکر افضل البشر بعد الانبیاء ہیں۔

سید صاحب نے تحریر فرمایا مسئلہ افضلیت ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا نہ ہی تو کوئی قطعی ثبوت ہے اور نہ ہی یہ ضروریات دین میں سے ہے لہذا اس پر لے دے کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی بحث وتمحیص میں پڑنے کی ضرورت ہے،،

جواباً کہا جائے گا کہ: افضلیت کا ثبوت دلیل قطعی سے ہے اس پر ہم کافی ثبوت پہلے نقل کر آئے ہیں، ہم یہاں صرف دو ثبوت نقل کرتے ہیں، حضرت امام جلال الدین السیوطی فرماتے ہیں:

''اجمع اهل السنة ان افضل الناس بعد رسول الله ﷺ، ابوبکر ثم عمر ثم عثمان، ثم سائر العشرة ثم باقی اهل بدر ثم باقی اهل احد، ثم باقی اهل البیعة ثم باقی الصحابة هکذا حکی الاجماع علیه ابو منصور البغدادی ''(تاریخ الخلفاء)

ترجمہ: اہل سنت وجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام لوگوں سے افضل ابوبکر صدیق ہیں، پھر عمر فاروق، پھر عثمان غنی، پھر علی، پھر عشرہ مبشرہ، پھر اہل بدر، پھر اہل احد، پھر اہل

بیعت، پھر بقیہ صحابہ کرام، ابو منصور البغدادی اس پر اجماع کا ہونا نقل کیا ہے،،

امام ابن حجر قسطلانی نے نقل فرمایا: "وقد وقع الاجماع باخرہ بین اھل السنۃ ان مرتبتھم فی الفضل کترتیبھم فی الخلافۃ رضی اللہ عنھم" (ارشاد الساری :۸) ترجمہ: تمام اہل سنت کا اس پر اجماع واقع ہوا ہے کہ خلفائے اربعہ کی افضلیت کا مرتبہ ان کی ترتیب خلافت کے لحاظ سے ہے، ہر دور آئمہ کی تصریحات سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع ہے، سقیفہ بنی ساعدہ میں آپ کی افضلیت پر تمام صحابہ، مہاجرین اور انصار کا اجماع ہوا تھا، اجماع دلیل قطعی ہے، لہذا حضرت ابوبکر کی افضلیت پر دلیل قطعی موجود ہے،، سید صاحب کا یہ تحریر کرنا افضلیت پر کوئی قطعی ثبوت نہیں غلط ہے

،، مسند بزاز اور دلائل ابی نعیم میں محمد بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اثنائے خطبہ میں فرمایا بتاؤ سب سے زیادہ شجاع اور بہادر کون ہے؟ لوگوں نے کہا آپ ،حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا حال تو یہ ہے کہ جس کسی نے میرا مقابلہ کیا میں نے اس سے انتقام لیا سب سے شجاع تو ابوبکر تھے میں نے ایک بار دیکھا کہ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارتے جاتے ہیں کہ " انت جعلت الا لھۃ واحدا" تو نے تمام معبودوں کو ایک معبود بنا دیا، ہم میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ آپ کے قریب جائے اور آپ کو دشمنوں سے چھڑائے ،حسن اتفاق سے ابوبکر آ گئے ،اور دشمنوں کے غول مین گھس گئے ،ایک مکہ اس کے اور ایک گھونسہ اس کے رسید کیا، اور جس طرح اس مرد مومن نے فرعون اور ہامان کو کہا تھا "أتقتلون رجلا انیقول ربی اللہ " اسی طرح ابوبکر نے اس وقت کہا تم ایسے شخص کو مارنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے،، حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ کہہ کر رو پڑے اور یہ فرمایا میں تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ آل فرعون میں کا رجل مومن افضل تھا یا ابوبکر لوگ خاموش رہے پھر فرمایا خدا کی قسم ابوبکر کی ایک گھڑی آل فرعون کے مرد مومن کی تمام زندگی سے بدرجہا بہتر ہے اس نے اپنے ایمان کو چھپایا، ابوبکر نے اپنے ایمان کا اظہار فرمایا ۔(الریاض النضرۃ ۱:۱۳۹)

فتح الباری باب مالقی النبی ﷺ واصحابہ من المشرکین بمکۃ: ۷:۱۲۹) اہل تشیع کے نزدیک حضرت علی المرتضیٰ معصوم ہیں، آپ کا فرمان حق اور سچ کی ترجمانی ہے جب علی معصوم رضی اللہ عنہ کا قول حق اور سچ ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام امتوں کے افراد سے افضل ہیں، کیونکہ جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے نہ صرف اپنے اور دیگر تمام صحابہ سے افضل قرار دیا بلکہ اولاد آدم میں تمام مومنین سے افضل قرار دیا، کیا فرمان علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ثبوت قطعی نہیں؟ سید صاحب نے علامہ ابن البر اندلسی کی کتاب الاستذکار: ۴:۲۳۸،، سے یہ عبارت نقل کی کہ:

"واما التعیین فیھم وتفضیل بعضھم علی البعض فھذاالایصح فی نظر ولا اعتبار ولا یحیط بذالک الا الواحدالقھار المطلع علی النیات الحافظ للاعمال الا من جاء فیہ اثر صحیح بانہ فی الجنۃ جاز ان یقال فیہ ذالک اتباعاللاثر لانہ افضل من الذین شارکوہ فی مثل فضلہ ذالک ومن فضلہ رسول اللہ ﷺ بحصلۃ وشھدلہ بھا جاز ان یفضل بھا فی نفسہ لا علی غیرہ "(زبدۃ: ۱۸۱)

ترجمہ: مگران میں تعیین کرنا اور بعض کو بعض پر افضلیت دینا یہ نظر اور اعتبار میں صحیح نہیں، اس کا احاطہ واحد، قہار کے علاوہ کوئی نہیں کرسکتا جو نیتوں پر مطلع ہے، اعمال کا محافظ ہے، سوائے اس کے جس کے حق میں کوئی حدیث آئی ہوئی ہے کہ وہ جنتی ہے، حدیث کی اتباع میں اسکو جنتی کہنا جائز ہے اور یہ کہنا جائز نہیں کہ وہ ان لوگوں سے افضل ہے جو لوگ اس فضیلت میں اس کے شریک ہیں، جس کو رسول اللہ ﷺ نے کسی ایک صفت میں فضیلت دیدی اور اس کے حق میں اس فضیلت کی شہادت دیدی جائز ہے کہ اس کو اس فضیلت میں صاحب فضیلت کہا جائے، مگر دوسرے پر اس کو فضیلت نہ دی جائے۔

ابن عبدالبر کی عبارت سے معلوم ہوا کہ فضائل ومراتب کی تعیین، بعض کو بعض پر تفضیل دینے کا مسئلہ نظر، اور اعتبار کا نہیں (جو نظر میں اچھا لگا، یا جس کو اچھا اعتبار کرلیا وہ افضل ہے) افضلیت کا دارومدار نیات اور اعمال پر ہے ان دونوں پر اللہ وحدہ لاشریک ہی مطلع ہے یعنی کون افضل ہے اور کون مفضول یہ صرف اللہ ہی جانتا ہے مخلوق کے بس کی بات نہیں،، ہاں اگر کسی کی افضلیت حدیث صحیح سے ثابت

ہو تو اس کو دوسرے افراد سے افضل کہنا جائز ہے، یہ نظر و اعتبار کا فیصلہ نہیں بلکہ اتباع حدیث ہے،، اتباع حدیث میں تو کسی کو کسی سے افضل کہا جا سکتا ہے لیکن پسند، ناپسند یا خود ساختہ اعتبارات سے کسی کو بھی افضل کہنا جائز نہیں، حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے جناب صدیق اکبر کو فرعون میں کے مومن سے افضل کہا، اور یہاں تک فضیلت کو بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے دفاع میں گزری ہوئی جناب صدیق اکبر کی ایک ساعت آل فرعون کے مرد مومن کی ساری زندگی سے بہتر ہے اور دلیل یہ ارشاد فرمائی کہ اس کا ایمان پوشیدہ تھا اور جناب صدیق اکبر کا ایمان ظاہر تھا، اور پھر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ابو بکر ہم سب سے شجاع اور بہادر تھے ابن عبد البر کے قول کے مطابق اگر یہ کہا جائے کہ ابو بکر صدیق اشجع الناس اور افضل البشر بعد الانبیاء ہیں، یہ جائز اور اتباع حدیث ہے، ابن عبد البر نے فرمایا کہ جس کے حق میں کوئی صحیح حدیث آئی ہے کہ وہ جنتی ہے اس کے حق میں یہ کہنا حق ہے بوجہ حدیث کی پیروی کرنے کے، نہ یہ کہ وہ افضل ہے یہ بہ نسبت ان لوگوں کے جو اس کے اس طرح کی فضیلت میں شریک ہیں۔

اندلسی کا مقصد یہ ہے کہ جن کو جنتی ہونے کی سند دی گئی ہے وہ قطعی جنتی ہیں، اور جتنے افراد کو جنتی ہونے کی خوشخبری دی گئی ہے وہ سب برابر ہیں، یہ وصف (جنتی ہونا) سب کیلئے یکساں ہے کوئی کسی سے افضل نہیں، اندلسی صاحب نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضلیت سلب کرنے کا نیا راستہ اختیار کیا ہے کہ ابو بکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق جنتی ہیں کیونکہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، ان کے جنتی ہونے اور اس وصف (جنتی ہونے) میں مساوی ہونے کا قول کرو، یہ مت کہو کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں اور پھر حضرت عمر، پھر عثمان، اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم،، افضل ہیں۔

جواباً کہا جائے گا کہ جنت بدرجہ جنس ہے اس کے کئی افراد ہیں (طبقات ہیں) جنت میں سب کو ایک جیسا مقام نہیں ملے گا بلکہ ہر جنتی کو اسکو اعمال اور اخلاص کے مطابق مقام دیا جائے گا جنتیوں کے حفظ مراتب کا خیال رکھا جائے گا، افراد کی انفرادیت حسن عمل اور حسن اخلاص کی بناء پر ہوگی، حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اتانی جبریل فاخذ بیدی فارانی باب الجنة الذی یدخل منه امتی فقال ابوبکر یارسول اللہ ﷺ وردت انی کنت معک حتی انظر الیه فقال اما انک یا ابابکر اول من یدخل الجنة من امتی "ترجمہ: میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے تھے انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور جنت کا وہ دروازہ دکھایا جس سے میری امت داخل ہوگی، تو حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا کاش میں آپ کے ساتھ ہوتا تو وہ دروازہ میں بھی دیکھ لیتا، فرمایا اے ابوبکر میری ساری امت میں سے پہلے تم جنت میں جاؤ گے، اور وہ دروازہ دیکھ لو گے،، اس پر ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا 'فیه دلیل علی انه افضل الامة و الالما سبقهم فی دخول الجنة " یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ ابوبکر صدیق ساری امت سے افضل ہیں، ورنہ جنت میں داخلہ کے وقت سب سے مقدم نہ ہوتے ۔(مرقات) دیگر امت کے ہمراہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی جنتی ہیں، دیگر امت کے ہمراہ جنتی ہونے کے وصف اور قدر میں شریک اور مساوی ہیں، لیکن اس کے باوجود سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور اس کی وجہ تساوی فی المرتبہ نہیں یا تساوی فی الوصف (جنتی ہونا) نہیں بلکہ حفظ مراتب ہے، یعنی جو مرتبہ میں ساری امت سے افضل ہے وہی پہلے جنت میں داخل ہوگا اور جس کا مرتبہ سب سے بڑا ہے وہی سب سے اعلیٰ مقام پر فائز ہوگا،، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "من انفق زوجین فی سبیل اللہ نوری فی الجنة یا عبداللہ هذاخیر فمن کان من اهل الصلوة دُعی من باب الصلوة ومن کان من اهل الجهاد دُعی من باب الجهاد ومن کان من اهل الصدقة دُعی من باب الصدقة ومن کان من اهل الصیام دُعی من باب الریان فقال ابوبکر بابی انت وامی ماعلی من دُعی من هذه الابواب من ضرورة فهل یدعی احد من تلک الابواب کلها قال نعم وارجو ان تکون منهم هذاحدیث حسن صحیح " (ترمذی : ۲ : ۲۰۸)

ترجمہ: جس شخص نے دو درہم، دو دینار اللہ کی راہ میں خرچ کئے اس کو جنت میں اے اللہ کے

بندے کے نام سے بلایا جائے گا، ابو بکر نے عرض کیا میرے ماں، باپ آپ پر قربان ہوں، کیا ایسی ضرورت بھی ہوسکتی ہے کہ کسی کو جنت کے ان دروازوں سے جنت میں داخلے کیلئے دعوت دی جائے، آپ نے فرمایا ہاں، مجھے امید (یقین) ہے تم ان میں سے ہو، یہ حدیث حسن اور صحیح ہے، مقصود جنت میں داخلہ ہے، ہر جنتی اپنے اپنے عمل کی بنیاد پر مخصوص دروازے سے داخل ہوگا، مگر جناب صدیق اکبر کے جنت میں داخلے کے وقت، جنت کے تمام دروازوں سے داخل ہونے کی دعوت دی جائے گی، ہر دروازے پر مامور دربان آپ کو اپنے دروازے سے داخل جنت ہونے کی دعوت دے گا، آپکی یہ خصوصیت حدیث صحیح حسن سے ثابت ہے۔

بلکہ دخول جنت کے بعد جو مقام اللہ تعالیٰ نے شیخین کیلئے مختص فرمایا ہے وہ قابل رشک ہے، حضرت ابی سعید سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ان اھل الدرجات العلیٰ لیراھم من تحتھم کما ترون النجم الطالع فی افق السماء وان ابابکر وعمر منھم وانعما" (ترمذی: ۲، ۲۸۴)

ترجمہ: بے شک وہ جنتی جو بلند ترین درجات اور مناصب پر فائز ہوں گے، نچلے درجات والے لوگ انہیں دور اتنی بلندی پر دیکھیں گے جسطرح اہل زمین آسمان کے افق پر طلوع ہونے والے ستارے کو دور بلندی پر دیکھتے ہیں، اور بے شک ابو بکر، اور عمر بلند ترین مناصب پر فائز لوگوں میں سے ہیں بلکہ احسن حال میں ہوں گے،، حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ابوبکر وعمر سید اکھول اھل الجنۃ من الاولین والاخرین الا النبیین والمرسلین رواہ الترمذی ورواہ ابن ماجہ عن علی "ترجمہ: ابو بکر و عمر بوڑھے جنتیوں کے سردار ہیں۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا: "وانما قال سید اکھول اھل الجنۃ مع ان اھل الجنۃ شباب اشارۃ الی کمال الحال فان الکھل اکمل الانسانیۃ عقلا من الشباب ومدارج الجنۃ علی قدر العقول "(مرقات: ۱۱، ۳۱۵)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے سید اکھول اھل الجنۃ حالانکہ تمام جنتی نوجوان ہوں گے وہ اس لئے کہ شیخین

اکمل الحال اور افضل الحال ہوں گے، کیونکہ کھل تکمیل انسانیت کا نام ہے کہل زیادتی عقل کو مستلزم ہے اور جنت کے مدارج عقول کے مطابق دیئے جائیں گے۔ شیخین رضی اللہ عنہما کی یہ فضیلت رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہے اور امام ترمذی نے اس روایت کو حسن اور صحیح قرار دیا ہے لہذا شیخین کی اس فضیلت کو تسلیم کرنا جزو ایمان ہے اگر ابن عبد البر اندلسی کی اس تجویز کو'' کہ وصف فضیلت سب کیلئے بدرجہ مساوات تسلیم کرو، اور کسی کو کسی سے افضل سمجھو نہ کہو تو اس حدیث پر عمل اور اعتماد کیسے ہوگا؟ ماننا پڑیگا جناب شیخین بالخصوص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ دنیا میں بھی افضل البشر بعد الانبیاء ہیں اور آخرت میں بھی، ،حضرت ابی الدرداء رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ابو بکر صدیق سے آگے چلتے ہوئے ملاحظہ فرمایا: تو ارشاد فرمایا کہ :

"یا ابا الدرداء أتمشی امام من هو خیر منکم فی الدنیا و الاخرة ؟ما طلعت شمس ولا غربت علی احد بعد النبیین و المرسلین افضل من ابی بکر "(الریاض النضرة : ۱، ۱۳۶)

ترجمہ: اے ابا درداء کیا تم ایسے شخص کے آگے چلتے ہو جو دنیا اور آخرت میں تم سے افضل ہے، انبیاء اور مرسلین کے بعد کسی بھی شخص پر سورج طلوع ہوا نہ غروب ہوا جو ابو بکر صدیق سے افضل ہو، اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے خود ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دنیا اور آخرت میں افضلیت بیان فرمائی باوجودیکہ جناب ابو بکر صدیق جنتیوں کے امام اور پیشرو ہیں، اس حدیث مرفوع کے مقابل ،ابن عبد البر اندلسی کا قول قابل التفات نہیں۔

سید صاحب نے ابن عبد البر اندلسی کی کتاب الاستذکار سے نقل فرمایا:

"لم یأت انه من وجه صحیح تجد الحجة بمثله انه قال فلان افضل من فلان اذا کان من اهل السوابق و الفضائل و ذالک من ادبه و محاسن اخلاقه لئلا یؤمی للمفضول بغیبته و یحطه فی نفسه فیخرجه و یخزیه و لم یکن ایضا من دینه "

ترجمہ: کسی بھی طریقہ صحیحہ سے ہم تک یہ بات نہیں پہنچی جس سے حجت شرعیہ ثابت ہو کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: فلاں فلاں سے افضل ہے جبکہ وہ دونوں سابقین اولین میں سے تھے

،اور اصحاب فضائل میں سے تھے ،اور یہ بات آپ ﷺ کے حسن آداب اور فضائل اخلاق میں سے تھی ،تاکہ مفضول کی غیر حاضری میں اس کی طرف (تنقیدی اشارے) نہ کئے جائیں اور وہ اپنے آپ کو خود ہی نہ گرادے اور اسی طرح اس کو رسول اللہ ﷺ اپنی صفوں سے نہ نکال دیں ،اور رسوا نہ کریں اور یہ بات بھی آپ کے دین کا حصہ نہیں تھی۔(زبدۃ:۱۸۲)اندلسی صاحب کی تحریر کا نچوڑ اور خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سابقین اولین میں سے کسی بھی صاحب فضیلت کو اس کی عدم حاضری مین کبھی بھی یہ نہیں فرمایا کہ فلاں ،فلاں سے افضل ہے۔

جواباً کہا جائے گا کہ رسول اللہ ﷺ انسانیت کے دکھوں کا مداوا کرنے ،ٹوٹے دلوں کو جوڑنے ،زخموں پر دوا لگانے ،قعر ذلت میں گری انسانیت کو بلند مقام دینے مبعوث ہوئے ،آپ دلجو تھے ،دل شکن نہ تھے ،اسی لئے تو آپ ساری خدائی کیلئے مجسمہ رحمت تھے ،،لیکن اندلسی صاحب کے مذکورہ فرمان ذی شان کو آنکھیں بند کرے امنا وصدقنا کہنا ہمارے لئے جائز نہیں ،کیونکہ حدیث ابی درداء کی موجودگی میں اندلسی صاحب کا قول ہمارے لئے حجت نہیں کیونکہ حدیث ابی درداء میں واضح اور واشگاف الفاظ اور انداز میں جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سابقین اولین خواہ دور اسلام کے ہوں یا اولاد آدم کے ہوں یعنی انبیاء سابقین کے ہوں سب سے بہتر اور سب سے افضل فرمایا ہے ،الفاظ حدیث یہ ہیں ”ما طلعت شمس ولا غربت علی احد بعد النبیین والمرسلین افضل من ابی بکر “

(الریاض النضرۃ : ۱،،۱۳۶)

احد نکرہ تحت النفی اور بعد النبیین والمرسلین کی قید کا لحاظ کرنے کے بعد مفہوم یہ ہوا کہ تمام مومنین سابقین اولین ہوں یا عام مسلمان ابو بکر صدیق سب سے افضل ہیں۔

حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ :”قال رسول اللہ ﷺ خیر اصحابی ابوبکر “

(الریاض النضرۃ : ۱،،۱۳۷)

ترجمہ :میرے صحابہ میں سب سے افضل ابو بکر ہیں ،اصحابی میں السابقون الاولون بھی داخل ہیں کیونکہ اضافت جمع مفید استغراق ہے ،حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ : کنا عند باب

النبی ﷺ نفرامن المهاجرين والانصار نتذكرالانصار فارتفعت اصواتنا فخرج علينا رسول الله ﷺ فقال فيم انتم ؟فقلنا نتذاكر الفضائل قال فلا تقدموا على ابى بكر احدا فانه افضلكم فى الدنيا ولاخرة "(الرياض النضرة : ١، ١٣٧)

ترجمہ : ہم مہاجرین، اور انصار پر مشتمل ایک گروہ رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر تھے اور انصار سے مذاکرہ کررہے تھے، ہماری آوازیں بلند ہوئیں رسول اللہ ﷺ حجرۂ مبارکہ سے باہر تشریف فرما ہوئے، اور ارشاد فرمایا تم کس بات میں مباحثہ کررہے تھے ہم نے عرض کیا فضائل صحابہ پر،، فرمایا ابوبکر پر کسی کو بھی تقدیم نہ دینا (ابوبکر سے افضل قرار نہ دینا) پس بے شک ابوبکر تم میں سے افضل ہے دنیا اور آخرت میں،، آپ نے فلا تقدموا على ابى بكر احدا سے تقدیم غیر سے منع فرمایا، اور فانه افضلكم فى الدنيا ولاخرة ،، سے علی العموم ابوبکر صدیق کی افضلیت کو زبان مبارک سے بیان فرمایا: مندرجہ بالا ان تین احادیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ ابوبکر انبیاء اور رسولوں کے بعد تمام سابقین اولین سے افضل ہیں۔سید صاحب کا یہ کہنا کہ اوران اوصاف کے ذریعے سے دوسروں پران کی برتری ثابت کرنا ہمارے اسلاف کے طریقہ کار کے خلاف ہے۔(زبدۃ:١٨١) غلط ہے گزارش کی جائے گی اوصاف، ایمان وعمل کی پہچان اور پیداوار ہے،، یہی اوصاف فضیلت کا وصف پیدا کرتے ہیں، اوصاف کی بناء پر کسی کو صاحب فضیلت یا افضل قرار نہ دینا رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل کی مخالفت ہے،، تدبر، وتفکر،،

سید صاحب نے علامہ ابن البر کی استذکار سے نقل کیا کہ سخنوں نے ابن ابی قاسم سے مدونہ کتاب الدیات سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے امام مالک کو سنا جبکہ ان سے علی کرم اللہ وجہہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا میں نے کسی بھی ایسے آدمی کو جس کی دین میں پیروی کی گئی ہو نہیں دیکھا کہ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتا ہو،،

جواباً کہا جائے گا کہ ہم امام الائمہ سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلد اور پیروکار ہیں، ان کے مذہب کے مطابق ترتیب افضلیت اس طرح ہے "افضل الناس بعد رسول الله ﷺ

ابوبکر الصدیق ثم عمر بن الخطاب،ثم عثمان بن عفان ،ثم علی بن ابی طالب رضوا ن اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین "(فقہ اکبر)ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے بعد سب لوگوں سے افضل ابوبکر صدیق، پھر عمر بن الخطاب، پھر عثمان بن عفان، اور پھر حضرت علی بن ابی طالب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں، ایک مقلد اور حنفی ہونے کے اعتبار سے حضرت عثمان غنی کو حضرت علی سے افضل ماننا ضروری ہے جمہور اہل سنت کا بھی یہی عقیدہ ہے، ملا علی قاری فرماتے ہیں:

"والصحیح ماعلیہ جمہور اھل السنۃ وھو الظاھر من قول ابی حنیفۃ علی مارتبہ ھناوفق مراتب الخلافۃ " ترجمہ: صحیح مذہب وہی ہے جو جمہور اہل سنت و جماعت کا ہے، جو امام ابو حنیفہ کے قول سے ظاہر ہے، اور وہ یہی ترتیب ہے جو یہاں (فقہ اکبر) بیان ہوئی ہے، جو ترتیب خلافت کے مطابق ہے، (شرح فقہ اکبر) معلوم ہوا کہ فقہ اکبر میں سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے جو ترتیب افضلیت ذکر فرمائی ہے، یہ ترتیب خلافت کے اعتبار سے ہے یہی مذہب احناف ،اور مذہب جمہور اہل سنت ہے :"وفی شرح العقائد علی ھذالترتیب وجدنا السلف" (شرح فقہ اکبر) شرح عقائد نسفی میں ہے کہ جو ترتیب فقہ اکبر میں بیان ہوئی ہے ہم نے اسلاف کو اسی ترتیب پر پایا ہے،، ملا علی قاری فرماتے ہیں: "وانظرانہ لولم یکن لھم دلیل ھنالک لما حکموا بذالک "ترجمہ :غور کرو، اگر اسلاف کے پاس، اس فضیلت پر دلیل شرعی نہ ہوتی تو اس ترتیب فضیلت پر فیصلہ نہ فرماتے،،

معلوم ہوا اسلاف، بالخصوص حضرت امام حنیفہ کے پاس اگر اس ترتیب فضیلت پر جو ترتیب خلافت پر قائم ہوئی ہے، کوئی دلیل نہ ہوتی تو نہ یہ ترتیب ہوتی، اور نہ جمہور اہل سنت اس پر کاربند ہوتے، ملا علی قاری رحمہ اللہ نے محاکمہ کرتے ہوئے فرمایا:"ولا یخفی ان تقدیم علی علی الشیخین مخالف لمذھب اھل السنۃ علی ماعلیہ جمیع اھل السلف وانما ذھب الخلف الی تفضیل علی علی عثمان ومنھم ابو الطفیل من الصحابۃ ھذا والذی اعتقدہ وفی دین اللہ اعتمدہ ان تفضیل ابی بکر قطعی "(شرح فقہ اکبر)

ترجمہ: پوشیدہ نہ رہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین پر فضیلت دینا اہل سنت و جماعت کے مذہب کے خلاف ہے اس لئے کہ تمام اسلاف کا عقیدہ یہی تھا بعض متاخرین نے حضرت علی کو حضرت عثمان پر فضیلت دی ہے ان میں صرف ابوالطفیل صحابی ہیں، اس مسئلہ کو اچھی طرح محفوظ کرلو، اور وہ امر جس کا معتقد، اور اللہ کے دین میں معتمد ہوں، وہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت قطعی ہے،، ملا علی قاری رحمہ اللہ کی توضیح سے ثابت ہوا کہ تمام اسلاف اور اخلاف سوائے حضرت ابوالطفیل صحابی رضی اللہ عنہ کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے تھے، البتہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت تمام صحابہ پر قطعی ہے،، امام مالک اگر حضرت علی، اور حضرت عثمان کو ایک دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے، تو اس سے کب لازم آتا ہے کہ اسلاف و اخلاف اور جمہور اہل سنت و جماعت کا عقیدہ غلط ہے، اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دی ہے تو بھی یہ موقف اسلاف و اخلاف اور جمہور اہل سنت کے عقیدہ کے خلاف نہیں کیونکہ فضیلت دو قسم ہے وہ فضیلت جو کثرت ثواب اور زیادتی جزاء کی وجہ سے ہو، اس کا علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو نہیں، اسی فضیلت کی طرف حضرت امام مالک نے اشارہ کرتے فرمایا: "لا افضل احدا من العشرة ولا غيرهم على صاحبه و كان يقول هذا من علم الله الذي لا يعلمه غيره "اس اجر عظیم اور کثرت ثواب کی بنیاد پر عشرہ مبشرہ میں سے کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں دیتا اور نہ ان کے علاوہ دوسرے کسی صحابی کو، آپ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اس کا تعلق فقط علم باری تعالیٰ سے ہے اس کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا،، دوسری فضیلت نسبی اور خاندانی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اس میں منفرد ہیں کیونکہ آپ رسول اللہ ﷺ کے حقیقی چچازاد، اور آپ کی سب سے پیاری بیٹی سیدہ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے شوہر نامدار ہیں،، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ذوالنورین ہیں، آپ ﷺ نے اپنی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہن آپ کے حبالہ عقد میں دیں، ان مقدس نسبتوں اور رشتوں کی بنا پر علمائے امت نے شیخین (ابوبکر صدیق، عمر فاروق) کی تفضیل اور ختنین کی محبت کو اہل سنت و جماعت کی علامت

قرار دیا ہے ملا علی قاری رحمہ اللہ نقل فرماتے ہیں: حیث جعلوا من علامات السنة والجماعت کی نشانیوں میں یہ قرار دیا ہے جو شیخین (ابوبکر صدیق، عمر فاروق) رضی اللہ عنہما کو بقیہ تمام صحابہ سے افضل مانے، اور حضرت عثمان غنی، اور حضرت علی سے محبت کرے وہ سنی ہے،، مزید امام املک رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا: "ادر کت شیوخنابالمدینة و ھذاارایھم "(زبدة :۱۸۴)

یہ فرمان بھی اسی مسئلہ فضیلت جو کثرت ثواب کی بناء پر حاصل ہو،، کی ایک کڑی ہے، ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ مدینہ منورہ کے صحابہ کرام شیخین، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کی افضلیت کا پرچار کریں، اور ان کی اس افضلیت میں درجہ بندی کو رسول اللہ ﷺ خود سناعت فرمائیں، مگر امام مالک رحمہ اللہ کے مدنی شیوخ کو اس کا علم نہ ہو؟ سید صاحب نے لکھا:۔ اسی صفحہ پر علامہ موصوف (ابن عبدالبر اندلسی) امام مالک کا قول نقل کرتے ہیں: "قول مالک ھذا یدل علی انه لم یصح عنده حدیث نافع عن ابن عمر کنا نفاضل علی عھد رسول الله (ﷺ)فیقول ابوبکر ،ثم عمر ،ثم عثمان ،ثم نسکت فلا یفضل احدا و کان افھم الناس لنافع و اعلمھم بحدیثه و کان نافع عنده احد الذین یقتدی بھم فی دینه فلو کان ھذاالحدیث عند ہ صحیح عن نافع عن ابن عمر ماقال قوله ھذا" ترجمہ: امام مالک کا یہ قول دلالت کرتا ہے (یہ بتاتا ہے) کہ ان کے نزدیک نافع رضی اللہ عنہ کی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت صحیح نہیں کہ ہم حضور علیہ السلام کے عہد سعادت جہد میں افضلیت دیا کرتے تھے وہ کہا کرتے، ابوبکر، پھر عمر، پھر عثمان رضی اللہ عنہم پھر چپ کر جایا کرتے تھے، اور کسی کو فضیلت نہیں دیا کرتے تھے، حالانکہ وہ نافع کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے، اور نافع رضی اللہ عنہ ان کے نزدیک ان لوگوں میں سے تھے جن کی دین میں پیروی کی جایا کرتی تھی اگر یہ حدیث ان کے نزدیک نافع رضی اللہ عنہ سے صحیح ہوتی تو امام مالک رضی اللہ عنہ یہ جملہ کبھی نہ بولتے' (زبدة:۱۸۵)

ابن عبدالبر اندلسی نے امام مالک رضی اللہ عنہ کے قول:

"لا افضل احدامن العشرة ولا غیرھم علی صاحبه و کان یقول ھذا من علم الله

الذی لا یعلمه غیره" سے حدیث نافع رضی اللہ عنہ کی صحت کی نفی کرتے ہوئے جو تبصرہ کیا ہے وہ چند وجوہ محل نظر ہے، (۱) امام املک کا یہ قول عبداللہ بن وہب کی زبانی ہے،، (۲) عشرہ مبشرہ میں سے کسی ایک کو دوسرے پر تفضیل نہ دینے کا ذکر ہے اگر شیخین بالخصوص صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی داخل اور شامل ہوں تو احادیث نبویہ کے معارض ہے، جیسا کہ ہم تھوڑا سا پہلے، ابو ہریرہ، ابودرداء، انس، جابر رضی اللہ عنہم سے چند مروی احادیث حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر نقل کر آئے ہیں ، (۳) اگر حضرت ابوبکر صدیق عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں اور حضرت امام مالک کا قول "لا افضل احدا علی الاطلاق" ہے تو اجماع صحابہ کے خلاف ہے اور جمہور اہل سنت و جماعت کے مذہب کے برعکس ہے،، (۴) یہ قول خود حضرت امام مالک کے عقیدہ کے خلاف ہے، شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے نقل فرمایا: حضرت امام مالک سے جب دریافت کیا گیا کہ ساری امت میں افضل کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا حضرت ابوبکر، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما جب حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے متعلق دریافت کیا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ میں نے دین کے پیشواؤں سے بارہا پوچھا مگر ایسا کوئی نہ ملا جو ایک دوسرے سے افضل قرار دیتا ہو،، (تکمیل الایمان :۱۶۲ مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور)

امام مالک رحمہ اللہ کا یہ قول ان لوگوں کے بھی خلاف ہے جو حضرت علی کو شیخین پر تفضیل دیتے ہیں (رضی اللہ عنہم) (۶) ان لوگوں کے بھی خلاف ہے جو حضرت علی کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما پر تفضیل دیتے ہیں،، (۷) امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: "نقل البیهقی فی الاعتقاد بسنده عن ابی ثور عن الشاعی انه قال اجمع الصحابة و اتباعهم علی افضلیة ابی بکر ثم عمر ، ثم عثمان ، ثم علی رضی الله عنهم" ترجمہ: محدث بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الاعتقاد" میں اپنی سند سے بروایت ابی ثور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا تمام صحابہ اور تابعین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سب سے افضل حضرت ابوبکر ہیں، پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں،، اگر امام مالک کے قول میں خلفاء اربعہ داخل ہوں تو

اجماع صحابہ اور تابعین کا نقص لازم آئے گا، جس کا ارتکاب امام مالک جیسی شخصیت کیلئے ممکن ہی نہیں اور پھر اسی ترتیب افضلیت پر امام شافعی رحمہ اللہ بھی اعتقاد اور یقین رکھتے ہیں۔ رہا.........حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی طرف ابن عبدالبر کا یہ منسوب کرنا کہ ان کے نزدیک حضرت نافع والی حدیث جو ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے صحیح نہیں،، یہ بھی غلط ہے،،

۱: حضرت مالک رضی اللہ عنہ نے بذات خود اس حدیث کی صحت سے انکار نہیں کیا، بلکہ ابن عبدالبر اندلسی نے ان کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ انتساب بلاثبوت اور بدوں تحقیق ہے،، اندلسی صاحب نے اپنے خود ساختہ قیاس سے عدم صحت کی نسبت حضرت امام مالک کی طرف کر دی ہے۔

۲: اگر حدیث نافع عدم صحت کو پہنچتی تو حضرت مالک ضرور اس کا تذکرہ فرماتے اور کوئی نہ کوئی راوی ضرور اس کو ضبط تحریر میں لاتا۔

۳: بالفرض، اگر عبداللہ بن وہب نے امام مالک سے یہ قول سنا ہے تو غور طلب امر یہ ہے کہ عدم تفضیل کا معاملہ عشرہ مبشرہ اور دیگر صحابہ تک ہے؟ اگر خلفائے اربعہ کو عشرہ مبشرہ میں داخل اور شامل رکھا جائے تو وہی محذورات لازم آتے ہیں جن کا ذکر اوپر کر دیا گیا ہے لا محالہ عشرہ مبشرہ سے مراد وہ ہوں گے جو خلفائے اربعہ کے علاوہ ہیں، مفہوم یہ ہوگا کہ کثرت ثواب اور اجر عظیم کے لحاظ سے کسی ایک کو دوسرے پر تفضیل نہیں دی جا سکتی اور یہ حقیقت اور قرین قیاس ہے،، ایسی صورت میں امام مالک رحمہ اللہ کا قول بے غبار ہے۔

۴: حدیث کی عدم صحت کیلئے اگر اندلسی صاحب ثالث بنے ہیں تو انہیں عدم صحت کی وجوہات کو نقل کرنا چاہیے تھا، ایک شخص کا قیاس حدیث کی صحت یا عدم صحت کا پیمانہ نہیں ہو سکتا،،

۵: نافع دو ھیں: نافع بن مالک بن ابی عامر الاصبحی ابو سھل المدنی ، عم الامام مالک ، روی عن ابیه ، و ابن عمرو سعیدبن المسیب ، و علی بن الحسین و جماعة ، و روی عنه مالک و الزھری و اسماعیل بن جعفربن ابی کثیر و آخرون ، و ثقه احمد ، و ابو حاتم ، و النسائی ،، یہ موضوع بحث نہیں،،

۲: نافع بن سرجس الديلمى مولى عبد الله بن عمر ،و ابوعبد الله المدنى ،روى عن مولاه ،ورافع بن خديج و ابى هريره ،وعائشه ،وام سلمة ،وطائفة ،وروى عنه بنوه عبد الله و ابوبكر وعمر والزهرى ،وموسىٰ بن عقبة ،وابوحنيفة ،ومالك والليث وخلق قال البخارى اصح الاسانيدمالك عن نافع عن ابن عمر ،وقال مالك كنت اذاسمعت من نافع يحدث عن ابن عمر لا ابالى ان لا اسمعه من غيره '(اسعاف المبطاء امام جلال الدين السيوطى)

شيخ ولى الدين ابى عبد الله محمد بن عمر كان ديلميا وهومن كبار التابعين سمع ابن عمر و اباسعيد روى عنه خلق كثير منهم الزهرى ،ومالك بن انس وهو من المشهورين بالحديث ،ومن الثقات الذين يوخذ عنهم ،ويجمع حديثهم ويعمل به معظم، حديث ابن عمر عليه دائر،قال مالك كنت اذاسمعت حديث نافع عن ابن عمر لا ابالى ان لا اسمعه من احد''(اكمال فى اسماء الرجال)

اسماء الرجال کی ہر دو کتب سے ثابت ہوا حضرت نافع بن سرجس الدیلمی، کبار تابعین میں سے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوعبداللہ المزنی کے غلام رہ چکے ہیں، اپنے مولیٰ، رافع بن خدیج ،ابو ہریرہ، عائشہ ام سلمہ اور صحابہ کی ایک جماعت سے روایت حدیث کی آپ سے روایت کرنے والوں میں آپ کے بیٹے ،عبداللہ بن انس اور امام زہری مشہور محدثین ہیں ،اور ان ثقہ لوگوں سے ہیں جن کی احادیث کے مجموعے تیار کئے اور بڑے بڑے آئمہ نے ان پر اعمال کی بنیاد رکھی۔

حضرت نافع ،حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی تمام احادیث کا مرکز اور محور ہیں امام بخاری نے فرمایا سند کے لحاظ سے اصح ترین احادیث وہ ہیں جن کو امام مالک نے نافع اور نافع نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، امام مالک کا قول ہے کہ جب میں سنتا ہوں کہ یہ حدیث نافع نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے تو (میں مطمئن ہو جاتا ہوں) مجھے یہ پرواہ نہیں رہتی کہ نافع کے علاوہ کسی اور سے بھی تصدیق کرلوں ،امام احمد بن حنبل، ابوحاتم اور نسائی کے علاوہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کو ثقہ فرمایا ہے۔امام مالک نے بھی ان پر بھرپور اعتماد فرمایا ہے ،جس نافع

نے جلیل القدر فقہاء اور محدثین صحابہ کرام سے اخذ احادیث کیا، اور جلیل القدر آئمہ حدیث اور عظیم المرتبت فقہاء نے ان (نافع) سے احادیث لیں ابو حاتم، نسائی، بخاری، امام احمد بن حنبل، جیسے ناقدین نے ان کے ثقہ راوی ہونے کی سند جاری کی، مگر ابن عبد البر اُندلسی ان کی روایت کردہ حدیث ابن عمر کو صحیح ماننے سے انکاری ہیں، جب کہ حضرت نافع ''۱۱۷ھ'' میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے، اور ابن عبد البر اندلسی پانچویں صدی ہجری کے آدمی ہیں، اور پھر عدم صحت کا الزام حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے سر تھوپتے ہیں، جن کا اعلان ہے کہ جب میں یہ سنتا ہوں کہ یہ حدیث نافع رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ تو میں اس حدیث پر صدق، صحت اور تسلیم کی مہر ثبت کر کے آنکھیں بند کر لیتا ہوں کسی اور سند یا راوی کی تصدیق سے بے نیاز ہو جاتا ہوں، کیا ابن عبد البر اندلسی یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ کون سے ذرائع ہیں جن سے آپ کو یہ معلوم ہوا کہ امام مالک رحمہ اللہ حضرت نافع کی روایت کردہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کو صحیح نہیں مانتے۔

سید صاحب نے تحریر کیا کہ امام مالک نے برملا طور پر کہا ہے کہ میں نے ایسے بزرگوں میں سے کسی بھی شخص کو نہیں پایا جو ایک دوسرے پر فضیلت دیتا ہو۔ (زبدۃ: ۱۸۵)

یہ صرف حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے کیونکہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ اپنی زبان مبارک سے سوال کا جواب دیتے ہوئے یہ فرما چکے ہیں کہ اُمت میں سب سے افضل ابوبکر صدیق، پھر عمر، ہیں (رضی اللہ عنہما) اور ہم ان کا جواب تکمیل الایمان کے حوالے سے پہلے نقل کر آئے ہیں۔

سید صاحب نے تحریر کیا کہ امام مالک رحمہ اللہ مدینہ طیبہ کے رہنے والے تھے، اور نافع بھی وہیں کے رہنے والے تھے، اور ایک دن میں درجنوں مرتبہ ملاقات کے اتفاقات ہو سکتے تھے، پانچوں اوقات کی نماز میں ان دونوں بزرگوں کی ملاقات ایک دن میں پانچ مرتبہ ناگزیر تھی، (زبدۃ: ۱۸۵)

یہ درست ہے کہ امام مالک اور نافع رضی اللہ عنہما دونوں مدینے کے رہنے والے ہیں، ملاقات کی کثرت، اور گہرا تعارف خارج از امکان نہیں، یہ اسی عرفان اور بہر پہلو، شخصی پہچان کا اثر تھا کہ جب امام

مالک سنتے کہ یہ حدیث عبداللہ بن عمر جس کے راوی حضرت نافع ہیں، وہ بلا تامل، بدوں تردد تحقیق کئے اور تصدیق لئے بغیر اسکی صحت پر ایمان لے آتے، امام بخاری نے تو حضرت نافع کی روایت کو اصح الاسانید کا درجہ دیا ہے جیسا کہ امام جلال الدین السیوطی اور صاحب مشکوۃ ولی الدین الخطیب تعارف رجال میں بیان فرما چکے ہیں۔

سید صاحب نے تحریر کیا کہ اندریں حالات امام مالک رضی اللہ عنہ کو اس حدیث کی اطلاع نہ ہونا اور امام بخاری کو اطلاع ہو جانا کسی طرح بھی قرین قیاس نہیں، جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ بخارا کے رہنے والے ہوں اور ادوار بھی مختلف ہوں وہ یہ حدیث معلوم کر لیں اور امام مالک رضی اللہ عنہ کو معلوم نہ ہو۔ (زبدۃ: ۱۸۵)

یہاں امام بخاری، امام مالک رحمہما اللہ کا سال ولادت ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، تاکہ سید صاحب کی رائے اور قیاس کا وزن معلوم ہو سکے،، امام مالک بن انس سن ۹۵ ہجری میں اللہ کو پیارے ہوئے ، اسطرح امام مالک رحمہ اللہ کو امام بخاری پر تقدم زمانی حاصل ہے بعد میں آنے والے کا علم متقدمین کے علم کا ہی حصہ ہوتا ہے، امام بخاری صرف بخارا میں پیدا ہوئے مگر حصول حدیث کیلئے ہر محدث کے ہاں گئے، آپ نے اخذ احادیث کیلئے خراسان، جبال، عراق، حجاز، شام۔ مصر کا سفر کیا اور محدثین سے اکتساب فیض کیا، جو شخص حصول احادیث کا جذبہ لے کر بخارا سے حجاز مقدس، شام اور مصر تک گیا کیا اس کیلئے حدیث نافع کا ملنا محال ہے؛ یہاں تو محال عقلی کہاں؟ محال عادی بھی نہیں، یہ حدیث حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے پاس تھی، اس کیلئے دو قرینے ہیں، امام بیہقی نے کتاب اعتقاد میں ابوثور کے حوالے سے نقل فرمایا ہے کہ امام شافعی سے منقول ہے:

"اجمع الصحابة اتباعهم علی افضلية ابی بکر ثم عمر، ثم عثمان، ثم علی (رضی الله عنهم)" (تکمیل الایمان، بخاری حاشیه ۷، ص، ۵۱۶، امام قسطلانی)

امام شافعی رحمہ اللہ کو خلفائے اربعہ کی ترتیب فضیلت بترتیب خلافت منعقدہ صحابہ اور تابعین کے اجماع کا علم ہے، مگر ۹۵ ہجری میں پیدا ہونے والے امام مالک رحمہ اللہ کو علم نہیں؟ مزید یہ کہ سیدنا

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو ترتیب فضیلت بہ ترتیب خلافت کا علم ہے جو سن ۸۰ ہجری پیدا ہوئے، مگر سن ۹۵، ہجری میں پیدا ہونے والے امام مالک کو علم نہیں؟ جبکہ مسلمہ اصول ہے کہ پچھلوں کا علم اگلوں کی میراث ہے، حضرت نافع نے عبداللہ بن عمر، سعید بن المسیب علی بن الحسین، رافع بن خدیج، ابوہریرہ، حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے علم حدیث میں اکتساب فیض کیا ہے،، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ملاحظہ ہو جس کی تخریج ابن عساکر نے کی ہے: ابوہریرہ کہتے ہیں ''کنا معاشر اصحاب رسول اللہ ﷺ ونحن متوافرون نقول افضل ھذہ الامة بعد نبیھا ابوبکر، ثم عمر، ثم عثمان ثم نسکت ''ترجمہ: ابن عساکر نے جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کا اخراج کیا انہوں نے فرمایا ہم لوگ اصحاب رسول اللہ ﷺ کئی جماعتیں تھے اور ہم لوگ بڑی تعداد میں تھے، ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ اس امت میں سے افضل بعد از نبی کریم ﷺ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عمر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عثمان رضی اللہ عنہ ہیں پھر ہم چپ کر جایا کرتے تھے۔ (زبدۃ: ۱۰۷) جب استاد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس ترتیب افضیلت کا علم ہے اور وہ برملا اظہار کر رہے ہیں تو لامحالا ان کے شاگرد نافع رضی اللہ عنہ کو بھی علم ہے اور جب امام مالک اور نافع دونوں مدنی ہیں درجنوں بار نہ سہی نماز پنجگانہ میں ملاقات کا قوی امکان ہے تو کیسے باور کیا جائے کہ نافع کی حدیث میں بیان شدہ ترتیب فضیلت کا امام مالک کو علم نہ ہو؟

سید صاحب نے ابن عبدالبر اُندلسی کی کتاب استذکار: ۱۴، ۳۴۱ حدیث نمبر ۲۰۱۹۵،، سے یہ اقتباس نقل کیا: ''وھو حدیث شاذ لایعضدہ شیء من الاصول و کل حدیث لا اصل لہ لا حجة فیہ و قدمالت العامة بجھلھا الیہ وھم مجمعون علی خلافہ بحیث لا یعلمون و قد نقضوہ مع قولھم بہ لانھم لا یختلفون فی ان علیا فی التفضیل رابع الا ربعة''

ترجمہ: یہ حدیث شاذ ہے اصول میں سے کوئی بھی اس کی تائید نہیں کرتی جس حدیث کی کوئی اصل بھی تائید نہ کرے اس میں کوئی دلیل تسلیم نہیں ہوتی، جاہل لوگ بوجہ اپنی جہالت کے اس کی طرف مائل ہو گئے ہیں، اور انہوں نے (جہلاء نے) غیر شعوری طور پر اس کے خلاف اجماع کر لیا ہے اور اس کو

ماننے کے باوجود اس کی خلاف ورزی کر لی ہے کیونکہ وہ اس میں کوئی اختلاف نہیں رکھتے کہ علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ افضلیت میں چوتھے نمبر پر ہیں۔(زبدۃ:۱۸۶) کتاب استدکار کے مندرجہ بالا اقتباس کا خلاصہ یہ ہے کہ(۱) یہ حدیث شاذ ہے اس کی کوئی اصل نہیں، یہ لائق حجت نہیں،

۲:اس حدیث میں جو ترتیب افضلیت ہے وہ غلط ہے،اس پر عقیدہ رکھنا سراسر جہالت ہے،

۳:اس ترتیب پر اجماع کا دعوی اور اجماع جہالت کی پیداوار ہے،اور افضلیت میں حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ کو چوتھے نمبر پر رکھنا جہالت کو سوچ ہے۔

جواباً کہا جائے گا کہ:اس حدیث کے شاذ ہونے یا نہ ہونے پر گفتگو بعد میں کی جائے گی،سردست مسئلہ اس کی اصل کا ہے کہ اصل ہے یا نہیں؟ ملاحظہ ہوں وہ احادیث جو اس مضمون پر وارد ہوئی ہیں۔

۱:عن ابی عمر قال کنا نقول ورسول اللہ ﷺ حی ،ابوبکر ،وعمر وعثمان رضی اللہ عنھم ،،رواہ الترمذی"

۲:وفی روایۃ لہ منہ ،قال کنا نفاضل علی عھد رسول اللہ فنقول ابوبکر ،ثم عمر ثم عثمان فیبلغ ذالک رسول اللہ ﷺ فلا ینکرہ "

۳:وعنہ کنا نخیربین الناس فی زمان رسول اللہ ﷺ فنفضل ابابکر ثم عمر ،ثم عثمان ،خرجہ البخاری"

۴:وعنہ کنا نقول ورسول اللہ ﷺ حی افضل امۃ محمد بعدہ ابوبکر ،ثم عمر ثم عثمان خرجہ ابو دائود الحافظ فی الموافقات"

۵:وعنہ قال اجتمع المھاجرون والانصار علی ان خیر ھذہ الامۃ بعد نبیھا ابوبکر وعمر وعثمان"

۶:وعنہ کنا نتحدث فی حیاۃ رسول اللہ ﷺ واصحابہ اوفر ما کانوا ان خیر ھذہ الامۃ بعد نبیھا ابوبکر ثم عمر ثم عثمان،خرجھما خیشمۃ بن سعد وخرج معناہ الحاکمی ،وزاد،فیبلغ ذالک النبی ﷺ فلا ینکرہ کذا فی الریاض النضرۃ ،مرقات: ۱۱: ۳۳۴)

مندرجہ بالا یہ چھ احادیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں، جن کو امام ترمذی، امام بخاری، الحافظ والامام ابوداؤد، جیثمہ بن سعد، الحاکمی، اور امام محبّ الدین طبری نے اپنی، اپنی تصنیف میں نقل فرمایا ہے، لہذا ان احادیث میں سے کسی بھی حدیث کو بے اصل (لا اصل لہ) قرار دینا غلط ہوگا، ان احادیث میں خلفائے اربعہ کی افضلیت کا بیان ہے اور بیان افضلیت ترتیب خلافت کے لحاظ پر ہے۔

۷: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے "کنا فی زمن النبی ﷺ لا تعدل بابی بکر احدا، ثم عمر، ثم عثمان، ثم نترک اصحاب النبی ﷺ لانفاضل بینھم رواہ البخاری وفی روایۃ ابی دائود قال کنا نقول ورسول اللہ ﷺ حی افضل امۃ النبی ﷺ بعدہ ابوبکر، ثم عمر، ثم عثمان رضی اللہ عنھم"

۸: ابن عبدالبر اُندلسی نے جس حدیث پر اعتراض کیا اور غیر صحیح قرار دیا اور اس کی عدم صحت کو امام امالک رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا وہ یہ ہے "عن نافع ابن عمر قال کنا نخیر بین الناس فی زمان رسول اللہ ﷺ فنخیر ابابکر ثم عمر بن الخطاب، ثم عثمان بن عفان" (بخاری: ۱، ۵۱۶) ترجمہ: حضرت نافع حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں، کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس میں صحابہ کے درمیان افضلیت کا فیصلہ کیا کرتے تھے، ہم سب سے افضل ابوبکر پھر عمر بن الخطاب اور پھر عثمان بن عفان رضی اللہ عنھم کو قرار دیا کرتے تھے،،

مندرجہ بالا آٹھ احادیث کا مضمون اور مفہوم ایک ہی ہے، اور ان احادیث کو متعدد آئمہ حدیث نے کتب میں نقل فرمایا مگر کسی محدث نے ان میں سے کسی حدیث کو ضعیف، منکر، یا شاذ نہیں کہا، ان احادیث کو نقل کرنے والے امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام بخاری، محبّ الدین طبری وغیرہ رحمھم اللہ تعالیٰ ہیں۔

امام ترمذی سن ۲۰۹ ہجری میں پیدا ہوئے، اور ۲۷۹ ہجری میں فوت ہوئے، امام ابوداؤد ۲۰۲ ہجری میں تولد ہوئے اور ۲۷۵ ہجری میں انتقال فرمایا: امام بخاری ۱۹۴ ہجری میں تولد ہوئے، اور ۲۵۶ ہجری میں رحلت فرمائی،، اور ابن عبدالبر نے ۴۶۳ ہجری میں انتقال کیا،، گویا ابن عبدالبر پانچویں صدی ہجری

کے آدمی ہیں، دوصدیاں قبل علم وتحقیق کے بے تاج بادشاہ، بال کی کھال اتارنے والوں کو امام بخاری کی حدیث نافع ضعیف یا غیر صحیح نظر نہ آئی مگر پانچویں صدی کے ابن عبدالبر کو جو اُندلس کے رہنے والے ہیں ،، یہ حدیث صحیح نظر نہ آئی اور عدم صحت کا الزام امام مالک رضی اللہ عنہ کو دے دیا،، جو امام مالک عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کے راوی نافع ہوں آنکھیں بند کر کے بلا تامل، اور بدوں تحقیق واطمینان قبول کرتے ہیں، اور امام بخاری نافع کی سند کو اصح الاسانید کا درجہ دیتے ہیں،، ان جلیل القدر آئمہ کی صراحت کے بعد کسی طور پر بھی حدیث نافع کو غیر صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا،، ابن عبدالبر اندلسی کے پاس عدم صحت کی دلیل یہ ہے کہ افضلیت میں حضرت مولا مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو چوتھا نمبر پر کیوں رکھا گیا؟ ان کے الفاظ یہ ہیں:

”لا نهم لا يختلفون فی ان عليا فی التفضيل رابع الربعة“ (زبدة : ۱۸۶)

جہاں تک حدیث نافع کو شاذ کہنے کا تعلق ہے جیسا کہ سید صاحب نے تحریر کیا ہے کہ ابن عبدالبر اُندلسی شاذ کہتے ہیں لہذا ان کی تحقیق یہ ہے کہ یہ حدیث شاذ ہے“ (زبدة:۱۸۶) فنی اعتبار سے، اور ماہرین اصول حدیث کے مطابق اس حدیث کو شاذ کہنا غلط ہی نہیں بلکہ باطل ہے،،

امام شافعی رحمہ اللہ نے شاذ کی تعریف میں فرمایا: ”ماروی الثقة مخالفالرواية الناس لا ان يروی الثقة ما لا يروی غيره“ شاذ وہ حدیث ہے جس کا راوی ثقہ ہو مگر دیگر راویوں کے خلاف روایت کرے، شاذ وہ نہیں کہ ثقہ روایت کرے اور کوئی اس حدیث کو روایت نہ کرے،،

حافظ ابویعلی حنبلی رحمہ اللہ نے فرمایا: ” والذی عليه حفا ظ الحديث ،ان الشاذماليس له الا اسنادواحديشذبه ثقة او غيره ،فما كا ن منه عن غيرثقة فمتروك ،،لا يقبل “

ترجمہ: حافظ ابویعلیٰ الخلیلی اور دیگر حفاظ حدیث کا مذہب ہے کہ شاذ وہ حدیث ہے جس کی سند (راوی) ایک ہے اور اس روایت سے ثقہ یا غیر ثقہ دوسرے راوی کی مخالفت لازم آتی ہو،، اور دیگر راوی غیر ثقہ ہے تو وہ حدیث متروک اور غیر مقبول ہے۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے فرمایا: ”هو ما انفرد به ثقة ليس له اصل متابع“ راوی ثقہ ہو اور منفرد ہو

اس کا کوئی متبع نہ ہو، وہ شاذ ہے،، امام نواوی نے فرمایا

:"وما ذکراہ مشکل بافرادالعدل الضابط" ترجمہ: حافظ ابو یعلیٰ الخلیلی اور امام حاکم نے شاذ کی تعریف کی ہے یہ صحیح نہیں بلکہ مشکل ہے کیونکہ اگر راوی منفرد ہو عادل اور ضابطہ ہو تو اس کو شاذ، مقبول کہا جاتا ہے، اور وہ حجت شرعیہ ہے۔ امام جلال الدین سیوطی نے فرمایا:

"ومن اوضح امثلته ما اخرجه فی المستدرک من طریق عبید بن غنام النخعی عن علی بن حکیم عن شریک عن عطابن السائب عن ابی الضحیٰ عن ابن عباس قال فی کل ارض نبی کنبیکم وآدم کادم ونوح کنوح وابراھیم کابراھیم وعیسیٰ کعیسیٰ وقال صحیح الاسانید ولم ازل اتعجب من تصحیح الحاکم له حتی رائیت البھیقی قال اسناده صحیح ولکنه شاذ بمرۃ"

شاذ کی واضح ترین مثالوں میں سے یہ حدیث ہے جو امام حاکم نے المستدرک میں عبید بن غنام النخعی نے علی بن حکیم اور اس نے شریک سے اور اس نے عطاء بن سائب سے اور اس نے ابی الضحیٰ سے اور اس نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے، فرمایا: ہر زمین میں ایک نبی تمہارے نبی جیسا اور آدم آدم علیہ السلام جیسا اور نوح، نوح علیہ السلام جیسا اور ابراہیم، ابراہیم علیہ السلام جیسا اور عیسیٰ عیسیٰ علیہ السلام جیسا موجود ہے اور حاکم نے اس حدیث کی تمام اسناد کو صحیح کہا ہے۔

میں تعجب میں مبتلا رہا کہ حاکم نے کیسے کہہ دیا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، یہاں تک کہ میں نے البیہقی کو دیکھا (مطالعہ کیا) تو امام بیہقی نے بھی اس حدیث کو صحیح الاسناد ہی کہا ہے، لیکن یہ شاذ ہے مرۃ کی وجہ سے،، امام سیوطی فرماتے ہیں: "قال المصنف کا بن الصلاح وما ذکراہ ای الخلیلی والحاکم مشکل فانه ینقض با فرادا العدل الضابط الحافظ کحدیث انما الاعمال بالنیات فانه حدیث فرد تفرد به عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ثم علقمه عنه، ثم محمد بن ابراهیم عن علقمه ثم عنه یحیی بن سعید" مصنف نے ابن الصلاح کی حمایت میں فرمایا کہ خلیلی اور حاکم نے حدیث شاذ کی جو تعریف کی ہے اس پر اشکال وارد ہے، جیسے انما الاعمال بالنیات

حدیث فرد ہے اس کے راوی اکیلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں ،ان سے علقمہ، پھر محمد بن ابراہیم علقمہ سے اور ان سے یحییٰ بن سعید روایت کرتے ہیں، اور حدیث النھی عن بیع الولاء وھبتہ :تفردبہ عبد اللہ بن دینار عن ابن عمر :.وغیرذالک من الاحادیث الافرادمما اخرج فی کتابی الصحیح کحدیث مالک عن الزھری ، عن انس ان النبی ﷺ دخل مکۃ وعلی راسہ المغفر ،تفردبہ مالک عن الزھری ،فکل ھذہ مخرجہ فالصحیحین مع انہ لیس لھا الاسنادواحدتفردبہ ثقۃ"

ترجمہ: ولاء کی خرید وفروخت اور ہبہ کی ممانعت پر جو حدیث ہے اس کے راوی اکیلے عبداللہ بن دینار ہیں جنہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے،(رضی اللہ عنہما) یہ کل احادیث افراد ہیں ان کی سند صرف ایک ہے مگر اس کے باوجود بخاری اور مسلم میں ان کو ذکر کیا گیا ہے ان کو روایت کرنے والا اگر چہ راوی اکیلا ہے مگر ثقہ ہے، ثابت ہوا کہ اگر راوی ثقہ اور متفرد ہو تو اسکی روایت کردہ حدیث دلیل شرعی اور حجت ہوگی ،اس سے سید صاحب کے اس قول اور اس دلیل کا بھی ابطال ہو گیا کہ اس حدیث کے راوی حضرت نافع متفرد،اور مروی عنہ بھی متفرد ہیں اس لیے دلیل شرعی اور حجت نہ ہوگی کیونکہ اس کے مقابل مشائخ مدینہ کی اکثریت رائے موجود ہے۔

حافظ ابن کثیر نے فرمایا :"فان الذی قالہ الشافعی اولا ھو الصواب انہ ازاروی الثقۃ شیئا قد خالفہ فیہ الناس فھو شاذ یعنی المردود ولیس من ذالک ان یرویہ الثقۃ مالم بل ھو مقبول اذاکان عدلا ضابطا حافظاً، کلھا من تدریب الراوی "

(ص: ۲۰۴،۲۰۵)

ترجمہ: امام شافعی رحمہ اللہ نے پہلے جو فرمایا: اگر ثقہ ایک چیز روایت کرے اور اس میں (اور راوی) مخالفت کریں تو وہ شاذ یعنی مردود ہے، اور اگر ایک چیز کو ثقہ روایت کرے، اور دوسرے راوی اس کو روایت نہ کریں تو وہ مقبول ہے بشرطیکہ ثقہ راوی عادل ضابطہ اور حافظ ہو،، معلوم ہوا حدیث شاذ دو قسم ہے،، مقبول یعنی حجت شرعیہ،۲: مردود،، مردود، وہ ہوگی جسکو روایت کرنے والا عادل، ضابط حافظ نہ

ہو،

ایسی حدیث حجت شرعیہ نہ ہوگی، مزید آئمہ حدیث کے نزدیک شیوخ وہ علمائے محدثین ہیں جو آئمہ اور حفاظ نہ ہوں، "والشیوخ فی اصطلاح اهل هذا العلم عبادة عمن دون الائمة و الحافظ، وقد یکون فیهم الثقة وغیره، فاما ما نفرد به الائمه والحافظ فقد سماه الخلیلی فردا، وذکران افراد الحافظ المشهورین الثقات او افرادامام الحفاظ و الائمة صحیح متفق علیه ومثله بحدیث مالک فی المغفر"

جس حدیث کا راوی حافظ، عاقل، بالغ، مسلمان ہو، فسق کے اسباب سے محفوظ ہو، اور اخلاق رذیلہ سے بھی مامون ہو،، اس کی روایت سے متصف اور تمام شرائط کے جامع ہیں،، ثقہ ہیں، ان کی حدیث، مقبول اور حجت شرعیہ ہے،، ابن عبدالبر اندلسی کا اس حدیث کو مطلقاً شاذ کہہ کر درجہء حجیت سے ساقط کرنا اصول حدیث سے بے بہرہ ہونے کی دلیل ہے،، یہ بحث اس صورت میں تھی جبکہ امام بخاری کی نقل کردہ حدیث نافع رضی اللہ عنہ کو شاذ مان لیا جائے،، پھر بھی سید صاحب اور ابن عبدالبر اندلسی کا موقف ثابت نہیں ہوتا،، ورنہ یہ حدیث مرفوع لفظاً اور معناً متواتر ہے،،

محدثین اور حفاظ نے اس نوع کی بے دلیل اور بے اصول باتوں کو کہ یہ حدیث شاذ ہے یا ضعیف ہے، حجت نہیں،، احکام شرعیہ اور مسائل دینیہ کیلئے انتہائی مضر اور خطرناک قرار دیا ہے جس سے بخوبی سمجھ میں آتا ہے کہ بلا دلیل، بدوں لحاظ اصولیات حدیث ورواۃ، کسی حدیث کو شاذ، سقیم، متروک، مضطرب کہہ دینا محدثین اور حفاظ کی نظر میں مذموم اور قابل گرفت ہے،، تدریب الراوی میں ہے "فان هذا الورد لردت احادیث کثیرة من هذا النمط وتعطلت کثیر من المسائل عن الدلائل" (ص: ۲۰۵) اگر اسی حال (کہ فلاں حدیث شاذ ہے وغیرہ، وغیرہ) کو اسی طرح چھوڑ دیا جائے تو بہت سے احادیث کی تردید کرنا پڑے گی، اور بہت سے مسائل دلائل سے معطل اور محروم ہو جائیں گے،، اور دین متین کا قابل قدر حصہ متاثر ہو کر اپنی افادیت کھودے گا۔

وقال ابن رجب ۶۵۹/ ، واما الشافعی وغیره فیرون ان ماتفرد به ثقه مقبول

الروایة ولم یخالفه غیره فلیس یشاذ،،تریب الراوی ،۲۰۵)ترجمہ: ابن رجب نے فرمایا کہ امام شافعی وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ جس حدیث کا راوی ثقہ مفرد مقبول الروایت ہو وہ شاذ نہیں ،حدیث بخاری کے راوی نافع متفرد ہیں ،مگر اس روایت کے منافی اور کوئی روایت نہیں لہذا حدیث نافع شاذ نہیں ،اس کو راوی متفرد کی بناء پر شاذ کہنا اصول حدیث سے بے خبری ہے۔اب آیئے دیکھیں اصول حدیث میں اس حدیث اور دیگر احادیث کا کیا مقام ہے؟اور اقسام حدیث میں یہ کون سی حدیث ہے ،،ان تمام احادیث کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے اگر چہ راوی مختلف ہیں ،حدیث زیر بحث جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں نقل فرمایا ہے وہ ''عن نافع عن ابن عمر کے الفاظ اور سند سے مروی ہے،،اس میں قول ابن عمر کنا نخیر بین الناس فی زمان رسول اللہ ﷺ الحدیث کے الفاظ ہیں،،اور دیگر احادیث میں کنا نقول ،کنا نفاضل ،کنا نتحدث ،کنا فی زمن النبی ﷺ لا نعدل بابی بکر احدا الحدیث کے الفاظ آئے ہیں ،تمام الفاظ اور احادیث کا مضمون اور مدلول ایک ہی ہے (ترتیب فضیلت خلفائے اربعہ) دیکھنا یہ ہے کہ جب قول صحابی کنا نقول ،کنا نخیر ،کنا نفاضل کنا نتحدث وغیرہ الفاظ کا مجموعہ ہو اور فی زمان رسول اللہ ﷺ کی قید سے مقید ہو تو وہ اقسام حدیث میں سے کون سی قسم ہوگی؟ امام نواوی رحمہ اللہ نے فرمایا:قول الصحابی 'کنا نقول 'او نفعل کزا ان لم یضفه الی زمن النبی ﷺ فهو مرقوف و ان اضافه فالصحیح انه مرفوع ''ترجمہ: صحابی کا قول کہ ہم کہا کرتے تھے ،یا ایسا ایسا کہا کرتے تھے صحیح مذہب یہی ہے کہا گر نسبت زمانہ اقدس کی طرف نہ ہو ،تو وہ حدیث موقوف ہے اور اگر ہو تو صحیح مذہب یہی ہے کہ وہ حدیث مرفوع ہے،،

یعنی اگر صحابی کہے کہ ہم یہ کہا کرتے ،یا ایسا کیا کرتے تھے ،اور یہ نہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایسا ایسا کرتے ،یا کہتے تھے تو یہ حدیث موقوف ہوگی ،اور اگر یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں یوں کہا کرتے ،یا یوں یوں کہا کرتے تھے ،تو صحیح یہی ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہوگی ،حضرت نافع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں قول صحابی '' کنا نخیر الحدیث ،،،رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس کی

طرف منسوب ہے، کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں افضلیت کا فیصلہ کرتے تھے کہ سب صحابہ میں ابوبکر صدیق افضل ہیں، زمانہ نبوی میں اس قول کے وجود اور صدور کی وجہ سے قول صحابی حدیث مرفوع ہوگا،، ترتیب افضلیت پر وارد یہ آٹھ احادیث (تغلیباً) مرفوع احادیث ہیں، ان میں سے کوئی ایک حدیث بھی شاذ نہیں،

ابن عساکر نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی تخریج کی ہے: "عن ابی هريرة قال كنا معاشر اصحاب رسول الله (ﷺ) ونحن متوافرون نقول افضل هذالامة بعد نبيها ابوبكر، ثم عمر، ثم عثمان، ثم نسكت "ترجمہ: ابن عساکر نے جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اخراج کیا انہوں نے فرمایا، ہم لوگ اصحاب رسول اللہ ﷺ کئی جماعتیں تھے اور ہم لوگ بڑی تعداد میں تھے ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ اس امت میں سے افضل بعد از نبی کریم ﷺ ابوبکر صدیق ہیں، پھر عمر ہیں، پھر عثمان ہیں (رضی اللہ عنہم) پھر چپ کر جایا کرتے تھے (زبدۃ:۱۰۶)

تقریب النواوی اور تدریب الراوی کے مطابق یہ حدیث مرفوع اور حدیث نافع رضی اللہ عنہ کی مؤید ہے، خلاصہ یہ ہے کہ حضرت نافع رضی اللہ عنہ کی حدیث جو امام بخاری نے نقل کی ہے مرفوع ہے شاذ نہیں، کیونکہ نافع کی روایت کے خلاف کسی ثقہ راوی سے کوئی حدیث منقول نہیں۔ بلکہ تقریباً تمام مروی احادیث، حدیث نافع کی ترجمان اور مؤید ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔

سید صاحب نے تحریر کیا کہ چونکہ اس حدیث کو صرف نافع نے روایت کیا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ نے جمیع شیوخ مدینہ کا موقف بتایا ہے اور عشرہ مبشرہ میں بھی کسی کی افضلیت کا دعوی نہیں کیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نافع اس حدیث کو روایت کرنے میں خود بھی متفرد ہیں اور ان کے مروی عنہ بھی متفرد ہیں جو کہ شیوخ مدینہ کی کثرت رائے کے مقابلہ میں تفرد ہے اس وجہ سے حدیث قابل احتجاج نہیں ٹھہرے گی،، (زبدۃ:۱۸۹)

جواباً کہا جائے گا کہ: سید صاحب نے امام حاکم ابوعبداللہ الحافظ کے حوالے سے حدیث شاذ کی تعریف ان الفاظ میں نقل کی ہے "ان يشاذ هو الحديث الذى يتفرد به ثقة من الثقات وليس له

اصل بمتابع لذالک الثقة "(زبدة : ۱۸۶) ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، حاکم اور خلیلی نے حدیث شاذ کی تعریف کی ہے آئمہ حدیث نے اس پر اشکال وارد کر کے اس کو رد کر دیا ہے: امام نواوی اور ابن الصلاح نے فرمایا"وما ذکراه ای الخلیلی والحاکم مشکل اور بطور دلیل فرمایا:

"فانه ینتقض (بافرادالعدل الضابط)الحافظ کحدیث انماالاعمال بالنیات فانه حدیث فرد، تفرد به عمر عن انبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم علقمه عنه ثم محمد بن ابراهیم عن علقمه، ثم عنه یحیی بن سعید" یہ تعریف اس متفرد راوی کی روایت سے منقوض (مردود ہے) ہے جو عادل اور حافظ ہو،، یعنی جو متفرد راوی عادل اور حافظ ہو اسکی روایت مقبول اور حجت ہے مثلاً حدیث انما الاعمال بالنیات حدیث فرد (شاذ) ہے کیونکہ اس کے راوی اکیلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے بعد کے راوی بھی متفرد ہیں لیکن اس کے باوجود یہ حدیث مقبول اور حجت ہے امام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا:"وکحدیث النهی عن بیع الولاء وهبته تفرد به عبد الله بن دینار عن ابن عمر وغیر ذالک من الاحادیث الافراد مما اخرج فی کتابی الصحیح) کحدیث مالک عن الزهری عن انس ان النبی دخل مکة وعلی راسه المغفر تفرد به مالک عن الزهری "ترجمہ: حدیث فرد کی دوسری مثال حدیث نہی عن بیع الولاء اور ہبہ ہے اس کے متفرد راوی عبداللہ بن دینار ہیں اور وہ صرف عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں اس کے علاوہ بھی اور احادیث افراد ہیں جن کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں نقل فرمائی ہیں، ان میں سے ایک حدیث فرد وہ ہے جس کے منفرد راوی حضرت مالک رضی اللہ عنہ، اور مروی عنہ بھی متفرد امام زہری ہیں جو راوی متفرد حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقعہ پر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ نے لوہے کی ٹوپی یعنی (ہیٹ) پہنا ہوا تھا۔

امام مالک نے امام زہری سے تفرداً روایت کی ہے۔

امام سیوطی فرماتے ہیں:"فکل هذه مخرجة فی الصحیحین مع انه لیس لها الااسناد

واحد تفرد به ثقة "(تدريب الراوى : ۲۰۵) یہ کل احادیث افراد ہیں جو بخاری اور مسلم میں تخریج کی گئی ہیں، باوجود یکہ ان کی سند واحد اور راوی ثقہ متفرد ہے،، ثابت ہوا کہ اگر راوی ثقہ اور متفرد ہو تو اس کی مروی حدیث دلیل شرعی اور حجت ہو گی اگر چہ مروی عنہ بھی متفرد ہو،، آئمہ حدیث اہل اصطلاح کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو شیوخ نہ ہوں، اور شیوخ وہ علمائے محدثین ہیں جو آئمہ اور حفاظ نہ ہوں،"والشيوخ فى اصطلاح اهل هذه العلم عبارة عمن دون الائمة و الحافظ ،،وقد يكون فيهم الثقة وغيره ،فاما ما انفرد به الائمة والحفاظ فقد سماه الخليلى فرداً وذكران افراد الحفاظ المشهورين الثقات او افراد امام عن الحفاظ والآئمة صحيح متفق عليه ومثله بحديث مالك فى المغفر"امام خلیلی نے فرمایا علمائے محدثین کی اصطلاح میں شیوخ وہ ہیں جو آئمہ حدیث اور حفاظ حدیث نہ ہوں کبھی شیوخ میں ثقہ ہوتے ہیں اور نہیں بھی ہوتے ،خلیلی کے نزدیک حدیث فرد وہ ہے جس کو منفرد امام اور حافظ روایت کرے،، اور پھر فرمایا وہ حفاظ جو ثقہ مشہور ہیں وہ متفرد راوی ہوں، یا کوئی امام اور حافظ متفرد راوی ہو تو اس کی حدیث صحیح اور متفق علیہ ہو گی یعنی اس کا درجہ صحیحین کی حدیث کے برابر ہو گا جیسا کہ امام مالک کی حدیث مغفر،، کہ امام مالک متفرد راوی ہیں ،اور ان کے مروی عنہ امام زہری بھی متفرد ہیں،،

امام شافعی وغیرہ کے نزدیک حدیث شاذ وہ ہے :"ما تفرد به ثقة مقبول الرواية ولم يخالفه غيره فليس بشاذ وتصرف الشيخين يدل على مثل هذاالمعنى "(تدريب الراوى ۲۰۵)

ترجمہ: وہ حدیث جس کا ثقہ راوی متفرد مقبول الروایت ہو اور اس روایت میں کسی اور نے مخالفت نہ کی ہو وہ حدیث شاذ نہیں، امام بخاری اور امام مسلم کا اس حدیث کو نقل کرنا اسکی معنوی دلیل ہے یعنی امام شافعی کے نزدیک وہ حدیث شاذ نہیں جس کا راوی ثقہ منفرد ہو، اور اس کی روایت علمائے محدثین ،آئمہ و حفاظ حدیث میں مقبول ہو یہ حدیث صحیح متفق علیہ کے درجہ میں ہو گی، کیونکہ امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں ایسی احادیث کو نقل فرمایا ہے۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ کبار تابعین میں سے ہیں صحابہ کے شاگرد اور صحابہ سے احادیث کو سماعت

فرمانے والے، امام زہری، امام مالک امام ابوحنیفہ ان سے آگے روایت کرنے والے ہیں، امام بخاری ان کی روایت کو اصح الاسانید فرماتے ہیں، امام مالک یہ سن کر تحقیق وتصدیق سے بے نیاز ہو جاتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی حضرت نافع رضی اللہ عنہ ہیں، ان کی روایت کردہ بخاری کی حدیث شاذ کیسے ہوسکتی ہے؟ ناقدین فن حدیث نے ان کو ثقہ قرار دیا، اور پھر تصریح کردی کہ ان سے روایت کرنے والی خلق کثیر ہے،، پھر بقول امام شافعی رحمہ اللہ شاذ کیلئے مخالف روایت کا آنا ضروری ہے اس کے مقابل، یا مخالف کوئی روایت ہے ہی نہیں، بلکہ اس حدیث کی تائید میں حدیث ابو ہریرہ موجود ہے جو ابن عساکر کی تخریج کردہ ہے،، اور سید صاحب نے بھی نقل کی ہے۔(زبدۃ:۱۰۶)

خلیلی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''فما انفرد به امام او حافظ ،قبل و احتج به ،بخلاف ماتفرد به شيخ من الشيوخ ''(تدریب الراوی: ۲۰۵) اگر راوی امام مفرد ہو یا حافظ مفرد ہو تو وہ حدیث قبول کی جائے گی، اور قابل حجت ہوگی، ہاں اگر روایت میں کوئی ایک شیخ شیوخ میں سے متفرد ہو جائے تو اس کی حدیث نا قابل قبول، اور نا قابل حجت ہوگی،، اگر آئمہ بھی شیوخ مدینہ کی طرح کسی کو کسی سے افضل سمجھتے نہ قرار دیتے تو امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رحمہم اللہ ترتیب خلافت کے لحاظ سے ترتیب افضلیت کا قول اور تحریر کیوں کرتے؟ امام خلیلی کے مطابق امام ، اور حافظ کا درجہ حدیث اور روایت حدیث میں شیخ سے بہت بلند ہے،، آئمہ مذہب اور حفاظ حدیث نے ترتیب خلافت کو ہی ترتیب افضلیت کا محور قرار دیا ہے،،

سید صاحب نے علامہ ابن البر اندلسی کا قول نقل کیا کہ :''فی حدیثهم عن ابن عمر انهم لا یفضلون احدا بعد عثمان و انهم یسکتون بعد الثلاثة من تفضیل احد فقدنقضوا ما ابرموا و الله المستعان عن جهل عامة هذالزمان''

ترجمہ: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ میں یہ بات ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد کسی کو افضلیت نہیں دیتے، اور یہ کہ وہ لوگ تین کے بعد کسی کو کسی پر افضلیت نہیں دیتے تو جو انہوں نے اٹل فیصلہ کیا تھا وہ توڑ دیا ہے اللہ تعالیٰ اس زمانے کے عوام کی جہالت سے بچائے''(زبدۃ:۱۸۹)

حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ میں صرف اتنا مذکور ہے کہ ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خاموش ہوجایا کرتے تھے، چپ کا ذکر ہے آگے نہ بڑھنے کا ذکر نہیں، بلکہ تمام صحابہ کی فضیلت تو تسلیم تھی مگر ان میں سے کون افضل ہے کون مفضول ہے اس سے چپ رہتے تھے، چونکہ خلفائے ثلاثہ کے فضائل، کمالات، اور بارگاہ رسالت مآب میں ان کے مقامات اور درجات محسوس اور عیاں تھے ان کی بنیاد پر وہ اول، دوم، اور سوم کا فیصلہ فرماتے تھے، دیگر اصحاب کا چونکہ یہ حال واضح نہ تھا اس لئے آگے بڑھنے سے سکوت فرماتے،، لیکن بعد میں جو حضرت مولا مرتضیٰ کو شامل کیا گیا اس کی وجہ صحابہ کرام کا فیصلہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی افضل ہیں، بوقت خلافت بھی آپ کی زندگی کا غالب پہلو اور بنیادی سبب آپ کی افضلیت تھی جس کو صحابہ کرام نے بہانگ دہل بیان فرمایا، تینوں تک افضلیت کو محصور اور محدود کرنے کا وعدہ نہ تھا بلکہ حالات پوری طرح واضح نہ تھے، جب حالات نے افضلیت سے پردہ ہٹایا تو آپ کے دور کے صحابہ اور تابعین نے اپنے دور کا خیر الناس فرد قرار دیا گویا چوتھے نمبر پر آپ کی افضلیت پر مہر صحابہ اور تابعین نے لگائی،، اور صحابہ نے بصورت اجماع ثبت کی، ترتیب خلافت بھی اجماع صحابہ سے معرض وجود میں آئی، اور افضلیت علی المرتضیٰ پر بھی صحابہ کا اجماع ہوا، اہل سنت وجماعت کے نزدیک اجماع بھی دلیل شرعی ہے اس لئے چوتھے نمبر پر افضلیت علی المرتضیٰ بھی حصہء ایمان بنی ....ابن عبد البر اندلسی نے اہل سنت وجماعت کے متعلق تحریر کیا کہ انہوں نے ایک حکم اٹل'' کہ حضرت عثمان غنی تک افضلیت کے قائل تھے ان کے بعد سکوت کرتے تھے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چوتھے نمبر پر لے آئے،، اور پھر فرمایا اللہ تعالیٰ اس زمانے کے عوام کی جہالت سے بچائے'' (زبدۃ:۱۸۹)

سید صاحب نے ابن عبد البر اندلسی کو مالکی تحریر کیا ہے جس سے معلوم ہوا وہ امام مالک رحمہ اللہ کے پیروکار ہیں، ہم ترتیب افضلیت میں امام مالک کا مسلک پیش کرتے ہیں، امام ابن حجر مکی نے فرمایا

''اعلم ان الذی اطبق علی عظماء الملة وعلماء الامة ان افضل هذه الامة ابوبكر الصديق ثم عمر، ثم اختلفوا فالا كثرون ومنهم الشافعی واحمد وهو المشهور

عن مالک ان الافضل بعد ھما عثمان ثم علی ''(الصواعق المحرقہ)

ترجمہ: جان لو کہ: بے شک ملت کے عظماء اور امت کے علماء کا جس چیز پر اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ اس امت میں سب سے افضل ابوبکر صدیق ہیں، پھر عمر ہیں پھر اختلاف پایا گیا، اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ پھر عثمان غنی افضل ہیں اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم، ان کثیر علماء میں امام شافعی، امام احمد بن حنبل امام مالک سے بھی یہی مشہور ہے کہ بے شک ان دونوں کے بعد عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہما ہیں۔

امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ کے کلام سے واضح ہوا کہ امام مالک رحمہ اللہ بھی ترتیب خلافت کے مطابق ترتیب افضلیت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور ان کے نزدیک بھی حضرت عثمان کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔ اور چونکہ یہ جمہور عظماء ملت اور علمائے امت کا مذہب ہے لہذا یہی واجب العمل اور لائق اعتقاد ہے، اس کے مقابل ابن عبدالبر کا قول دربارۂ امام مالک لائق التفات نہیں، سید صاحب نے تحریر فرمایا: ''امام مالک رحمہ اللہ نے برملا طور پر کہا ہے کہ میں نے ایسے بزرگوں میں سے کسی بھی شخص کو نہیں پایا جو ایک دوسرے پر افضلیت دیتا ہو،، (زبدۃ: ۱۸۵)

مندرجہ بالا ابن حجر مکی کی عبارت سے امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب دربارۂ افضلیت بیان ہو چکا ہے، سید صاحب کا تبصرہ قطعی اس کے مغائر ہے قبل ازیں بحوالہ تکمیل الایمان ص،،۱۶۲ سے یہ تحریر ہو چکا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اس امت میں سب سے افضل حضرت ابوبکر، اور پھر حضرت عمر افضل ہیں، حضرت عثمان اور حضرت علی کے بارے میں فرمایا۔ میں نے دین کے پیشواؤں سے بارہا پوچھا مگر ایسا کوئی نہ ملا جو ایک کو دوسرے پر افضل قرار دیتا ہو،، امام مالک تو کہہ رہے ہیں کہ عثمان وعلی (رضی اللہ عنہما) کو شیوخ ایک دوسرے سے افضل قرار نہیں دیتے تھے، مگر ابن عبدالبر اور ان کے پیرو سید صاحب ختنین سے کھینچ کر ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما تک لے آئے ہیں، اور اس تمام کاروائی کی ذمہ داری حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ پر ڈال دی ہے، جبکہ امام مالک کا یہ مذہب ہی نہیں، جیسا کہ اوپر گزرا، اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ اور محدث ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے مسلک امام مالک کی توضیح کی ہے۔

ابن عبدالبر اندلسی نے تحریر کیا کہ :"و ذکر زبیر بن بکار ،قال حدثنا اسماعیل بن ابی اویس عن مالک بن انس .لیس من امر الناس الذین مضوا التفضیل بین الناس "(زبدۃ : ۱۸۹)ترجمہ : امام مالک فرماتے ہیں ہم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں ان لوگوں کے درمیان تفضیل کا نظام نہیں تھا ،،ایک دوسرے پر افضلیت نہیں دیا کرتے تھے ،،یعنی دوسری صدی کے دوسرے تنصف کے نصف حصے تک تفضیل کے بارے میں توقف تھا اس کے بعد لوگوں کی زبانین کھلنے لگیں ، وضاحت طلب امر یہ ہے کہ ان لوگوں سے کیا مراد ہے؟ صحابہ ،تابعین ،یا آئمہ مذہب؟ اگر صحابہ ،تابعین ہوں ۔تو بھی خلاف شواہد اور خلاف حقائق ہے کیونکہ صحابہ اور تابعین نے خلفائے اربعہ کی افضلیت بیان کی ،اس پر بطور شہادت ابن عساکر ، بخاری ،ترمذی ،ابوداؤد کی احادیث موجود ہیں جو ہم پہلے نقل کر آئے ہیں ،سید صاحب نے بھی ابن عساکر اور ترمذی کی احادیث سے افضلیت پر استشہاد کیا ہے (زبدۃ :۱۰۶ تا ۱۰۷) کو ملاحظہ کیا جائے ،،امام بیہقی نے اس ترتیب افضلیت پر صحابہ ،تابعین کا اجماع نقل فرمایا ہے ،،اور اگر اس سے مراد آئمہ مذہب ہوں تو بھی قرین قیاس نہیں کیونکہ امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ کا کلام پہلے ذکر ہو چکا ہے ،جس سے تفضیل واضح ہے ،،ابن عبدالبر اندلسی اقتباس سے ،،حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث سے معارضہ پیش کرتے ہیں ،حدیث یہ ہے کہ وقد عورض حیث ابن عمر هذا بحدیث عبد الله بن مسعود رواه شعبة عن ابن اسحاق عن عبد الرحمن بن یزید عن علقمه من عبد الله قال کنا نتحدث ان الفضل اهل المدینة علی بن ابی طالب "

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما والی اس حدیث سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی حدیث کا تعارض لازم آگیا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اہل مدینہ سے افضل ہیں ،،حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث کا تعارض حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بایں معنی ہے کہ خلفائے راشدین کا مسکن مدینہ طیبہ ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جملہ صحابہ کرام کا مجموعی عمل یہی بتاتے ہین کہ یہ

لوگ جناب مولا مرتضیٰ کو سب سے افضل جانتے تھے‘‘ (زبدة:۱۹۰)

جواباً کہا جائے گا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی حدیث کسی لحاظ سے بھی معارض نہیں، سید صاحب نے جو تعارض کا راستہ اختیار کیا ہے وہ بھی صراط مستقیم نہیں ،،حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے الفاظ کنا نخیر بین الناس فی زمان رسول الله ﷺ فنخیر ابابکر ،ثم عمر بن الخطاب ،ثم عثمان بن عفان وارد ہوئے ہیں،، بین الناس سے مراد علی الاطلاق صحابہ کرام ہیں،، مکۃ المکرمہ کے رہائشی ہوں یا مدینہ منورہ کے یا کسی اور شہر کے جبکہ عبداللہ بن مسعود والی حدیث میں اہل المدینہ کی قید ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے صحابہ کرام سے افضل ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں عموم اور اطلاق ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں خصوص اور اہل مدینہ کی قید ہے عموم اور خصوص میں کوئی تعارض نہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں فی زمان رسول اللہ ﷺ کی قید خصوصیت مذکور ہے جس سے یہ حدیث حدیث ،مرفوع کے درجے میں ہے۔

پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں فقط مدنی صحابہ سے افضل ہونے کا ذکر ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں پوری امت (بین الناس) سے افضل ہونے کا ذکر ہے اب تعارض کیا رہا مفہوم یہ ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق ساری امت سے افضل ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اہل مدینہ سے افضل ہیں،، جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں فی زمن رسول اللہ ﷺ کی قید نہ ہونے سے اس کا درجہ وہ نہیں جو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کا ہے،، لہذا کوئی تعارض نہیں۔

۲: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کئی دیگر طرق سے بھی مروی ہے، ابن عساکر کی حدیث میں ہے ”عن ابن عمر قال کنا وفینا رسول الله ﷺ نفضل ابابکر ،وعمر وعثمان وعلیا“

۳: ابن عساکر نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی جس کے الفاظ یہ ہیں: ”کنا معاشرہ اصحاب

رسول الله ﷺ ونحن متوافرون نقول افضل هذه الامة بعد نبيها ابوبكر ،ثم عمر ،ثم عثمان ثم نسكت " یہ دونوں احادیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کی مؤید ہیں ،تینوں احادیث کو زیر غور لانے کے بعد یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث میں واقع الناس سے مراد پوری امت محمدیہ ہے جس کی تائید وتفسیر ابن عساکر کی حدیث میں واقع افضل هذه الامة نبيها سے ہوتی ہے،،لہذا کوئی تعارض نہیں ،عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صرف اہل مدینہ کا ذکر ہے اور دیگر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی احادیث میں پوری امت سے افضل ہونے کا ذکر ہے ،تعارض کہاں رہا ،پھر ایک طرف حدیث مرفوع ہے اور دوسری طرف قول صحابی یعنی حدیث موقوف ، یہاں تعارض کی گنجائش ہی کہاں ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی بھی تائید حاصل ہے امام بخاری رحمہ اللہ حضرت عمرو بن العاص سے مروی یہ حدیث اپنی صحیح میں لائے ہیں کہ :''ان النبی ﷺ بعثه على جيش ذات السلاسل فاتيته فقلت اى الناس احب اليک قال عائشة فقلت من الرجال ،قال ابوها قال فقلت ثم من قال ثم عمر بن الخطاب فعدر جالاً''ترجمہ: بے شک نبی کریم ﷺ نے انکو غزوہ ذات السلال کے موقعہ پر امیر لشکر مقرر فرمایا ،میں آپ کی خدمت مقدسہ میں حاضر ہوا ،اور عرض کیا سب لوگوں میں آپ کو کون محبوب ہے؟ فرمایا عائشہ میں نے پھر عرض کیا کہ مردوں میں سے کون ہے؟ فرمایا اس کا باپ (صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) میں نے پھر عرض کیا ان کے بعد فرمایا عمر بن الخطاب ،اسی طرح میرے سوالات پر آپ نے اور صحابہ کے نام بھی لئے ،، بخاری ج:۱، ۵۱۷) حضرت عمرو بن العاص کے سوالات پر حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کے نام لئے ، یہ اس بات پر نص ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس میں تفضیل کا سلسلہ موجود تھا ،آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے افضلیت شیخین ،کو بیان فرمایا ،اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت بھی ارشاد فرمائی ،ابن عبدالبر اندلسی نے کیسے کہہ دیا ہے کہ امام مالک کے بقول تفضیل کا سلسلہ اگلے لوگوں میں نہ تھا ،جب دور رسالت میں تھا تو صحابہ اور تابعین کے دور میں کیسے

نہ تھا؟ سید صاحب کا یہ کہنا کہ جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث بلحاظ صحت محل کلام ہے غلط ہے،،

سید صاحب نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو تسلیم نہ کرنے کیلئے ایک نئی کروٹ لی ہے: اب جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی فقاہت میں بون بعید تسلیم ہوتا ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول "کنا نتحدث "حکماً حدیث مرفوع کہلائے گا، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول کنا نفاضل بھی حکماً حدیث مرفوع کہلائے گا، بوقت تعارض قول عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ترجیح حاصل رہے گی،، دور رسول اللہ ﷺ میں جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کم عمر صحابہ میں شمار ہوتے تھے، اس لئے ان کا شمار فقہاء صحابہ میں نہیں ہوتا تھا مگر اس کے برعکس عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جناب ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مدتوں پہلے مسلمان ہوئے تھے، آپ تاریخ اسلام میں چھٹے مسلمان تھے، بحوالہ اکمال فی اسماء الرجال، مصنفہ ولی الدین تبریزی. (زبدۃ:۲۴۲) جواباً کہا جائے گا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول فی زمن رسول اللہ ﷺ'' کی قید ظرفیت سے مقید ہے لہذا قول عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حدیث مرفوع ہونے میں کوئی اشکال نہیں،، جبکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول قید ظرفیت سے مقید نہیں ہے لہذا وہ حدیث مرفوع نہیں ہوسکتا، بالفرض اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول، دور رسالتمآب ﷺ میں واقع ہوا تو حدیث مرفوع ہونے کے باوجود قول عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے معارض نہ ہوگا کیوں کہ ان کا قول اہل مدینہ تک محدود ہے، جبکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول پوری امت کو محیط ہے، اور اگر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول تمام صحابہ کیلئے (جبکہ ایسا ہے نہیں) ہو تو پھر بھی قول عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ترجیح حاصل ہوگی۔ کیونکہ ابو ہریرہ کا قول جو ابن عساکر نے نقل کیا ہے وہ بھی حدیث مرفوع ہے، اور وہ قول، قول عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کیلئے موید اور مفسر ہوگا، اور یہ ارجح قرار پائے گا، جبکہ قول عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تائید میں کوئی قول وارد نہیں ہوا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کو اس لحاظ سے بھی

ترجیح حاصل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی اس پر تائیدی مہر ثبت ہے۔

پھر صحابہ اور تابعین کے اجماع نے اس کے حدیث مرجوح ہونے کے تمام راستے بند کر دیئے ہیں۔

جہاں تک عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ فقیہہ ہونے کا تعلق ہے اس میں اختصار یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر صغر سنی میں ہی اپنے والد گرامی حضرت عمر بن خطاب کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں اسلام لائے، غزوۂ احد میں آپ کی عمر چودہ برس تھی جہاد سے روک دیا گیا، غزوۂ خندق میں شریک ہوئے، بلند پایہ زاہد اور عالم تھے، میمون بن مہران کا قول ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بڑا زاہد اور بڑا عالم نہیں دیکھا (اکمال فی اسماء الرجال) جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حالات میں علم کی بلندی، اور ورع کی عظمت کا تذکرہ نہیں، بے شک عبداللہ بن عمر، اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم صحابہ اور راوی ہیں: اصحاب فقہہ اصحاب اصول اور اصحاب حدیث کے نزدیک راوی کی دو قسمیں ہیں: علامہ شاشی نے فرمایا: "ثم الراوی فی الاصل قسمان :الاول معروف بالعلم والاجتهاد ،كالخلفاء الاربعة وعبد الله بن مسعود ، وعبد الله بن عباس وعبد الله بن عمر ،وزيدبن ثابت ومعاذ بن جبل وامثالهم رضى الله عنهم والثانى من الرواة هم المعروفون بالعدالة دون الاجتهادو الفتوى كابى هريره وانس بن مالك "(اصول الشاشی بحث اقسام الخبر) راوی کی اصل میں دو قسمیں ہیں، (۱) جو علم اور اجتہاد میں معروف (مشہور) ہیں، جیسے خلفائے اربعہ اور عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت اور معاذ بن جبل وغیرہ،، رضی اللہ عنہم" (۲) اور دوسری قسم وہ ہے جو حفظ حدیث میں مشہور اور عادل ہیں مجتہد اور صاحب فتویٰ نہیں، جیسے ابو ہریرہ، اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما،،

علامہ عبداللہ بن احمد بن محمود ابو البرکات النسفی متوفی ۷۱۰ھ نے فرمایا: "والراوی ان عرف بالفقه والتقدم بالاجتهاد كالخلفاء الراشدين والعبادلة" ترجمہ: اگر حدیث کا راوی فقہ اور دوسروں سے اجتہاد میں تقدم رکھتا ہو جیسے خلفائے راشدین اور عبادلہ، کان حدیثہ حجۃ، تو اس

کی روایت کردہ حدیث حجۃ ہوگی۔

عبادلہ کون ہیں؟ ملا احمد جیون نے فرمایا :"وھو جمع عبد ل مرخم عبد اللہ ،والمرادبھم عبد اللہ بن مسعود وعبد اللہ بن عمر ،وعبد اللہ بن عباس ،وقیل عبد اللہ بن زبیر ویلحق بھم زید بن ثابت وابی بن کعب ومعاذ بن جبل ،وعائشہ وابوموسیٰ اشعری " (نور الانوار ،بحث احوال الراوی)

ترجمہ: عبادلہ،عبدل کی جمع ہے جوعبداللہ کا مرخم ہے عبادلہ سے مرادعبداللہ بن مسعود،عبداللہ بن عمر ،عبداللہ بن عباس ،اورایک قول یہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود کی بجائے عبداللہ بن زبیر ہیں،، محشی نے فرمایا:قولہ قیل عبد اللہ بن زبیر بدل عبد اللہ بن مسعود فان عبد اللہ بن مسعود لیس منھم کذا قال الفیروز آبادی فی القاموس ،وقال الکرمانی انھم اربعۃ عبد اللہ بن زبیر ،عبد اللہ بن عباس ،عبد اللہ بن عمر ،عبد اللہ بن عمرو بن العاص" (حاشیہ نور الانوار :۱۷۸)

عبداللہ بن مسعود کے بدلے عبداللہ بن زبیر ہیں پس بے شک عبداللہ بن مسعود عبادلہ میں سے نہیں ہیں فیروزآبادی نے قاموس میں یہی تحریر کیا ہے کرمانی کہتے ہیں عبادلہ چار ہیں،عبداللہ بن زبیر،عبداللہ بن عباس،عبداللہ بن عمر،عبداللہ بن عمرو بن العاص" مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ عبادلہ چار ہیں ،مگر علمائے اصول عبداللہ بن عمر کے فقیہ اور دیگر اصحاب کبار کے مقابل مجتہد ہونے پر متفق ہیں،علم اور اجتہاد میں خلفائے راشدین کے ہم پلہ ہیں،،مگر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں اختلاف ہے،جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ علمائے اصول ان کے فقیہ اور دوسروں کے مقابل مجتہد ہونے پر متفق نہیں،امام جوہری نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی جگہ عبادلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو شامل کیا تھا،لیکن اعلام محدثین نے اس کو رد کیا ہے،"واما قول الجوھری فی الصحاح بدل عبد اللہ بن عمرو ابن العاص عبد اللہ بن مسعود فمردود علیہ لانہ مناف لما قال اعلام المحدثین کاحمد بن حنبل وغیرھم "(حاشیہ حسامی

:۱۹۷)

امام جوہری نے صحاح میں عبداللہ بن عمرو بن العاص کی جگہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو عبادلہ میں شامل اور درج کیا ہے مگر محدثین اور آئمہ مجتہدین نے اس کو رد کر دیا ہے۔

جس سے عیاں ہے کہ علم، فقیہ اور اجتہاد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مقام عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بلند ہے آئمہ محدثین نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو روایت حدیث اور اجتہاد کے اعتبار سے عبادلہ میں شمار نہیں کیا جیسا کہ امام احمد بن حنبل وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے۔

اگر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بدوں اختلاف عبادلہ میں شامل کر لیا جائے تو بھی علمائے اصول کے ہاں جو مقام فقیہ اور اجتہاد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے وہی مقام حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ تو امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اور دیگر آئمہ ومحدثین نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو عبادلہ میں شمار نہیں کیا جس سے ثابت ہوا کہ ان کی فقاہت اور اجتہاد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرح مسلمہ نہیں، جس سے ان کی روایت کا حجت ہونا بھی مسلمہ نہ رہا، تعجب اس بات پر ہے کہ جس کی روایت مسلمہ اور قابل حجت ہے اس کا علم اور مرتبہ کم ہے اور جس کی فقاہت اور اجتہاد پر آئمہ محدثین متفق نہیں اس کا اجتہاد، اور روایت حدیث میں مقام اور مرتبہ بہت ہی بلند ہے،،

خلاصہ یہ ہے کہ روایت حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر کا مقام، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بہت بلند ہے سید صاحب نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر جو قلت علم، کا حکم جاری کیا ہے وہ غلط ہے آپ کی روایت کردہ حدیث حجت شرعیہ ہے، سید صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جملہ صحابہ کرام کا مجموعی عمل یہی بتاتے ہیں کہ یہ لوگ جناب مولا مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل جانتے تھے، اور یہاں افضل استعمال فرمایا ہے جو کہ صیغہء اسم تفضیل ہے پھر شرح جامی سے اسم تفضیل کے استعمال کے تین طریقے نقل کئے، اور آخر میں نتیجہ یہ ذکر کیا کہ اب حضرت عبداللہ بن مسعود کے قول کا معنی یہ ہوگا وہ جملہ اہل مدینہ میں جو خوبیاں پائی جاتی ہیں ان میں

حضرت مولا مرتضٰی رضی اللہ عنہ پوری طرح شریک ہوں گے، ان میں کوئی بھی حسن وفضل ایسا نہیں جس میں مولا مرتضٰی رضی اللہ عنہ شریک نہ ہوں، مگر اہل مدینہ میں کوئی بھی ایسا آدمی نہیں ہوگا جو حیدر کرار کے اس فضل میں شریک ہو جو وہ بمقابلہ جملہ اہل مدینہ کے رکھتے ہیں۔ (زبدۃ:۱۹۰)

جواباً کہا جائے گا کہ: بحمد اللہ شرح جامی ہم نے پڑھی ہے موزوں استاد سے پڑھی ہے، بحمد اللہ پڑھانے کا بھی اتفاق ہوا ہے شرح جامی کے علاوہ بھی کتب نحو میں یہ کلیہ (تین طریقے) مذکور ہے،، حدیث زیر بحث میں اسم تفضیل کا استعمال بطریق اضافت ہے اسم تفضیل کی خاصیت یہ ہے کہ مفضل علیہ پر فضیلت اور درجہ میں برتری عطا فرماتا اور ثابت کرتا ہے، حدیث زیر بحث میں علی ابن طالب مفضل اور اہل المدینۃ مفضل علیہ ہے،، مفضل علیہ کون ہیں؟ تمام اہل مدینہ بشمول خلفائے ثلثہ یا ان کے علاوہ بقیہ اہل مدینہ،، شیخین اور خلیفہ ثالث عثمان غنی رضی اللہ عنہم اس میں داخل نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی زبانی احادیث، اقوال صحابہ (احادیث مرفوعہ) اور اجماع صحابہ سے پوری امت سے ان کی افضلیت ثابت ہے اور ہم پہلے نقل کر آئے ہیں،، لامحالہ اہل المدینہ سے مراد خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ بقیہ صحابی ہیں، اہل سنت و جماعت اس سے اتفاق کرتے ہیں، اور اگر خلفائے ثلثہ (شیخین عثمان غنی رضی اللہ عنہم) کو بھی اس مین شامل کرلیا جائے تو دو خرابیاں لازم آتی ہیں

،(۱) دیگر احادیث جو خلفائے ثلثہ کی افضلیت میں وارد ہوئی ہیں ان کے ساتھ ٹکراؤ اور تعارض، تعارض اور ٹکراؤ کی صورت میں پھر بھی خلفائے ثلثہ کا اخراج لازم آئے گا جو ضروری ہے کیونکہ تعارض کی موجودگی میں دونوں سمت کی احادیث متروک العمل ہوں گی جو درست اور جائز نہیں، ایسی صورت میں (اخراج کے بعد) ہمارا موقف ثابت ہے، پھر تعارض کو دور کرنے کیلئے ترجیح کا اصول اپنانا ناگزیر ہوگا، ترجیح کی صورت میں حضرت عبداللہ بن مسعود والی یہ حدیث مرجوح ہوگی، کیونکہ یہ حدیث موقوف ہے اور اس کے مقابل احادیث نبویہ، اور اقوال صحابہ احادیث صحیحہ، مرفوعہ ہیں، جن کی موجودگی اور مقابلے میں حدیث موقوف کی کوئی حیثیت نہیں۔

(۲) خلفائے ثلثہ کی ترتیب افضلیت پر اجماع صحابہ ہے، حدیث عبداللہ بن مسعود پر علی الاطلاق عمل

کرنے سے اجماع صحابہ کا ترک اور مخالفت لازم آتی ہے۔ کوئی مسلمان اجماع صحابہ کے ترک اور مخالفت کا متحمل نہیں ہوسکتا،، مزید حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک ایسی فضیلت اور ایک ایسا شرف حاصل ہے جو آپ کا ہی مقدر اور حصہ ہے،، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"آخر صلوۃ صلاھا رسول اللہ ﷺ مع القوم صلی فی ثوب واحد متوشحا خلف ابی بکر خرجه النسائی والطبرانی فی معجمه" (الریاض النضرۃ: ۱، ۱۷۲)

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کے ساتھ جو آخری نماز پڑھی وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھی، آپ کے پاس ایک کپڑا تھا جو اوپر لئے ہوئے تھے،، اس میں نماز ادا فرمائی۔

"عن جابر ان النبی ﷺ خلف ابی بکر" حضرت جابر روایت کرتے ہیں کہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی۔

"وعن ابی موسی ان النبی ﷺ صلی خلف ابی بکر" صحیح متفق علیه.

(الریاض النضرۃ: ۱، ۱۷۲)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے، روی ہے کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی۔ یہ حدیث صحیح اور متفق علیہ ہے،، مندرجہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے دنیاوی زندگی کی آخری نماز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھی،، اور پیچھے نماز پڑھ کر یہ واضح فرمایا کہ تمام صحابہ سے بہ بشمول انصار ومہاجرین، بلا تفریق مکی اور مدنی بلا لحاظ حسب ونسب ابوبکر افضل ہیں اس اقتداء اور اس نماز کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ آپ کی حیات ظاہریہ کی آخری نماز تھی جس نے انبیاء اور رسولوں کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کی افضلیت پر مہر تصدیق فرمائی، پوری امت میں آپ سے افضل کون ہے؟ (صلی الله علی حبیبه وآله واصحابه وبارک وسلم)

سید صاحب نے تحریر کیا کہ عبداللہ بن مسعود کا یہ قول بظاہر قول صحابی ہو کر حدیث موقوف کہلائے گا مگر اس قول میں قیاس صحابی کو دخل نہیں ہے لہذا حکماً حدیث مرفوع کہلائے گا کیونکہ یہ امر اعتقادی ہے اور جملہ عقائد سماعی اور توقیفی ہیں لہذا یہ سمجھا جائے گا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے

ضرور حضور ﷺ سے سنا ہوگا ورنہ یہ جملہ کبھی نہ بولتے،، (زبدۃ:۱۹۲)

سید صاحب قیاس صحابی سے بہت ہی الرجک ہیں مگر اس عبارت میں جو کچھ تحریر ہوا ہے وہ سارا سید صاحب کا اپنا ذاتی قیاس ہے جو تارِ عنکبوت جتنی حیثیت بھی نہیں رکھتا، مثلاً یہ کہنا کہ بظاہر حدیث موقوف کہلائے گا، حکماً مرفوع ہوگا، یہ امر اعتقادی ہے، جملہ عقائد سماعی اور توفیقی ہیں،، بفضل اللہ العظیم ہم اس کا ضمن دار جواب نقل کریں گے،،

۱: حدیث عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جو حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور زیر بحث ہے اس کے الفاظ ہیں: "کنا نخیر بن الناس فی زمن رسول اللہ ﷺ، الحدیث' اس میں قیاس صحابی کا کیا دخل ہے؟ اور کہاں دخل ہے؟

۲: ابو داؤد رحمہ اللہ نے جو حدیث نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: "کنا نقول ورسول اللہ ﷺ حی الحدیث' اس میں قیاس صحابی کہاں ہے؟

۳: امام ترمذی کی حدیث میں ہے: "کنا نقول ورسول اللہ ﷺ حی "(الحدیث)

دوسری روایت میں ہے کنا نفاضل علی عهد رسول الله ﷺ،، فنقول ابوبکر، ثم عمر، ثم عثمان فبلغ ذالک رسول الله ﷺ فلا ینکرہ "اس میں قیاس صحابی کونسا ہے؟

۴: ابن عساکر کی روایت میں ہے: "کنا وفینا رسول اللہ ﷺ نفضل ابابکر :؛ اس میں قیاس صحابی کا کیا عمل دخل ہے؟،،

۵: ابو ہریرہ سے ابن عساکر نے روایت کی ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں:

"کنا معاشر اصحاب رسول اللہ ﷺ ونحن متوافرون نقول افضل هذه المة بعد نبیها ابوبکر "اس میں قیاس صحابی کا کہاں عمل دخل ہے؟ یہ تمام احادیث آئمہ احادیث کے نزدیک مرفوعہ صحیحہ ہیں، ان کے متابل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کو حکماً مرفوع کہا ہے، اور پھر حدیث موقوف ہو، اور کہاں وہ احادیث جو حقیقتاً مرفوعہ اور صحیحہ ہوں، ہاں سید صاحب نے اپنے حضرت عبداللہ بن مسعود کو حکماً مرفوع کہا ہے کیونکہ سید صاحب نے کہا کہ یہ سمجھا جائے گا کہ عبد

اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ضرور رسول اللہ ﷺ سے سنا ہوگا؟ یہ سید صاحب کا اپنا ایک قیاس ہے جو بلا ثبوت ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ ﷺ سے سماعت میں شک ہے، اگر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ضرور سنا ہوتا جیسا کہ سید صاحب نے اپنا قیاس ظاہر کیا ہے تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی روایت میں ضرور اس کو بیان کرتے، یہ سید صاحب کا اپنا حسن ظن ہے،، ظن سے حقائق بدلتے ہیں نہ ثابت ہوتے ہیں، "ان الظن لا یغنی من الحق شیئا "

۲: ایک طرف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور وہ اس قول میں منفرد ہیں، جبکہ دوسری طرف حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں ہم صحابہ کی کئی جماعتیں تھیں، مگر ہم سب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساری امت سے افضل قرار دیا کرتے تھے، یہ جمہور صحابہ کا فیصلہ ہے جس کو ترجیح حاصل ہے۔

۳: سید صاحب نے تحریر کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث موقوف ہے مگر حکماً مرفوع ہے، اور یہ امر اعتقادی ہے اور جملہ عقائد سماعی اور توقیفی ہیں،، ہم جواباً کہیں گے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث موقوف، اور حکماً مرفوع ہو کر اگر امر اعتقادی ہے تو جمہور صحابہ کا فرمان جو حدیث صحیح اور مرفوع ہے وہ کیوں امر اعتقادی نہیں؟ بلا شبہ وہ بھی امر اعتقادی ہے، اس پر بھی عقیدہ ہونا چاہیے؟ بلکہ امر اعتقادی تو قول صحابہ ہے جو جمہور صحابہ کا فیصلہ ہے، سید صاحب کا حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث کو امر اعتقادی قرار دے کر توقیفی کہنا غلط ہے، کیونکہ توقیفی ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس امر کے قول فعل، اور امتثال امر میں متعین فرمان جاری کیا گیا ہو، حجت اور قیاس کا عمل دخل نہ ہو، اس کی واضح مثال احکامات شرعیہ، اور ان کے لوازمات ہیں جو مخصوص اور منصوص ہیں، ان میں ترمیم، اضافہ، تقدیم و تاخیر ممکن نہیں،، مورد شرع سے ذرہ بھر انحراف اور اعراض ممکن نہیں، اگر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول امر اعتقادی اور امر توقیفی ہے تو کم از کم اس پر اجماع تو ہونا چاہیے،، جبکہ اس کے امر توقیفی ہونے پر کوئی دلیل قطعی موجود نہیں، اگر امر توقیفی ہے تو عبداللہ بن عمر

،اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث امر توقیفی کیوں نہیں ؟ جبکہ وہ احادیث صحیحہ مرفوعہ ہیں ،، اگر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول حدیث موقوف ہو کر امر توقیفی ہو کر حجت شرعی ہے تو دیگر اصحاب کے اقوال جو حضرت عبداللہ بن مسعود کے قول کے معارض ہیں اور جمہور صحابہ کی رائے ہے وہ قول ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے معارض کیوں ہیں؟ کیا صحابہ کرام کو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کا علم نہ تھا؟ وہ نہ سمجھ سکے کہ قول ابن مسعود رضی اللہ عنہ امر توقیفی ہے اس کا معارضہ جائز نہیں ،، حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول امر اعتقادی اور امر توقیفی کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اس کے خلاف اقوال صحابہ اور اجماع صحابہ دلائل قطعیہ موجود ہیں ، سقیفہ بنی ساعدہ میں جب افضلیت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اجماع کی مہر ثبت ہوئی ، تو حضرت عبداللہ بن مسعود کیسے کہہ سکتے ہیں کہ تمام اہل مدینہ (تمام صحابہ) سے حضرت علی المرتضیٰ افضل ہیں ، امر اعتقادی اور امر توقیفی تو وہ امر ہے جو حضرت عبد اللہ بن عمر ، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا ، اور جس پر اجماع صحابہ منعقد ہوا۔.......... اور جمہور امت مسلمہ سقیفہ بنی ساعدہ کے دن سے لے کر آج تک اس پر عقیدہ اور عمل لئے یوم آخرت کی طرف رواں دواں ہے۔

اور حدیث رضیت لامتی مارضی لھا ابن ام عبد وسخطت لھا ابن ام عبد "

ترجمہ: میں نے اپنی امت کیلئے وہ چیز پسند کی ہے جو ام عبد کے بیٹے (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پسند کی ہے اور میں نے اپنی امت کیلئے وہ چیز ناپسند کی جو ام عبد کے بیٹے عبداللہ بن مسعود ناپسند کی ،، (زبدۃ: ۲۴۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک شخص کی بکریاں چرایا کرتے تھے ، ایک دن رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وہاں سے گزر ہوا جہاں وہ بکریاں چرا رہے تھے ، رسول اللہ ﷺ نے بھوک ہونے کی وجہ سے آپ سے دودھ والی بکری مانگی تا کہ اس کا دودھ دوہ کر بھوک کو دور کریں ، عبداللہ بن مسعودؓ نے عرض کیا میں مالک نہیں آجر ہوں کسی کے پاس مزدوری پر بکریاں چراتا ہوں اس کی اجازت کے بغیر نہیں دے سکتا میں امین ہوں امین ہو کر خیانت نہیں کر سکتا ، عبداللہ بن

مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سن کر آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اور ان کیلئے دعائے خیر فرمائی ، جس کا اثر یہ ہوا کہ آپ مسلمان ہوئے اور جلیل القدر صحابی بنے ،، فقیہ اور محدث بنے ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے سے قبل بھی امانت اور دیانت کو پسند فرمایا ، دور جاہلیت ، اور جائے تنہائی ہوتے ہوئے بھی امانت و دیانت کا معیار قائم رکھا جس کی جزاء دعاء رسول سے صحابیت کی لازوال دنیا اور آخرت کی دولت ہاتھ آ گئی ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے لئے امانت و دیانت کو پسند کیا ، یہ امانت و دیانت رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کیلئے پسند کی ،، جو بعد میں دین اسلام کا ایک عنوان بن گئی ۔

۲: عبداللہ مسعود نے اپنے لئے کیا پسند کیا ؟ اس کی کوئی تفسیر اور تعیین نہیں کی گئی ، عقلی اور نقلی قرائن بتاتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے لئے وہی کچھ پسند کیا جو رسول اللہ ﷺ کی پسند تھی ، آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر و حضر میں رہے ، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے کی وجہ سے آپ کو صاحب سر رسول اللہ ﷺ ہونے کا شرف حاصل ہوا جس نے آپ کی امانت و دیانت کو چار چاند لگائے ، رسول اللہ ﷺ نے اس پر ان کے عمل کو دیکھ کر فرمایا : میں پسند کرتا ہوں کہ میری ساری امت اسی طرح دیندار اور امین ہو یہ ایک ضروری وصف ہے جس کا اپنا مقام اور اجر ہے ، مگر افضلیت کا موجب ایک وصف میں فضیلت نہیں بلکہ افضلیت کا موجب کثرت جزا ثواب ہے ہر لحاظ ، ہر عمل ، اور ہر وصف کی بنیاد پر ، کثرت ثواب ، اور اجر جزیل سمیٹنے والا دنیائے صحابیت کا ایک ہی آفتاب جہاں تاب ہے جس کا نام نامی ، اسم گرامی جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہے ، رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بیان افضلیت نہیں بلکہ شفقت ، مہربانی اور حوصلہ افزائی اور داد تحسین کا اظہار ہے ، اگر یہ کہا جائے کہ یہ دلیل افضلیت ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ساری امت کیلئے افضلیت پسند فرماتے ہیں جبکہ یہ کہنا اور اس کی آرزو کرنا ، ناممکن ہے ناممکن چیز کیلئے اللہ کا نبی اللہ سے درخواست کر سکتا ہے نہ آرزو رکھ سکتا ہے ،، تدبر و تفکر ، مزید یہ فرمان سید صاحب کے موقف کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی

افضلیت ثابت ہوتی ہے۔

سید صاحب نے تحریر فرمایا: اور جناب عبداللہ بن مسعود کی حدیث در بارا فضلیت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو امام احمد بن حنبل کی روایت نے فضائل صحابہ ۲:۸۴۷ پر بھی روایت فرمایا ہے،، (زبدۃ:۲۴۳)

ہم پہلے نقل کر آئے ہیں، علامہ حسامی نے فرمایا: ''و اذاثبت ان خبر الواحد حجة ،قلنا ان كان الراوى معروفا بالفقه و التقدم فى الاجتهاد،، كالخلفاء الراشدين و العبادلة الثلثة ،الخ''

اور جب یہ امر ثابت ہو گیا کہ خبر واحد حجت ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اگر راوی اس بات میں مشہور ہو کر وہ ادلہ قطعیہ سے بلا تکلف سرعت کے ساتھ احکام کا استنباط کر سکتا ہے اور دوسرے اصحاب علم کے مقابل اجتہاد میں قوی اور معتمد ہے تو كان حديثهم حجة اس کی حدیث حجت ہوگی،، جیسے خلفائے راشدین اور عبادلہ ثلثہ کہ یہ ادلہ قطعیہ سے بلا تکلف فقہی احکام استنباط کر سکتے تھے بلکہ کرتے رہے ہیں اور اسی طرح عبادلہ ثلثہ بھی اسی معیار کے اصحاب فقہ اور صاحب اجتہاد ہیں، لہذا خلفائے اربعہ اور عبادلہ ثلثہ جس حدیث (خبر واحد کو روایت کریں گے وہ حجت شرعیہ ہوگی، اب دیکھتے ہیں عبادلہ ثلثہ کون ہیں؟

عبادلہ عبدل کی جمع ہے جو عبداللہ کا مرخم ہے یعنی عبداللہ کے آخری حرف ھا کو تخفیف لفظ کی خاطر حذف کر دیا گیا ہے ''قال الكرمانى وهم اربعة ،عبد الله بن عباس ،عبدالله بن عمر ،وعبد الله بن زبير ،وعبد الله بن عمر و العاص،،

امام کرمانی رحمہ اللہ نے فرمایا عبادلہ چار ہیں (۱) عبداللہ بن عباس (۲) عبداللہ بن عمر (۳) عبداللہ بن زبیر (۴) عبداللہ بن عمرو بن العاص،،

لیکن امام جوہری نے کہا: ''واما قول الجوهرى فى الصحاح بدل عبد الله بن عمر و بن العاص ،عبد الله بن مسعود فمردود عليه لانه مناف لما قاله اعلام المحدثين كاحمد بن حنبل وغيرهم وهم اهل الشان و المرجوع اليهم فيه'' (حاشیہ نمبر ۱۶ص،

۹۷)امام جوہری رحمہ اللہ نے صحاح میں فرمایا کہ عبادلہ میں عبداللہ بن عمرو بن العاص نہیں بلکہ ان کے بدلے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم ہیں، محشی نے فرمایا کہ یہ کہنا مردود ہے کیوں کہ بڑے بڑے علماء محدثین نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو عبادلہ میں شمار نہیں کیا، جیسا کہ امام احمد بن حنبل اور دیگر جلیل القدر علمائے احادیث نے ،، جو اس اہلیت کے حامل ہیں، اور علمائے حدیث کے مرجع ہیں ، اس سے ثابت ہوا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عبادلہ میں شامل نہیں جب عبادلہ میں شامل نہ ہوئے تو ان کی روایت کردہ حدیث قابل حجت نہیں جبکہ تمام آئمہ حدیث اور مجتہدین اور علمائے اصول کی نظر میں حضرت عبداللہ بن عمر عبادلہ میں داخل ہیں اور بلا اختلاف ان کی روایت کردہ حدیث حجت شرعیہ ہے،،، جب امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ جو چوٹی کے علمائے حدیث میں سے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعو کو عبادلہ میں شمار کرتے ہیں، نہ ان کی روایت کردہ حدیث کو حجت قرار دیتے ہیں، تو محض امام احمد بن حنبل کے نقل کرنے سے قابل حجت کیسے ہوگی؟ سید صاحب نے بخاری کی حدیث جو حضرت نافع سے مروی ہے کو حدیث متفرد کہہ کر حدیث شاذ کہا اور وجہ یہ بتائی کہ راوی (نافع) بھی متفرد ہے اور مروی عنہ (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) بھی متفرد ہیں، لہذا یہ حدیث شاذ ہوئی علمائے مجتہدین علمائے اصول، اور علمائے فقہ تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو حجت شرعیہ کہتے ہیں، مگر سید صاحب اور ان کے مقتداء ابن عبدالبر اندلسی اس حدیث کو شاذ کہتے ہیں، جبکہ اندلسی صاحب نے جو جو روایت کی ہے وہ غیر معتبر اور شاذ ہے عنقریب اس پر گفتگو کی جائے گی انشاء اللہ العزیز''

خلاصہ یہ ہے کہ مندرجہ بالا تصریحات سے ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول مرجوح، اور قابل حجت نہیں جب حضرت عبداللہ بن مسعود (علمائے اصول، فقہاء فی المذہب، مجتہدین، آئمہ حدیث) کے نزدیک عبادلہ میں داخل اور شامل ہی نہیں، تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے فضائل صحابہ میں ذکر کرنے سے حجت نہیں ہوسکتی،، اس کا محمل وہی ہے جو ہم پہلے نقل کر آئے ہیں کہ حدیث موقوف، احادیث صحیحہ مرفوعہ کے مقابل ارجح اور قابل حجت نہیں، کسی محدث کے ذکر کرنے سے

حدیث کی نوعیت اور حکم تبدیل نہیں ہوتے، کیا صحاح ستہ میں یا دیگر کتب احادیث میں ضعیف احادیث نہیں؟ حدیث کی اہمیت، حجیت، اور حکم راوی کی ثقاہت اور فقاہت سے مشروط۔ اور اجتہاد پر موقوف ہے جیسا کہ علامہ نسفی، علامہ جیون، علامہ شاشی، اور علامہ حسامی اور دیگر علمائے اصول نے توضیح فرمائی ہے،، سید صاحب نے لکھا اجماع نصی کا کوئی دعویدار نہیں اور اجماع سکوتی کا دعوی بے بنیاد ہوگا جسکی دو بنیادی وجوہ ہیں (۱) اگر بالفرض کوئی مجتہد جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا دعوی کرتا تو باقی مجتہدین کے خاموش رہنے سے بھی یہ اجماع منعقد نہ ہوتا کیونکہ مسئلہ افضلیت ضروریات دین میں سے نہیں ہے، لہذا اس پر خاموشی مفید اجماع نہیں ہوسکتی جیسا کہ گذشتہ صفحات پر یہ امر واضح ہو چکا ہے،، (زبدۃ:۲۴۲)

جواباً کہا جائے گا کہ افضلیت ابوبکر صدیق کا مسئلہ اجتہادی نہیں اور نہ ہی ظنی ہے بلکہ اجماعی اور قطعی ہے اس پر تفصیلی بحث اور دلائل پہلے نقل ہو چکے ہیں، جناب صدیق اکبر کی افضلیت صحابہ کرام کے درمیان، زیر بحث آئی، دلائل کا تبادلہ ہوا تین اشخاص کو افضلیت دی گئی، حضرت عباس، حضرت علی، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم، مگر ہر دو حضرات نے خلیفہ بننے سے انکار کر دیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل اور خلافت کیلئے موزوں قرار دے کر دست برداری کا اعلان کر دیا۔ یہ سب ہم ذکر کر آئے ہیں، الصواعق المحرقہ اور تحفہ اثنا عشریہ کی اس پر عبارات بھی زیر قرطاس ہو چکی ہیں، اعادہ کا فائدہ نہ ہوگا، جہاں تک اجماع نصی اور اجماع سکوتی کا تعلق ہے، بنیادی طور پر اجماع کے انعقاد میں اختلاف رائے موجود ہے'' ﴿قال بعضهم لا اجماع للصحابة﴾ اجماع صرف صحابہ کا ہے، یعنی جس چیز پر صحابہ کا اجتماع ہوا اور اس پر صحابہ نے قول عمل اور اعتقاد کے ذریعے اس کو تسلیم کیا اور متفق ہو گئے،، یہ مذہب اہل ظاہر اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا ہے۔

اور بعض نے کہا کہ اجماع صرف اہل مدینہ کا ہے'' وقال بعضهم لا اجماع الا لاهل المدينة'' یہ امام مالک کا مذہب ہے،، اور بعض نے کہا اولاد رسول کا اجماع حجت ہے'' وقال بعضهم لا اجماع

الا لعترۃ النبی ﷺ" یہ شیعہ کے زیدیہ اور امامیہ فرقے کا عقیدہ ہے،،

سید صاحب نے اوپر جو اجماع نصی اور اجماع سکوتی کی بحث چھیڑ کر یہ حکم جار کیا اگر کوئی مجتہد جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضیت کا دعوی کرتا تو باقی مجتہدین کے خاموش رہنے سے بھی یہ اجماع منعقد نہ ہوتا، الخ،، سید صاحب کا اشارہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان:

"ابوبکر سیدنا، خیرنا ،اجنا الی رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے یہ الفاظ افضلیت جناب عمر رضی اللہ عنہ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں تمام صحابہ کے سامنے بشمول انصار و مہاجرین کہے تھے، اور اس وقت حضرت علی ،حضرت عباس اور دیگر اہل بیت نبوت کے صحابہ وہاں موجود نہ تھے ،لہذا یہ مفید اجماع نہ تھا، اس لئے اجماع نصی منعقد نہ ہوا اور افضلیت ثابت نہ ہوسکی ،اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ حسامی نے فرمایا، "والصحیح عند نا ان اجماع علماء کل عصر من اھل العدالۃ ولا جتھاد حجۃ" احناف کے نزدیک ہر دور کے عادل ،مجتہد علماء کا اجماع حجۃ شرعیہ ہے، اگر ہر دور کے عادل اور مجتہد کا اجماع حجۃ ہے تو سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع صحابہ بشمول خلفائے اربعہ، عبادلہ اور اصحابہ کبار، بموجودگی جمیع انصار و مہاجرین افضلیت ابوبکر پر ہونے والا اجماع حجت نہیں یہ اجماع نصی نہیں؟ اجماع سکوتی بھی حجت ہے کیونکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل اور کمالات زیر بحث آئے جنہوں نے سن کر سکوت کیا ان کا سکوت بھی تائید اور اتفاق ہے کیونکہ

"السکوت فی معرض البیان بیان ،،

سید صاحب اجماع سکوتی کے منکر ہیں ،اور اجماع سکوتی کو حجت ماننے سے گریزاں ہیں ،سید صاحب کا اجماع سکوتی سے اعراض و انکار کرنا علمائے اصولین کے خلاف بغاوت اور حیلہ بازی ہے جو مردود اور باطل ہے، علامہ شاشی نے فرمایا: ثم اجماعھم بنص وسکوت الباقیین عن الرد "اجماع کی دوسری قسم یہ ہے کہ بعض صحابہ نے ایک بات کا قول کیا دوسرے صحابہ نے سن کر سکوت کیا اور سماعت شدہ اور معلوم شدہ امر کا رد کیا نہ اختلاف، اس کا حکم بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: "ثم الاجماع بنص البعض وسکوت الباقیین فھو بمنزلۃ المتواتر" ترجمہ: پھر وہ

اجماع صحابہ جس پر بعض نے دعویٰ کیا اور بعض نے اتفاق بالقول کیا، اور باقی صحابہ نے سکوت فرمایا ، نہ انکار فرمایا نہ اس کی تردید میں کچھ کہا تو یہ اجماع خبر متواتر کے درجہ اور حکم میں ہے، یعنی اس پر عقیدہ رکھنا اور اس پر عمل واجب اور قطعی ہے البتہ اس کا انکار کرنا کفر نہیں محشی نے فرمایا: ''فی القطعية ووجوب العمل به لكن لا يكفر جاحده ،الخ'' ترجمہ: اجماع سکوتی امر قطعی ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہے لیکن اس اجماع کے منکر کو کافر نہیں کہا جائے گا۔

حاشیہ میں ہے''لا ن السكوت عن الرد بعد البلوغ ومضى مدة التامل فى الحارثه دليل على ان هو الحق عنده اذلو كان الحق عنده خلاف ذالك لما سكت لان الساكت عن الحق شيطان اخرس ولا يظن بعلماء الامة لاسيما بالسلف مثله،، ترجمہ: کسی واقعہ میں جب ایک فیصلہ کیا گیا فیصلہ سماعت ہونے کے بعد غور وفکر کے وقت کا گزر جانا، تردید بھی نہ کرنا اور خاموش رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ امر حادث مین جو فیصلہ کیا گیا ہے وہ حق نہ ہوتا تو وہ چپ رہنے کی بجائے تردید کرتے کیونکہ حق کو دیکھ اور سن کر چپ رہنا گونگے شیطان کا عمل ہے علماء امت بالخصوص اسلاف (صحابہ کرام) کے بارے میں اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا،،

علامہ حسامی نے فرمایا:''ثم الاجماع الذى ثبت بنص بعضهم وسكوت الباقين لان السكوت فى الدلالة على التقرير دون النص''(۱۲۰)ترجمہ: پھر وہ اجماع ہے جس میں بعض صحابہ کی نص ہے اور بعض کا سکوت ہے، ان کا سکوت تقریر حکم کی دلیل ہے، نص کی دلیل نہیں ،یعنی اجماع سکوتی میں سکوت اس حکم کی تقریر، تائید اور توثیق ہے، بعض صحابہ نے جو امر حادث میں بطور نص جو حکم (فیصلہ) صادر فرمایا ہے وہ اس کی تائید ہے گویا ایسے موقعہ پر سکوت انکار یا تردید حکم نہیں بلکہ اس حکم کی تائید، تسلیم ورضاء کی دلیل ہے جو دلیل قطعی ہے،،

علمائے اصول نے اجماع سکوتی کے بارے میں فرمایا:

''اذانص بعض اهل الاجماع على حكم فى مسئلة قبل استقرار المذاهب على حكم تلك المسئلة وانتشر ذالك بين اهل العصر ومضت مدة التامل فيه ولم يظهر مخالف كان ذالك

اجماعا عند جمهور العلماء ويسمى اجماعا سكوتيا" ترجمہ: بعض اہل اجماع نے کسی معاملہ میں جب ایک حکم جاری کر دیا اور دیگر مذاہب کے علماء و آئمہ کا اس پر اتفاق رائے ابھی نہیں ہوا تھا کہ وہ حکم دیگر معاصرین تک پہنچا اور نشر ہو گیا، غور و فکر کا وقت بھی گزر گیا اور اس حکم کے مخالف کوئی حکم بھی سامنے نہ آیا تو جمہور علماء کے نزدیک یہ اجماع ہے اور اس کا نام اجماع سکوتی ہے،،

"ونقل عن الشافعي انه ليس باجماع ولا حجة وهو مذهب عيسىٰ ابن ابان من من اصحابنا وابى بكر الباقلاني من الاشعريه"،(حاشيه حسامى : ۱۲۱)

ترجمہ: امام شافعی کے نزدیک یہ اجماع ہی نہیں اور نہ ہی یہ دلیل شرعی ہے، احناف میں سے عیسیٰ بن ابان اور اشاعرہ میں سے ابوبکر باقلانی کے نزدیک اجماع ہے نہ حجت،،

ثابت ہوا جمہور علمائے امت کے نزدیک اجماع سکوتی اجماع ہے، احناف کے نزدیک اجماع سکوتی اجماع اور حجت ہے، مگر عیسیٰ بن ابان اور ابوبکر باقلانی کے نزدیک اجماع سکوتی اجماع ہی نہیں تو حجت بھی نہیں سید صاحب نے اجماع سکوتی کا انکار اس لئے کیا ہے کہ ان کے مقتداء باقلانی تسلیم نہیں کرتے،، علامہ حسامی رحمہ اللہ نے فرمایا: "واذا انتقل الينا اجماع السف باجماع كل عصر على نقله كان في معنى نقل الحديث المتواتر" ترجمہ: جب اسلاف (صحابہ، تابعین، تبع تابعین) کا اجماع ہر دور کے جمہور علمائے امت سے منتقل ہوتا ہوا ہم تک پہنچا تو وہ اجماع خبر متواتر کے حکم میں ہے۔

اور اس پر علامہ شاشی نے فرمایا: "في معنى نقل الحديث المتواتر فيكفر جاحده عندمن جعل الانكار كاجماعهم على قتل مانع الزكوة" (۱۲۲) ترجمہ: حدیث متواتر کے نقل کے معنی میں ہے یعنی جو اجماع دور صحابہ، تابعین، تبع تابعین میں ہوا، اس زمانے سے لیکر آج اگر اجماع کی صورت میں منتقل ہوتا ہوا ہم تک پہنچا ہے تو اسلاف کا وہ اجماع خبر متواتر کے درجہ اور حکم میں ہے، اور اس اجماع کی دو مثالیں ہیں۔ ۱: حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت پر جو اجماع ہوا،

۲: مانعین زکوۃ کے قتل پر جو اجماع ہوا،

یہ دونوں اجماع ہر دور کے علماء امت کے اجماع کے ذریعے ہم تک پہنچے ہیں لہٰذا خلافت ابو بکر صدیق، اور مانعین زکوۃ کے قتل پر صحابہ کا اجماع خبر متواتر کے درجہ اور حکم میں ہے اور جو علماء، اجماع صحابہ کے منکر کو کافر کہتے ہیں ان کے نزدیک اس اجماع کا منکر بھی کافر ہے۔

ثابت ہوا اجماع سکوتی دلیل قطعی اور اجماع ہے اور یہی مذہب جمہور اور مذہب احناف ہے،، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا: عمر، و ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہما ہمیں دو کس اند کہ اول با ابو بکر صدیق در سقیفہ بیعت نمودہ اند و بعد از اں دیگراں و ہر دو در انوقت در حق ابو بکر گفتہ اند کہ انت خیرنا وافضلنا ''ترجمہ: تو بہترین ہستی، و بزرگ ترین و ایں کلمہ ایشاں را جمیع حاضران از مہاجرین و انصار انکار نہ کردہ بلکہ مسلم درشتہ پس خیریت و افضلیت ابو بکر نزد جمیع صحابہ مسلم الثبوت و قطعی بود،، (تحفہ اثنا عشریہ: ۲۷۱)

حضرت عمر، اور حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما نے سقیفہ بنی ساعدہ میں سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی، اور ان دو کے بعد دوسرے لوگوں نے بیعت کی اور اسی وقت ان دو حضرات نے حضرت ابو بکر کی شان میں کہا ''انت خیرنا و افضلنا '' آپ ہم سب سے بہترین اور سب سے افضل ہیں، ان کے یہ کلمات سب حاضرین نے سنے جن میں انصار اور مہاجرین بھی تھے، مگر کسی نے انکار نہیں کیا بلکہ سب نے تسلیم کیا پس حضرت ابو بکر صدیق کی خیریت اور افضلیت مسلمہ تھی، ثابت شدہ تھی، اور قطعی تھی۔

یعنی جب حضرت عمر، اور ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہما نے خلافت کے استحقاق میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خیریت اور افضلیت بیان کی تو کوئی مخالف قول سامنے نہ آیا بلکہ ان حضرات کے حکم کی جمیع صحابہ بشمول انصار و مہاجرین نے اس کی تائید و توثیق فرمائی تو افضلیت قطعی ہوئی۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ کا یہ اقتباس سید صاحب کے اس قول کو بھی رد کرتا ہے کہ خاموشی مفید اجماع نہیں ہوسکتی، (زبدۃ: ۲۴۲)

علمائے اصول کے نزدیک خاموشی بوقت نص بعض حکم کی تقریر ہے،، بعض صحابہ کا دعوی، اور بقیہ صحابہ کا

عدم انکار، عدم مخالفت اجماع نصی اور امر قطعی ہے جیسا کہ پہلے ہم نقل کر آئے ہیں،، سقیفہ بنی ساعدہ میں حکم افضلیت کو بیان کرنے اور تائید وتوثیق چاہنے والے صرف دو صحابی ہیں، حضرت عمر، اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہما، مگر تمام صحابہ بشمول انصار ومہاجرین نے اسکی تائید کی، کوئی ایک رائے بھی اس کے مخالف سامنے نہ آئی، اور یہ اجماعی رائے قطعیت کا روپ دھار گئی شاہ صاحب مرحوم کے اس اقتباس اور فنی حکم سے سید صاحب کا یہ قول بھی باطل ہو گیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر کبھی امت اکھٹی نہیں ہو سکی،، اگر اکھٹی نہیں ہو سکی تو خلافت کے انتخاب کے موقعہ پر سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار ومہاجرین سمیت تمام صحابہ کا اجماع کس کا تھا؟ کیا یہ اُمت نہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے یاایھا الذین امنوا سے خطاب فرمایا رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ کی خوشخبری سنائی، حسبک الذین اتبعوک من المؤمنین ،، سے اپنے نبی کی طاقت کا اظہار فرمایا،، سید صاحب کا یہ قول انکار اجماع صحابہ کو مستلزم ہے جو براہ راست دلیل قطعی کا انکار ہے اور دلیل قطعی کے کے انکار کا حکم کیا ہے؟ تحریری کرنے کی ضرورت نہیں۔

سید صاحب نے لکھا ہے کہ: نیز یہ کہ بیس جلیل القدر صحابہ حضرت علی مرتضٰی اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر متفق تھے، جب اتنے اکابر کا اختلاف موجود تھا اور آج تک ہے تو پھر جناب ابوبکر صدیق کی افضلیت پر اجماع کیسے ہو سکتا تھا،، (زبدۃ:۲۴۳)

جواباً کہا جائے گا کہ جناب ابوبکر کی افضلیت پر کسی بھی صحابی کا اختلاف اور انکار نہیں تھا، اگر اختلاف ہوتا تو سقیفہ بنی ساعدہ میں سامنے آجاتا، سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ظاہراً تھوڑی دیر کیلئے اختلاف کیا تھا کیونکہ وہ خود خلافت کیلئے امیدوار تھے، لیکن جب مجمع صحابہ میں جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب فرما کر رسول اللہ ﷺ کا بیان اور حکم الائمۃ من قریش سنایا تو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے سر تسلیم خم کیا اور تائید کی،، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر بیعت بھی کر دی،، اگر اختلاف ہوتا تو اجماع نصی کس طرح معرض وجود میں آتا، بوقت بیعت اور اجتماع سقیفہ بنی ساعدہ، حضرت علی، حضرت عباس، حضرت زبیر بن العوام

رضی اللہ عنہم وغیرہ اہل بیت کے افراد تجہیز و تکفین میں مصروف تھے اس لئے شامل نہ ہو سکے مگر فراغت کے بعد انہوں نے بھی اپنی زبان سے افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا برملا اظہار و اقرار کیا اور بیعت کی جیسا کہ ہم پہلے الصواعق المحرقہ وغیرہ سے پوری تفصیل نقل کر آئے ہیں،،

مزید اگر تسلیم کر لیا جائے کہ بیس صحابہ حضرت علی اور حضرت زبیر بن العوام کے حضرت ابو بکر صدیق سے افضل سمجھتے تھے اس اختلاف کے ہوتے ہوئے اجماع کیسے ہو سکتا تھا،،

علامہ حسامی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ :''و لا عبرۃ قلۃ العلماء و کثرتھم '' (حسامی : ۱۲۰) اجماع میں علمائے مجتہدین کی قلت اور کثرت تعداد کا کوئی اعتبار نہیں ،اجماع کیلئے اتنا کافی ہے کہ حکم کی تقریر ہو،اور کوئی مخالف رائے سامنے نہ آئے ،،امام الحرمین علمائے اصول میں منفرد مقام کے حامل ہیں ان کا کہنا ہے اجماع کے انعقاد کیلئے عدد تواتر کا پایا جانا شرط ہے یعنی اتنے علمائے مجتہدین کا اتفاق ضروری ہے ،جتنا کہ خبر متواتر کیلئے تعداد کا ہونا ضروری ہے ،علامہ حسامی نے اس کی تردید فرمائی اور فرمایا'و لا عبرۃ لقلۃ العلماء و کثرتھم '' امام الحرمین نے خطاء سے محفوظ رہنے کیلئے تواتر کیلئے تعداد رواۃ کی شرط لگائی ہے،،مگر جمہور اصولیین کا مذہب یہ ہے کہ :''و ذھب الجمھور الی انہ لا یشترط ذالک بل الاجماع من علماء الامۃ حجۃ و ان کانوا ثلثۃ لان الاجماع انما صار حجۃ کرامۃ لھذہ الامۃ نصا لا لانقطاع قولھم اجتماعھم علی الخطاء '' (حسامی ،حاشیہ ،۹،ص،۱۲۰)

ترجمہ: جمہور کا مذہب یہ ہے کہ بے شک انعقاد اجماع کیلئے تعداد تواتر شرط نہیں بل مطلقاً علمائے امت کا اجماع حجت ہے اگر چہ علمائے امت تین کیوں نہ ہوں کیونکہ اس امت کی کرامت اور توقیر کی وجہ سے اجماع حجت ہے جس پر نص قرآنی ہے ''کنتم خیر امۃ اخرجت للناس الایہ'' اس وجہ سے نہیں کہ ان کا قول اور اجتماع خطاء سے محفوظ ہے،،

علمائے اصول تو صرف علمائے امت کے اجماع کو حجت یعنی دلیل شرعی قرار دیتے ہیں ،اگر چہ وہ علمائے مجتہدین تین ہی کیوں نہ ہوں؟ بالفرض اگر ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم وبیش صحابہ سے اجماع

میں بیس صحابہ نہ ہوں تو اس سے اجماع صحابہ ہرگز متاثر ہوتا ہے نہ منقطع ،،اور اسی طرح علی سبیل التسلیم بیس صحابہ حضرت علی اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما کو حضرت ابوبکر صدیق سے افضل مانتے ہوں تو اس سے بھی افضلیت ابوبکر پر کوئی فرق نہیں پڑتا، جبکہ ایسا نہیں ہے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شیخین کو اپنے سے افضل تسلیم کیا ہے جیسا کہ کتب صحاح ،اور الصواعق المحرقہ ، تکمیل الایمان ،،اور التمہید وغیرہ سے پہلے نقل ہو چکا ہے ،،سید صاحب نے تحریر کیا کہ اس افضلیت کے دعویدار صرف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں ،جن کی مخالفت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کی ،،جو ان سے مقابلۃً بڑے فقیہہ اور مجتہد ہیں ،(زبدۃ:۲۴۳)

ہم پہلے نقل کر آئے ہیں کہ افضلیت ابوبکر صدیق کے دعویدار صرف عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ حضرت علی ،حضرت عباس ،حضرت زبیر بن العوام حضرت ابو ہریرہ ،حضرت جابر بن عبداللہ انصاری ، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنھم ہیں ، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے خود شیخین بالخصوص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت بیان فرمائی ہے تمام ثبوت پہلے مہیا کر دیئے گئے ہیں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ،اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں آئمہ حدیث نے توازن اور تقابل کی صورت میں جو تحریر کیا ہے وہ بھی نقل ہو چکا ہے ،فقیہ اور اجتہاد میں کہاں مقام عبد اللہ بن عمر ،اور کہاں مقام عبداللہ بن مسعود؟ سید صاحب صرف معارضہ پیش کرنے کی خوش فہمی میں مبتلاء ہیں ،ان دونوں میں مجتہدین اور آئمہ حدیث کے نزدیک حضرت عبداللہ بن عمر ،حضرت عبداللہ بن مسعود کی نسبت زیادہ عالم ،زیادہ فقیہ اور زیادہ مجتہد ہیں ،اور اس کی تفصیل پہلے آ چکی ہے ،،سید صاحب کا موقف درست نہیں ،،خلاف نقل ہے ،،

سید صاحب نے ابن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ کی کتاب الفصل فی الملل والا ھواوالنحل ،۴:۱۱۱،، کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے بارے میں کچھ اہل سنت کچھ مرجیہء ،کچھ معتزلہ اور سارے خارجی متفق تھے ،اور جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے بارے میں کچھ اہل سنت ، کچھ مرجیہء کچھ معتزلہ اور سارے شیعہ متفق تھے ۔(زبدۃ:۲۴۳)

ابن حزم اندلسی قرطبہ میں پیدا ہوا ظاہریہ فرقہ سے تعلق رکھتا تھا اصول وصفات میں کثرت سے ردوبدل کرتا تھا، چنانچہ حافظ ابن کثیر نے ابن حزم اندلسی کے بارے میں تحریر فرمایا: ''﴿واتعجب کل العجب انه کان ظاهریا حائرا فی الفروع لا یقول بشیء من القیاس لا الجلی ولا غیره وهذا الذی وصنعه عند العلماء دخل علیه خطاء کبیرا فی نظره وتصرفه، وکان مع هذا من اشدالناس تاویلاً فی باب الاصول وآیات الصفات واحادیث الصفات لانه کان اولاً قد تضلع من علم المنطق﴾ (البدائیه والنهایه: ۱۲، ص۹۸)

ترجمہ: بڑی حیرت ناک بات یہ ہے کہ ابن حزم اندلسی فرقہ ظاہریہ کا پیروکار تھا، فروعات کو اچھا تصور نہیں کرتا تھا، قیاس جلی اور خفی کا قائل نہیں تھا، اور اسی وجہ سے علماء کے ہاں اس کی توقیر اور تعظیم نہ تھی، اس نے اپنی تحقیق وفکر میں بڑی بڑی خطاؤں کو داخل کرلیا تھا، اوران کے علاوہ عقائد، آیات صفات، آحادیث صفات میں بہت ہی سخت تاویلات کرتا تھا، کیونکہ یہ وہ پہلا شخص تھا جس نے علم منطق سے قابل قدر استفادہ کیا تھا،، یعنی یہ شخص اہل سنت وجماعت سے نہیں تھا فرقہ ظاہریہ سے منسلک تھا، فروعی مسائل کو نظر استحقار سے دیکھتا قیاس جو شریعت کی چوتھی دلیل ہے، کا منکر تھا، اس لئے اپنی تحقیق ونظر میں بڑی بڑی خطاؤں کو شامل کرلیا تھا عقائد کو توقیفی نہیں بلکہ اجتہادی خیال کرتا تھا، وہ آیات اور احادیث جن میں صفات باری تعالیٰ کا ذکر ہے ان میں تاویلات کرتا تھا، کیونکہ اس پر علم منطق کا غلبہ تھا، ہر بات کو علم منطق کی کسوٹی پر، پرکھتا تھا،، ان صفات کے حامل شخص کا قول غیر مقبول اور مردود ہے،،

سیدصاحب نے ابن عبدالبر اندلسی کا قول نقل فرمایا: ''قد عارضوا حدیث ابن عمر ایضاً بقول حذیفة عن حذیفة قال لقد علم المحفوظون من اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان ابن مسعود اقربهم عند الله وسیلة یوم القیامة'' ترجمہ: حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محفوظ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قیامت کے میدان میں اللہ کی بارگاہ میں سب سے قریبی ذریعہ نجات ہیں، یعنی

بارگاہ خداوندی میں قیامت کے دن نجات کا سب سے قریبی وسیلہ جانتے تھے،، (زبدۃ:۱۹۴)
حضرت حذیفہ الیمان کا یہ قول مبہم ہے، المحفوظون سے مراد کون لوگ ہیں؟ کیا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابہ کی نجات کا اقرب ترین وسیلہ ہیں یا بقیہ امت کا؟ کیا صحابہ بھی نعوذ باللہ گنہگار ہو کر محتاج شفاعت ہوں گے؟ بلکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ میرا صحابی جہاں فوت اور دفن ہوگا وہاں کے گنہگار مسلمانوں کا شفیع ہوگا،، معلوم ہوا ہر صحابی نجات یافتہ ہے اور ہر صحابی شفیع ہے، اس میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تخصیص ہی کیا ہے؟
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تمام شاگرد جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو انبیاء علیہ السلام کے بعد سب سے افضل جانتے تھے، امام شمس الدین الذہبی لکھتے ہیں: "کان تلامذته لا یفضلون علیه احدا من الصحابة" (زبدة : ۱۹۴)
حضرت عبداللہ بن مسعود کے شاگرد تابعین ہو سکتے ہیں، تابعین کا قول حجت نہیں کیونکہ تابعین کے قول سے قول صحابہ افضل ہے اور قول صحابہ میں اجماع صحابہ افضل اور حجت قطعیہ ہے، اجماع صحابہ کے مقابل قول تابعین مرجوح بلکہ مردود ہے،،
سید صاحب نے ابن عبدالبر اندلسی کا قول نقل کیا: "کل من رد حدیث جابر بن عبد الله الانصاری وابی سعید خدری کنا بنیع امهات الاولاد علی عهد رسول الله ﷺ ولم یقبله لزمه ان یرد قول ابن عمر ،، کنا نفاضل علی عهد رسول الله ﷺ ولا یقبله بل قول ابن عمر اولیٰ بالرد لانه لا اصل له ،ولیبیع امهات الاولاد حظر من اهل السنة المجتمع علیها" ترجمہ: جو شخص جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہا اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو رد کرے ،، ہم امہات الاولاد کو حضور ﷺ کے زمانے میں بیچا کرتے تھے،، اس کا فرض ہے کہ وہ قول ابن عمر کو قبول نہ کرے بلکہ ابن عمر کے قول کا رد اولیٰ ہے کیونکہ اس کی کوئی اصل نہیں اور اجماع اہل سنت کے مطابق امہات الاولاد کی بیع ممنوع ہے،،
جواباً کہا جائے گا جابر بن عبداللہ انصاری اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما کی مندرجہ حدیث کو رد کرنے

سے کنا نفاضل حدیث عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو رد کرنا کیوں ضروری ہے؟ کیا ان کے درمیان تعلیق ،یا شرط کا کوئی رشتہ قائم ہے؟ کیا ہر دو احادیث کا عنوان اور مآل ایک ہے، حفظ وضبط کا اختلاف اور تضاد ہے، ابن عبد البر نے ابو سعید خدری اور جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما کی حدیث کو رد کرنے کی وجہ اور علت یہ بیان کی ہے کہ اجماع اہل سنت کے نزدیک امہات اولاد کی بیع ممنوع ہے، جبکہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کے الفاظ اور معنی پر صرف اہل سنت کا اجماع ہی نہیں بلکہ تمام صحابہ کا اجماع ہے،، حدیث ابو سعید خدری، اور جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما اجماع اہل سنت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ اور معانی کی صحت، درستی ،اور توثیق پر اجماع امت ہے یہ کیوں قابل تردید ہے بلکہ ابن عبد البر کا قول حدیث کے اصول وقواعد کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے،

حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ ''کنا نفاضل فی زمن رسول اللہ ﷺ ،الحدیث ،، حدیث مرفوع ہے اور معنوی اعتبار سے حدیث متواتر کے درجہ میں ہے اس کی پوری تفصیل ہم تحریر کر آئے ہیں، اگر اس حدیث کی اصل نہ ہوتی اور حدیث کے معانی دوسری احادیث سے موید اور توثیق زدہ نہ ہوتے تو مضمون حدیث پر اجماع صحابہ کیوں منعقد ہوتا؟ ہر حدیث کا اپنا محل اور شان ورود ہے، رواۃ اپنے ،اپنے ہیں ایک کی تردید، دوسری کی تردید کو کیسے اور کیوں مستلزم ہے؟

اور مالک بن انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول: ''لیس من امر الناس الذین مضوا ان یفاضلوا بین الناس ''ترجمہ: جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان کا یہ کام نہیں تھا کہ لوگوں کے درمیان درجات متعین کریں۔ سید صاحب نے آخر میں تحریر کیا، یعنی اس میں سابقین مسلمین کا مذہب توقف تھا،،

(زبدۃ:۱۹۶)

ہم پہلے احادیث ،اقوال آئمہ اربعہ، آئمہ حدیث اور جمہور اہل سنت و جماعت کا مذہب تفصیلاً نقل کر آئے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں،، سید صاحب نے تحریر کیا کہ مصعب بن عبد اللہ ولیدی کا کہنا ہے کہ

''لم یکن احد من مشائخنا الذین ادرکنا ببلدنا یفضل بین احد من العشرۃ لا

مالک ولا غیرہ " ہم نے اپنے شہر (مدینہ طیبہ) میں جن مشائخ کو پایا، ان میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو عشرہ مبشرہ میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت دے نہ ہی امام مالک رحمہ اللہ ایسا کرتے تھے ،اور نہ ہی کوئی دوسرا ایسا کرتا تھا۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام اور عشرہ مبشرہ (رضی اللہ عنہم) تک امام مالک رحمہ اللہ کا سکوت اور توقف تھا،، بحیثیت خلیفہء رسول اللہ ﷺ ہونے کے جناب شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی تقدیم کا قول بصیغہء تمریض ہے جو کتاب "الاستذکار، ج ۱۴، ص ۲۴۴" پر مذکور ہے "وقد روی عن مالک تقدیم شیخین ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما من روایات ابن القاسم وغیرھم "(زبدہ : ۱۹۶)

بحمد اللہ سید صاحب اپنے دعوے توقف کی تردید میں جو امام مالک کی طرف منسوب تھا خود ہی امام مالک کا قول اور مذہب بطور نقیض اور معارضہ لے آئے ہیں کہ پہلے یہ لکھا کہ امام مالک کا مذہب دربارہ تفضیل مابین عشرہ مبشرہ توقف ہے وہ کسی کو بھی کسی سے افضل قرار نہیں دیتے............جبکہ اس کے بعد خود ابن عبدالبر کی کتاب الاستذکار سے حوالہ پیش کیا کہ ابن قاسم کی اس روایت کے علاوہ اور بھی روایات موجود ہیں،، اندریں حالات سید صاحب کا دعوی اور موقف ہے (توقف) غلط ثابت ہوا،، سید صاحب نے "قد رُوِیَ" کو صیغہ تمریض، یعنی غیر معتبر، کمزور، غیر مستند قرار دیا ہے یہ بھی غلط ہے کیونکہ علم نحو کے ادنیٰ طالب علم کو بھی بخوبی علم ہے "قد "کا مدخول دو فعل ہوتے ہیں (۱) ماضی (۲) مضارع

اگر ماضی پر داخل ہو تو تحقیق و یقین کا معنی پیدا کرتا ہے اور اگر مضارع پر داخل ہو تو قلت و تقلیل کا معنی پیدا کرتا ہے، نقل کردہ ابن قاسم کی روایت میں "قد رُوِیَ" ہے قد ماضی پر داخل ہے جس نے حق ،سچ ،اور یقین کا فائدہ دیا ہے یعنی یہ ابن قاسم کی امام مالک رحمہ اللہ کے بارے میں جو روایت ہے یہ سچ ہے اور تحقیقی ہے کہ امام مالک شیخین کریمین، جناب ابوبکر صدیق، جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو عشرہ مبشرہ میں سب سے افضل قرار دیتے تھے اس روایت نے سید صاحب کے قول توقف کو یکسر بدل کر رکھ دیا ہے،، سید صاحب نے تحریر فرمایا: افضلیت کے بارے میں خواہ خلفاء یا غیر خلفاء کے حق

میں کوئی حتمی فیصلہ کرنا انتہائی مشکل ہوگا، کیونکہ جملہ احادیث کو مدنظر رکھنا ہوگا،، ایسی حالت میں فکر و دانش کو جان کے لالے پڑے ہوں گے،(زبدۃ:۱۹۷)

ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ تمام احادیث کو مدنظر رکھنا ہوگا اور یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ خلفائے اربعہ کی افضلیت کا حتمی فیصلہ اجماع صحابہ، اور اجماع اہل سنت سے ہو چکا ہے، ایک سنی العقیدہ شخص کیلئے اس کے خلاف چلنا انتہائی مشکل ہے، اور عقل و دانش کو قتل کرنے کے مترادف ہے،،

کتاب الاستذکار:۱۴،ص،۲۴۵“ سے سید صاحب نے امام حسن رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے فرماتے ہیں:”خرج رسول اللہ ﷺ مع اصحابه الى بقيع الغرقد فقال عليه السلام ،السلام عليكم يا اهل القبور لوتعلمون ما نجكم الله منه ما هو كائن بعد كم ثم اقبل على اصحابه فقال هوء لاء خير منكم قالوا يا رسول الله ﷺ اخواننا اسلمنا كما اسلموا ،وهاجروا كما هاجرنا وجاهدوا كما جاهدنا ومضوا على اجالهم وبقينا في اجالنا ،في ماتجعلهم خيرا منا فقال ان هوء لاء خرجوا من الدنيا ولم يأكلواء من اجورهم شيئا وانا عليهم شهيد اوقال فانا الشهيد عليهم وانكم قد اكلتم اجوركم ولا ادرى ما تحدثون بعدى “ترجمہ : حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کے ہمراہ بقیع شریف میں تشریف لے گئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم پر سلام ہو قبروں والو، کاش تمہیں معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کس چیز سے نجات بخشی جو تمہارے بعد ہونے والی تھی، پھر سرکار دو عالم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا یہ لوگ تم سے بہتر ہیں، صحابہ کرام نے عرض کیا یہ لوگ ہمارے بھی بھائی ہیں ہم بھی اسی طرح ایمان لائے جیسے وہ لائے تھے، اور انہوں نے بھی اسی طرح ہجرت کی جیسے ہم نے ہجرت کی تھی ہم اپنی موتوں کے انتظار میں بچ گئے، تو آپ ﷺ انہیں کس وجہ سے ہم سے بہتر قرار دیتے ہیں، تو سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا یہ لوگ دنیا چھوڑ گئے، اور انہوں نے اپنا اجر حاصل نہیں کیا، اور میں ان کا گواہ ہوں، یا فرمایا میں ان پر گواہ ہوں، اور تم نے اپنا اجر حاصل کیا اور میں تک تخمینے سے ذاتی طور پر نہیں جانتا کہ تم میرے بعد کیا نئی چیزیں پیدا کرو گے؟(زبدۃ:۱۹۸)

سید صاحب نے تحریر کیا کہ صحابہ کا ایک طبقہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب سے افضل تھے جو سرکار ابد قرار کے عہد سعادت مہد میں انتقال کر گئے ، اس میں خلفائے کرام یا دیگر عشرہ مبشرہ کی کوئی ہتک نہیں کیونکہ سرکار علیہ کے ارشاد صریح کی موجودگی میں کسی کو مجال دم زدن نہیں ،، (زبدۃ: ایضاً) جواباً کہا جائے گا کہ مسئلہ زیر بحث افضلیت ابو بکر صدیق کا ہے یا شیخین کی افضلیت کا ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مروی مندرجہ یہ حدیث افضلیت ابو بکر صدیقؓ کے مخالف اور معارض نہیں جسطرح کہ سید نے خود سمجھا اور سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں ، حدیث کا ہر لفظ سید صاحب کے مدعا اور دلیل معارض کی نفی کر رہا ہے ،، حدیث میں ہے کہ آپ بقیع میں تشریف لے گئے اور ان مقابر والوں کو مخاطب

فرما کر ارشاد فرمایا: ''السلام علیکم '' پھر فرمایا ''ما نجکم اللہ '' پھر فرمایا ' بعد کم ' کم ضمیر کے مخاطبین بقیع میں اہل مقابر ہیں ، جو مخصوص اور متعین ہیں ، ''ثم اقبل علی اصحابہ '' یہ جملہ دلالت کر رہا ہے کہ کچھ صحابہ جو آپ کے ساتھ تھے ان کی طرف توجہ فرمائی ، ظاہر ہے تمام صحابہ تو آپ کے ہمراہ نہ تھے ، چند ایک ہی ہوں گے ان کے نام بھی معلوم نہیں ، کہ ابو بکر اور عمر ان کے ہمراہ تھے ،، پھر آپ نے فرمایا: ھؤلاء خیر منکم ''ھؤلاء سے اشارہ بقیع کے اہل قبور کی طرف ہے جس سے عیاں ہوا کہ افضل اور مفضول ہونے کا مسئلہ اہل بقیع اور آپ کے ہمراہی صحابہ کے درمیان تھا ، جس پر آپ علیہ نے اہل بقیع کو افضلیت عطا فرمائی ، اس میں عشرہ مبشرہ یا شیخین کریمین کے داخل ہونے کا کیا مسئلہ ہے؟

اصحابہ کا لفظ مجمل ہے جس کی تفصیل اور تفسیر حدیث میں بیان نہیں ہوئی تا کہ ''ھؤلاء خیر منکم '' کا حکم تمام صحابہ ، عشرہ مبشرہ اور شیخین کریمین کیلئے بھی ثابت ہو ، رسول اللہ علیہ نے وجہ افضلیت بھی بیان فرمادی کہ 'لم یاکلوا من اجورھم شیئا و انا علیھم شھید '' یہ شہداء اور دگر مومنین اجر لئے بغیر دنیا سے چلے گئے اور تم اپنا اپنا اجر وصول کر چکے ، میں اس پر گواہ ہوں ، میں ان کا بھی گواہ ہوں کہ انہوں نے اجر وصول نہیں کیا ،، امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ 'مالا حد عند نا ید الا

وقد کافیناہ بھا خلا ابابکر فان لہ عندنا ید ایکافیہ اللہ بھا یوم القیامۃ '(ترمذی ،الریاض النضرۃ : ۱، ۱۳۰)

ترجمہ: ہم پر کسی کا کوئی احسان باقی نہیں ہم نے بے شک سب لوگوں کے احسانات کا بدلہ چکا دیا ہے سوائے ابوبکر کے کہ ان کے ہم پر اتنے احسانات ہیں ان کا بدلہ اللہ قیامت کے دن ان کو عطا فرمائے گا ،معلوم ہوا مع اصحابہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ شامل نہیں کیونکہ اصحابہ میں وہ صحابہ شامل ہیں جو اپنا اپنا اجر دنیا میں ہی وصول کر چکے ہیں ،جب جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس میں شامل ہی نہیں تو کس طرح یہ کہنا صحیح ہے کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں فوت ہوئے وہ شیخین کریمین عشرہ مبشرہ سے افضل ہیں ،سید صاحب نے تحریر کیا کہ :افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو معیار سنیت قرار دینا سراسر غلط ہوگا کیونکہ ہمارے مانے ہوئے بزرگ اس کے پابند نہیں نکلیں گے۔

ہم سید صاحب کے اس غلط اور بے بنیاد مفروضے کو تسلیم نہیں کرتے ،کیونکہ جمہور امت اور جمہور اکابرین ملت نے افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سنیت کا معیار قرار دیا ہے ،ہم اس پر کافی دلائل اور اقتباسات نقل کر آئے ہیں جن کا دوحرفی خلاصہ یہ ہے کہ جو حضرت ابوبکر صدیق کو افضل الامت قرار نہیں دیتا وہ اہل سنت و جماعت سے نہیں ،بلکہ رافضی ہے ،سنیت کی علامت افضلیت شیخین اور محبت ختنین ہے ،،اہل سنت و جماعت کا کوئی فرد اصاغر میں سے ہو یا یا اکابر میں سے شیخین کی افضلیت اور ختنین کی محبت کا یقین محکم اور ایمان کامل رکھتا ہے ،،مواد ثبوت پہلے آچکا ہے

''

سید صاحب نے لکھا کہ: ''فقیر کے نزدیک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت بحیثیت خلیفہ راشد کے برحق ہے اور اس حیثیت سے آپ افضل الامت ہیں ،،اور امت کے اکابر سے لیکر اصاغر تک کا اس میں اختلاف ہے ،،مگر فقیر کا وہی مذہب ہے جو عرض کر دیا ہے۔(زبدۃ:۱۹۹)

جواباً تحریر ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بحیثیت خلیفہ راشد ،بحیثیت امام عادل ،بحیثیت مجاہد اول ،بحیثیت منفق اول ،بحیثیت یار و مزار اول ،سب سے افضل ہیں ،جس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ

جناب صدیق اکبر موجبات ثواب، اور موجبات کثرت ثواب و جزا سب سے افضل تھے اسی لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں طویل بحث و تکرار کے بعد خلافت کا قرعہ انتخاب آپ کے نام نکالا ،، جناب صدیق اکبر بحیثیت خلیفہ راشد سب سے افضل اسی لئے ہیں کہ کثرت ثواب و جزا کے موجبات کی زیادتی میں آپ سب سے افضل ہیں،،

تعجب ہے کہ اگر سید صاحب نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بحیثیت خلیفہ افضل سمجھ رکھا ہے تو افضلیت کے خلاف بے بنیاد، شاذ، مرجوح دلائل سے جنگ چھیڑنا کس وجہ سے ہے؟ باقلانہ، ابن حزم اندلسی، عبد الکریم شہرستانی، ابن عبد البر اندلسی کے، شاذ، ضعیف، مرجوح، اجماع صحابہ، اجماع اہل سنت کے خلاف اقوال سے ایک ضخیم کتاب لکھ ڈالنے کا مقصد؟ کیا علم و دانش کا انصاف یہی ہے کہ اپنے صحیح عقیدہ کو غلط، بے بنیاد، جمہور امت کے عقیدہ کے خلاف دلائل کی بھینٹ چڑھا دیا جائے ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اہلیت، استحقاق اور افضلیت کو اولین وقت میں زیر بحث لایا گیا، بعد ازاں آپ کے سر اقدس پر خلافت نبوت کا تاج سجایا گیا؟ بحیثیت خلیفہ اگر سب سے افضل ہیں تو غور طلب امر یہ ہے کہ دیگر صحابہ پر آپ کی ترجیحات کا بنیادی سبب کیا تھا؟ وہ یہی تھا کہ آپ نے اپنے مال، اپنی جان، اور اپنے خاندان کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و بہتری کیلئے بے مثال کارنامے سرانجام دیئے تھے کہ آپ کیلئے ثواب و جزا کے حوالے سے ایسی کثرت ثابت ہو چکی تھی جس کا احاطہ کرنا عقل انسانی سے بالاتر تھا۔۔ سید صاحب نے تحریر کیا کہ: کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جملہ اہل بیت و امت من کل الوجوہ افضل ہیں؟ پھر فتاوی عزیزیہ سے سوال نقل کیا کہ اہل سنت کے نزدیک ثابت ہے کہ تفضیل شیخین پر اجماع ہے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر شیخین رضی اللہ عنہما کی تفضیل ہر وجہ سے ثابت ہے کہ نہیں؟

جواب بھی نقل کیا کہ: حضرات شیخین کی تفضیل (رضی اللہ عنہما) حضرت علی پر ہر وجہ سے نہیں ہے، بلکہ علمائے محققین نے لکھا ہے کہ حضرات شیخین میں بھی کسی سے ایک صاحب کی تفضیل دوسرے پر ہر وجہ سے ثابت ہونا محال ہے اس واسطے کے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جہاد سیفی و سنانی میں، فن قضاء

وکثرت روایت حدیث میں، ہاشمیت میں اور علی الخصوص اس وجہ سے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ زوجیت کی قرابت ہے افضل ہیں۔(زبدۃ:۲۰۰)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے جو فرمایا وہی صحیح اور درست ہے، کہ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کو من کل الوجوہ ایک دوسرے سے افضلیت حاصل ہے نہ ثابت، اسی طرح شیخین کریمین کو بھی جمیع وجوہ کے اعتبار سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر افضلیت حاصل نہیں، لیکن یہ بات یادرکھنے کے قابل ہے کہ جمیع صحابہ بشمول خلفائے ثلثہ پر شیخین کو افضلیت قطعیہ حاصل ہے،،

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے سورۂ حدید کی آیت: ۱۰ ''لایستوی منکم من انفق تا بما تعلمون خبیر'' کے تحت رقم فرمایا: شیخین کی افضلیت اس جماعت پر جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے منطوق آیت سے ثابت ہے اور جماعت متقدمہ پر بمفہوم موافق یعنی جماعت متقدمہ میں سے جس کا انفاق اور قتال مقدم ہوگا وہ سب سے افضل ہوگا، اور شیخین کا انفاق اور قتال احادیث صحیحہ سے مقدم ثابت ہے، لہذا خلافت ان کی خلافت راشدہ و خاصہ ٹھہری جس میں خلیفہ کا افضل ہونا ضروری سمجھا گیا ہے(تصفیہ مابین سنی وشیعہ،۲۳) حضرت سید پیر مہر علی شاہ آف گولڑہ شریف، اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا عقیدہ کس قدر واضح، شفاف اور جمہور امت مسلمہ کے مطابق ہے کہ: فتح مکہ سے قبل انفاق اور قتال کرنے والا، فتح مکہ کے بعد جہاد و انفاق کرنے والے سے افضل ہے یہ افضلیت قطعی ہے کیونکہ دلیل قطعی یعنی آیت قرآنی سے ثابت ہے اور اسی طرح وہ لوگ جو فتح مکہ سے قبل ایمان لائے مگر انفاق وقتال نہ کر سکے ان لوگوں سے بھی وہ افضل ہے جس نے انفاق اور قتال کیا، صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ شیخین کریمین نے فتح مکہ سے قبل انفاق اور قتال کیا ہے، آیت مقدسہ جو دلیل قطعی ہے سے ثابت ہوا کہ شیخین کریمین فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والے (جو انفاق وقتال نہ کر سکے) اور فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والے تمام صحابہ سے افضل ہیں، اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں اگرچہ فتح مکہ سے قبل ایمان لائے مگر انفاق وقتال نہ کر سکے، کیونکہ چھوٹے بچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر پرورش تھے اور عمر آٹھ یا دس سال کی تھی،، ہاشمی ہونا

مجاہد ہونا قضاء کی دلیل وعلامت ہونا، سیدہ زہرہ بتول کا شوہر نامدار ہونا، فضائل جزئیہ ہیں، اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امتیازی خصوصیات ہیں،،

سید صاحب نے تحریر فرمایا ان وجوہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفضیل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر قطعی طور پر ثابت ہے اور ایسا ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر بھی قطعی طور ان امور میں ثابت ہے،، (زبدۃ: ۲۰۰)

جواباً کہا جائے گا کہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شرف نسبی کہ رسول اللہ ﷺ کے چچازاد ہیں، اور شرف ونسبتی بھی حاصل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے داماد ہیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھی یہ شرف حاصل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عقد زوجیت میں آئیں، اسی وجہ سے آپ کو ذوالنورین کہا جاتا ہے ملا علی قاری رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا: **"ویقال لم یجمع بین بنتی نبی من لدن آدم علیه السلام الی قیام الساعة الا عثمان"** (شرح فقه اکبر، ۴۷)

ترجمہ: اسی لئے یہ کہا گیا ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کوئی شخص ایسا ہوا ہے نہ ہوگا جس کی زوجیت میں ایک نبی کی دو بیٹیاں آئی ہوں، سوائے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے یہ ایک ایسا شرف ہے جو اولاد آدم علیہ السلام میں سوائے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے کسی کو نصیب نہیں ہوا، اور پھر اس کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو مرتبہ آپ کیلئے دعائے خیر و برکت فرمائی، چنانچہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا: **"وانما لقب به لانه علیه الصلوة والسلام دعا لابی بکر بدعوة ولعثمان بدعوتین"** (شرح فقه اکبر، ۴۷) ذوالنورین سے ملقب کئے جان کی دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کیلئے ایک مرتبہ دعائے برکت فرمائی جبکہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کیلئے دو مرتبہ دعائے خیر و برکت فرمائی ،، آپ کی دعا نور ہے دو مرتبہ فرمائی جو آپ رضی اللہ عنہ کیلئے ذوالنورین ہونے کی وجہ بنی۔

یہ فضائل خاصہ ہیں لوازم فرد ہیں جن کا انفکاک اور سلب فرد خاص سے محال ہے اس کے باوجود یہ

خصائص جزئیہ بحیثیت فرد ہیں ،جسطرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کا چچازاد ہونا داماد ہونا بے مثال قاضی ہونا ،شجاع ہونا وغیرہ وغیرہ فضائل شخصیہ جزئیہ ہیں ،جس طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے شخصی اوصاف میں شرکت غیرے ممنوع ہے اسی طرح جو فضائل بحیثیت ذات حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خاصہ ہیں ان میں بھی شرکت غیرے ممنوع ہے رسول اللہ ﷺ نے موقعہ ،مقام ،اور وقت کے لحاظ سے اپنے ہر صحابی کو اس کی شان کے مطابق فضیلت سے نوازا ہے ،، بخاری ،مسلم ،میں حضرت حذیفہ سے مروی یہ حدیث موجود ہے نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ عرض کیا "ابعث الینا رجلا امینا" دین میں امانت و دیانت کا حامل شخص ہماری طرف تبلیغ کیلئے بھیجئے ،،تو آپ نے فرمایا "فانی ابعث معکم " میں ایسا شخص ابھی تمہارے ساتھ بھیجتا ہوں ،، صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان بایں الفاظ موجود ہے :"ان لکل امة امینا و ان امیننا ایتھا الامة ابو عبیدة بن الجراح "(مسلم ،بخاری ،ترمذی ،المساھرہ ،۲۵۳)

ترجمہ: ہر امت کا بے شک ایک امین ہے اور بے شک ہمارا امین اور میری امت کا امین ابوعبیدہ بن الجراح ہیں ،حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی یہ فضیلت (امین الامت) خاصہ لازمہ للفرد ہے جس میں امت محمدیہ کے کسی بھی فرد کی شرکت ممنوع ہے ،لیکن یہ فضیلت بھی جزوی ہے ،اسی طرح دیگر صحابہ کبار بھی بے شمار خصوصیات اور فضل وکمال کے جامع ہیں جن سے ان کی میدان فضیلت میں انفرادیت عیاں ہوتی ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں الخطیب البغدادی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا :"کا ن خیر ھذہ الامة و عالمھا و دعالہ النبی ﷺ بالحکمة والفقة والتاویل وری جبریل علیہ السلام مرتین "ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے چچازاد ہیں اس امت میں سب سے افضل اور اس امت کے سب سے بڑے عالم ، نبی کریم ﷺ نے ان کیلئے حکمت ،فقہ اور تفسیری علوم کے دیئے جانے کی اللہ تعالیٰ سے دعا کی ،آپ نے دو مرتبہ جبریل امین کو دیکھا ہے ،،اسی طرح سعد بن ابی وقاص عشرہ مبشرہ میں سے ہیں ،تاریخ اسلام میں آپ

تیسرے مسلمان ہیں، آپ نے فرمایا "انا اول من رمی السهم فی سبیل الله" سب سے پہلے راہ خدا میں تاریخ اسلام میں جو سب سے پہلا تیر پھینکا گیا وہ میرا تیر تھا اور میں نے ہی پھینکا تھا، اسی طرح حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سیف اللہ کا خطاب عطا فرمایا، حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری ذی الشہادتین کے لقب سے مشہور تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان اکیلے کی گواہی کو دو گواہوں کی شہادت کے مساوی قرار دیا تھا۔

(کلهامن اکمال فی اسماء الرجال)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جزوی فضائل بے شک قطعیہ ہیں کیونکہ ان کا ثبوت دلائل قطعیہ (احادیث صیحہ) سے ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے تعریف وتوصیف کے جو الفاظ، جو کلمات مولا علی رضی اللہ عنہ کی شان میں وارد ہوئے وہ دلائل قطعیہ ہیں اور فضائل بھی خواص فرد ہونے کی وجہ سے قطعی ہیں مگر جو اوصاف سید صاحب نے زبدۃ، ص۲۰۰ کے آغاز پر ذکر کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو شیخین پر قطعی قرار دیا ہے غلط ہے اور لا نسلم ہے،، ایک تو تعارض لازم آتا ہے تعارض کی صورت میں سید صاحب کا قول باطل ہے کیونکہ قول شخصے بمقابلہ اجماع صحابہ، اجماع امت باطل، اور مردود ہے،

۲: قول سید قول شخص ہے جو اہل اجماع، اہل اجتہاد سے نہیں محض ایک قیاس شخص غیر مجتہد ہے جو اجماع امت کے مقابلہ میں باطل اور مردود ہے،

۳: اگر بالفرض یہ تمام چیزیں قطعیت کی بنیاد اور علل ہیں تو ترجیح بلا مرجح ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ جو دیگر صحابہ جزوی فضائل کے حامل ہیں تو ان کی افضلیت شیخین پر کیوں قطعی نہیں؟ اور اجماع امت کی اس پر نظر کیوں نہیں پڑی؟

مزید، ہاشمی ہونا، مجاہد سیفی وسنانی ہونا، چچازاد ہونا، داماد ہونا، زہرہ بتول رضی اللہ عنہا کا شوہر نامدار ہونا، یہ امور محتاج دلائل نہیں کیونکہ یہ از قبیل محسوسات اور بدیہیات ہیں، محسوس اور بدیہی چیز کو دلیل سے ثابت نہیں کیا جاتا، فقط حس اور مشاہدہ ہی ثبوت کیلئے کافی ہوتے ہیں۔

مزید کسی معرف اور قول شارح کی ضرورت نہیں ہوتی، حس اور بداہت عقل کی مشارکت شی بدیہی کو پردۂ خفاء میں نہیں رہنے دیتی تاکہ ترتیب مقدمات کی احتیاج پیش آئے،،

خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ سید صاحب نے زبدۃ: ۲۰۰ پر لکھا اور انکو دلائل قطعیہ تحریر کیا اور ان کے بل بوتے افضلیت مولائے مرتضیٰ کو شیخین پر قطعی قرار دیا علوم وفنون کی دنیا میں لانسلم ہے، یہ ایک اصول ہے کہ حکم قطعی، دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے اور دلیل قطعی کا تعلق سمعیات سے ہے، محسوصات، بدیہات، سے یقین پیدا ہو کر راسخ ہوتا ہے جو "ولکن لیطمئن قلبی " کی حد تک جا سکتا ہے،، دلیل قطعی مفید حکم ہے احساس، بداہت، کیفیت یقین کی افزودگی کا فائدہ دیتے ہیں، کسی حکم کا فائدہ دیتے ہیں نہ ایجاب کو لازم قرار دیتے ہیں، کمال الدین محمد بن محمد رحمہ اللہ نے افضلیت میں فرمایا: "اذحقیقۃ الفضل ماھو فضل عند اللہ تعالیٰ و ذالک لا یطلع علیہ الا رسول اللہ ﷺ باطلاع اللہ، سبحانہ وقدورد عنہ ثناہ علیھم کلھم ولا یتحقق ادراک حقیقۃ تفضیلہ علیہ (الصلوۃ والسلام لبعضھم علی بعض ان لم یکن (دلیل) سمعی یصل الینا قطعی فی دلالتہ وسندہ (الا الشاھدون لذالک الزمان" (المسامرۃ: ۲۵۸)

ترجمہ: حقیقت میں فضیلت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے، یہ وہ چیز ہے جس پر رسول اللہ ﷺ باعلام اللہ مطلع ہیں،، رسول اللہ ﷺ سے تمام صحابہ کرام کے فضائل پر احادیث وارد ہوئی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو جو ایک دوسرے پر فضیلت عطا فرمائی ہے اس کا صحیح ادراک (علم) دلیل سمعی کے بغیر ناممکن ہے، دلیل سمعی جو قطعی الدلالۃ اور قطعی الثبوت ہو، ہاں یا وہ لوگ فضیلت حقیقی کا علم رکھتے ہیں جو ان احادیث کے ورود کے وقت موجود تھے۔

معلوم ہوا افضلیت / افضلیت کا علم اور حکم دلیل سمعی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ پر موقوف ہے، یا ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایت پر موقوف ہے جنہوں نے فرامین افضلیت کو اپنی آنکھوں سے صادر ہوتے دیکھا ہو اور اپنے کانوں الفاظ فضیلت کو سنا ہو،، آگے فرمایا:

"وقد ثبت ذالک لنا صریحاً ودلالۃ کما فی صحیح البخاری من حدیث عمر وبن

العاص حین ساله علیه السلام من احب الناس الیک من الرجال فقال ابوها یعنی عائشة رضی الله عنها وتقدیمه فی الصلوة علی ماقدمناه مع ان الاتفاق علی ان السنة ان یقدم علی القوم افضلهم عما وقراء ة وخلقاً وورعاً فثبت انه کان افضل الصحابة "

ترجمہ: ہمارے لئے ایک دلیل سمعی ثابت ہے جو قطعی الدلالۃ ہے (یعنی افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عمرو بن العاص کی یہ حدیث مذکور ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا مردوں میں سے کون سا مرد آپ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا عائشہ (رضی اللہ عنہا) کا باپ یعنی ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) اور پھر ابوبکر صدیق کا نماز میں امام بنایا جانا، جیسا کہ پہلے ہم نقل کر آئے ہیں، جبکہ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سنت کا تقاضا ہے کہ نماز میں امامت کیلئے اس کو آگے کیا جائے جو حاضرین میں، علم، قرات، اخلاقیات اور زہد وتقوی میں سب سے افضل ہو، ان تمام دلائل قطعیہ سے ثابت ہوا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے افضل ہیں،، اس لئے کہ نما میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے ہم اس کا ذکر تفصیلاً پہلے کر آئے ہیں: مزید فرمایا: "وصح من حدیث ابن عمر فی صحیح البخاری، قال کنا فی زمن النبی ﷺ لانعدل بابی بکر احدا، ثم عمر، ثم عثمان ثم نترک اصحاب النبی ﷺ لا نفاضل بینهم " ترجمہ: اور صحیح بخاری حدیث صحیح ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ہم کسی کو بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر قرار نہیں دیتے تھے (ان کو سب سے افضل کہتے تھے) پھر ان کے بعد عمر، ان کے بعد عثمان رضی اللہ عنہما سب سے افضل قرار دیتے تھے، پھر ہم صحابہ کو چھوڑ دیتے تھے، اور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کے درمیان فضیلت پر گفتگو نہیں کرتے تھے،، (المسامرہ: ۲۵۸)

محقق ابن الہمام نے نقل فرمایا: "وفی روایة للبخاری کنا نخیر بین الناس فی زمان رسول الله ﷺ نخیر ابابکر ثم عمر، ثم عثمان وفی روایه لابی دائود کنا نقول ورسول الله ﷺ حی افضل امة النبی ﷺ بعده ابوبکر، ثم عمر، ثم عثمان

زادالطبرانی فیبلغ ذالک رسول اللہ ﷺ فلا ینکرہ' ترجمہ: بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہء اقدس میں لوگوں کے درمیان (صحابہ کے درمیان) افضلیت کا فیصلہ کیا کرتے تھے ہم ابوبکر صدیق کو سب سے افضل قرار دیتے، پھر عمر کو اور پھر عثمان غنی (رضی اللہ عنہم) کو ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بقید حیات تھے ہم کہا کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کی امت میں سب سے افضل آپ کے بعد ابوبکر ہیں، پھر عمر، پھر عثمان، طبرانی نے ان الفاظ، ہمارا تفضیل دینے کا معاملہ رسول اللہ ﷺ کو پہنچتا (یعنی آپ سماعت فرماتے) لیکن آپ ہماری رائے (فیصلہ) کا انکار نہیں فرماتے تھے،، محقق ابن الہمام رحمہ اللہ نے مزید نقل فرمایا: "وصح فیہ (ای فی صحیح البخاری ایضا (من حدیث محمد بن الحنفیۃ قلت لابی) یعنی علیا رضی اللہ عنہ (ای الناس خیر بعد رسول اللہ ﷺ فقال ابوبکر، قلت ثم من قال ثم عمر، خشیت ان یقول عثمان قلت ثم انت قال ما انا الا واحد من المسلمین فھذا علی نفسہ رضی اللہ عنہ مصرح بان ابابکر افضل الناس" (المسامرۃ: ۲۵۹) ترجمہ: بخاری میں یہ صحیح حدیث مذکور ہے جس کے راوی محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ ہیں روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا رسول اللہ ﷺ کے بعد سب لوگوں سے افضل کون ہے؟ فرمایا ابوبکر میں نے پوچھا پھر کون افضل ہے؟ فرمایا عمر مجھے خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں عثمان نہ کہہ دیں، میں نے پھر پوچھا پھر آپ افضل ہیں، فرمایا نہیں میں ایک عام آدمی ہوں، پس حضرت علی کا فرمان اس بات پر تصریح ہے کہ سب امت سے افضل ابوبکر ہیں، رضی اللہ عنہ، مندرجہ بالا احادیث جو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں کمال الدین محمد بن محمد بن ابی بکر بن علی بن ابی شریف، اور محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن عبدالواحد الحنفی المعروف ابن الہمام، ان کو احادیث صحیحہ اور دلیل قطعی کہتے ہیں، قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ تحریر کرتے ہیں مگر سید صاحب ابن عبدالبر اندلسی کی متابعت میں حدیث شاذ کہتے ہیں محقق ابن الہمام کو علامہ ابن عابدین الشامی نے مجتہد کا درجہ دیا ہے دیکھئے فتاوی شامی، مجتہد کا

مقام رکھنے والا محقق حدیث صحیح اور دلیل قطعی کہتا ہے، اگر ابن عبد البر کا پیرو کار حدیث شاذ کہتا ہے تو کہتا رہے اس کے شاذ کہنے کی بناء پر حدیث پاک کی صحت اور قطعیت متاثر نہیں ہوتی، اگر چہ اس حدیث پر فن حدیث کی اصطلاحات اور اصول کی روشنی میں سیر حاصل بحث پہلے آچکی ہے، خلاصہ یہ ہے جزوی فضائل سے حکم قطعی ثابت نہیں ہوتا بلکہ حکم قطعی کیلئے دلیل قطعی جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہو، کی ضرورت ہے۔

شیخین کی افضلیت دلیل قطعی سے ثابت ہے جیسا کہ پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ حدید کی آیت نمبر ۱۰ اور کمال الدین محمد بن محمد صاحب مسامرہ اور کمال الدین محقق ابن الہمام نے احادیث صحیحہ سے ثابت کیا ہے،، جو ابھی مذکور ہوئیں، سید صاحب نے تحریر کیا کہ در حقیقت افضلیت کے کسی پہلو پر بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوا ہی نہیں، پھر لکھا کہ خلافت پر اجماع کو کچھ لوگوں نے افضلیت پر اجماع تسلیم کر لیا، جو کہ محققین کے نزدیک ایک فریبہ بلا مریہ ہے ایک من گھڑت بات ہے۔ (زبدۃ:۲۰۱)

جواباً کہا جائے گا کہ اس سے قبل متعدد بار یہ تحریر ہو چکا ہے کہ پہلے افضلیت ابو بکر صدیق پر اجماع ہوا اور بعد میں خلافت پر اجماع ہوا، امام و محدث ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا "**ولیس فیم الیوم من تقطع الیہ الاعناق، مثل ابی بکر، وانہ کان من خیرنا حین توفی رسول اللہ ﷺ**" ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آج تم میں ابو بکر جیسا کوئی شخص نہیں جس کی طرف گردنیں جھکیں، جب رسول اللہ ﷺ نے انتقال فرمایا تو ہم صحابہ میں ابو بکر صدیق سے کوئی شخص بہتر نہ تھا، پھر فرمایا: "**فقلت ابسط یدک یاابابکر فبسط یدہ فبایعتہ، فبایعہ المھاجرون، ثم بایعہ الانصار**" ترجمہ: حضرت عمر کا قول ہے کہ میں نے ابو بکر سے کہا ہاتھ بڑھاؤ، انہوں نے اپنا ہاتھ بڑھایا، میں نے ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر مہاجرین نے بیعت کی ان کے بعد انصار نے بیعت کی،،

نسائی، ابو یعلیٰ، حاکم اور عبد اللہ بن مسعود نے اس کی تصحیح کی، جب رسول اللہ ﷺ نے انتقال فرمایا تو

انصار نے کہا: "منا امیر و منکم امیر ،فاتاھم عمر بن الخطاب فقال امرا بابکر ان یوم الناس وایکم تطیب نفسہ ان یتقدم ابابکر فقالت الانصار نعوذ باللہ ان نتقدم ابابکر "ترجمہ: ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک امیر تم میں سے ،اتنے میں عمر بن الخطاب آ گئے اور یہ کہا کہ اے گروہ انصار کیا تم نہیں جانتے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ ابوبکر لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

اور تم میں سے کس شخص کا جی چاہتا ہے کہ (خلافت کے معاملہ میں)ابوبکر سے آگے بڑھ جائے ،انصار نے کہا ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ ابوبکر سے آگے بڑھ جائیں،،(الصواعق المحرقہ،۱۰تا۱۱)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے نقل فرمایا کہ:"بیعت خلافت سے پہلے سقیفہ بنی ساعدہ میں تمام صحابہ بشمول انصار و مہاجرین و انصار موجود تھے ،ان کے سامنے ابوعبیدہ بن الجراح اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوکر کہا"انت خیرنا و افضلنا " آپ ہم سب سے بہتر اور افضل ہیں ،شاہ صاحب رحمہ اللہ نے نقل فرمایا"وایں کلمہء ایشاں را جمیع حاضران از مہاجرین وانصار انکار نہ کردہ بلکہ مسلم درشتہ پس خیریت وافضلیت ابوبکر بر دجمیع صحابہ مسلم الثبوت وقطعی بود ،،(تحفہ اثناعشریہ:۱۷۲)ان کے ان کلمات کو تمام حاضرین جو انصار و مہاجرین تھے سنا اور انکار نہیں کیا ،انکار نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت مسلمہ،ثابت اور قطعی تھی۔

امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ کے نقل فرمودہ ،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمودہ الفاظ در بارۂ ابوبکر صدیق اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کے رقم فرمودہ الفاظ افضلیت سے ثابت اور واضح ہوا کہ جس طرح آپ کی خلافت پر صحابہ کا اجماع ہوا اسی طرح آپ کی افضلیت پر بھی صحابہ کا اجماع ہوا،افضلیت پر اجماع پہلے ہوا اور خلافت پر اجماع بعد میں ہوا،جیسا کہ محدث ابن حجر مکی رحمہ اللہ کی نقل فرمودہ عبارات سے معلوم ہوتا ہے،،اگر ابوبکر صدیق کی افضلیت صحابہ کے نزدیک مسلمہ نہ ہوتی تو ضرور انکار سامنے آتا ،ایسے موقعہ پر صحابہ کرام کا انکار نہ فرمانا ثبوت اجماع ہے ،اس اجماع سے انکار کرنا ،اور اس کو اجماع نہ کہنا فریب بلا مریہ اور ایک من گھڑت بات ہے جو باطل اور مردود ہے۔

سیدصاحب نے تحریر کیا کہ مراد اس امر سے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت یہ ہے کہ حضرات شیخین کو (رضی اللہ عنہما) صرف ان امور میں فضیلت ہے،۱: سیاست امت ،۲: حفظ دین ،۳: سد باب فتنہ،۴: ترویج احکام شرعیہ ،۵: ممالک میں اشاعت اسلام ،۶: اقامت حدود وتعزیرات۔(زبدۃ:۲۰۰)

یہ امور بے شک باعث فضیلت ہیں اور شیخین کریمین کے اوصاف کا ایک حصہ ہیں، یہاں دو ضروری سوال ہیں۔ ۱: کن مصادر سے ان اوصاف کو وجہ افضلیت کہا گیا ہے؟ اور کس مسلمہ حیثیت کے حامل ذی علم کی تحقیق ہے؟ یا تحقیق کا نتیجہ ہے؟

۲: یہ امور جو موجب فضیلت قرار دیئے گئے ہیں، ان کا تعلق قبل الخلافۃ دور سے ہے یا بعد الخلافۃ دور سے اگر قبل الخلافۃ ہوتو مسلم ہے، اور اگر بعد از خلافت ہوتو لانسلم ہے کیونکہ بعد از خلافت یہ امور ضروریات خلافت سے ہیں، جو ہر خلیفہ کی صفات ہوسکتی ہیں اس میں شیخین کریمین کی خصوصیت ہی کیا ہے؟ بے شک امور مذکورہ بالا موجبات فضیلت ہیں، اور شیخین کریمین کی زندگی کا ماحصل، لیکن صفات وفضیلت انہی میں محصور اور محدود نہیں ان کے علاوہ اور بھی ہیں،، سلیمان بن یسار روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **خصال الخیر ثلثمائۃ وستون خصلۃ اذا اراد اللہ بعبد خیرا جعل فیہ خصلۃ منہا بہا یدخل الجنۃ فقال ابوبکر رضی اللہ عنہ یارسول اللہ ﷺ افی شیء منہا قال نعم جمیعہا من کل** "(الصواعق المحرقہ :۷۴، الریاض النضرہ: ۱: ص،۱۸۴)

ترجمہ: نیکی/فضیلت کے اوصاف تین سو ساٹھ ہیں، جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے پر بھلائی کا ارادہ کرتا ہے (اس کو فضیلت عطا کرتا ہے) تو ان صفات سے کوئی ایک صفت عطا فرماتا ہے جس کی وجہ سے اس کو جنت میں داخل کرتا ہے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کیا ان صفات میں سے کوئی صفت مجھ میں بھی پائی جاتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں تمام صفات تجھ میں پائی جاتی ہیں،، حضرت ابی الدرداء کی حدیث کی روایت میں ہے: "**ماطلعت الشمس ولا غربت علی احد افضل**

من ابی بکر 'الا ان یکون نبیاً" دوسری روایت "ماطلعت الشمس علی احد بعد النبیین والمرسلین افضل من ابی بکر" حضرت جابر کی حدیث میں ہے ."ماطلعت الشمس علی احدمنکم افضل منہ" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز میں تکبیر تحریمہ سماعت فرمائی تو ارشاد فرمایا:یأبی اللہ والمسلمون الا ابابکر" یہ جملہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا:امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے فرمایا:"قال العلماء فی ھذاالحدیث اوضح دلالۃ علی ان الصدیق افضل الصحابۃ علی الاطلاق"(الصواعق المحرقہ)

علمائے حدیث نے فرمایا کہ اس حدیث میں بڑی واضح دلیل ہے کہ تمام صحابہ میں حضرت ابوبکر صدیق علی الاطلاق سب صحابہ سے افضل ہیں، کیونکہ آپ علی الاطلاق اوصاف فضیلت کے حامل اور جامع ہیں ،سید صاحب نے تحریر کیا کہ شیخین صرف چھ اوصاف کی وجہ سے افضل ہیں ،جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے افضل ہونے کے لئے تین سو ساٹھ صفات کی ضرورت ہے وہ سارے کے سارے جناب صدیق اکبر میں پائے جاتے ہیں ،یعنی افضل ہونے کیلئے جو بھی وصف درکار ہے وہ ابوبکر صدیق میں موجود ہے پھر وضاحت فرمادی کہ انبیاء ومرسلین کے بعد ابوبکر صدیق افضل ہیں ،یہ فضیلت علی الاطلاق ہے کتنے اوصاف میں افضل ہیں؟ اور وہ اوصاف کون کون سے ہیں؟ ان کی کوئی تفصیل نہیں بلکہ فرمایا جس جس میں جو، جو خوبی ہے وہ ابوبکر میں موجود ہے،،سید صاحب نے یہ چھ خوبیاں کہاں سے نقل کی ہیں ،ابوبکر صدیق کو رسول اللہ ﷺ نے انبیاء کرام کے بعد سب سے افضل فرمایا اس کا مقصد یہ ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل کریمہ کو اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی جانتے ہیں مخلوق کے اعداد وشمار سے بالاتر ہیں ،فضائل ابوبکر صدیق کو اعداد وشمار میں لانا احادیث مذکورہ بالا کی روشنی میں باطل اور مردود ہے،

سید صاحب نے تحریر کیا کہ اسی وجہ سے صحابہ کا اجماع ہوا کہ خلافت کبری کے مقاصد میں حضرت شیخین رضی اللہ عنہما مقدم ہیں بلکہ صواعق محرقہ ودیگر کتب معتبرہ میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:"سالت اللہ ان یقدمک یاعلی ویابی اللہ الا تقدیم ابی بکر"(زبدۃ : ۲۰۰)

ترجمہ: اے علی میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ تجھے سب پر مقدم کر لے، اور اللہ نے انکار فرمایا کہ ابوبکر کے بغیر کوئی مقدم (مفضل) نہیں ہوسکتا، ،قطب ربانی شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ نے بھی غنیۃ الطالبین میں اس حدیث کو نقل فرمایا ہے،، رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان اس بات پر دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بے کس پناہ میں ذاتی اور خاندانی شرف فضیلت تو بن سکتا ہے مگر دلیل افضلیت نہیں ہوسکتا ،رسول اللہ ﷺ کے چاہنے کے باوجود یہ فضائل جزئیہ باعث تقدیم نہ بن سکے ،جب یہ اوصاف ،دلیل افضلیت ہی نہیں تو افضلیت کیلئے دلیل قطعی کیسے قرار پائے؟ بلکہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان افضلیت ابوبکر کیلئے دلیل قطعی ہے،، سید صاحب کا یہ کہنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کیلئے جہاد سیفی وسنانی ،فن قضاء کثرت روایت حدیث ،ہاشمیت ،حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رشتہء زوجیت ،دلائل قطعیہ ہیں ،قابل توجہ اور لائق تسلیم نہیں۔

سید صاحب نے لکھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ متفقہ طور پر حضرت علی مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے خلافت میں مقدم ہیں ،مگر اہل سنت کے نزدیک ان میں افضلیت مختلف فیہ ہے اگر خلافت میں مقدم ہونا افضلیت کیلئے وجہء کافی ہوتی تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر متفقہ طور پر افضل مانا جانا چاہیے تھا ،مگر ایسا نہیں ہوا جس سے ثابت ہوا کہ خلافت میں تقدم دلیل افضلیت نہیں ہے۔ (زبدۃ:۲۰۲)

جواباً کہا جائے گا کہ تقدیم کی اقسام میں بے شک تقدم زمانی بھی ہے ،اور تقدم رتبی بھی ہے ،تقدم زمانی باعث افضلیت نہیں ،بلکہ تقدم رتبی باعث افضلیت ہے ،جملہ انبیاء کرام بشمول آدم علیہ السلام کو تقدم زمانی حاصل ہے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ بعثت ان سے موخر ہے ،مگر رسول اللہ ﷺ کے فرامین ،انا سید الاولین والاخرین ،انا سید ولد آدم'' اور دیگر ارشادات مبارکہ نے تقدم زمانی کو باعث افضلیت ہونے سے روک دیا اور تقدم رتبی کو باعث افضلیت قرار دیا،، جہاں تک حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی افضلیت مختلف فیہ ہونے کا تعلق ہے امت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرت عثمان غنی حضرت علی سے افضل ہیں (رضی اللہ عنہما) اور جمہور علمائے امت نے واضح کر دیا کہ

خلفائے اربعہ کی افضلیت ان کی ترتیب خلافت کے مطابق ہے، امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے فرمایا: "اعلم ان الذین اطبق علیہ عظماء اللہ وعلماء الامۃ ان افضل ھذہ الامۃ ابوبکر الصدیق، ثم عمر، ثم اختلفوا فالا الثرون ومنھم الشافعی واحمد، وھو المشھور عن مالک ان الافضل بعد ھما عثمان، ثم علی"۔ (الصواعق المحرقہ، ۵۷) ترجمہ: جان لو کہ بے شک وہ امر جس پر ملت اسلامیہ کے عظماء (آئمہ) اور امت کے علماء متفق ہیں وہ یہ ہے کہ اس امت کا سب سے افضل انسان حضرت ابوبکر صدیق ہیں پھر حضرت عمر، پھر علماء کا اختلاف ہے (کہ عثمان غنی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہما میں کون افضل ہے) لیکن اکثر عظماء جن میں امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام مالک قول مشہور کے مطابق،، کا مذہب یہ ہے کہ شیخین کریمین کے بعد حضرت عثمان، اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہم افضل ہیں،، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مذہب ہے،، صرف اہل کوفہ تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے قائل ہیں، جن میں سفیان ثوری رحمہ اللہ زیادہ شہرت رکھتے ہیں، مقصد یہ ہے کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی ترتیب افضلیت پر پوری امت کا اجماع ہے اور یہ اجماع تقدم زمانی یا تقدم خلافت کی وجہ سے نہیں بلکہ تقدم رتبی کی وجہ سے تقدم خلافت پر ہے، دلائل کا ایک قابل قدر ذخیرہ پہلے اس موضوع پر نقل ہو چکا ہے لیکن اگر بنظر انصاف اور بنظر تحقیق دیکھا جائے تو رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان "سالت اللہ ان یقدمک یاعلی ویابی اللہ الاتقدم ابی بکر" ہی کافی اور شافی ہے،،

سید صاحب نے تحریر کیا کہ زمانے کے تقدم کو بالذات کوئی شرف حاصل نہیں، اور خلافت کے تقدم کو بھی حتمی طور پر دلیل افضلیت سمجھنا یہ ایک علمی لغزش ہے،،

جواباً کہا جائے گا کہ ہم پہلے وضاحت کر چکے ہیں کہ تقدم زمانی باعث افضلیت نہیں باعث افضلیت اور موجب شرف وہ مقام اور مرتبہ ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنے کسی بندے کو عطا فرماتا ہے خواہ وہ زمانے میں مقدم ہو، یا موخر،، رہی الیواقیت الجواہر کی یہ عبارت:

"بالجملة فلا ینبغی الخوض فی مثل ذالک الامع وجود نص صریح مع اننا قائلون بترتیب هؤلاء الخلفاء الاربعة کما علیه الجمهور "الخ.(زبدة : ۲۰۳)

ترجمہ: خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس قسم کے مسائل میں نص صریح کے بغیر غور نہیں کرنا چاہیے، اس کے باوجود ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ خلفاء اربعہ کے درمیان افضلیت ان کی ترتیب خلافت کے مطابق ہے جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے،، امام شعرانی مع محی الدین ابن عربی کی اس عبارت سے دو باتیں واضح ہیں، ا: تقدم زمانی کا اعتبار نہیں، تقدم رتبی کا ہے، ہاں اگر تقدم زمانی کی تائید نص صریح سے ہو تو تقدم زمانی بھی باعث افضلیت ہوسکتا ہے،،

۲: امام شعرانی، اور امام محی الدین عربی کا افضلیت کے بارے میں وہی عقیدہ ہے جو جمہور امت کا ہے اور وہ یہ ہے کہ خلفائے اربعہ کی افضلیت ترتیب خلافت پر ہے یعنی حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت اوّلیہ ہے وہ سب سے افضل ہیں ان کے بعد حضرت عمر سب سے اوّل ہیں کیونکہ وہ خلیفہ دوم ہیں ان کے بعد حضرت عثمان افضل ہیں کیونکہ وہ خلیفہ سوم ہیں ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل ہیں کیونکہ وہ خلیفہ چہارم ہیں بلکہ امام شعرانی اور محی الدین ابن عربی رحمہما اللہ نے عقیدہ اہل سنت وجماعت کو اپنانے اور ان کے مذہب پر چلنے کی تلقین فرمائی ہے، فرمایا:

امامن قطعنا بتفضیل بعضهم علی بعض فذالک مصروف الی الله تعالیٰ فهو عالم بمنازلهم ولم یعلمنا سبحانه وتعالیٰ بما فی نفسه تعالیٰ فالله یحفظنا من الفضول ومن مخالفة اهل السنة ولجماعة (الیواقیت الجواهر : ۳۳۲،زبدة : ۲۰۴)

ترجمہ: جہاں تک ان کی ایک دوسرے پر فضیلت کے بارے میں ہمارے اٹل فیصلے کا تعلق ہے یہ بات خدا کے سپرد ہے وہ ان کے مراتب کو اپنی بارگاہ میں خوب جانتا ہے اس نے ہمیں نہیں بتایا کہ اس کی بارگاہ میں ان کا کیا مقام ہے؟ اللہ تعالیٰ ہمیں فضول باتوں سے بچائے، اور اللہ تعالیٰ ہمیں اہل سنت وجماعت کی مخالفت سے بچائے،، اہل سنت وجماعت کا مذہب کیا ہے؟ جس کی مخالفت سے بچنے کیلیے امام شعرانی، اور امام محی الدین ابن عربی نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے وہ مذہب وہی ہے جو

انہوں نے خود تحریر فرمایا ہے کہ ترتیب افضلیت ترتیب خلافت پر ہے ،،سید صاحب کو جمہور امام شعرانی ،محی الدین ابن عربی ،کے عقیدہ اور تحریر پر غور کرنا چاہیے۔

سید صاحب نے انصار مدینہ کا قول منا امیر و منکم امیر نقل کرنے کے حضرت ابو بکر صدیق کا قول الائمۃ من قریش نقل کر کے یہ معارضہ پیش کیا ہے کہ اس قول سے ثابت ہوا کہ اجماع خلیفہ کے قریشی ہونے پر ہوا،،

جواباً کہا جائے گا کہ الائمۃ من قریش قضیہ مہملہ ہے کسی خاص امام ،یا آئمہ پر دلالت نہیں کر رہا ،جس کا مفہوم یہ ہے ،یہ فرمان منا امیر و منکم امیر کا جواب ،وضاحت اور قول فیصل کے طور پر ہے ، قریش کلی خارجی ہے ،جس کے افراد کا خارج میں پایا جانا ضروری ہے ،اور اس کے افراد وہی تھے جو بوقت انتخاب خلیفہ سقیفہ بنی ساعدہ میں موجود تھے ،تمام افراد کا ایک ہی وقت میں ایک ہی وصف (خلافت) سے متصف ہونا اور ایک ہی حکم کے تحت آنا محال شرعی ،محال عقلی اور محال عادی ہے کیونکہ ریاست میں ایک ہی خلیفہ وقت ہوسکتا ہے اور پھر وہی ہوسکتا ہے جو سب سے افضل ہو،،

ما بہ الامتیاز کے بغیر مذکورہ بالا محالات سے نکلنا مشکل تھا ،ما بہ الامتیاز ضرورت داعیہ بن کر زیر بحث آئی جس کے نتیجہ میں تین افراد کو ممتاز کیا گیا ،محدث ابن حجر مکی فرماتے ہیں :''فالامۃ اجتمعت علی حقیۃ امامۃ احد الثلاثۃ ابی بکر ،وعلی ،والعباس ،ثم انهما لم ینازعاه بل بایعاه فتم بذالک الاجماع له علی اماته ،دونهما ،امت '' (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نے اس بات پر اجماع کیا کہ امامت ان تین میں سے ایک کا حق ہے ،ابو بکر ،علی ،اور عباس رضی اللہ عنہم ،حضرت علی اور حضرت عباس نے حضرت ابو بکر سے امر خلافت میں کوئی تنازعہ نہیں کیا بلکہ دونوں نے ابو بکر صدیق کی بیعت کی اور ان کے بیعت کرنے سے آپ کی خلافت پر اجماع صحابہ مکمل ہوا''فالامۃ اجتمعت '' کے الفاظ ثابت کرتے ہیں کہ ما بہ الامتیاز ،ما بہ التفاضل کا مسئلہ زیر غور لایا گیا ،بحث و تکرار کے بعد تین اشخاص کا انتخاب ہوا مگر دو نے (حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما) نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے سے افضل سمجھ کر ان کے ہاتھ پر بیعت کی جس پر

اجماع تکمیل پذیر ہوا، امام ذہبی نے بطریق تواتر حضرت علی سے مروی یہ حدیث نقل کی ہے کہ "ان ابابکر وعمر افضل الامة" ترجمہ: بے شک شیخین ساری امت میں افضل ہیں۔

(الصواعق المحرقه: ٦٠) محدث ابن حجر مکی نے فرمایا: "ولک ان تقول ان افضلیة ابی بکر ،ثبتت بالقطع" کھلے بندوں کہہ دو کہ ابوبکر صدیق کی افضلیت دلیل قطعی سے ثابت ہے،، مزید فرمایا "ففی اجماع الصحابة علیها غنی عن النص اذاھوا قوی منه لان مدلوله قطعی" (الصواعق المحرقه: ٢٩) ترجمہ: اجماع صحابہ نص سے مستغنی ہے کیونکہ نص سے اجماع صحابہ اقوی ہے کیونکہ اجماع قطعی الدلالۃ ہے،،

خلاصہ بحث یہ ہے کہ پہلے افراد قریش زیر بحث آئے ان کی اہلیت وفضیلت کو زیر تبصرہ لایا گیا، اہلیت اور افضلیت کے معیار پر پورا اترنے والے تین اشخاص کا انتخاب ہوا جن میں دو افراد (حضرت علی ،حضرت عباس) نے جناب ابوبکر صدیق کو اپنے سے افضل مان کر خلیفہ برحق کہا اور پھر بیعت کی جس سے اجماع صحابہ کامل اور مکمل ہوا،،

سید صاحب نے لکھا کہ اس حدیث میں استحقاق پائی جاتی ہے دلیل افضلیت نہیں پائی جاتی ،،تو ظاہر ہے اگر اجماع ہوا تو استحقاق خلافت برائے قریش پر ہوا ہے افضلیت پر نہیں ہوا، کیونکہ اس میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور باقی قریش من حیث ھو ھو برابر ہیں بایں معنی کہ قریش کلی متواطی ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس میں کوئی دلیل افضلیت نہیں۔

جواباً کہا جائے گا کہ: "الائمة من قریش" صحیح حدیث ہے چالیس صحابہ نے اس کو روایت کیا ہے محدث بن حجر مکی نے نقل فرمایا "وفی روایة ان ابابکر احتج علی الانصار بخبر الائمة من قریش وھو حدیث صحیح ورد من طرق عن نحو اربعین صحابیاً" (الصواعق المحرقه: ١١)

ترجمہ: روایت ہے کہ جب انصار نے کہا منا امیر ومنکم امیر تو ان کے جواب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بطور دلیل پیش کی کہ آئمہ (خلفاء) قریش سے ہوں گے یہ حدیث

صحیح ہے اور چالیس صحابہ کا اجماع ہوا، عرف فقہاء، اور اصطلاح اصول میں یہ دلیل اجماع نہیں، اجماع کیلئے فقہاء کی رائے مجتہدانہ اور اتفاق ضروری اور بنیادی امر ہے، یہ اجماع نہیں، اگر بالفرض یہ اجماع ہی ہے تو پھر اجماع قریشی ہونے پر ہوا جیسا کہ سید صاحب کا کہنا ہے جب قریشی ہونے پر اجماع ہوا تو پھر ماننا پڑے گا کہ تمام افراد قریش پر بلا کم وکاست بدوں لحاظ امر آخر یکساں طور پر اطلاق ہو رہا ہے، پھر دو ہی صورتیں ہیں،

ا: سب کو بدوں اختلاف اور بلا لحاظ امر آخر خلیفہ تسلیم کیا جائے۔

۲: ان میں سے مابہ الامتیاز، مابہ الاختصاص کی بنیاد پر ایک شخص کو ممتاز اور ممیّز کیا جائے، پہلی صوت محال شرعی، محالی عقلی، اور محال عادی ہے، بہر صورت ریاست اسلامی کا با اختیار شخص ایک ہی ہوتا ہے جو مشاورت اور مفاہمت سے امور ریاست سر انجام دیتا ہے، جب پہلی صورت ہو تو حاکم محکوم، خلافت وعوام کا تصور ہی ختم اشاعت دین کے سب راستے بند، جزا اور سزا کا عمل، بلکہ پورا نظام عدل وانصاف ہی ختم ہو جاتا ہے، علاوہ ازیں قریش وانصار کا تنازعہ اور مقابلہ جوں کا توں رہتا ہے، پہلی صورت کا تحقق اور صدوق جب ناممکن ہے تو لامحالہ دوسری صورت پر عمل کرنا لازم شرعی اور لازم قانونی ہوگا، اور مابہ الامتیازات اور مابہ الخصوصیات اور تخصیصات کے سائے میں ایک شخص کو آگے لا کر خلیفہ نامزد کرنا پڑے گا، اور اس کو شرعاً عقلاً اور عملاً سب سے افضل تسلیم کرنا پڑے گا ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی اور یہ خطائے علمی کے علاوہ فساد فی الدین ہوگا، جو ہرگز روا نہیں، جب الائمۃ من قریش سے حجت کی گئی تو تمام انصار و مہاجرین نے قریش میں اجتہادی نظر وفکر کے تحت اوصاف وفضائل کا پیمانہ لگایا اور بالآخر سب کی نظریں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر لگیں، سب نے افضلیت ابوبکر صدیق پر اتفاق کیا اور خلیفہ منتخب کر لیا، یہ اجماع پہلے حضرت ابوبکر صدیق کی افضلیت پر ہوا اور بعد میں یہ اجماع خلافت پر ہوا۔

ثانیاً بالفرض اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اجماع خلیفہ کے قریشی ہونے پر ہوا تو سوال اپنی جگہ پھر قائم ہے کہ قریش تو ایک قبیلہ ہے، خاندان ہے جس میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ موجود ہیں؟ ان کے

ہوتے ہوئے خلافت کا تاج ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سر پر کیسے اور کیوں رکھا گیا؟ کیا یہ ممکن ہے کہ جبری طور پر رکھا جائے، حق گوئی، ہمت و شجاعت، کے پیکر حق تلفی ہوتے دیکھیں اور خاموش تماشائی بنے رہیں، ناممکن ہے ہاشمی شہزادوں سے ایسی توقع رکھنا عبث ہے ان عشاقان رسول، فرزندان توحید، ہمت، دلیری اور شجاعت کے مجسموں کے سروں سے گزر کر تاج خلافت سر صدیق پر سجا تو اتفاق رائے سے سجا اور یہی دلیل افضلیت اور دلیل استحقاق خلافت ہے، بقول سید صاحب اگر اجماع قریشی ہونے پر ہوا تو تمام قریشیوں کو چھوڑ کر ابوبکر صدیق کو خلیفہ منتخب کرنے کی پر امن کاروائی کیسے پایۂ تکمیل کو پہنچی؟ اگر اجماع خلیفہ کے قریشی ہونے تک محدود ہے تو انصار و مہاجرین نے کس طرح ابوبکر صدیق کو قبول کیا اور ان کے مقابل کوئی اور امیدوار کیوں سامنے نہ لائے؟ کسی اور امیدوار کا سامنے نہ لانا یہ اس بات کی روشن اور قوی دلیل ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پائے کا اور کوئی قریشی تھا ہی نہیں جو اس معیار کو پورا کرتا ہو، لہذا خلیفہ کے قریشی ہونے تک اجماع کو محدود کرنا عقل و نقل کے خلاف ہے،، سید صاحب نے لکھا کہ نیز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس حدیث شریف کے تسلیم کیے جانے کے بعد فرمایا، اگر آپ لوگ ابوعبیدہ بن الجراح کو یا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما میں سے کسی کو خلیفہ بنالو تو میں راضی ہوں،، بحوالہ تکمیل الایمان"

پھر تحریر کیا کہ اگر تم کسی دوسرے قریشی کو جو شرائط خلافت پر پورا اترتا ہے خلیفہ بنالو تو میں پہلا شخص ہوں گا جو اس سے بیعت کرے گا، بحوالہ تکمیل الایمان، زبدۃ:۲۰۶)

جواباً کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ابوعبیدہ بن الجراح، اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو نامزد کرنا آپ کی فراخدلی اور اعلیٰ اخلاقی معیار کی دلیل ہے، یہ دونوں حضرات وہی ہیں جنہوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں تمام صحابہ کے سامنے افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بیان فرما کر پورے مجمع سے افضلیت ابوبکر پر تائید اور توثیق حاصل کی تھی، یہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل کس طرح ہو سکتے تھے، آپ نے ان دونوں کا نام پیش کر کے یہ ثابت فرمایا تھا کہ منصب خلافت کے حصول میں نہ دلچسپی اب ہے اور نہ پہلے تھی، میرا تو انتخاب کیا گیا ہے منصب خلافت کے

تقاضے پورے کرنے والا جو قریشی چاہے آگے آئے میں خلافت کا منصب چھوڑ کر اس کی بیعت کرنے کیلئے تیار ہوں، اس اعلان عام کے بعد بھی کوئی اہل، غیر اہل قریشی سامنے نہ آیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کا ہی اعلان عام آپ کی دلیل افضلیت بن گیا۔

سید صاحب سے تفضیلی شیعہ کے پیچھے نماز کے جائز ہونے پر فتاویٰ عزیزیہ سے جواب نقل کیا ہے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تفضیلی شیعہ کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں، (۱) کسانیکہ حضرت علی مرتضیٰ را بر شیخین تفضیل مے دہند، لیکن در محبت شیخین و تعظیم ایشاں، و مناقب و مدائح ایشاں و اتباع روش اطریقہ و تمسک باقوال و افعال ایشاں سرگرم و راسخ قدم اند، مانند آنکہ اہل سنت پھر فرمایا، وایں قسم تفضیلیہ داخل سنیان اند، لیکن دریں مسئلہ خطاء کردہ اند، و خلافت ایشاں را یا جمہور اہل سنت از قبیل خلاف اشعریہ با ماتریدیہ باید فہمید، امامت ایں قسم تفضیلیہ جائز است و نیندے از علمائے اہل سنت و صوفیہ ایشاں بریں روش بودہ اند، مثال عبدالرزاق محدث و سلمان فارسی، و حسان بن ثابت و بعضے صحابہ دیگر، و قسم دیگر از تفضیلیہ کسانے باشند کہ گویند، را محبت مرتضیٰ علی رضی اللہ عنہ و اولاد و اتباع طریقہ ایشاں و تمسک باقوال و اقوال ایشاں کافی است، و شیخین و صحابہ دیگر را بد نگوئیم با ایشاں در و کارے ہم نداریم نہ محبت نہ عداوت نہ اتباع نہ ترک اتباع نہ تمسک باقول و افعال ایشاں و نہ اعتراض ایں قسم تفضیلیہ بلاشبہ مبتدع اند و حکم امامت ایشاں حکم امامت مبتدع است، و ہیچکس از معتبران اہل سنت ایں قسم تفضیلیہ بنودہ است'' (فتاویٰ عزیزیہ ج ۱، ص: ۱۸۳، زبدۃ: ۲۰۸)

تفضیلیہ دو قسم ہے ایک قسم وہ ہے کہ جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو شیخین پر فضیلت دیتے ہیں، مگر شیخین کی محبت اور تعظیم میں نہایت ہی سرگرم ہیں، اور شیخین کے مناقب و مدائح بیان کرنے اور شیخین کے طریقہ اور ان کی روش کی اتباع کرتے ہیں، شیخین کے اقوال اور افعال پر عمل کرنے میں نہایت ہی مستعد اور راسخ قدم ہیں، جیسا کہ اہل سنت شیخین کو جناب علی مرتضیٰ کے افعال، اقوال افعال اپنانے میں سرگرم ہیں، تفضیلیہ کی یہ قسم اہل سنت و جماعت میں داخل ہے، لیکن پھر بھی اس قسم نے حضرت علی مرتضیٰ کو شیخین پر تفضیل دیکر خطا کی ہے اور اس مسئلہ میں ان لوگوں کا جمہور اہل سنت کے

ساتھ اختلاف اس طرح سمجھنا چاہیے جس طرح اشاعرہ اور ماتریدیہ میں اختلاف ہے اس قسم کے تفضیلیہ کی امامت جائز ہے، اہل سنت و جماعت کے کچھ علماء اور صوفیا اس روش پر ہوئے ہیں، مثلاً محدث عبدالرزاق، سلمان فارسی، حسان بن ثابت اور بعض دیگر صحابہ اس طرح تھے،، اور تفضیلیہ کی دوسری قسم وہ ہے جو کہتی ہے کہ ہمارے لئے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور آنجناب کی اولاد کی محبت ہی کافی ہے اور ان حضرات کے طریقہ، اقوال، افعال کی اتباع ہی کافی ہے اور ان کا کہنا ہے کہ ہم شیخین، اور دوسرے صحابہ کو برا نہیں کہتے، لیکن ان سے ہمیں کوئی سروکار نہیں، محبت ہے نہ عداوت، اتباع نہ ترک اتباع نہ ان کے قول و فعل پر عمل کرنا نہ اس سے اعراض کرنا، اس قسم کے تفضیلیہ بلاشبہ بدعتی ہیں جو بدعتی کی امامت کا حکم ہے وہی ان لوگوں کی امامت کے بارے میں ہے، اور اہل سنت کے معتبران علماء اور صوفیاء میں اس قسم کا کوئی تفضیلی نہیں ہوا،

شاہ صاحب رحمہ اللہ کی وضاحت سے معلوم ہوا کہ شیعہ تفضیلیہ بھی دو قسم ہے،

!: ایک قسم جو بظاہر سنی، اور اندر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین سے افضل مانتا ہے، یہ عقیدہ بھی غلط ہے اگر چہ وہ سنیوں کے سے افعال کرتا رہے، اس کے پیچھے نماز جائز ہے لیکن فقہاء نے حضرت علی مرتضیٰ کو شیخین (رضی اللہ عنہم) پر تفضیل دینے والے شخص کو بدعتی کہا ہے دیکھئے فتاویٰ شامی وغیرہ، اور تفضیلی شیعہ کی دوسری قسم کے پیچھے نماز پڑھنا بالاتفاق ناجائز ہے۔ سید صاحب نے عنوان قائم کیا فقہاء و محدثین کا ایک اور نقطہ نظر'' اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تکمیل الایمان سے یہ عبارت نقل کی: بعضے از فقہائے محدثین در شرح قصیدہ امالیہ نقل کردہ اند کہ افضلیت خلفائے اربعہ مخصوص بما عدائے اولاد پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

ترجمہ: بعض ان فقہاء محدثین نے قصیدہ امالیہ میں نقل کیا ہے کہ خلفاء اربعہ کی افضلیت امت پر، اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر ہے،،

آگے سید صاحب نے تبصرہ کیا اور کہا کہ قصیدہ امالیہ کے فقہاء و محدثین کے موقف سے پتہ چلا کہ علمائے امت کے ایک طبقہ نے خلفاء اربعہ کی افضلیت اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تسلیم نہیں کی،

جواباً کہا جائے گا کہ افضلیت دو قسم ہے ایک قسم وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی اولاد پاک کو بحیثیت اولاد رسول حاصل ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو کثرت ثواب، اسلام اور مسلمانوں کیلئے زیادہ نفع بخش، اخشی لِلّٰہ، اور اتقی ہونے کے لحاظ سے ہے، محدث ابن حجر مکی نے فرمایا: "ففی ذات اولادہ ﷺ من الشرف مالیس فی ذات الشیخین ولکنهما اکثر ثوابا، واعظم نفعاً للمسلمین والاسلام واخشیٰ لِلّٰہ واتقی ممن عداهما من اولادہ ﷺ فضلا عن غیرهم "(الصواعق المحرقه: ۵۹) ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کی اولاد پاک کی ذوات میں ایسا شرف اور ایسی فضیلت ہے جو شیخین کریمین کی ذوات میں نہیں ہے، لیکن کثرت ثواب، اسلام اور مسلمانون کیلئے زیادہ نفع بخش ہونے کے لحاظ سے، اللہ تعالیٰ سے زیادہ خوف، اور زیادتی ڈر کی وجہ سے شیخین کو وہ شرف اور فضیلت حاصل ہے باقی تو باقی رہے رسول اللہ ﷺ کی اولاد پاک کو بھی حاصل نہیں،،

معلوم ہوا رسول اللہ ﷺ کی اولاد پاک کو اولاد رسول ہونے کی وجہ سے وہ شرف حاصل ہے جو شیخین کریمین کو بھی حاصل نہیں،، لیکن کثرت ثواب، اسلام اور مسلمانوں کیلئے فوائد اور منافع ہونے کے لحاظ، تقوی اور خشیت الٰہی کے اعتبار سے شیخین کو اولاد رسول ﷺ پر فضیلت حاصل ہے۔ ہر دو کے شرف اور فضائل کے لحاظ سے کوئی منافات ہے نہ تضاد،،

سید صاحب نے عنوان قائم کیا "حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی تفضیل میں سلف کا اختلاف" پھر ابن عبدالبر اندلسی کے حوالے سے تحریر کیا کہ حضرت سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد بن الاسود، و جناب بن الدرت، جابر بن عبداللہ انصاری، ابوسعید خدری، وزیر بن ارقم (رضی اللہ عنہم) سے روایت کیا کہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دوسرے سبھی صحابہ سے افضل سمجھتے تھے،، (زبدۃ: ۲۱۰)

آگے نقل کیا کہ: یعنی یہ مسئلہ ان کے دور حیات (۴۶۳ ھ) میں ہی نہیں چھیڑا بلکہ سلف صالحین میں بھی بدستور اختلاف گزرا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھنا چاہیے یا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھنا چاہیے، مگر دونوں جماعتیں سنی سمجھی جاتی ہیں،، (زبدۃ: ایضاً)

جواباً کہا جائے گا کہ یہ اختلاف، ۳۶۲ھ میں رونما ہوا، جبکہ دور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مسئلہ متفق علیہا تھا، اسی طرح تابعین اور تبع تابعین کے ادوار میں بھی متفق علیہا رہا ہے، مذکورہ بالا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھتے تھے، تو ملاحظہ ہو کہ حضرت علی، حضرت عباس، حضرت زبیر اور دیگر بنو ہاشم حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہم) کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے، دار قطنی نے اس حدیث کی تخریج کی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا کہ میرے ہاں آئیں

"فاتاهم ابوبكر رضي الله عنه وقد اجتمعت بنوهاشم الى على فخطب و مدح ابابكر ثم اعتذر" دوسری روایت میں ہے "فتشهد علي فقال انا قدعرفنا فضلک وما اعطاک الله ولم ننفس عليک خيرا ساقه الله اليک" (الصواعق المحرقه : ۱۴، ۱۵) ترجمہ: ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے دولت کدہ پر تشریف لائے وہاں تمام بنو ہاشم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہلے سے جمع تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدح سرائی فرمائی، اور پھر بیعت نہ کرنے پر عذر پیش فرمایا،، دوسری روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کلمہ شہادتین بلند کیا، اور پھر فرمایا ہم آپ کی فضیلت و شرف کے معترف ہیں، اور جو جو فضائل اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے ہیں ان کا اعتراف کرتے ہیں، ہم خیر اور بھلائی کو آپ سے جدا نہیں گردانتے جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے ارزاں فرمائی ہے،، انصاف کی نظر رکھنے والا شخص تعصب کی حدود کو پھلانگ کر اگر حقیقت کو دیکھے تو برملا کہہ دے گا کہ کچھ لوگ افضلیت ابوبکر صدیق کو ابوبکر صدیق سے چھین کر حضرت مولا مرتضیٰ کو زبردستی دینا چاہتے ہیں مگر آپ لینا پسند نہیں کرتے بلکہ یہ اعلان فرماتے ہیں کہ استحقاق افضلیت صرف ابوبکر صدیق کو ہی حاصل ہے مجھے نہیں،،

دار قطنی نے یہ حدیث بھی تخریج کی ہے: وانا لنرى ان ابابكر احق الناس بها انه لصاحب الغار وثاني اثنين وانالنعرف له شرفه وكبره "(الصواعق المحرقه : ۱۴)

ترجمہ: اور بے شک ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ خلافت کے مستحق حضرت ابو بکر صدیق ہی ہیں، کیونکہ وہ صاحب غار، اور ثانی اثنین ہیں، اور بے شک ہم ان کی فضیلت اور عظمت کے معترف ہیں،، مقام غور ہے ابن عبد البر ۴۶۳ھ میں کہتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں لیکن حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت عباس اور بقیہ تمام بنو ہام پکار، پکار کر افضلیت ابو بکر، خلافت میں استحقاق ابو بکر کو بیان کرتے ہیں،، الباقلانی نے واضح کیا ہے کہ:

"لیس یجوز لمسلم اتقی اللہ ان یضیف الی علی بن ابی طالب علیہ السلام و الزبیر بن العوام التاخر عن بیعته باخبار آحاد، الخ" (التھمید. الصواعق المحرقہ: ۱۴)

ترجمہ: جو مسلمان اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ حضرت علی بن ابی طالب، حضرت زبیر بن العوام کی طرف یہ منسوب کرے کہ انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق کی بیعت دیر سے کی تھی۔ یعنی ان حضرات نے حضرت ابو بکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت سقیفہ بنی ساعدہ میں کی تھی، تاخیر سے بیعت کرنے والی روایات اخبار آحاد ہیں جو احادیث صحیحہ، متواترہ کے مقابل مردود ہیں، جب سقیفہ بنی ساعدہ میں تمام صحابہ کرام کے ہمراہ اور ان کی موجودگی میں حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت زبیر بن العوام نے، بیعت کر لی تو افضلیت ابو بکر بھی ثابت اور مسلمہ ہوگئی، اس کے بعد اگر کوئی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جناب ابو بکر صدیق سے افضل قرار دے تو اس کی خوش فہمی، بلکہ اعراض عن الحقیقت ہوگا جو کسی طور پر بھی قابل ستائش لائق تسلیم، اور وجہ ترجیح نہیں ہو سکتی، یہی حال ہے، حضرت سلمان فارسی، ابو ذر غفاری، مقداد بن الاسود، خباب بن الدرت، جابر بن عبد اللہ انصاری، ابو سعید خدری اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہم کا اگر یہ حضرات بوقت انتخاب سقیفہ بنی ساعدہ میں موجود تھے اور ان کی موجودگی میں فضائل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان ہوئے، انہوں نے سماعت کئے اور اعتراض نہ کیا تو یہ تسلیم ہے، اور اگر معترض ہوئے، انکار کیا تو بھی اجماع منعقد ہو گیا، محدث ابن حجر مکی نے فرمایا:

"ولا یقدح فی حکایة الاجماع تاخر علی ولا زبیر، ولا عباس و طلحة مدة لا مور منها" (الصواعق المحرقہ: ۱۴)

حضرت علی، حضرت زبیر بن العوام، حضرت عباس، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم کا درپیش امور کی وجہ سے تاخیر سے بیعت کرنا اجماع کیلئے نقصان کا باعث نہیں، ،سقیفہ بنی ساعدہ میں موجود ہوکر، بیعت کر لینے کے بعد تفضیل علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کا قول کرنا افضلیت ابو بکر کیلئے معارض ہے نہ نقیض،، سقیہ بنی ساعدہ میں مذکورہ بالا صحابہ کرام نے افضلیت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کا قول نہیں کیا اس پر خبر واحد سے بھی کوئی ثبوت مہیا نہیں ہوتا، تو اگر اجماع صحابہ کے بعد کوئی قول سامنے آتا ہے تو اجماع کے مقابل اس کی کوئی حیثیت نہیں، اجماع دلیل قطعی ہے، صحابہ کی رائے زیادہ سے زیادہ حدیث موقوف ہے جو اجماع کے مقابل مرجوح ہے،، محدث ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا: "واخرج البیھقی عن الزعفرانی قال سمعت الشافعی یقول اجمع الناس علی خلافة ابی بکر، و ذالک انه اضطرب الناس بعد رسول الله ﷺ فلم یجد و اتحت ادیم السماء خیرا من ابی بکر، فولوه رقابهم "(الصواعق المحرقه : ۱۳)ترجمہ: امام بیہقی نے الزعفران سے تخریج کی ہے کہ میں نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع صحابہ ہوا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد لوگ پریشان ہو گئے (کہ اب رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ کون ہوگا؟) لیکن صحابہ کرام نے جو ہر آسمان کے نیچے ابو بکر صدیق سے افضل کسی کو نہ پایا، پس انہوں نے اپنی گردنیں پھیر دیں (اطاعت کر لی) بیہقی کی اس روایت سے ثابت اور معلوم ہوا کہ امام شافعی سقیفہ بنی ساعدہ میں صحابہ کے اجماع کو اجماع مانتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ وہ اجماع رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد صرف انتخاب خلیفہ کیلئے ہوا تھا الائمۃ من قریش کے تحت قریشی صحابہ کرام کی ذوات کو اہلیت کیلئے موضوع بحث بنایا گیا لیکن آسمان نیلگون کے نیچے صحابہ کرام کو ابو بکر صدیق سے افضل کوئی فرد قریش نظر نہ آیا، تو انہوں نے بالا جماع آپ کو خلیفہ چن لیا، اور بیعت کی، اس عبارت میں کوئی ابہام نہیں بلکہ صراحت ہے کہ ابو بکر صدیق کی خلافت اور افضلیت اجماع صحابہ سے ثابت ہے،، اور اجماع صحابہ سے ہی معرض وجود میں آئی ہے ،، ابن عبد البر اندلسی کا یہ کہنا" واختلف السلف فی تفضیل علی و ابی بکر "غلط ہے خلاف

نقل ہے۔اسی طرح ابن عبدالبر کا یہ کہنا کہ سلمان فارسی ،ابی ذر، مقداد جناب، جابر، ابی سعید خدری زید بن ارقم رضی اللہ عنہم نے کہا کہ "ان علی بن ابی طالب اول من اسلم وفضله هوء لاء علی غیره " بھی غلط ہے،، کیونکہ اگر افضلیت کی بنیاد اوّل اسلام پر رکھی جائے تو حضرت خدیجۃ الکبری پھر سب سے افضل ہوں گی؟ کیونکہ سب سے پہلے وہ اسلام لائی تھیں (رضی اللہ عنہا) سید صاحب نے بھی زبدۃ:۵۸، پر اس کو نقل کیا ہے حضرت خدیجۃ الکبری، رسول اللہ ﷺ کی جانی، مالی ،اوراخلاقی معاون اور مددگار ہیں۔عاقلہ، بالغہ، سنجیدہ، اور معروف تاجرہ، اور رسول اللہ ﷺ کی حرم محترم ہیں، جبکہ حضرت علی کی عمر اس وقت بقول ابن اسحاق دس برس تھی،، بقول سید صاحب، حضرت حسان بن ثابت تفضیلی ہونے کے باوجود سب سے پہلا مرد مسلم ابوبکر صدیق کو قرار دیتے ہیں، اپنے اشعار کو بارگاہ رسالت میں پیش کر کے حدیث تقریری کا درجہ دلواتے ہیں، اور حضرت سلمان فارسی، ابوذر، ابوسعید خدری وغیرہ صحابہ کرام کا فرمان (علی سب سے پہلے اسلام لائے) زیادہ سے زیادہ حدیث موقوف ہے، موقوف کے مقابل حدیث تقریری کو ترجیح حاصل ہے، اس لحاظ سے بھی (یعنی مومن اوّل) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کیلئے افضلیت ثابت نہ ہوسکی، مزید شیخین کی افضلیت پر دلائل قطعیہ موجود ہیں جیسا کہ گزشتہ اوراق میں اس کی پوری تفصیل آچکی ہے دیکھ لی جائے، دلائل قطعیہ کی موجودگی میں حدیث موقوف قابل حجت ہی نہیں۔ جہاں تک حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے حضرت زید بن علی بن الحسین رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا تعلق ہے اس کے بارے میں کوئی ثبوت دستیاب نہیں، صرف سید صاحب نے تحریر کردیا ہے، ہاں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اتنا تحریر کیا ہے کہ: وباجماع مورخین طرفین ثابت است کہ چوں زید بن علی برمروانیاں خروج فرمود ابوحنیفہ اورا بدوازدہ ہزار دینار سرخ مدد نمود و در کوفہ بیان مناقب و مدائح اہلبیت وآنکہ نصرت دادن زید بن علی دریں زمانہ موجب نصرت درسلام است، شروع کرد، ودر حقیقت باعث قید کردن ابوحنیفہ کہ در عہد منصور عباسی واقع شد وگویند کہ منصور ایشاں را بزہر کشت ہمیں بود کہ ایشاں را با اہل بیت رسول رسوخ ومحبت بسیار بود" (تحفہ اثنا عشریہ کید ہشتاد و دوم)

ترجمہ: شیعہ، سنی مکتب فکر کے تمام مورخین سے یہ ثابت ہے کہ جب زید بن علی رضی اللہ عنہما نے مروانیوں کے خلاف خروج کیا (علم بغاوت و جہاد بلند کیا) امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس کو بارہ ہزار سرخ دینار دیکر اسکی مدد کی اور کوفہ میں اہل بیت کے فضائل اور تعریفات کا سلسلہ شروع کر دیا، اور لوگوں سے کہا کہ اس وقت زید بن علی رضی اللہ عنہ کی مدد، اور تائید دین واسلام کی مدد کا سبب ہے، اور در حقیقت منصور عباسی کے دور میں آپ کے قید کئے جانے کا اصلی سبب یہی تھا، منصور نے زہر خورانی سے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرایا اسکی بنیادی وجہ یہی تھی کہ آپ کو اہل بیت رسول سے والہانہ محبت تھی۔ اگر سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے زید بن علی رضی اللہ عنہ کی مالی معاونت کی تو صرف اس وجہ سے یہ اہل بیت میں سے تھے اور جناب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو اہل بیت سے بے پناہ محبت تھی اور اسی محبت کی پرخاش اور پاداش میں آپ کو گرفتار کر کے جیل ڈالا گیا، اور اہل بیت رسول کی محبت میں ہی جام شہادت نوش فرمایا۔

لیکن اس سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ آپ تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے دعویدار کو اچھا یا سنی سمجھتے تھے،، اگر امام موصوف کا عقیدہ تفضیل علی رضی اللہ عنہ کی صحت اور حقانیت پر ہوتا یا کسی بھی حوالے سے اس کو جائز سمجھتے تھے، تو اپنی شہرہ آفاق تصنیف فقہ اکبر میں یہ کیوں فرماتے کہ انبیاء کے بعد جناب ابوبکر صدیق سے افضل ہیں، اگر امام موصوف حق گوئی پر قید و بند کی صعوبتیں برداشت اور جام شہادت نوش کر سکتے ہیں تو تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ رکھنے والے شخص کو غلط نہیں کہہ سکتے تھے،، بہر حال زید بن علی کے ساتھ روابط عقیدت اور مالی تعاون صرف اہل بیت رسول ہونے کی وجہ سے تھا ساری کاروائی سیاسی مفاہمت کا نتیجہ تھی، ایمان واعتقاد کی بناء پر نہ تھی، حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی اہل بیت رسول سے محبت ہونے کی آڑ میں یہ امر قابل تسلیم نہیں کہ تفضیلیہ سنی ہوتا ہے،، اور جناب امام اعظم تفضیلیہ کے معتقد اور پیروکار تھے،، ابن حزم اندلسی کی کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل: ۴:۱۱۱، سے سید صاحب نے دلیل پیش کی کہ بیس صحابہ کے نزدیک حضرت علی ابن طالب، اور زبیر بن العوام رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں سب سے افضل تھے،، (زبدۃ: ۲۱۳) احادیث کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ

آپ ﷺ اپنے ہر صحابی کو دل و جان سے چاہتے ،اس کی عقیدت ،محبت اور امتثال امر کے مطابق اپنی مستجاب اور نورانی دعاؤں سے نوازتے ،حفظ مراتب کا خیال فرماتے ،اور فضائل اور تعریفات سے بھی مزین فرماتے لیکن چونکہ ہر دو حضرت کا تعلق اہل بیت سے ہے فطری تقاضوں کے تحت ان کو افضل سمجھنا قرین قیاس ہے لیکن ان کے محبوب ہونے اور ان کو افضل قرار دینے سے افضلیت ابوبکر متاثر نہیں ہوتی اقوال صحابہ ،حدیث موقوف کے حکم میں ہیں ،جبکہ افضلیت ابوبکر پر دلائل قطعیہ وارد ہیں دلائل قطعیہ کو ترجیح حاصل ہے ،۲: قابل قدر احادیث صحیحہ موجود ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے افضلیت ابوبکر بیان فرمائی ہے ،ادھر روایات صحابہ ہیں ،جن کے تقابل اور توازن میں حدیث رسول کریم کو ترجیح حاصل ہے،،

۲: ابن حزم اندلسی ایک غیر معتبر شخص ہے اس کی تقریر ،تحریر ،غیر معتبر ہے کیونکہ یہ شرع کی چوتھی دلیل قیاس کا منکر تھا ،فروعات کو برا جانتا ،اصولیات میں من گھڑت تاویلیں کرتا ،صفات باری تعالیٰ پر مشتمل آیات اور احادیث کی غیر منطقی تفسیر کرتا ،ہر شرعی حکم کو منطقی اصولوں پر پرکھتا ،اور یہ پہلا شخص تھا جس نے دینیات کو منطبق کی نظر سے دیکھا ،وقت کے علماء نے اس کی ان حرکات کو دیکھ کر مسترد کر دیا تھا ظاہری فرقہ کا پیروکار تھا ،،(اس کیلئے دیکھئے البدائیہ والنہایہ:۱۲:۹۸)

سید صاحب لکھتے ہیں کہ امام عبدالکریم شہرستانی رحمہ اللہ اپنی کتاب الملل والنحل:۱:۱۵۵،،پر رقمطراز ہیں ''کان مذھبہ جواز امامۃ المفضول مع قیام الافضل ،فقال کان علی بن ابی طالب افضل الصحابۃ الا ان الخلافۃ فوضیت الی ابی بکر لمصلحۃ راوھا وقاعدۃ دینیۃ راعوھا ''ترجمہ: ان کا مذہب یہ تھا کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت درست ہے سوا نہوں نے کہا علی رضی اللہ عنہ سب صحابہ سے افضل تے ،مگر یہ کہ خلافت ابوبکر کو سونپی گئی ،وہ کسی مصلحت کے تحت تھی ،جس کو انہوں نے مدنظر رکھا اور کسی قاعدہ دینیہ کے مطابق تھی جس کی انہوں نے پابندی کی ،،
خلاصہ یہ ہے کہ وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مکمل افضلیت کے مدعی تھے ،اس کے باوجود وہ سنی تھے اب یہ دیکھنا چاہیں گے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت کی یا نہ کی؟ عبدالکریم

شہرستانی اپنی کتاب :۱:۱۵۸، کوزیورتحریر سے آراستہ کرتے ہیں: ''و کان ابو حنیفة علی بیعته ومن جملة شیعتة حتی رفع الامر الی المنصور فحسبه حبس الابد حتی مات فی الجس ''ترجمہ: حضرت امام ابوحنیفہ ان کی بیعت پر تھے اور ان کے شیعہ میں سے تھے، حتی کہ معاملہ منصور عباسی تک پہچایا گیا، تو اس نے زندگی بھر کی قید دے دی، یہاں تک جیل میں ہی واصل باللہ ہوئے،، سید صاحب نے تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کیا کہ یہ کہنا بھی کیسے ممکن ہوگا، کہ حضرت ابوبکر صدیق کی افضلیت پر اجماع ہو گیا تھا۔

جواباً کہا جائے گا زید بن علی نے مروایتوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اولا درسول ہونے، اور حب آل بیت سے سرشار ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ اخلاقی اور مالی تعاون کیا، اور اپنے عقیدے کی روشنی میں اہل بیت کی مدح وتعریف شروع کردی اور کوفیوں کو یہ باور کرایا کہ زید بن علی الحسین کی سیاسی اور اخلاقی اور مالی معاونت گویا اعانت دین واسلام ہے اگر یہ بیعت تھی تو صرف سیاسی اور اخلاقی بیعت تھی، یعنی معاونت،، اگر یہ بیعت شرعی ہوتی، اور امام ابوحنیفہ زید بن علی کے متوسلین، اور مخلصین میں سے ہوتے تو لامحالہ جناب امام رضی اللہ عنہ کا عقیدہ بھی وہی ہوتا جو زید بن علی کا تھا، لیکن عقیدۂ امام اس کے برعکس ہے، جناب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فقہ اکبر میں فرمایا انبیاء کے بعد جناب ابوبکر صدیق افضل البشر ہیں (رضی اللہ عنہ) یہ کیسی بیعت اور کیسی شیعیت ہے، شیخ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو صدیق اکبر سے افضل مانتا ہے مگر اس کا مرید معتقد اور متوسل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل البشر بعد الانبیاء مانتا اور عقیدہ رکھتا ہے،،

۲: حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے شاگرد خاص ہیں، آیئے دیکھیں کہ استاد (امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ) کا دربارۂ افضلیت کیا عقیدہ ہے؟ ایک شخص آپ کے پاس حاضر ہوا وھو مریض فقال اللھم انی احب ابابکر وعمر فان کان فی نفسی غیرہ فلا تنلنی شفاعة محمد ﷺ ''(الریاض النضرة : ۱ : ۶۹)

ترجمہ: اے میرے رب میں ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے محبت کرتا ہوں اگر اس

کے خلاف میرے دل میں ہو تو مجھے محمد ﷺ کی شفاعت نصیب نہ ہو،، اگر امام جعفر صادق کا عقیدہ تفضیل علی کا ہوتا تو بحالت مرض اتنی بڑی قسم کے ساتھ شیخین کی محبت کا اعلان کیوں فرماتے۔ ایک اور روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "وعنه قد سئل عنهما فقال اتسئل عن رجلين قد اكلا من ثمار الجنة" (الرياض النضرة : ۱ : ۶۹)

ترجمہ: آپ سے ابو بکر صدیق اور حضرت عمر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کیا تم ایسے دو مردوں کے متعلق پوچھتے ہو جو جنت کے پھلوں سے بہرہ ور ہو چکے ہیں،، حالانکہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی جنتی ہیں مگر ان کا نام نہ لیا،،

۳: اگر زید بن علی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق سے افضل مانتے تھے تو اس میں کونسی دلیل افضلیت ہے ہر شخص اپنے جد اعلیٰ کی تعریف کرتا اور بقیہ لوگوں سے افضل ہی قرار دیتا ہے،

۴: اس میں احتمال ہے کہ وہ حسب ونسب اور داماد رسول اللہ ﷺ کے ناطے ابو بکر صدیق سے افضل مانتے ہوں،،

۵: بایں ہمہ عبد الکریم شہرستانی کی تصنیف الملل والنحل اور اس کا فارسی ترجمہ تنقیح الادلۃ والعلل شیعہ کتب کے طور پر مشہور ومعروف ہیں، (الذریعۃ الی تصانیف الشیعہ :۲۲: ص ۲۲۰۔ مطبوعہ بیروت الکنی والالقاب، ج:۲: ص:۳۷۴) حالات شہرستانی مطبوعہ تہران میزان الکتب،، ۲۸۹، ۲۹۱) علمائے اہل سنت وجماعت کے نزدیک صاحب الملل والنحل شہرستانی غالی شیعہ ہے،،

"في تاريخ شيخنا الذهبي ان ابن سمعاني ذكر انه كان متهما بالميل الى اهل القلاع يعني الاسماعيلية والدعوة اليهم، والنصرة بطاعتهم وانه قال انه تحبير انه متهم بالالحاد والميل اليهم غال في التشيع" (طبقات شافعيه الكبرى، جزرابع : ۷۹، بحواله ميزان الكتب : ۲۹۳)

ترجمہ: شیخ ذہبی متوفی ۷۴۸ھ کی تاریخ میں ہے کہ ابن سمعانی نے شہرستانی کے متعلق تحریر کیا ہے کہ وہ فرقہ اسماعیلیہ کی طرف مائل تھا، (جو شیعہ ہے) اور ان کے نظریات کی لوگوں کو دعوت دیا کرتا تھا، اور ان لوگوں کی مدد کرتا جو اسماعیلی ہوتے تھے، انہوں نے "تحبیر" نامی کتاب میں کہا ہے کہ شہرستانی

بے دینی کی وجہ سے بدنام تھا اور بے دینوں کی طرف اس کا میلان تھا شیعیت میں بہت غالی تھا ، (یعنی عام شیعوں کی بہ نسبت متعصب اور پرلے درجے کا ضدی شیعہ تھا)

اسی پر منہاج السنۃ سے ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے: "بل هو ينقل من كتب من صنف المقالات قبله مثل ابی عیسیٰ الوراق وهو من المصنفين للرافضه المتهمين فى كثير من الصحابة، وبالجملة فالشهرستانی يظهر الميل الى الشيعة "منهاج السنه لابن تيميه، خبر ثالث: ۲۰۷، ۲۰۹، ميزان الكتب: ۲۹۴)

ترجمہ: شہرستانی اپنے سے پہلے مصنفین کی کتابوں سے نقل کرتا ہے جیسا کہ ابو عیسیٰ وراق جو شیعہ مصنفین میں سے تھا وہ اپنی بہت سی تحریرات میں بدنام تھا، اس نے کچھ باتیں معتزلہ کی درج کیں جنہوں نے بہت سے صحابہ کرام پر طعن کئے ہیں مختصر یہ کہ شہرستانی کا میلان شیعیت کی طرف تھا،، مندرجہ بالا تحریری تحقیق سے یہ حقیقت بے نقاب ہوگئی کہ شہرستانی غالی شیعہ تھا، اس نے شیعیت کی دعوت، اور تبلیغ نظریات میں الملل والنحل کتاب تحریر کی، اس نے یہ کتاب ایک شیعہ رئیس کے حکم پر لکھی،، اور وہ حکومت کا اہلکار تھا اس کی پوری تفصیل امام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ جز ثالث میں نقل کی ہے،، ہمارا مقصد تحریر صرف اسقدر ہے کہ شہرستانی غالی شیعہ تھا، شیعہ مذہب کا مبلغ اور شیعہ مسلک کا مصنف تھا، اس کا کوئی حوالہ معتبر نہیں،، مردود اور باطل ہے،، سید صاحب نے تحریر کیا کہ زید بن علی، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھتے تھے، اور حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ان سے بیعت تھے، تو لامحالہ ان کے پیچھے نماز بھی پڑھی ہوگی، اور پڑھی اس لئے ہوگی کہ نماز ہوتی ہوگی، تو معلوم ہوا کہ افضلیت علی کا عقیدہ رکھنے والے کے پیچھے نماز جائز ہے،، (زبدۃ: ۲۱۷)

اس پر پہلے حوالہ جات آچکے ہیں کہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین سے افضل جانے وہ بدعتی ہے اور بدعتی کے پیچھے نماز درست نہیں، سید صاحب نے خود امام ابو یوسف کے حوالے سے نقل کیا کہ: "من اتخذ من هذه الاهواء شيئا فهو صاحب البدعة" جو ان اھواء سے کوئی صفت اختیار کرے وہ بدعتی ہے۔ دوسرا حوالہ تحریر کیا کہ "وروى محمد عن ابی حنیفة، وابی یوسف ان

الصلوۃ خلف اهل الاهواء لا تجوز" سید صاحب نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے: ترجمہ: امام محمد نے امام ابو حنیفہ وابو یوسف (رحمہم اللہ) سے روایت کیا اہل اہواء (غیر اہل سنت) کے پیچھے نماز درست نہیں،، (زبدۃ: ۱۴۵)

تفضیل علی کا قائل بدعتی ہے، اور فقہاء ثلثہ جن میں سرفہرست جناب امام ابو حنیفہ ہیں ان کا مذہب یہ ہے کہ بدعتی کے پیچھے نماز جائز نہیں، جب امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے تو امام رحمہ اللہ زید بن علی کے پیچھے نماز کیوں اور کیسے پڑھتے ہوں گے؟ مزید حکم شرعی کیلئے دلیل کا ہونا ضروری ہوتا ہے جب فقہاء کسی چیز کو مکروہ کہتے ہیں تو اس کیلئے بھی دلیل لاتے ہیں، دیکھئے فتاویٰ شامی، نماز فرض ہے باجماعت ادائیگی بشرط حضور وحصول واجبات میں سے ہے، ایک واجب کا ثبوت تو ایسی دلیل پر موقوف ہے جو قطعی الثبوت اور ظنی الدلالۃ ہو،، سید صاحب نے تو،، شک جب ان سے بیعت کی تو نماز بھی ان کے پیچھے ضرور پڑھی ہوگی،، کی بنیاد پر ایک حکم جاری کر دیا ہے اور خود امام ابو حنیفہ کے مسلک، مذہب اور مزاج کے خلاف جاری کر دیا ہے،، کہ تفضیل علی کے قائل کے پیچھے نماز جائز ہے،، جو تصریحات آئمہ کی موجودگی میں قابل حجت اور لائق تسلیم نہیں۔

سید صاحب نے افضلیت ابو بکر صدیق، اور افضلیت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کو اشاعرہ اور ماتریدیہ کا اختلاف (نزاع لفظی) قرار دیا ہے جو سراسر غلط، اور حقائق سے چشم پوشی ہے،، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے اپنے فتاویٰ میں تفضیلیہ کی دو قسمیں بتائی ہیں، اور قسم اول کی اہل سنت و جماعت اور جمہور کے ساتھ جو مخالفت بیان کی ہے اس کو ماتریدیہ اور اشعریہ کے اختلاف سے تشبیہ دی ہے، تفضیلیہ کی قسم اول کا اختلاف جمہور اہل سنت کے ساتھ اسی نوعیت کا ہے جس طرح کا اختلاف اہل سنت کے اشاعرہ اور ماتریدیہ کے درمیان ہے،، ملاحظہ ہو شاہ صاحب کی اصل عبارت: "وایں قسم تفضیلیہ داخل سنیان اند لیکن دریں مسئلہ خطاء کردہ اند، وخلاف ایشاں را با جمہور اہل سنت از قبیل خلاف اشعریہ با ماتریدیہ باید فہمید، امامت ایں قسم تفضیلیہ جائز است" (زبدۃ: ۲۰۷) ترجمہ: تفضیلیہ کی یہ قسم اہل سنت میں داخل ہے البتہ ان لوگوں نے اس مسئلہ تفضیل میں خطاء کی ہے اور اس مسئلہ

میں ان لوگوں کا جمہور اہل سنت کا ساتھ اختلاف ایسا ہی سمجھنا چاہیے جیسا اشعریہ اور ماتریدیہ میں اختلاف ہے'' زبدۃ:۲۰۸)

واضح ہو تفضیلیہ کی پہلی قسم،، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتے ہیں مگر شیخین کی محبت و تعظیم میں نہایت سرگرم ہیں، شیخین کے مناقب و مدائح بیان کرنے اور شیخین کے طریقہ اوران کی روش کی اتباع کرنے اور شیخین کے اقوال اور افعال پر عمل کرنے میں نہایت مستعد اور راسخ قدم ہیں، کا اختلاف جمہور کے ساتھ ایسا ہے جسطرح ماتریدیہ اور اشاعرہ کا اختلاف ہے، شاہ صاحب رحمہ اللہ نے علی الاطلاق تفضیلیہ اور جمہور اہل سنت کے اختلاف کو، اشعریہ اور ماتریدیہ کے اختلاف سے تشبیہ نہیں دی۔

تا کہ یہ کہہ دیا جائے شاہ صاحب نے افضلیت ابوبکر صدیق اور افضلیت حضرت علی رضی اللہ عنہما کے درمیان اہل سنت اور تفضیلیہ کے اختلاف کو ماتریدیہ اور شعریہ کے اختلاف سے تشبیہ دی ہے،، سید صاحب کو فہم عبارت میں سہو ہوا ہے،، اسی طرح سید صاحب کا یہ تحریر کرنا کہ ''جس کا معنی یہ ہوتا ہے دونوں حق ہیں، جس کو بھی اختیار کیا جائے حق ہے فرق ہوگا تو اولیٰ اور غیر اولیٰ ہوگا،، الخ'' زبدۃ:۲۱۸)
جواباً کہا جائے گا کہ افضلیت ابوبکر صدیق اور افضلیت حضرت علی رضی اللہ عنہ اعمال کا مسئلہ نہیں بلکہ اعتقادی ہے، اور اعتقادیات امور توقیفیہ ہیں، جن کا وجود اور ثبوت دلائلہ قطعیہ کا مرہون منت ہے، اور مورد شرع کے تابع ہے، افضلیت ابوبکر کا ثبوت ادلہ قطعیہ ہے، بالخصوص اجماع صحابہ جو دلیل شرعی اور دلیل قطعی جمہور اہل سنت کا یہ عقیدہ سلف و خلف سے چلا آرہا ہے، اس کے خلاف جوازیت تو در کنار بلکہ امر ضلالت ہے،، کسی چیز کا اولیٰ اور غیر اولیٰ ہونا اس کے جائز ہونے کی دلیل ہے اور اولیٰ اور غیر اولیٰ کا مسئلہ ہوتا تو آئمہ مذہب تفضیلیہ کو اہل بدعت قرار دے کر اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا کیوں ممنوع قرار دیتے؟ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے تفضیلیہ کی قسم اول کو بھی غلط قرار دیا ہے باوجودیکہ تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ ان کے جملہ اقوال، افعال، شیخین کی مدح، تعریف، عقیدت و مودت اہل سنت اور جمہور کے عقیدہ کے آئینہ دار ہیں، پھر اگر خبر احاد سے ایک فضیلت ثابت

کیجائے بلکہ اجماع امت اس فضیلت کے مقابل فضائل کثیرہ ثابت کرے تو عمل اور عقیدہ ان فضائل پر ہوگا جن کو اجماع امت نے ثابت کیا ہے،، اہل سنت وتفضیلیہ کے مابین در بارہ افضلیت ابوبکر وعلی رضی اللہ عنہما اشعریہ اور ماتریدیہ کی طرح نزاع لفظی کا مسئلہ نہیں، بلکہ اجماعی، اجتماعی اور اعتقادی ہے سید صاحب نے استاذ ابوزہرہ مصری کی کتاب ''حیات حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ'' کے حوالے سے تحریر کیا کہ: یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے افضل الصحابہ رضی اللہ عنہم ہونے کے عقیدہ میں شیعہ منفرد نہ تھے بلکہ بعض صحابہ بھی اس کے قائل تھے، چنانچہ عمار بن یاسر، مقداد ابن الاسود، ابوذر غفاری، سلمان فارسی، جابر بن عبداللہ انصاری، ابی بن کعب، حذیفہ، بریدہ، ابوایوب انصاری سہل بن حنیف، عثمان بن حنیف، ابوالہیثم، خزیمہ بن ثابت، ابوالطفیل، عامر بن واثلہ، عباس بن عبدالمطلب ان کے بیٹے اور تمام بنی ہاشم تفضیل علی کا عقیدہ رکھتے تھے،، (زبدۃ: ۲۱۸) یہ وہی صحابہ ہیں جن کا ذکر ابن حزم اندلسی نے اپنی کتاب الفصل فی الملل والاہواء والنحل: ۴: ص: ۱۱۱،، پر نقل کیا ہے اور سید صاحب نے اپنی کتاب: زبدۃ: ۲۱۳: پر کیا ہے،،

جواباً کہا جائے گا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا کی وفات تک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی، ان کی وفات کے بعد حضرت علی نے بیعت کی، واقعہ یوں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر بلایا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے گھر تشریف لے گئے: ''حتی دخل علی علی وقد جمع بنی هاشم عنده فقام علی محمد الله واثنی علیه بما هو اله ثم قال اما بعد: .فانه لم یمنعنا ان نبایعک یا ابابکر انکاراً ،لفضیلتک ولا نفاسة علیک بخیر ساقه الله الیک ولکنا کنا نری ان لنا فی هذ الامر حقاًفاستبدرتم به علینا ''(الریاض النضرة : ۱ : ۲۴۳)

ترجمہ: آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دولت کدہ پر تشریف فرما ہوئے وہاں ان کے پاس تمام بنی ہاشم جمع تھے، حضرت علی اٹھے پھر اللہ تعالٰی کی حمد وثنا بیان کی، جو اس کی شان کے لائق ہے پھر فرمایا حمد

وثناء کے بعد اے ابو بکر آپ کی بیعت نہ کرنے کا مقصد یہ نہیں کہ ہم آپ کی افضلیت کے منکر ہیں ،اور نہ ہی ہم اس خیریت سے انحراف کرتے ہیں جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے ارزاں فرمائی ہے ہمارے رکنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے امر خلافت میں ہم سے مشاورت نہیں کی۔

محب الدین طبری رحمہ اللہ نے نقل فرمایا: "فلماصلی ابوبکر الظهر اقبل علی الناس ثم عذر علیا ببعض مااعتذربه ثم قام علی معظم من حق ابی بکر فذکر فضیلته وسابقته ثم مضی ابی بکر فبایعه ،واقبل الناس الی علی فقالوا ،اصبت واحسنت ،حدیث صحیح متفق علیه "(الریاض النضرة : ۱ : ۲۴۳)

ترجمہ: جب ابو بکر ظہر کی نماز سے فارغ ہوئے تو آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے ،حضرت علی نے بیعت نہ کرنے کا جو عذر پیش کیا تھا وہ لوگوں کو بتایا ،پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے ،اور حضرت ابو بکر کے استحقاق خلافت کی عظمت بیان کی ،،(یہ آپ کا ہی استحقاق تھا) پھر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت بیان کی اور ان کی سبقت کو بیان کیا (ابو بکر صدیق سب سے افضل اور سب کے سردار ہیں) پھر چل کر ابو بکر صدیق کے پاس گئے اور لوگوں کے سامنے بیعت کی ،لوگوں نے متوجہ ہو کر حضرت علی سے کہا آپ نے ایک درست اور صحیح کام کیا اور بہت اچھا کام کیا ،، یہ حدیث صحیح اور متفق علیہ ہے،،

حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کا یہ قول بھی موجود ہے جس کو محب الدین طبری رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے "وقال علی والزبیر ماغضبنا الا ان اخرنا عن المشورة ،وان ابابکر احق الناس بها بعد رسول الله ﷺ وانه لصاحب الغار وثانی اثنین وانا لنعرف شرفه ولقد امره رسول الله ﷺ بالصلوة للناس وهو حی "(الریاض النضرة : ۱ : ۲۴۲)

ترجمہ: حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خطاب ذیشان کے بعد یہ فرمایا کہ ہم نے اس لئے ناراضگی (غصہ) کی کہ ہمیں مشورہ میں موخر (شامل نہ) کیا گیا ،اور بے شک ابو بکر صدیق رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت کے زیادہ حقدار ہیں ،اور بے شک ہم البتہ ان

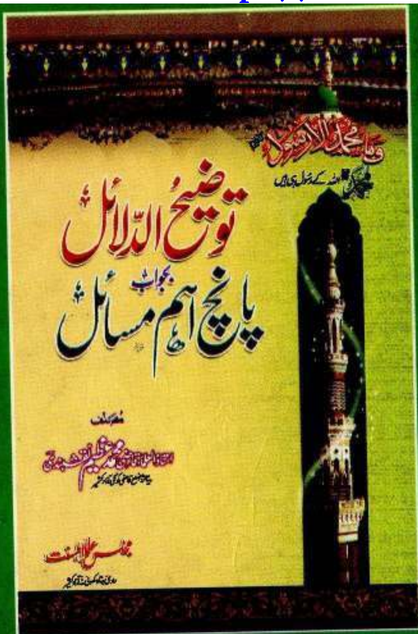
کے شرف (افضلیت) کا اعتراف کرتے ہیں، بے شک البتہ وہی صاحب غار، اور ثانی اثنین ہیں ،اور البتہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں انہیں لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا،، الریاض النضرۃ کے یہ اقتباسات ایک مضبوط نا قابل تردید شہادت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر تمام بنی ہاشم افضلیت ابوبکر صدیق کے قائل اور معترف تھے، جس کا اظہار انہوں نے بیت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر کیا، جن صحابہ کا ذکر استاذ ابوزہرہ مصری اور ابن حزم اندلسی نے کیا ہے کیا یہ سقیفہ بنی ساعدہ میں موجود نہیں تھے؟ کیا انہوں نے بیعت نہیں کی تھی؟ اس پر محب الدین طبری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ثم انهم بايعوا كلهم فمنهم من اسرع بيعته و منهم من تاخر حينا الا ماروى عن سعد بن عباده فانهم قالوا ادركته المنية قبل البيعة ''(الرياض النضرة : ۱ : ۲۴۱)

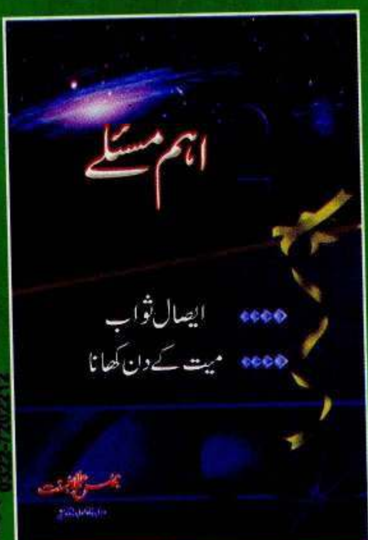
ترجمہ: پھر بے شک ان سب لوگوں نے بیعت کی ان میں سے بعض نے جلدی بیعت کر لی، اور بعض نے کچھ وقت کیلئے تاخیر کی، ہاں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت کیا گیا ہے کہ وہ بیعت سے پہلے فوت ہو گئے تھے، جب سب نے بیعت کر لی تو حضرت ابوبکر صدیق کو، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھ کر بیعت کی یا مفضول سمجھتے تھے تو بھی جب اہل الحل والعقد نے حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو افضلیت اور اہلیت ابوبکر کامل اور مکمل ہو گئی، اور مفضولیت جاتی رہی۔

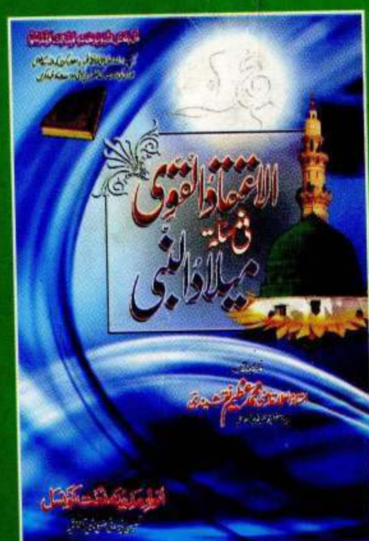
نوٹ: بحمد اللہ تعالیٰ زبدۃ کے نصف حصہ کا جواب یہاں تک تحریر ہوا ہے، ضخامت کتاب کے خوف سے جواب کو دو جلدوں میں تحریر کرنا مناسب خیال کیا گیا ہے جلد اول ہدیہ ناظرین ہے دوسری جلد انشاء اللہ بہت جلد منظر عام پر آ رہی ہے اللہ تعالیٰ اہل سنت و جماعت کو استفادہ کرنے اور ہمیں دوسری جلد جلد پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ☆

مجلس علماء اہل سنت و جماعت کھوئیرٹہ، کوٹلی آزاد کشمیر

استاذالعلماء کی دیگر علمی تصانیف







مجلس علما اہلسنت وادی بناہ کھوئی رٹہ آزاد کشمیر

0344-5751600, 0355-8103999, 0301-5802417
0346-5286259, 0300-9536420, 0312-9537375